الف

عمیرہ احمد

EPISODE 1-12



رمز بیخودی

RAMZ-E BEKHUDI

الف

قسط نمبر 01

جانِ جہاں!

آج تمہیں گئے 423 دن ہو گئے۔ بلکہ لگتا ہے 423 سال ہو گئے۔ تم نے میری زندگی کے اُن دنوں کو جو تمہارے ساتھ لمحوں کی طرح گزرے تھے سال بنا دیا ہے۔ مجھے کئی بار لگتا ہے میں ریت کی گھڑی ہوں جو پچھلے 423 دنوں سے تمہاری واپسی کے دنوں کو منٹوں، گھنٹوں کی طرح گنتے ہوئے اُسی ریت کی طرح گرتی بھرتی جا رہی ہوں۔

تمہیں یاد ہے، ہم پہلی بار جب ملے تھے، تو دوسری ملاقات میں یہ ساری باتیں تم نے کہی تھیں۔ وقت کے منٹوں، گھنٹوں کو گننے کی، نہ گزرنے کی، لمحوں کی سست رفتاری کی، سالوں جیسا لگنے کی اور تب ہماری پہلی اور دوسری ملاقات میں بس ایک دن ہی تو آیا تھا۔

آج میں 423 پہاڑ سر کر کے بیٹھی ہوں۔ تم نے مجھے موم کا بنا دیا ہے۔ جل جل کر پگھلنے والا موم پر ختم نہ ہونے والا، راکھ نہ بن سکنے والا اور تم جو سزا دے کے گئے ہو وہ بہت لمبی ہو گئی ہے۔ پر تمہاری دی ہوئی ہے اس لیے کاٹوں گی۔

آج چھت کی بیل میں پہلا پھول کھلا۔ تمہارے ہاتھ کی لگائی ہوئی بیل میں، کاسنی رنگ کا پیلا پھول۔ تین کلیاں اور بھی ہیں جو کل صبح میرے جاگنے تک کِھل چکی ہوں گی۔ بہار آ رہی ہے۔ ہر بار تم مجھے چھت کی اس بیل میں پیلا پھول کھلنے کی خبر دیا کرتے تھے۔ بہار بھی سب سے پہلے تم کو اپنے آنے کی خبر دیا کرتی تھی اور تم مجھے سفید گلاب لا کر دیا کرتے تھے۔ یہ سبز بہار اُن سفید گلابوں کے بغیر کبھی بہار نہیں لگتی تھی۔ مجھ سے تمہارا لگایا ہوا ہر پودا ہر پیڑ تمہاری باتیں کرتا ہے، تمہارا پوچھتا ہے۔ پچھلے سال تمہیں پوچھتے پوچھتے وہ خزاں کی لپیٹ میں آ گئے۔ اس بار پھر تمہارا پوچھتے پوچھتے سرسبز ہو رہے ہیں۔ صرف ایک میں ہوں جس پر ایک ہی موسم ہے۔ پت جھڑ کا اور ٹوٹنے بکھرنے کا۔

وہ سارے پرندے پھر سے آنے لگے ہیں جن کی بولیوں اور چہچہاہٹوں کے معنی تم مجھے بتایا کرتے تھے۔ وہ کب کیا مانگ رہے تھے، کیا کہہ رہے تھے، کیا چاہ رہے تھے، کون خوش تھا، کون اُداس۔ کون اپنے ساتھی کے ملن کی خوشی منا رہا تھا، کون اپنے ساتھی کی جدائی کا غم۔ کون گیت گا رہا تھا اور کون نوحہ...... یہ سب صرف تمہیں پوچھنا آتا تھا مجھے نہیں اور مجھے لگتا تھا مجھے کبھی آ بھی نہیں سکتا پر جانِ جہاں تمہارے بغیر گزرے ان 423 دنوں میں یہ بولی بھی بوجھنے لگی ہوں میں۔ اُن میں سے ہر ایک مجھ سے

صرف تمہارا پوچھتا ہے کہ وہ جو اس پہاڑ کے دامن میں، اس گھر کے پھولوں کے بیچوں بیچ چاندنی راتوں میں اور خنک سویروں میں اپنے سفید لباس میں ناچتا سماع کرتا تھا وہ کہاں ہے۔ جس کے پاؤں کی گردش کی بے اختیاری رومی کے مصرعوں کے وجد جیسی تھی۔ وہ اب کہاں ہے اور جس کے بازوؤں کی جنبش ہواؤں میں اپنا راستہ بناتی تھی وہ خود اس گھر کا راستہ کیوں بھول گیا ہے۔

میرے پاس خاموشی کے سوا کچھ نہیں۔ اُن سے کیا بات کروں، کیا بتاؤں۔ اُن میں سے کوئی کچھ نہیں سمجھ پائے گا۔ نہ میری تاویلوں کو، نہ مجبوریوں کو نہ بہانوں کو اور نہ میرے غم کو۔ تم تو سمجھ سکتے تھے نا...... تم تو ساتھی تھے میرے۔ زندگی بھر کے ساتھ کا وعدہ کر کے لائے تھے مجھے۔ تم اس طرح چھوڑ کر کیسے چلے گئے۔

ان لفظوں کی سیاہی کو جو دُھندلا رہا ہے وہ میری آنکھوں کا پانی ہے۔ آنسو نہیں ہیں۔ تمہارے بعد آنسو نہیں بہاتی میں۔ یہ پانی ہے، میرا پچھتاوا، میری ندامت۔ میری خطا کو مٹا دینے، بہا دینے کے لیے گرنے والا پانی۔ پر وقت گزرتا جا رہا ہے۔ زندگی بیت رہی ہے۔ نہ میرا پچھتاوا کم ہو رہا ہے نہ تمہاری جدائی کا غم اور نہ تمہارا غصہ۔ زندگی میں ایک غلطی کی میں نے۔ تم نے مجھے وہ بھی معاف نہیں کی۔ رومی کا whirling درویش ہونے کے باوجود تم ساری دُنیا کے لیے رحم اور درگزر تھے۔ میرے لیے کیوں نہیں ہوئے۔ میں نہیں رہوں گی تب آؤ گے تو کیا فائدہ۔

اتنے خط، اتنی منتیں میں نے کب کسی کی کی ہیں، مگر تم سے کی ہیں تو مجھے اُس کا رنج نہیں۔ تمہارے ساتھ زیادتی بھی تو بہت بڑی کی تھی نا میں نے۔

یہ سارے خط جو میں نے تمہیں لکھے ہیں، یہ میرے پچھتاوے کے گواہ ہیں۔ صرف یہ کاغذ ہی ہیں جن پر میں اپنا دل کھول کر رکھ سکتی ہوں اور یہ میرا غم جھیل لیتے ہیں۔ جو میں کر بیٹھی ہوں وہ کس کو سُنا سکتی ہوں میں، کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ میری اور تمہاری محبت کا قصہ سنے اور پھر جدائی کی داستان۔ محبت کی ہر کہانی کو لوگ من گھڑت کہتے ہیں یا پھر نادانی۔ بس اِک میں ہوں جو اب بھی اس پر یقین کیے بیٹھی ہوں۔

پتا نہیں یہ صحیح ہے یا غلط...... پتا نہیں نادانی ہے یا حماقت۔ پر جو بھی ہے یہ میری جان لے گئی۔

تمہاری خطا کار

جہاں

☆......☆......☆

پانی کی پہلی بوند اُس کے سر پر گری تو اُس نے سائیکل چلاتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہاں بادل اُس کی سائیکل کے پہیوں ہی کی رفتار سے رواں دواں تھے۔ سیاہ جنوں، بھوتوں جیسا رنگ اور شکلیں بنائے بادل۔ دوسری بوند ٹھیک اُس کی ناک کی نوک پر گری تھی اور وہاں سے اُس کے ہونٹوں اور ہونٹوں سے ٹھوڑی اور ٹھوڑی سے اُس کی گردن کا سفر اُس نے سیکنڈز میں کیا تھا۔

اُس نے سر جھکا کر پیڈلز کو پوری قوت سے گھمانا شروع کر دیا۔ یوں جیسے وہ اُن بادلوں اور اُن میں سمائی بوندوں کو ہرانا چاہتا ہو۔ ہرکولیس کی طرح...... تیز تیز...... اور تیز...... ہوا سے تیز...... بادلوں سے طاقتور۔

اُس کی سائیکل اس پگڈنڈی پر ہچکولے کھاتی چلتی جا رہی تھی جو سبز کھیتوں کے بیچوں بیچ گزرتی اب اُس وسیع علاقے پر پھیلے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو رہی تھی جہاں وہ جانا چاہتا تھا۔ بادل اور بارش اُس کا تعاقب کر رہے تھے یا کم از کم اُسے ایسا ہی لگ رہا تھا اور وسیع وعریض علاقے پر پھیلے ہوئے بلند درختوں کے اُس جنگل میں داخل ہوتے ہی اُسے لگا جیسے وہ بادلوں کو شکست دے آیا تھا۔

وہ اس جنگل کے سامنے سے روز گزر کر اسکول جایا کرتا تھا بلکہ اُس کے ساتھی اسکول کے سارے بچے روز ہی وہاں سے گزرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ جنگلی بیر ڈھونڈتے اندر گھس جاتے، مگر کبھی بھی بہت اندر تک جانے کی اُن کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی اور آج وہ اکیلا ہی اُس جنگل میں گھس آیا تھا۔ بلند و بالا گھنے درختوں نے سارے جنگل پر چھت تان رکھی تھی جس میں سے سورج کی روشنی اور ہوا چھن چھن کر آتی، لیکن اس وقت جب سورج بادلوں کی اوٹ میں تھا، تو جنگل دن میں بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ آٹھ نو سالہ بچہ جنگل میں آگے بہت آگے جانا چاہتا تھا، لیکن اُس تاریکی نے یک دم جیسے اُس کی ہمت پسپا کر دی۔ سائیکل روک کر اُس نے اپنا دل مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ جو تیز ہوا سے ہلتے پتوں اور ٹوٹنے والی شاخوں کی آوازوں سے دہل رہا تھا۔

اُس نے سائیکل سے اتر کر اُسے زمین پر لٹا دیا اور پیدل چلنے لگا۔ ہوا چند لمحوں کے لیے تھمی یوں جیسے جنگل نے اُس کے دل کا خوف بھانپ کر اُسے دلاسا دینے کے لیے سانس روک لیا ہو۔ وہ اب ایک عجیب سناٹے میں کھڑا تھا۔ پتوں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ اور پرندوں کا شور۔ وہاں اس وقت کوئی تیسری آواز نہیں تھی۔ وہ چند قدم اور آگے بڑھا اور اپنے جوتوں کے نیچے سوکھے پتوں کی چرمر ہونے کی آوازیں سنیں۔ وہ یک دم رُک گیا یوں جیسے یہ آوازیں بھی اُسے خوف زدہ کر رہی تھیں۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا جہاں اُس نے سائیکل زمین پر لٹائی تھی اور پھر درختوں سے پار نظر آنے والے کھیتوں کو...... یوں

جیسے وہ اپنے آپ کو یہ حوصلہ دینا چاہتا ہو کہ وہ جب چاہے وہاں سے بھاگ سکتا تھا۔ دوبارہ پلٹ کر وہ چند قدم اور آگے بڑھا۔ پھر اُسے یک دم ایک سوکھے درخت کا گرا ہوا تنا نظر آیا۔ وہ بے اختیار خوش ہو گیا۔ اپنی پشت پر لٹکا بیگ اُتار کر وہ تیزی سے اُس تنے تک گیا۔ جو اتنا بڑا اور موٹا تھا کہ وہ اُس کے قد کے برابر آ رہا تھا۔ اپنے بیگ کو اُس نے تنے کی ایک زمین بوس شاخ پر رکھ کر اُس کی زپ کھولی اور اندر سے لکڑی کا ایک چھوٹا سا لیٹر بکس نکالا جو لکڑی کے غیر ہموار ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا۔ اُس نے لیٹر بکس تنے کے ساتھ زمین پر رکھ دیا۔ اس کے پاس کوئی کیل اور ہتھوڑی ہوتی تو شاید وہ لیٹر بکس کو تنے پر ٹھوک دیتا، لیکن ان چیزوں کی عدم موجودگی میں اُس نے اسے تنے کے ساتھ ٹکانا ہی کافی سمجھا۔ یک دم ہوا پھر چلنے لگی تھی۔ اُس نے تیزی سے بیگ میں سے ایک لفافہ نکالا اور اُسے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ لفافہ ڈالتے ہی اس کے چہرے پر عجیب سا اطمینان ابھرا۔ ہوا زمین پر گرے خشک پتوں کو اڑانے لگی تھی اور وہ بچہ برق رفتاری سے اپنے بیگ کی زپ بند کر کے اُسے اپنی پشت پر چڑھاتے ہوئے اُس طرف بھاگا جہاں اُس کی سائیکل پڑی تھی اور تبھی اُس نے اپنے سر پر بارش کی تیسری بوند گرتی محسوس کی۔

ایک، دو، تین...... بوندوں کا نہ رُکنے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ پورا جنگل اُس کی لپیٹ میں تھا۔ وہ بچہ کسی warrior کی طرح بیگ پشت پر چڑھائے بھاگتا زمین پر گری چھوٹی موٹی شاخوں کو پھلانگتا اور اوپر سے گرنے والے لکڑی کے ٹکڑوں سے بچتا اپنی سائیکل کی طرف بھاگ رہا تھا، مگر اس بار بارش اور بادل اُسے شکست دینے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

وہ سائیکل پر سوار ہوا، تو بھیگ چکا تھا۔ سائیکل دوڑاتے وہ جب جنگل سے نکلا، تو طوفانی بارش کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ کھیتوں کے درمیان اُس پگڈنڈی پر گاؤں کے بہت سے بچے سائیکلوں پر اور پیدل بارش میں بھیگتے اٹکھیلیاں کرتے بھاگ رہے تھے اور وہ آٹھ سالہ بچہ بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گیا اور وہ بے پناہ خوش تھا۔ بری طرح دھڑکتے دل اور بے ترتیب سانسوں کے ساتھ...... اُس نے اُس دن اپنی ماں کے لیے بہت بڑا کام کیا تھا اور اپنی خوشی پر قابو پانا اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا۔ بہت تیزی سے سائیکل چلاتا، بارش میں بھیگتا، شور مچاتا اور سر پر اڑتے سیاہ بادلوں کے ساتھ ریس لگاتا ہرکولیس ساری رُکاوٹیں عبور کر کے سونے کا وہ سکہ جیت چکا تھا جو سب سے بہادر کے لیے تھا۔

☆......☆......☆

اُس کینوس پر آیت ایک عجیب روشنی میں گھری ہوئی تھی۔ لفظ جیسے نور تھے حرف جیسے موتی اور اعراب اُن پر بادلوں کی طرح سایہ فگن

اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْض.

وہ بوڑھا ہاتھ کینوس پر ان آیت کی خطاطی میں مصروف تھا۔ وہی روشنی جو اس آیت کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھی۔ وہ اُس ہاتھ کو بھی گھیرے ہوئے تھی پر ہاتھ رُک نہیں رہا تھا۔ جھریوں زدہ جلد پر نظر آنے والی نیلی رگیں اُس روشنی میں کسی ایکسرے میں دکھائی دینے والی چیزوں کی طرح عیاں تھیں اور ہاتھ رُکے بغیر چلتا ہی جا رہا تھا کسی ماہر کی طرح جسے اپنے کام میں مہارت ہو۔

فضا میں اب کوئی اپنی بے حد خوبصورت آواز میں وہ آیت تلاوت کرنے لگا تھا۔ بے حد دلکش بھاری صاف، مگر میٹھی مردانہ آواز جو کان کے پردے سے سیدھی دل کے تاروں کو بَربَط کے تاروں کی طرح ہلائے۔ وہ آواز صرف آیت کا وہ حصہ نہیں پڑھ رہی تھی جو کینوس پر تھی بلکہ پوری آیت پڑھ رہی تھی۔

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اُس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارہ ہے۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے۔ (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اُسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے۔ (بڑی) روشنی ہی روشنی (ہو رہی ہے) اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اللہ جو مثالیں بیان فرماتا ہے تو لوگوں کے (سمجھانے کے لیے) اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

(سورۃ النور 35)

تلاوت کرنے والی وہ آواز اب یک دم خاموش ہو گئی تھی۔ فضا میں اب بھی اُس آیت کی گونج تھی وہ ہاتھ اب بھی کینوس پر اُسی آیت کو بنا سنوار رہا تھا۔

اور پھر یک دم بہت دور سے ہلکی موسیقی کی آواز آنے لگی۔ نور کا وہ ہالہ جو اُس ہاتھ اور کینوس کو فوکس کیے ہوئے تھا یک دم دور جانے لگا اوپر آسمان میں...... اور نیچے اب اُس کینوس کے سامنے ایک کھلے میدان میں جو ویسی ہی دودھیا روشنی سے بنایا ہوا تھا۔ ایک شخص whirling Darvesh کا لباس پہنے بازو پھیلائے گول چکر کاٹ رہا تھا۔ بے حد آہستہ یوں جیسے اُسے کسی پیر کی طرح کسی نے ہوا کے دوش پر رکھ دیا ہو اور پھر وہ موسیقی بلند ہونا شروع ہوئی اور اُس شخص کا وجود تیزی سے گھومنا شروع ہوا تھا۔ اُس کا سفید لباس اب ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا اور اس کے سر پر موجود اونچی ٹوپی اُس کا چہرہ جیسے کچھ ڈھکے

ہوئے تھی اوراس کی رفتار اب تیز سے تیز ہوتی جارہی تھی ۔فضا میں گونجنے والی اُس بلند اور مسحور کن بانسری کی آواز کے ساتھ جواب ہر چیز پر حاوی ہوتی جارہی تھی۔ وہ کینوس اب اتنا چھوٹا ہو چکا تھا کہ اوپر سے نظر ہی نہیں آتا تھا اور وہ ہاتھ بھی اب غائب تھا۔ نیچے اُس میدان میں روشنی کے اس ہالے میں اب صرف اُس whirling Darvesh کا رقص کرتا وجود تھا جس کا رقص تیز سے تیز ہوتا جارہا تھا۔اتنا تیز کہ اُس کا سفید لباس اوراس کے سر پر موجود ٹوپی اب ایک پھول اوراس کے مرکز کی طرح لگنے لگے تھے اور پھر اس رقص میں اور تیزی آگئی۔ اتنی تیزی کہ انسانی آنکھ کا اس پر نظر جمانا اور اُسے شناخت کرنا مشکل ہونے لگا اور پھر یک دم اُس وجود میں آگ لگی اور وہ شعلے کی طرح بھڑکا۔ پھر پلک جھپکتے ہی جل کر خاک ہو گیا اور اُس کے ساتھ ہی جیسے وہ اُس ساری روشنی کو لے کر اندھیرے میں تبدیل ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

نو سال کا وہ بچہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔اُس کا سانس تیز چل رہا تھا اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔یوں جیسے وہ کوئی خوف ناک خواب دیکھ کر بیدار ہوا ہو۔کمرے میں نیم تاریکی تھی اور اُس کے بستر میں اُس کی ماں اس کی طرف پشت کیے سو رہی تھی۔اپنے جسم سے چادر ہٹا کر اُس نے بلی کی طرح بڑی احتیاط سے پاؤں زمین پر اتارے اور دبے قدموں چلتا ہوا وہ سیدھا کمرے کے اس کونے میں گیا جہاں سٹڈی ٹیبل پر ایک لیمپ رکھا تھا جسے اگر وہ آن کرتا، تو اس کی ماں کی آنکھ کھل جاتی۔اس نے پلٹ کر بستر پر لیٹی ماں کو دیکھا۔اُس کی پشت سٹڈی ٹیبل کی طرف تھی۔وہ جیسے یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ روشنی ماں تک جائے گی یا نہیں۔اوراس نے اندازہ لگا لیا۔ٹیبل لیمپ پر وہ اسکارف ڈالا تھا جو اس کی ماں نے سٹڈی ٹیبل کی کرسی کی پشت پر ڈال رکھا تھا۔بے حد احتیاط کے ساتھ اُس نے لیمپ کا بٹن دبایا کہ اُس کی آواز بھی ماں کے کانوں تک نہ پہنچے۔لیمپ روشن ہوا تو اُس نے پلٹ کر ماں کو دیکھا۔روشنی ماں تک نہیں گئی تھی۔اس کا ''ٹوٹکا'' کام کر گیا تھا۔اس کی ماں کے وجود میں حرکت نہیں ہوئی تھی۔ وہ فاتحانہ اور مطمئن انداز میں مسکرایا پھر کرسی پر بیٹھ گیا جس پر اب اسکارف سے جھلکتی روشنی میز کی سطح پر پڑ رہی تھی۔سٹڈی ٹیبل کے ایک کونے میں سجی اپنی کتابوں اور نوٹ بکس میں سے ایک نوٹ بک اس نے کھولی۔میز پر رکھے پین ہولڈر میں رکھے رنگین مارکرز میں سے ڈارک بلو رنگ کا مارکر اُٹھا لیا۔

''تم کیا کر رہے ہو؟'' اندھیرے کمرے میں اس کی ماں کی آواز گونجتے ہی بچے نے برق رفتاری سے لیمپ کا بٹن آف کیا اور جیسے اپنا سانس بھی روک لیا تھا۔

''مجھے پتا ہے تم سٹڈی ٹیبل کے سامنے بیٹھے ہو۔کیا کر رہے ہو؟'' اس کی ماں نے دوبارہ

غنودگی میں کہا۔

''ہوم ورک......تھوڑا سا رہ گیا تھا......بس دو page۔''اس بچے نے بے اختیار کہا اور لیمپ دوبارہ آن کر دیا۔ چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا پتا نہیں اس کی ماں اندھیرے میں بھی کیسے دیکھ لیتی تھی۔

''ٹھیک ہے جلدی سے کرو اور آ کر سو جاؤ۔''

''او کے۔''وہ بے اختیار خوش ہوا اور اس نے ایک نظر پلٹ کر ماں کو دیکھنے کے بعد جیسے سکون کا سانس لیتے ہوئے دوبارہ اس کاغذ پر تیزی سے ہاتھ چلانا شروع کر دیا۔

اُس نے خط کے نیچے، اپنا نام لکھا جلدی سے خط والے کاغذ کو احتیاط سے جھاڑا، تہ کیا اور دراز میں سے ایک لفافہ نکال کر اُس میں ڈال دیا۔ لفافے کے باہر اُس نے ایک بار پھر ایڈریس والی لائنز کو ایڈریس کے ساتھ fill کیا اور پھر لفافے کے اُس Flap کو زبان پر پھیرتے ہوئے گیلا کیا جو چپک کر بند ہونا تھا۔

لفافے کو چپکا کر بند کرتے ہی اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ اُبھری تھی۔ اس کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا تو اب بھی کروٹ کے بل اس کی طرف پشت کیے ہوئے لیٹی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

اپنے کاٹیج کے برآمدے میں کھڑے اُس نے گاؤں کے ڈاکیا کو بہت دور سے اس کی سائیکل پر سوار گھروں کی اس لین میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا جس کے تقریباً آخر میں اس کا گھر بھی تھا۔ اس کا دل یک دم کسی تتلی کی طرح پھڑ پھڑایا تھا۔

ڈاکیا گھروں کے باہر لگے لیٹر باکسز میں ان کی ڈاک رُک رُک کر ڈالتا اُس کے گھر کی طرف آ رہا تھا۔

یہ اُس کا روز کا معمول تھا۔ اُسے ڈاکیے کے آنے کے اوقات کا پتا تھا اور وہ اسکول سے آنے کے بعد اپنے کاٹیج کے برآمدے میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ روز ڈاکیا آتا اور اُس کے گھر کے سامنے سے گزر جاتا......اور اس کا دل تتلی کی طرح پھڑ پھڑانا شروع کرتا اور پھر snail کی رفتار پر آ جاتا، مگر جس عمر میں وہ تھا اس عمر میں خواب اور انتظار دونوں آسانی سے ختم نہیں ہوتے۔

اور آج بالآخر اُس کے تتلی کی طرح پھڑ پھڑاتے دل کو کسی snail کی رفتار پر نہیں جانا پڑا تھا۔ ڈاکیا اس کے گھر کے باہر لگے ہوئے لیٹر باکس کی طرف آنے لگا، تو اس نے برآمدے سے نیچے دوڑ

لگادی تھی۔

''کیا ہمارا خط آیا ہے؟'' اس نے ڈاکیے کے پاس پہنچتے ہوئے کہا۔ ڈاکیا مسکرایا۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے لفافوں میں سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے اس نے سر ہلایا اور اس بچے کے ہاتھ میں تھما دیا اور خود آگے بڑھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اُس لفافے پر نظر ڈالتا۔ پیچھے سے اس کی ماں نے آکر اس سے وہ خط لیتے ہوئے کہا۔

''میں کب سے کھانے کے لیے آوازیں دے رہی ہوں اور تم یہاں کھڑے ہو۔''

''ممی یہ میرا خط ہے۔'' اس نے احتجاج کرتے ہوئے ماں سے لفافہ لینا چاہا۔ اس کی ماں نے حیرانی سے کہا۔

''تمہارا کہاں سے آئے گا؟ یہ تو میرا ہے۔ دیکھو پاکستان سے آیا ہے۔'' اس کی ماں نے لفافہ ہاتھ میں پکڑ کر اس پر لگی ٹکٹیں اُسے دکھاتے ہوئے کہا۔ اُس کا دل ڈوبا۔ سانس رُکا پھر اس نے سر جھکا لیا۔

''تم کو ٹکٹیں چاہئیں نا اس کی۔'' وہ اندر جا رہا تھا جب اس نے اپنے عقب میں ماں کی آواز سنی۔ وہ ٹکٹیں جمع کیا کرتا تھا اور گھر میں آنے والے ہر خط پر لگی ہوئی ڈاک کی ٹکٹ پر اُس کا استحقاق ہوتا تھا، مگر اس وقت اُسے اس لفافے اور اس ٹکٹ میں کوئی دل چسپی نہیں تھی۔

آج 30 ویں خط کا بھی جواب نہیں آیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ سائیکل پر اسکول سے گھر آتے ہوئے اُسی پگڈنڈی میں اُسی جنگل کے سامنے سے گزر رہا تھا اور اس نے ایک بار بھی گردن موڑ کر اُس طرف نہیں دیکھا تھا۔ ایک عجیب سی خفگی تھی جو وہ دل میں پالے ہوئے تھا۔

''ایسا بھی کیا کہ اتنے خط لکھو اور کوئی جواب نہیں۔''

اُس نے تیزی سے سائیکل چلا کر اُس جنگل کے سامنے سے گزرتے ہوئے سوچا۔

''سب کے خطوں کے جواب ملتے ہیں اور میرا...... جبکہ میرا خط سب سے خوب صورت تھا۔ میں نے اُس پر پھول اور ستارے بھی بنائے تھے وہ بھی رنگین مارکرز سے۔ اور ہر جملے کے بعد فل سٹاپ بھی لگایا تھا...... اور کاغذ بھی صاف ستھرا...... مارکر بھی اچھا تھا...... کہیں ink کے دھبے بھی نہیں لگے تھے۔'' وہ دل ہی دل میں اپنے خط کی خوبیاں اور خصوصیات گن رہا تھا جو ہر لحاظ سے اُسے ایک جوابی خط کا اہل کر رہے تھے، مگر جوابی خط......

وہ اب کئی دنوں سے صبح اسکول جاتے اور واپس آتے اس جنگل کے سامنے سے گزرتے بے حد خفگی سے اس کی طرف دیکھے بغیر گزر جاتا۔ یہ اُس کی ناراضگی کا اظہار تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک خط نہ ملنے پر یہی کر سکتا تھا۔

اُس نے اب ڈاکیے کے انتظار میں گھر کے برآمدے میں کھڑے رہنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ کبھی اُس کے گھر نہیں آتا تھا۔ آتا بھی تو صرف اس کی ماں کی ڈاک لاتا۔

سائیکل گھر کے باہر ہی کھڑی کر کے وہ بڑی اُداسی کے عالم میں دروازے کو دھکیلتا گھر میں داخل ہوا تھا۔ یقیناً اس کی ماں بیرونی احاطے میں تھی اسی لیے وہ دروازہ کھول گئی تھی۔ ورنہ وہاں دروازہ بجانے کی آواز آتی نہ گھنٹی کی۔

اپنے کمرے میں آ کر اُس نے اسکول بیگ رکھا اور پھر بستر پر رکھے اپنے کپڑے دیکھے۔ وہ بھی اُس کی ماں ہی نے رکھے تھے۔ کچھ خفا سے انداز میں اُس نے اپنا یونیفارم تبدیل کرنا شروع کیا تھا جو وہ تبدیل کرنے کے موڈ میں نہیں تھا، لیکن وہ ماں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بیرونی دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر بھی اُس نے اپنی قمیص کو اُتارنے کی دھینگا مشتی میں نوٹس نہیں کی تھی مگر ابھی وہ یونیفارم کی شرٹ اُتار کر سیدھا ہی ہوا تھا جب اُس نے باہر سے اپنی ماں کی آواز سنی۔

''تمہارا خط آیا ہے۔'' یونیفارم کی شرٹ ہاتھ میں پکڑے اس کا دل ایک بار پھر تتلی کی طرح پھڑ پھڑایا۔

''کس کا۔'' اس نے وہیں کھڑے بے یقینی سے چلا کر پوچھا۔

''تمہارا۔'' اس کی ماں نے جیسے اس کی بے یقینی ختم کی۔

''کس نے بھیجا ہے؟'' اس نے اپنے بے قابو ہوتے ہوئے دل کے ساتھ ایک بار پھر پوچھا۔

''اللہ تعالیٰ نے۔'' وہ سانس لینا بھول گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے گول ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

اُس glass penthouse کی سب سے خاص چیز سٹنگ ایریا میں لگی ہوئی بہت بڑے سائز کی وہ کیلی گرافی تھی جس پر **اھدنا الصراۃ المستقیم** لکھا ہوا تھا۔ Aqua blue کے شیڈز میں اور خطاطی کے محقّق اسٹائل میں۔ اُس کیلی گرافی کے علاوہ سٹنگ ایریا میں اگر کوئی اور paintings تھیں تو وہ تجریدی nude تھیں۔ سٹنگ ایریا میں جگہ جگہ چھوٹے بڑے سنگی مجسمے بھی تھے اور وہ بھی تقریباً تمام یونانی دیومالائی دیویاں تھیں۔ وہ بے لباس تھیں یا پھر نہ ہونے کے برابر لباس میں بنائی گئی تھیں۔

وہ glass penthouse جیسے قبل اسلام کے کعبہ جیسا منظر پیش کررہا تھا جہاں **اھدنا الصراط مستقیم** کی اُس کیلی گرافی کے نیچے اور ارد گرد ہر طرف بُت ہی بُت تھے۔

پہلی نظر میں کوئی بھی اُس پینٹ ہاؤس کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ انٹرئیر کرنے والے کے عمدہ aesthetics اور اچھے taste کا عکاس تھا اور پہلی بار وہاں آنے والے کو کچھ دیر کے لیے مسحور کر دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔

سٹنگ ایریا کے باہر اوپن ٹیرس اور روف گارڈن تھا اور اُس سے پرے بہت پرے پس منظر میں سمندر کا ٹھاٹھیں مارتا پانی اور اُس میں چلتی پھرتی کشتیاں۔ سٹنگ ایریا کو ٹیرس سے الگ کرنے والی دیوار شیشے کی تھی جس میں چند ایک لکڑی کے پینل تھے اور جو بھی سٹنگ ایریا میں کھڑا ہوتا وہ ٹیرس اور وہاں سے دور سمندر کی لکیر بنا کسی دقّت کے دیکھ سکتا۔

اُس پینٹ ہاؤس کے سٹنگ ایریا میں اُس کیلی گرافی، مجسموں اور paintings کے علاوہ دوسری نمایاں چیز اُس کی ایک وال کے ساتھ رکھے ایک شیلف میں ایوارڈ، ٹرافیز اور شیلڈز کا ایک انبار تھا اور اُس ہی شیلف کے اوپر دیوار پر لگے ہوئے بہت سے فوٹو فریمز جن میں ایک مرد بہت سے فنکشنز اور ایونٹس میں بہت سے نامور اداکاروں اور اداکاراؤں کے ساتھ نظر آرہا تھا اور کچھ فریمز میں وہ مختلف میگزینز کے سرورق پر مختلف ہیڈنگز کے ساتھ نظر آرہا تھا۔ ایوارڈز اور اُن فوٹو فریمز کی وہ دیوار اُس کیلی گرافی کی دیوار کے بالکل سامنے تھی اور دونوں دیواروں کے درمیان موجود سٹنگ ایریا میں بیٹھنے کے لیے مختلف شکلوں اور قسموں کا فرنیچر سجا ہوا تھا۔

وہ گلاس پینٹ ہاؤس قلبِ مومن کی وہ جنّت تھی جس کے عشق میں وہ مبتلا رہتا تھا اور وہاں ہونے والی پارٹیز میں شریک ہونے والے اُس کے دوست بھی۔ وہ انڈسٹری کا نامور فلم ڈائریکٹر تھا جو ایک ایڈ ایجنسی بھی چلاتا تھا اور کمرشل فلمز کرنے سے پہلے وہ پاکستان کی چند بڑی ایڈ ایجنسیز کے ساتھ آرٹ ڈائریکٹر کے طور پر کام کر چکا تھا اور اس وقت وہ پاکستان کے چند بہترین نوجوان آرٹ اور کمرشل

فلم ڈائریکٹرز میں سے ایک مانا جاتا تھا اور اُس شیلف پر موجود شیلڈز، ایوارڈز اور ٹرافیز کی تعداد جیسے اُس کے اس status کو مزید reinforce کرنے کے لیے کافی تھیں۔

رُشنا قدوائی اُس وقت اپنے TV شو کے لیے قلب مومن کا ایک انٹرویو کے لیے اُس کے اس پینٹ ہاؤس پر اپنے crew کے ساتھ موجود تھی اور اُس جگہ کو دیکھ کر ویسے ہی awestruck ہوئی تھی جیسے وہاں پہلی بار آنے والا کوئی بھی visitor ہو جاتا۔ اُس نے قلب مومن کے بارے میں جتنا سُن رکھا تھا اُتنی ہی شہرت اُس نے اس پینٹ ہاؤس کی نائٹ پارٹیز کی بھی سُن رکھی تھی اور آج وہ بالآخر مہینوں کے بعد قلب مومن سے انٹرویو کی اپائنٹمنٹ لینے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

اُس کا crew اس وقت سٹنگ ایریا کے ایک حصّے کو اُس انٹرویو کے لیے منتخب کر کے وہاں lighting وغیرہ کرنے اور کیمرا adjust کرنے میں مصروف تھا اور رُشنا قدوائی قلب مومن کے اسسٹنٹ کے ساتھ گپ شپ کرنے میں جس نے اُنہیں یہاں ریسیو کیا تھا اور جو اس انٹرویو کے لئے قلب مومن سے coordination کر رکھا تھا۔

''اگلی فلم کے لیے آڈیشن کب سے اسٹارٹ کر رہے ہو تم لوگ؟'' رُشنا قدوائی نے مومن کے اسسٹنٹ داؤد سے پوچھا تھا۔ وہ روٹین کی chitchat تھی۔

''اگلے ہفتے سے شروع کر رہے ہیں۔'' داؤد نے جواباً گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ مومن عام طور پر ہمیشہ وقت پر آتا تھا۔ آج وہ غیر معمولی طور پر دس منٹ لیٹ تھا۔

''اچھا تو ساری ہی کاسٹ نئی اُٹھاؤ گے تم لوگ؟'' رُشنا نے مزید کُریدا۔

''ہاں وہ تو ظاہر ہے مومن نے اپنی تینوں فلمز میں ابھی تک مین کاسٹ میں کسی کو repeat نہیں کیا۔'' داؤد نے کھڑے کھڑے اپنے موبائل پر مومن کو ٹیکسٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر ساتھ ہی ایکسائٹیڈ انداز میں رُشنا سے کہا۔

"He is here." داؤد نے پلٹ کر کسی کو سلام کیا اور رُشنا قدوائی نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا تھا۔ اُس پینٹ ہاؤس کا مالک جتنا پکچر پرفیکٹ ہونا چاہیے تھا قلب مومن ویسا ہی لگ رہا تھا۔ وہ دھاری دار سفید اور بلو سلم فٹ آدھے بازوؤں والی کاٹن شرٹ اور Dockers کی Khaki جینز میں ویسے والی ہی اسٹائلش Tom Ford کے جوتے پہنے ہوئے تھا اور بے حد انفارمل لباس میں ہونے کے باوجود ایک بے حد فارمل لُک لیے ہوئے تھا۔ رُشنا قدوائی کے لیے قلبِ مومن کا چہرہ اُس سے نہ ملنے کے باوجود اجنبی نہیں تھا۔ وہ درجنوں پارٹیز اور ایوارڈ شوز میں اُسے دیکھ چکی تھی، مگر اُس کے گھر پر وہ پہلی بار

اُسے دیکھ رہی تھی اور پہلی بار اُس سے ڈائریکٹ آمنا سامنا ہو رہا تھا۔ قلبِ مومن charismatic تھا۔ یہ اُس نے کئی لوگوں سے سُنا تھا، مگر وہاں اُس کے آمنے سامنے کھڑے اُس سے ملتے ہوئے پہلی بار اُس نے اُس کی ''مقناطیسیت'' محسوس بھی کی تھی۔

''میں لیٹ تو نہیں ہوا۔'' اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اُس نے خوش گوار لہجے میں رُشنا سے پوچھا تھا۔

''بہت زیادہ نہیں۔'' وہ جواباً ہنسی۔ وہ اُسے نروس کر رہا تھا اور اپنے جرنلسٹک کیریئر میں یہ رُشنا کے ساتھ ساتھ کم کم ہی ہوا تھا۔

''lighting ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ رُشنا کو وہیں کھڑا چھوڑ کر آگے بڑھا اور اب اُس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں انٹرویو کے لیے lights اور کیمرے لگائے گئے تھے۔ وہ رُشنا کے کسی ردِعمل کا انتظار کیے بغیر DOP کے مانیٹر پر فریم دیکھنے لگا اور اس سے پہلے کہ رُشنا یا اُس کی ٹیم میں سے کوئی بھی کچھ اور کہتا وہ لائٹ مین کو ہدایات دینے لگا۔ 7-5 منٹ بعد اُس نے مومن کو دوبارہ مانیٹر پر جھکتے دیکھا اور پھر ایک لمحہ بعد ہی وہ سیدھا ہو گیا اور اُس نے رُشنا کو مخاطب کیا۔

''اب یہ بالکل ٹھیک ہے۔'' وہ مسٹر پرفیکشنٹ تھا۔ یہ اُس نے کئی لوگوں سے سُنا تھا جو اُس کے ساتھ اُس کے ads اور فلمز میں کام کر چکے تھے لیکن اُس کا عملی مظاہرہ اُس نے قلب مومن سے اپنی پہلی ملاقات میں ہی دیکھ لیا تھا۔ رُشنا کچھ ندامت والے انداز میں مانیٹر کی طرف گئی تھی۔ اُس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اسی کیفیت کا شکار ہوتا کیوں کہ وہ یہ توقع نہیں کر رہی تھی کہ جس سے وہ انٹرویو لینے جائے گی وہ اُسی کے crew کا کوئی نقص پکڑ کر اُس کے سامنے رکھ دے گا۔ مانیٹر پر فریم پر پہلی نظر ڈالتے ہی رُشنا مومن کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ یہ وہ والا فریم ہی نہیں لگ رہا تھا جو وہ چند لمحے پہلے اپنے اس مانیٹر پر دیکھ کر ہٹی تھی۔ کیمرے کے اینگل اور لینز کی معمولی ایڈجسٹمنٹ اور ایک دو لائٹس کی دوبارہ سے placement نے اُس فریم کو بالکل بدل دیا تھا۔ مومن اپنے کام کا ماہر تھا اُسے یہ بات ماننے میں اُس لمحہ کوئی عار نہیں ہوا تھا۔ وہ کھڑے ہو کر اُس سے بات کرنا چاہتی تھی اور اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی مگر پلٹنے پر اُس نے اُسے وہاں سے بہت دیر داؤد کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے پایا یوں جیسے اُسے پتا تھا کہ اُس کے فریم میں کوئی خامی ہوگی ہی نہیں اور اُسے اُس کے تعریفی ریمارکس کی بھی ضرورت نہ ہو۔ وہ قابلِ رشک حد تک پر اعتماد تھا۔ رُشنا کو ہاتھ میں پکڑے انٹرویو کے لیے تیار کیے گئے سوال نامہ کو دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی وہ اُس میں سے بھی کسی سوال پر کوئی اعتراض کرتا۔

''قلب مومن فلم انڈسٹری میں آپ کا کیریئر...... He came, he saw, he congured کی بہترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیا آپ کے لیے سب کچھ اتنا ہی آسان رہا ہے؟'' وہ با آخر انٹرویو کے لیے بیٹھ گئے تھے اور ابتدائی chit chat کے بعد رُشنا قدوائی نے اُس سے پہلا اہم سوال کیا تھا۔ سوال کرتے ہوئے اُس سے نظر ملنے پر رُشنا قدوائی کو احساس ہوا کہ قلب مومن کی آنکھیں بے حد تیز اور چمکدار تھیں اور اُس سے نظر ملا کر بات کرتے رہنا کسی کے لیے بھی مشکل ہوسکتا تھا۔ قلب مومن کو وہ اگر ایک لفظ میں دوبارہ کہیں بیٹھ کر بیان کرتی تو وہ لفظ ''اعتماد'' ہوتا۔ اُس نے انڈسٹری کے بہت کم لوگوں میں اتنا اعتماد دیکھا کہ وہ دوسرے کو کنفیوز کرنا شروع کر دیتا تھا۔

ٹانگ پر ٹانگ رکھے کرسی کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھے اُس نے رُشنا کا سوال سُنا مسکرایا اور پھر کہا۔

''اس سے بھی زیادہ آسان رہا ہے میرا سفر...... میں مانتا ہوں میں خوش قسمت رہا ہوں۔ نہ اس فیلڈ میں آنے کے لیے مجھے کسی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔'' اُس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔ رُشنا نے اُس کے بارے میں بہت کچھ سُنا تھا اور اُس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ flirt تھا، مگر اب تک مومن کے ساتھ بات چیت میں اُسے مومن کے کسی انداز میں اُس کے flirt ہونے کا اشارہ نہیں ملا تھا۔ وہ اُس سے بے حد gentlemanly طریقے سے مخاطب ہورہا تھا۔ اُس کے جواب کے دوران رُشنا قدوائی کا ذہن کہیں اور مصروف تھا۔ اُس کے خاموش ہونے پر بھی وہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی تھی یوں جیسے اُس کے مزید کچھ کہنے کی منتظر ہو، لیکن پھر اُسے اندازہ ہوگیا کہ وہ بات ختم کر چکا تھا اور اُس کے اگلے سوال کا منتظر تھا۔

''آپ کی فیملی میں سے کوئی اور بھی اس فیلڈ میں ہے؟'' رُشنا کو اگلا سوال ویسے ہی یاد تھا۔

''کوئی نہیں۔'' کھٹاک سے جواب آیا تھا اور اس سوال کے ساتھ ہی رُشنا قدوائی کے لیے انٹرویو کے سب سے دل چسپ حصے کا آغاز ہوگیا تھا۔

''اپنے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں بتائیں کہاں پیدائش ہوئی؟ کون کون ہے آپ کی فیملی میں۔'' رشنا نے جتنی دل چسپی سے یہ سوال پوچھا تھا۔ جواب کا آغاز اُتنی ہی غیر دل چسپی سے دیا گیا تھا۔

''میری پیدائش ترکی میں ہوئی۔ فادر کا تعلق ترکی سے تھا اور مدر کا پاکستان سے۔ بہن بھائی کوئی نہیں ہیں اور دونوں کی ڈیتھ ہوچکی ہے۔'' رشنا اُس کے جواب پر بے اختیار چونکی۔

''اوہ اسی لیے آپ کے features اتنے دیسی نہیں ہیں۔ میڈیا میں بھی زیادہ لوگوں کو یہ پتا

نہیں ہوگا کہ آپ کے پیرنٹس کا تعلق ترکی سے ہے۔ کتنا عرصہ رہے آپ ترکی میں؟''

''بچپن تقریباً سارا ہی وہاں گزرا، نوجوانی کا کچھ حصہ......اُس کے بعد میں امریکہ چلا گیا تھا۔ ہائی اسکول کے بعد......تقریباً چھ سات سال وہاں رہا اور سات آٹھ سال سے اب پاکستان میں ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

رُشنا کو اُس کی سنجیدگی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''پیرنٹس میں سے کوئی اور میڈیا یا فائن آرٹس سے منسلک رہا؟'' وہ اس بار چند لمحوں کے لیے اُس کے سوال پر خاموش رہا اور پھر اُس نے کہا۔

''میرے فادر ایک calligrapher تھے۔''

''very interesting'' رُشنا کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

''مگر میں بہت چھوٹا تھا جب اُن کی ڈیتھ ہوگئی۔''

''اور آپ کی مدر؟'' رُشنا نے بے ساختہ پوچھا۔ مومن بے ساختہ چونکا پھر اُس نے اسی روانی سے کہا۔

''وہ ہاؤس وائف تھیں۔''

''مجھے بڑا انٹرسٹنگ لگ رہا ہے کہ آپ کے فادر Turkish تھے اور مدر پاکستانی اور اُن کی شادی ہوئی۔ کیا یہ لو میرج تھی؟'' رُشنا پوچھے بغیر نہیں رہ سکی اور اُس نے پہلی بار مومن کے ماتھے پر چند بل دیکھے پھر اُسے کہتے سنا۔

''انٹرویو میرا ہے نا؟''

''جی جی آپ ہی کا ہے۔'' رُشنا گڑبڑائی۔

''تو میرے بارے میں ہی بات کیجیے۔'' مومن نے اگلا جملہ کہا۔ رُشنا نے اُس کی صاف گوئی کے بارے میں بھی سُنا تھا، مگر اُس کا اتنا بروقت اظہار وہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

''calligraphy سے کمرشل فلم میکنگ تک transition یا سفر آپ اسے جو بھی کہیں، یہ کچھ عجیب ہے؟'' وہ مومن سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ مومن کے ماتھے پر وہ بل دوبارہ آئے تھے۔

''کیلی گرافی سے میرا کوئی تعلق نہیں وہ میرے فادر کرتے تھے۔ میں امریکہ سے فلم میکنگ ہی پڑھ کر آیا ہوں اور شروع سے فلم میکنگ ہی کر رہا ہوں۔ صرف فرق یہ ہے کہ پہلے وہ ایڈ فلمز تھیں اب کمرشل۔'' اُس نے تفصیل سے بتایا۔

''میں نے یہ سوال اس لیے پوچھا کہ اگر آپ کے father کیلی گرافی کرتے تھے، تو یقیناً مذہبی اثر ہوگا آپ کی فیملی میں اور......'' اُس نے پہلی بار رُشنا کو انٹرویو کے دوران ہی ٹوک دیا تھا۔

''میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ یہ انٹرویو میرے بارے میں ہے، تو آپ سوالوں کا فوکس مجھ پر ہی رکھیں۔ میرے پیرنٹس کیا کرتے تھے اور کیا نہیں انٹرویو اُس کے بارے میں نہیں ہے۔''

رُشنا کو سمجھ نہیں آئی وہ کس بات کی وجہ سے irritate ہوا تھا۔ اُس نے اُس کے ماں باپ کے حوالے سے کوئی قابل اعتراض سوال نہیں کیا تھا، مگر وہ اس وقت قلب مومن سے arguement نہیں کرسکتی تھی۔ اُس کے پاس وقت محدود تھا اور سوال لامحدود......

''آپ کی فلمز میں گلیمر کی بھرمار ہوتی ہے۔ عورت کو ایک object کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر critics کا کہنا ہے کہ اگرچہ آپ کی فلم visually ایک ماسٹر پیس کی طرح ہوتی ہے اور جتنی خوب صورتی سے آپ اپنی ہیروئن کو فلم اسکرین پر ایک Diva کے طور پر expose کرتے ہیں انڈسٹری کا کوئی اور ڈائریکٹر نہیں کرسکتا۔ آپ اپنی ہیروئن کو object of fantacy بنا دیتے ہیں۔'' اس نے رُشنا کو دوبارہ ٹوکا اور کہا۔

''آپ کا سوال کیا ہے...... وہ پوچھیں critics کیا کہتے ہیں وہ میں جانتا ہوں۔'' رشنا بلش ہوئی اُسے اندازہ نہیں تھا وہ اُسے اس طرح ٹوکے گا۔

''میرا سوال یہ ہے کہ آپ کی فلمز critics کی نظر میں cheap entertainment کے سوا کچھ نہیں وہ آپ کی نظر میں کیا ہیں؟'' رشنا نہ چاہتے ہوئے بھی اس بار ruds ہوئی تھی۔

''اور یہ critics وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی hit films پر اپنے flop reviews لکھ لکھ کر پانچ منٹ کے لیے famous ہونا چاہتے ہیں۔'' اس کا ویسے ہی لوہا توڑ جواب آیا تھا۔

''میری نظر میں میری فلمز میرے لیے object of fantasy ہیں۔ میں وہ بناتا ہوں جو مجھے entertain کرتا ہے اور وہ اچھی ہیں یا بُری اُس کا فیصلہ باکس آفس کرتا ہے۔ critics کے ٹو اور تھری سٹار reviews نہیں۔'' اُس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ جو بھی کہیں یہ بات تو ایک fact ہے آپ اپنی فلمز میں عورت کو ایک object کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ ایک باربی ڈول سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ گلیمر...... گلیمر...... گلیمر۔'' رُشنا نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔ قلب مومن کی صاف گوئی نے یک دم جیسے اُسے بھی بے حد صاف گو بنا دیا تھا۔

''یہ قلب مومن نہیں کرتا۔ یہ پوری دُنیا کی فلم انڈسٹری کرتی ہے۔ 80 فی صد فلمز عورت ہی کے گرد گھومتی ہیں۔ اُس کے جسم اُس کی خوب صورتی اُس کے گلیمر کے گرد۔ میں وہ آرٹ فلمز بنانا نہیں چاہتا جس کو دیکھنے کے لیے critics بھی سینما نہیں جائے اور صرف trailor دیکھ دیکھ کر world classic قرار دیتے ہیں۔''

''آپ بہت blunt ہیں۔'' رُشنا کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

''یہ خامی ہے کیا؟'' اُس نے فوراً پوچھا۔

''نہیں...... میں جانتی ہوں یہ آپ کی کامیابی کی عنایت ہے۔ کامیابی میں ہر شخص blunt ہوتا ہے۔'' رُشنا نے کہا۔ وہ اس بار مسکرایا اور اُس نے کہا۔

''میں ناکامی میں اس سے زیادہ blunt ہوں گا۔ Don't worry۔'' رُشنا بھی مسکرا دی تھی۔

''اب اگر کامیابی کے بارے میں بات شروع ہو ہی گئی ہے، تو آپ بتائیں آپ کے نزدیک کامیابی کیا ہے؟''

''کامیابی وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے جس کے بارے میں، میں نہیں دُنیا بات کرے۔ لوگ آپ جیسا بننے کے لیے آپ سے جیلس ہوں۔ میں envy کی بات نہیں کر رہا جیلسی کی بات کر رہا ہوں۔ اسٹیج پر آپ کھڑے ہوں اور نیچے دُنیا کا ہر شخص آپ کا دشمن۔''

رُشنا کو لگا وہ مذاق کر رہا ہے، مگر اُس کے چہرے کا اطمینان رُشنا کے اس اندازے کی نفی کر رہا تھا۔

''کامیابی کی مدّت ہوتی ہے اور مدّت گزر جاتی ہے۔'' رُشنا نے جیسے اُسے یاد دہانی کرائی۔

''پھر دشمنوں اور حاسدین کے اس گروہ کا آپ کیا کریں گے۔''

''پھر یہ میرے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگلے کامیاب آدمی کے پیچھے ہوں گے۔'' وہ اُسی طرح اطمینان سے مسکرایا۔ رُشنا اُس کی حاضر جوابی سے محظوظ ہوئی۔

''آج ایوارڈز ہو رہے ہیں اور آپ اور آپ کی فلم nominated ہے۔ کیا توقعات ہیں؟'' رُشنا نے آخری سوال کیا۔

"I will win all." قلب مومن نے اُسی پر اعتماد لہجے اور گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا جو رُشنا کو اُس کا شناختی نشان لگی تھی۔

''اور اگر نہ جیت سکے تو؟'' وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"I will boycot the awards." اُسی روانی اور اطمینان سے جواب آیا۔

''یہ fair play تو نہیں ہے۔'' رُشنا نے بے ساختہ کہا۔

''میں fair play پر یقین بھی نہیں رکھتا۔''

قلب مومن نے مسکراتے ہوئے اپنے کالر سے مائیک اُتارتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"And the best director award goes to Qalb-e-Momin for Mari Jaan."

ہال ایک thunderous applause سے گونج اُٹھا تھا۔

چھت میں لگی سپاٹ لائٹس نے فرنٹ سیٹ میں بیٹھے بے حد تیکھے نین نقش اور سفید رنگت والے چھ فٹ سے نکلتے قد کے مالک قلب مومن کو فوکس کیا۔ جواب نشست سے کھڑے ہوتے ہوئے اپنی بلیک ڈنر جیکٹ کے بٹن بند کرتے اپنے دائیں بائیں بیٹھی اپنی فلم کی کاسٹ سے ہاتھ ملاتے گلے لگاتے high five بناتے اسٹیج کی سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا اور اُس کے عقب میں اُس ہال میں بیٹھی ہر عمر کی اداکارہ کی نظروں کو مقناطیس کی طرح اپنے وجود کے ساتھ کھینچتے ہوئے لے جا رہا تھا۔

یہ ناممکن تھا کہ قلب مومن اُن سب کی توجہ کا مرکز نہ بنتا۔ وہاں اُس ہال میں بیٹھی ہر وہ ایکٹریس جو اُس کے ساتھ کام کر چکی تھی وہ اُس کے لیے تالیاں بجاتی اُسے چیئر کرتی انڈسٹری کے سب سے کامیاب نوجوان فلم ڈائریکٹر کو اپنی سپورٹ کا یقین دلا رہی تھی اور اُس کے ساتھ کام کرنے کی خواہشمند۔ ہر نوجوان اداکارہ اُس کے لیے تالیاں پیٹتے جیسے اُس کی مرکز نگاہ بننا چاہتی تھی۔ وہ اب اسٹیج پر پہنچ کر ایوارڈ ریسیو کرنے کے بعد روسٹرم کے پیچھے کھڑا تالیوں کے تھمنے کے انتظار میں تھا۔ جو بجتی ہی چلی جا رہی تھیں اور وہ کچھ mischievous مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ میں پکڑا ایوارڈ روسٹرم پر دھرے اپنے منہ کے سامنے دُرست کرنے میں مصروف تھا۔

وہ رات قلبِ مومن کی رات تھی اور پچھلے تین سال سے پاکستان کے اُس سب سے بڑے فلم ایوارڈ شو کی ہر رات قلبِ مومن ہی کے نام ٹھہر رہی تھی اور کسی کے لیے وہاں بیٹھے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔

تالیوں کی گونج بالآخر تھمی تو قلب مومن نے بات شروع کی۔ امریکن لب و لہجے میں بولی جانے والی انگلش میں اُس نے وہاں بیٹھے لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ اپنے اور اپنی فلم کے لیے پاپولر ووٹ دینے والے لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ اپنی کاسٹ کا شکریہ ادا کیا اور اُس کے بعد اُس نے اُس ایوارڈ شو کی انتظامیہ پر بجلی گراتے ہوئے ایوارڈز کی جیوری کو بری طرح رگیدا کیوں کہ اس سال پہلی بار اُس کی فلم تمام nominations نہیں جیت سکی تھی۔

بیسٹ ٹائٹل ٹریک قلب مومن کے دیرینہ حریف احسن ملک کی فلم کو دے دیا گیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ بیسٹ سینماٹوگرافی کا ایوارڈ بھی اُسی کی فلم کو دیا گیا اور قلب مومن یہ ہضم نہیں کر سکا تھا۔ اُس کے

لیے جیتنے والے چھے ایوارڈز سے زیادہ اہم ہارنے والے دو ایوارڈز تھے۔

اسٹیج پر کھڑا وہ ایوارڈ شو کی انتظامیہ اور جیوری دونوں کی بُری judgement پر اعتراض نہیں کرر ہا تھا وہ ان کی partiality کی بات بھی کرر ہا تھا اور ہال کو اس وقت سانپ سونگھا ہوا تھا۔ وہ ایوارڈ شو لائیو نہیں جار ہا تھا ورنہ اُس شو کی انتظامیہ جو ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے منسلک تھی اُس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ وہ بڑی آسانی سے ایوارڈ شو کو ایڈٹ کر کے قلب مومن کی تنقید والا حصہ حذف کر سکتے تھے، مگر قلب مومن کی اتنی کھلی تنقید اور وہ بھی اس پوری انڈسٹری کے سامنے جس میں سے کوئی بھی اُس ایوارڈ شو کی انتظامیہ کے سامنے منہ تو کیا زبان بھی ہلا نہیں سکتا تھا۔ اُس کمپنی کی بیک اسٹیج اور فرنٹ رو میں بیٹھی ہوئی انتظامیہ کو ہضم نہیں ہوئی تھی، مگر کوئی مائی کا لعل انڈسٹری کے سب سے تگڑے اور کامیاب ڈائریکٹر کو چپ کروانے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

قلب مومن نے یہ تقریر ختم کرنے کے بعد اپنا ایوارڈ اُٹھا کر اسٹیج کی سیڑھیوں کی طرف واپس جانا شروع کیا، تو نہ صرف ہال میں ایک بار پھر تالیوں کا شور گونجنے لگا بلکہ انتظامیہ کی جان میں جان بھی آ گئی تھی۔

سپاٹ لائٹس اسٹیج سے اُس کی سیٹ تک اُس کے سفر کو تب تک کور کرتی ہیں جب تک وہ دوبارہ اپنی کرسی پر نہ بیٹھ گیا اور تالیاں تب تک بجتی رہیں جب تک اسٹیج پر اگلی کیٹگری کی اناؤنسمنٹ نہ شروع ہو گئی تھی۔

وہ سب جو قلب مومن اسٹیج پر کہہ کر آیا تھا صرف قلب مومن ہی کہہ سکتا تھا اور وہ انتظامیہ صرف قلب مومن سے ہی سن سکتی تھی۔

قلب مومن اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھا تو ہال میں بیٹھے ہوئے بہت سے اداکار اور اداکارائیں اپنی سیٹوں سے اُٹھ اُٹھ کر اُس کے قریب آ کر اُسے مبارکبادیں دینے لگے تھے۔ وہ اس وقت وہاں بادشاہ کی طرح بیٹھا ہوا تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ بادشاہ کو کورنش بجا نہ لائی جائے۔

''مومن......مومن......کوئی مسئلہ ہو گیا؟'' اُس ملٹی نیشنل کمپنی کی اہم خاتون عہدے دار تقریباً بھاگتی ہوئی پھولے سانس کے ساتھ مومن کی سیٹ پر پہنچی تھی۔ وہ بے حد معذرت خواہانہ اور مدافعانہ انداز اپنائے ہوئے تھی۔ اور اُن دو ایوارڈز کو جو قلب مومن کی فلم کے بجائے ایک دوسری فلم کو دیے گئے تھے اُس کے لیے وہ وضاحتوں پر وضاحتیں دے رہی تھی۔ اسٹیج پر اگلی کیٹگری سے پہلے ایک پرفارمنس کا اعلان ہو رہا تھا اور فرنٹ رو میں قلب مومن کو صفائیاں اور وضاحتیں دیتے ہوئے اُس برانڈ سے منسلک لوگوں کا

حال براہورہا تھا۔

آخری ایوارڈ سیٹ فلم کا تھا اور وہ ایوارڈ اگر قلب مومن کے علاوہ کسی دوسرے کی فلم کو ملتا، تو قلب مومن وہاں کھڑے کھڑے انتظامیہ کو سولی پر لٹکا دیتا۔

وہ متکبّر تھا......متکبّر چھوٹا لفظ تھا......منتقم مزاج تھا اور اُسے اپنا حق سمجھتا تھا۔ زود رنج تھا اور اسے ضروری سمجھتا تھا۔ اپنے آرٹ کو سب سے برتر سمجھتا تھا اور اپنے ٹیلنٹ کو لاثانی۔ وہ اس انڈسٹری کے لوگوں کے ساتھ وہی کرتا تھا جو اُس انڈسٹری کے لوگ کم کامیاب لوگوں کے ساتھ کرتے تھے۔

فلم انڈسٹری نام کی پوجا کرتی ہے اور قلب مومن کا نام ہی کافی تھا۔فلم انڈسٹری کامیابی کے سکّے کے علاوہ کسی اور سکّے کو نہیں مانتی تو اُس سکّے پر آج کل قلب مومن کا نام اور شبیہہ کھدی ہوئی تھی اور فلم انڈسٹری اگر ستارہ پرست تھی تو قلبِ مومن کے علاوہ پچھلے تین سال میں آسمان پر کسی ڈائریکٹر کا ستارہ نہیں چمکا تھا۔

تو قلب مومن کو اگر گھمنڈ ہوتا، تو کیوں نہ ہوتا۔وہ اگر ہر ایوارڈ کو چھین کر بھی لے جاتا، تو کیوں نہ لے جاتا اور وہ ناز نخرہ دکھایا تھا، تو کیوں نہ دکھاتا۔جب اُس کی ہر فلم باکس آفس پر بزنس کے نئے ریکارڈز بنا رہی تھی اور ہر پروڈیوسر اُس کے ساتھ فلم فنانس کرنے کے لئے پاگل ہو رہا تھا اور ہر اداکار اور اداکارہ اُس کے کام کرنے کے لیے اُس کے آفس کے چکر کاٹ رہے تھے۔اگر عروج ہما تھا تو یہ ہما قلب مومن کے سر پر بیٹھا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اپنی لائنز کب سے یاد کیے اب سیٹ پر ہیروئن کے انتظار میں ٹیم کے دوسرے لوگوں کی طرح بیٹھی تھی۔ یہ اُس سیٹ پر تقریباً روز کا معمول تھا۔ ثانوی کرداروں میں کام کرنے والے وقت سے بھی بہت پہلے سیٹ پر موجود ہوتے اور مرکزی کردار کرنے والوں میں سے کوئی نہ کوئی ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کو اپنی عدم موجودگی سے کھپا رہا ہوتا۔

سیٹ کے ایک کونے میں وہ ثانوی کردار کرنے والی چند دوسری لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سیٹ پر چائے دی جا رہی تھی اور وہ سب بھی اپنا اپنا چائے کا کپ پکڑے اُس کونے میں گپ شپ میں مصروف تھیں۔ اُن کی گپ شپ اپنے کیریئر کے بارے میں اُن کی پلاننگ اُن کے آنے والے پروجیکٹس اور حال میں مختلف سیٹس پر ہونے والے تجربات کے علاوہ بڑے سٹارز کے بارے میں سنی سنائی افواہوں کو چشم دید رپورٹ میں تبدیل کر کے پیش کرنا ہوتا تھا۔ مسالے دار چٹ پٹی خبریں جنہیں سنا کر اُنہیں یہ تسلی رہتی تھی کہ سب ''انسان'' ہی ہیں اور سب گڑھے کھودتے اور ان میں گرتے رہتے ہیں۔ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔

اس وقت بھی ایسا ہی ایک gossip session ہو رہا تھا اور مومنہ چپ چاپ بیٹھی چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ سب خبریں سن رہی تھی جو اُس کے کانوں سے کہیں آگے دماغ میں رجسٹر ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ دماغ میں اپنے ہی بکھیڑے تھے، اپنے ہی مسئلے اور وہاں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے اور اُن کی باتیں سنتے ہوئے وہ پورے مہینے کا گھر کا بجٹ بناتی رہتی تھی اور جہانگیر کے اخراجات۔

اُس نے کچھ فاصلے پر کھڑے ڈائریکٹر کو یک دم فون پر اُس سیریل کی ہیروئن سے بات کرتے سُنا جو ''عادتاً'' لیٹ تھی اور جس کے ساتھ مومنہ کا اگلا سین تھا اور اُس ایک سین کے لیے مومنہ سلطان صبح سے آ کر بیٹھی ہوئی تھی اور ہیروئن ندارد۔

''نشا ایک اور گھنٹہ لیٹ ہوئی نا تو پورا دن ضائع ہو جائے گا ہمارا۔ چار گھنٹے کے لیے آؤں گی تو کتنے سینز نکالیں گے ہم...... پلیز آ جاؤ اب...... پروڈیوسر نے مجھے پاگل کر رکھا ہے یہاں...... پلیز۔'' مومنہ نے ڈائریکٹر کو تقریباً بے چارگی کے عالم میں گڑگڑاتے سنا تھا۔ وہ اب فون بند کر کے اسسٹنٹ سے کہہ رہا تھا۔

''آ رہی ہے نشا...... تم ریہرسلز کرواؤ'' اسسٹنٹ نے کچھ جھنجھلا کر ڈائریکٹر سے کہا تھا۔

''کتنی ریہرسلز کرواؤں صبح سے ریہرسلز ہی ہو رہی ہیں۔'' مومنہ نے اسسٹنٹ کو بھی جھنجھلاتے دیکھا اور چائے کا خالی کپ اکٹھے کرتے سپاٹ بوائے کو سونپ دیا۔

''بس ہمیں بٹھا چھوڑتے ہیں تین تین گھنٹے کے لیے۔'' اُس نے اپنے برابر بیٹھی ایک ایکسٹرا لڑکی کو کہتے سُنا۔

''قسمت کہتے ہیں اسے۔'' اس نے دوسری کا جواب سُنا۔ وہ ایک خاموش تماشائی تھی اور ایسے مواقع پر تو جیسے اُس کے سارے لفظ ہی کہیں گم ہو جاتے تھے۔ کسی بھی سیٹ پر سب سے بے ضرر وجود مومنہ سلطان ہی کا ہوتا تھا۔ اُس کی کسی چیز کے بارے میں کوئی رائے نہیں ہوتی تھی۔ ہوتی بھی تھی تو وہ اُس کی زبان سے باہر نہیں آتی تھی۔ شکایت کرنے کی اُسے عادت کبھی رہی ہی نہیں تھی اور اب ان حالات میں شکایت کرنا تو وہ افورڈ کر نہیں سکتی تھی اور وقت اُس کے پاس بہت تھا۔ آج اُن دنوں میں سے ایک تھا جب اُسے ایک سیٹ سے دوسرے سیٹ پہنچنے کے لیے بھاگنا نہیں تھا۔ یہ پہلا سیریل تھا جو وہ کر رہی تھی اور اسے سیریل کرنا کہنا شاید کچھ لفاظی ہوتی۔ وہ ہیروئن کی ایک دوست کا رول کر رہی تھی جس کے پاس صرف 12 سین تھے۔ 24 اقساط کے اس سیریل میں۔

سیٹ پر یک دم کھلبلی مچ گئی تھی۔ وہ ہیروئن بالآخر آن پہنچی جس کا انتظار ہو رہا تھا۔ مومنہ نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔ اب بالآخر وہ سین کروا کے گھر جا سکتی تھی۔

''مومنہ آ کر ریہرسل کرو۔ تمہارا سین ہوگا پہلے۔'' اسسٹنٹ نے اُسے پکارتے ہوئے کہا۔ وہ برق رفتاری سے اُٹھی اور سیٹ کے اُس حصے میں چلی گئی جہاں نشا اپنے بال بنوا رہی تھی۔ وہ میک اپ کروا کر آئی تھی اس لیے ڈائریکٹر خوش تھا کہ وقت بچ گیا تھا۔

''ہائے۔'' اُس نے مومنہ کے سلام کے جواب میں ایک ہلکی مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ساتھ جماہی لیتے ہوئے اسسٹنٹ سے کہا۔

''چائے پلوادو......تاکہ آنکھیں تو کھلیں میری۔''

اسسٹنٹ نے بجلی کی رفتار سے سپاٹ بوائے کو دوڑایا تھا۔ ''ہاں بال ٹھیک ہیں اب میرے...... بائیں کندھے پر ڈالو۔'' نشا اب میک اپ آرٹسٹ سے کہہ رہی تھی اور آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے ساتھ لپ اسٹک بھی دیکھ رہی تھی۔

''ڈائیلاگز یاد ہیں آپ کو؟'' اسسٹنٹ کو مومنہ کو کھڑے دیکھ کر اچانک یاد آیا کہ اُسے کس لیے بلوایا گیا تھا۔ ''ڈائیلاگز کیا گھر سے یاد کر کے نکلوں گی میں؟ میں نے تو اسکرپٹ دیکھا تک نہیں ابھی۔ بس یہ پتا ہے کہ رول کیا ہے میرا۔'' نشا نے اُسی بے زار اور تیکھے انداز میں جماہی لیتے ہوئے کہا۔ وہ پچھلی رات ہی بیرون ملک سے چھٹیاں گزار کر آئی تھی اور اب اگلی صبح ہی سیٹ پر آ کر شوٹنگ کروانا...... وہ اپنی

بے زاری کو بالکل justified سمجھ رہی تھی۔

''مومنہ تم ذرا لائنز دہراؤ اپنی...... میں میڈم کی دہراتا ہوں۔'' اسسٹنٹ نے مومنہ سے کہا تھا۔نشا اسسٹنٹ پر تپی۔

''چائے تو پینے دو مجھے۔آرٹسٹ ہوں میں اور وہ بھی سیریل کی مین لیڈ......مزدوروں کی طرح ٹریٹ مت کرو مجھے۔'' مومنہ اور اسسٹنٹ ایک دوسرے کو دیکھ کر چند لمحوں کے لیے ہکا بکا ہو گئے۔ اسسٹنٹ نے فوری طور پر نشا سے معذرت کرنا شروع کر دی تھی۔ وہ اس فیلڈ میں بغیر غلطی کے ان معذرتوں کا اتنا عادی ہو چکا تھا جیسے کسی جھگڑالو سسرال میں آنے والی غریب خاندان کی بہو جس کی زبان پر سلام کے بعد پہلا جملہ معاف کر دیں ہوتا ہے۔

نشا کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا۔ وہ اب چائے کی چسکیاں لے رہی تھی اور مومنہ اب بھی کھڑی تھی اسکرپٹ ہاتھ میں لئے۔

''اچھا ذرا دہراؤ میری لائنز۔'' اس نے بالآخر چائے کا کپ خالی کر کے سپاٹ بوائے کو تھمایا۔ میک اپ آرٹسٹ سے ایک بار پھر برش اور puffing کروائی اور پھر اسسٹنٹ سے پوچھا جو طوطے کی طرح اُس کے جملے دہرانے لگا تھا۔ پندرہ منٹ وہ اُسے جملے یاد کرواتا رہا اور مومنہ وہیں کھڑی دیکھتی رہی۔ وہ اب پچھلے آدھ گھنٹہ سے بغیر مقصد کے وہاں کھڑی تھی لیکن وہ کسی سے نشا کی طرح یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اُسے بلاوجہ کیوں وہاں کھڑا کیا گیا ہے جب کہ سین ابھی تیار ہی نہیں ہے۔ وہ ثانوی کردار تھی اپنی حیثیت اور اوقات جانتی تھی اور یہ نہیں چاہتی تھی کہ ڈائریکٹر اور اسسٹنٹ نشا کی ساری فرسٹریشن اُس پر اُتاریں۔

پندرہ منٹ بعد بالآخر نشا کو ڈائیلاگ یاد ہو گئے اور وہ اب سین کے لیے تیار تھی۔

ایکشن کی کیو کے ساتھ ہی مومنہ نے اپنی لائنز بولنا شروع کر دیں۔

''میں تمہاری دوست ہوں تم اس طرح کے الزامات نہیں لگا سکتی مجھ پر وہ بھی صفائی کا موقع دیے بغیر۔'' اُس نے نشا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اپنے ڈائیلاگز بولے۔ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

''میرے بس میں ہو تو، تمہیں جان سے ماردوں۔'' نشا نے جواباً غصے میں کہا۔مومنہ نے یک دم اُس کے ہاتھ پکڑے اور اپنی گردن تک لاتے ہوئے بے حد جذباتی انداز میں کہا۔

''ماردو......اگر میرے مرجانے سے دوستی بچ جاتی ہے، تو مجھے یہ بھی قبول ہے۔'' نشا نے اُس

سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟ اتنا بڑا راز...... cut کریں۔'' نشا اپنے ڈائیلاگز آخری منٹ میں بھول گئی اور اُس نے یک دم سین cut کروایا تھا۔ ڈائریکٹر اور DOP بے اختیار جھنجھلا گئے۔ سین ختم ہوتے ہوئے خراب ہو گیا تھا۔

''ڈائیلاگ دہراؤ میڈم کے۔'' ڈائریکٹر نے اسسٹنٹ سے کہا، مگر اس سے پہلے کہ اسسٹنٹ کچھ کہتا نشا نے بے حد خفگی سے کہا۔

''ڈائیلاگز ہیں ہی بکواس میرے...... ساری لائنز اس کو دی ہوئی ہیں۔ مجھے بس ''اتنا بڑا راز'' دے کر بٹھایا ہوا ہے۔ ڈائیلاگ کم کریں اُس کے ڈائریکٹر صاحب۔ وہ میرا سین کھا رہی ہے، آپ کو نظر نہیں آ رہا۔''

مومنہ ہکا بکا کھڑی تھی اور ایسا ہی حال crew اور ڈائریکٹر کا تھا۔ مومنہ کا خیال تھا وہ اپنے ڈائیلاگز بھولنے کی وجہ سے شرمندگی میں یہ سب کہہ رہی ہے۔ اُسے یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ اُس کی پرفارمنس اور ایکسپریشنز سے پریشان ہوئی تھی۔ نشا نئی نئی دو فلمز کر کے آئی تھی۔ سیریلز کرتے کرتے اور فلم کی طرح وہ بھی آتے ہی مقابل کے ڈائیلاگ کٹوانے بیٹھ گئی تھی۔ یہ سٹار پاور تھی اور مومنہ بے چارگی کے عالم میں سین فریم کے اندر ویسے کی ویسے ہی کھڑی تھی۔

تھوڑی دور DOP مانیٹر پر اسی فریم کی فوٹیج ڈائریکٹر کو دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں آپ کی جگہ ہوتا تو مومنہ ہی کو کاسٹ کر لیتا۔ نشا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ وہ اُس کا سین کھا رہی ہے۔ وہ سب کا سین کھا جاتی ہے۔ چاہے بہن بنا کر کھڑا کر دو چاہے نوکرانی۔ مومنہ کے ایکسپریشن کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔'' DOP اُسے داد دے رہا تھا اور بہت کھلے دل سے دے رہا تھا جب کہ ڈائریکٹر پریشانی سے اُس سے کہہ رہا تھا۔

''پتا ہے مجھے پرفارمر ہے وہ مگر نشا برانڈ ہے۔''

''سیریل برانڈ نیم سے بکتا ہے پرفارمنس سے نہیں۔ میں لاتا ہوں منا کر نشا کو۔ طاہر تم اسکرپٹ دیکھو۔ مومنہ کی لائنز کم کر دو بلکہ نشا میڈم کے پاس لے آؤ وہ خود ہی کم کر دیں گی۔'' مومنہ نے اتنی دور سے بھی اسسٹنٹ اور ڈائریکٹر کے درمیان بلند آواز سے ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔ گفتگو کو اُس کے کانوں تک نہ پہنچنے کی کوشش بھی نہیں کی گئی تھی۔ انڈسٹری میں عزت، نخرہ اور انا صرف main lead کی دیکھی جاتی ہے۔ باقی سب یہ چیزیں گھر چھوڑ کر سیٹ پر آتے ہیں۔ کسی سینئر ایکٹریس نے ایک بار

مومنہ سے کہا تھا اور مومنہ کو وہ بات یاد آئی تھی۔

☆......☆......☆

اُس کے گھر کی گلی خاصی طویل، تنگ، ٹوٹی پھوٹی اور بے حد گندی تھی۔ نہ وہاں کوئی کوڑا اُٹھانے آتا تھا نہ نالی صاف کرنے اور یہ کام اُس دن ہوتا جب مکینوں کا میونسپلٹی کے جمعداروں سے لڑائی جھگڑا گالی گلوچ ہوتی اور پھر محلے والے مل کر جمعدار کے خلاف درخواست دیتے اور اُس دن میونسپل کمیٹی کسی نہ کسی کو صفائی کے لیے بھیج دیتی۔ یہ سالوں سے ہو رہا تھا۔ نہ جمعدار کی ڈھٹائی میں تبدیلی آئی تھی نہ محلے والوں کی ثابت قدمی اور بے نیازی میں۔

وہ آٹھ گھنٹے کی شفٹ میں صرف دو سین کروا سکی اور تین بسیں بدل کر تھکی ہاری اپنی گلی میں شام سے کچھ پہلے داخل ہوئی تھی۔ نیند سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں اور ایک لمحہ کو اس کا دل چاہا وہ اسی گلی میں سونے کے لیے لیٹ جائے اور گلی میں اگر جگہ جگہ اُسے گندگی نظر نہ آتی تو شاید وہ یہ کر بھی بیٹھتی۔ آج اُس کی ذہنی حالت کچھ ایسی ہی تھی۔

سامنے سے آتے جھومر نے اُسے دیکھتے ہی تالیاں بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

''ہماری ہیروئن آ گئی۔'' وہ مسکرا بھی نہیں سکی۔ اس محلے میں فی الحال اُس کے علاوہ کوئی بھی TV میں کام کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس لیے جھومر اُسے بلاوجہ محلے کی شان بنائے بیٹھا تھا۔

''السلام علیکم مومنہ باجی! میں کیسی لگ رہی ہوں۔'' اُس نے مومنہ کو سلام کرتے ہی جیسے اُس سے اپنی ''تیاریوں'' کی داد لینا چاہی۔

''ہمیشہ اچھی لگتی ہو جھومر۔'' اس نے غور کیے بغیر اُسے کہا۔ وہ رُک کر مزید بات چیت نہیں کرنا چاہتی تھی جو جھومر کی خواہش رہتی تھی۔

''بس مومنہ باجی آپ سٹار ہیں، تو نظر بھی آپ کی سٹاروں والی ہے۔ باقی اس محلے میں تو کوئی آپ جیسا ہے ہی نہیں۔ اسی لیے تو آپ پر اتنا بھروسا کرتی ہے جھومر۔'' جھومر نے بولنا شروع کیا اپنا دوپٹا گلے میں سیدھا کرتے اور بالوں میں انگلیاں پھیرتے اُسے یہ خیال ہی نہیں رہا کہ مومنہ اُس کے پاس کھڑی بھی ہے یا نہیں اور جب اس نے دیکھا مومنہ جا چکی تھی۔

''مومنہ......مومنہ......'' وہ اپنے گھر کے دروازے سے ابھی بہت فاصلے پر تھی۔ جب اپنے عقب میں کسی کو اپنا نام پکارتے سنا۔ وہ بے اختیار پلٹی ایک مڈل ایجڈ چھوٹے قد اور بھاری وجود کی عورت پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ اُس کی طرف آ رہی تھی۔ وہ مالک مکان تھی اور بہت دیر سے اُس کا

تعاقب کررہی تھی۔اُس کے چہرے پرنظر پڑتے ہی مومنہ کو یاد آیا کہ اس نے ابھی اِس مہینے کا کرایہ دینا تھا۔ذہن میں کوئی بہانہ ڈھونڈتے ہوئے اِس نے مالک مکان کو سلام کیا جواب اُس کے قریب آگئی تھی۔

''السلام علیکم عذرا باجی۔''

''وعلیکم السلام۔اُف تم نے تو دوڑ لگوادی۔کب سے آوازیں دے رہی ہوں تمہیں۔ پر مجال ہے تم نے پیچھے پلٹ کر دیکھا ہو۔''اُس عورت نے بڑی خوش دلی سے سلام کا جواب دیتے ہوئے گلہ کیا۔

''بڑی معذرت میں نے آواز سنی نہیں آپ کی۔''مومنہ نے مالک مکان سے کہا۔

''ہاں ہاں بھئی سٹار ہو تم کہاں سنو گی ہمارے جیسوں کی آوازیں؟ ثریا سے کہہ رہی تھی کیا ایکٹنگ کرتی ہے تمہاری بیٹی ماشاءاللہ۔سوپ دیکھ رہی ہوں تمہارا۔''عذرا نے پھولی ہوئی سانس بحال بغیر اُس کی تعریفیں شروع کردی تھیں۔مومنہ کچھ ریلیکس ہوئی اس کا مطلب تھا فی الحال کرائے کے لیے کچھ دن اور مل سکتے ہیں۔

''بہت شکریہ خالہ بس آپ کا پیار ہے۔''اُس نے انکسار سے کہا۔

''بس اب سوپ وغیرہ چھوڑ و اور کوئی سیریل کرو......کوئی بڑا رول۔''انہوں نے ساتھ ہی مشورہ دیا۔

''جی آج کل ایک سیریل بھی کررہی ہوں۔''اُس نے ایک طرح سے انکشاف کیا۔اگر اُنہیں مرعوب کرنے سے کچھ اور دن مل جائیں کرایہ دینے کے لیے تو کیا برا تھا۔

''ارے واہ، یہ تو بڑی خبر ہے۔کون کون ہے سیریل میں؟''انہوں نے فوراً پوچھا۔

''نشا ہے؟''

''اور تمہارا کیا رول ہے؟''

''چھوٹا رول ہے خالہ۔''

''چلو کوئی بات نہیں بڑا بھی ملے گا۔نشاء کو میرا بتانا کہ میں فین ہوں اُس کی۔''

''جی ضرور۔''مومنہ نے حامی بھرلی۔

''ارے ہاں جس بات کے لیے تمہیں روکا تھا۔وہ تو ذہن میں ہی نہیں رہی۔''وہ بالآخر مدعا پر آگئیں۔

''تمہارے گھر گئی تھی۔ جہانگیر کو دیکھا تو بڑا افسوس ہوا۔ جہانگیر سامنے تھا،تو ثریا سے کہنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔''ان کے چہرے پر اب ہمدردی کے تاثرات تھے۔''مجھے پتا ہے خالہ کرایہ لیٹ ہوگیا

ہے اس بار بھی، لیکن میں ایک ہفتہ تک دے دیتی دوں گی آپ کو......اس ہفتے سیریل کا چیک مل جائے گا۔اُس نے بڑے نادم انداز میں اُن سے کہا۔

''نہیں نہیں کرائے کی تو کوئی بات نہیں ہے وہ دے دینا تم...... مجھے اصل میں گھر خالی کروانا ہے۔'' وہ قدرے جھجک کر بولیں۔ایک لمحہ کے لیے مومنہ کی سانس رُکی۔

''گھر خالی کروانا ہے؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔

''ہاں بیٹا وہ بس میرا بیٹا اپنا گھر بنوا رہا ہے تو پیسے کم پڑ گئے ہیں۔اس لیے اب یہ والا گھر بیچنا پڑے گا۔''انہوں نے وضاحت دی۔

''لیکن خالہ اتنا اچانک......'' وہ بے حد پریشان ہوگئی۔

''نہیں......نہیں وقت تو دیں گے تمہیں۔مہینہ دو مہینہ......آرام سے گھر ڈھونڈو۔آخر میں فین ہوں تمہاری۔میں اب پھر چلتی ہوں درزی کے پاس بھی جانا ہے مجھے اور سیریل جب چلنا شروع ہو تو ضرور بتانا۔او کے خدا حافظ۔وہ اُسی طرح تیز تیز کہتی ہوئی چلی گئیں اور مومنہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وہ ہوں ہاں بھی نہیں کہہ سکی تھی۔وہ واقعی منحوس دن تھا، مگر اُس کی زندگی میں ایسے دنوں کی اتنی بھرمار تھی کہ اُسے اب اُن کی شناخت بھی بھول گئی تھی۔

تو اب یہ ایک اور مسئلہ ہوگا، نیا گھر ڈھونڈنا۔اُس نے چلنا شروع کر دیا۔اپنے گھر کے کھلے دروازے کے آگے لٹکتا پردہ ہٹا کر اُس کا دل چاہا وہ وہیں گر جائے کسی میراتھن میں حصہ لینے والے رنر کی طرح جو فنشنگ لائن تک پہنچتے پہنچتے ڈھے جانے کی خواہش جیتنے کی خواہش سے زیادہ کرنے لگتا ہے۔اپنا بیگ صحن میں بچھی چارپائی پر پھینکتے ہوئے اُس نے صحن کے کونے میں لگے بیسن کا نلکا کھول کر چہرے پر چھینٹے مارنا چاہے اور نلکے سے ''غراہٹوں'' کے علاوہ کچھ برآمد نہیں ہوا۔اُس کا دل عجیب طرح سے ڈوبا وہ اس وقت پسینے سے شرابور تھی اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد غسل خانے میں جا کر نہانا چاہتی تھی......مگر پانی ہی نہیں تھا۔

اُس نے صحن میں کپڑے دھونے والی جگہ پڑی بالٹی دیکھی جو بھری ہوئی تھی۔پھر پانی سے منہ پر چھینٹے مارنے لگی۔

''پانی کی پائپ لائن پھٹ گئی ہے وہاں سڑک پر...... پورے محلے والے جمع ہیں۔صبح سے وہیں سے پانی لا رہے ہیں۔اب دیکھو کب ٹھیک کرتے ہیں میونسپل کمیٹی والے۔'' اُس نے اپنے عقب میں اچانک ثریا کی آواز سنی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اُس نے اپنے چھوٹے بھائی جہانگیر کی بھی آواز

سنی تھی۔

''آپا تم آ گئیں......'' یہ جملہ وہ ہر روز اُس کے آنے پر کہتا تھا۔ اُس کے گھر داخل ہوتے ہی وہ اُس کے قدموں کی چاپ سن کر کمرے سے باہر آ جاتا۔ اُس سے دن بھر کی کارگزاری سننے کے لیے...... شوٹنگ پر ہونے والے واقعات کس نے کس سے کیا کہا، کون کس سے لڑا، کون کس کے ساتھ افیئر چلا رہا ہے، کون فلرٹ کر رہا ہے، اس کی پرفارمنس نے کتنوں کو متاثر کیا اور سین میں کس کس نے اُسے داد دی۔ اُس کا سوالنامہ روز ایک جیسا ہوتا تھا، مگر مومنہ کو روز نئے سرے سے اُس کی تیاری کرنا پڑتی تھی۔ باہر اور شوبز کی دُنیا کے ساتھ وہ جہانگیر انٹرایکشن کا واحد ذریعہ رکھ گئی تھی اور وہ اُسے entertained رکھنا چاہتی تھی۔

تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' جہانگیر کے سوال کے جواب میں اُس کا جواب بھی جہانگیر نے یقیناً رٹا ہوا ہوگا۔ وہ اُس کے سوال کا جواب ہمیشہ اس سوال سے دیا کرتی تھی اور پھر اُس کا جواب جہانگیر کی زبان پر ڈھونڈنے کے بجائے اُس کے چہرے اور باڈی لینگویج سے ڈھونڈتی تھی کیوں کہ جہانگیر کی زبان پر ہمیشہ جھوٹ ہوتا تھا۔

''میں تو ٹھیک ہوں۔'' اُس نے مسکرا کر کہا۔ اور وہ اُس کا چہرہ کھوجنے لگی۔ وہ ویسا ہی تھا جیسا روز ہوتا تھا۔ وہی حلقے، وہی پھیکی پھیکی زرد رنگت، وہی سیاہ ہونٹ، وہی آنکھوں کے گرد سوجن، وہی مرجھائی ہوئی آنکھیں اور وہی کھڑے رہ پانے کی جدوجہد...... وہ گردوں کی بیماری کے باعث ڈائیلاسس کروا رہا تھا اور مومنہ سلطان رقم جمع کرنے میں مصروف تھی جس سے وہ اُس کا گردہ ٹرانسپلانٹ کروا لیتی۔ وہ ایک ہی وقت بہت سے محاذوں پر جنگیں لڑ رہی تھی اور ہر جنگ ہار رہی تھی۔

''آپا آج کیسا گزرا سیریل کے سیٹ پر تمہارا پہلا دن؟'' جہانگیر اُس کی کھوجتی آنکھوں کو خود سے ہٹانا چاہتا تھا۔ ''میں سو کے اُٹھ جاؤں پھر بتاؤں گی۔'' اُس نے اندرونی کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کھانا تو کھاتی جاؤ۔'' ثریا نے اُس سے کہا۔ ''وہ بھی سونے کے بعد۔'' اُس نے پلٹے بغیر ماں سے کہا تھا یہ پوچھے بغیر کہ پکا کیا تھا۔ دال، آلو، کدو، گوبھی، چاول...... وہ مینو کی فہرست اور ترتیب سے واقف تھی اور اُسے یہ بھی پتا تھا کہ جب تک کرایہ ادا نہیں ہو جاتا، مینو میں گوشت کی اینٹری نہیں ہوسکتی اور وہ گوشت کی شوقین تھی بھی نہیں۔ ڈراموں کے سیٹس پر اُسے سب کچھ مل جاتا تھا۔ ثانوی کرداروں میں بھی اچھا کھانا یا کم از کم وہ کھانا جو اُس کے گھر سے بہتر ہوتا تھا اور کھانے کے بارے میں اب سوچتا بھی کون تھا۔ زیادہ سے زیادہ جو وہ سوچتی تھی وہ کھانا کھانے کے بارے میں تھا...... کیا کھانے

کے بارے میں نہیں تھا۔

چادر کو چہرے پر کھینچتے ہی وہ جیسے سکون کی وادی میں اُتر گئی تھی۔ یہ اُس کی عادت تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک چادر خود پر تان کر چت سویا کرتی تھی۔ وہ چادر نما خیمہ جیسے اُس کی حفاظتی باڑتھی جو کچھ لمحوں کے لیے اُسے ہر چیز سے بے نیاز کر دیتا تھا۔ اُس چادر کے اندر اُسے اپنے وجود کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ نہ گھر کی دیواروں سے اُترتا سیمنٹ یا برسات میں چھت سے ٹپکتا پانی، نہ گھر کا مرمت طلب فرنیچر نہ جہانگیر کا بیمار چہرہ، نہ ثریا کی مجبور نظریں نہ سلطان کی اُداس آنکھیں۔ اُس چادر کے اندر مومنہ سلطان کو صرف مومنہ سلطان نظر آتی تھی جو صرف اپنے ساتھ ہوتی تھی۔ کچھ دیر کے لیے نیند کی آغوش میں جانے سے پہلے وہ چادر کے اندر آنکھیں کھولے اُس چادر کی چھت کو دیکھتی رہتی اور اُس خالی پن میں سکون محسوس کرتی تھی۔ جیسے کسی نے سلیٹ پر لکھی گڈمڈ تحریریں کچھ دیر کے لیے ڈسٹر سے صاف کر کے مٹا دی ہوں اور سلیٹ بالکل خالی ہو۔

پنکھے کی گھر گھر کی آواز ہوا کے ذریعہ اُس کی چادر کو ہلانے اور سہلانے میں مصروف تھی اور باہر صحن میں ثریا اور جہانگیر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اُس چادر کے اندر وہ بند آنکھوں سے اُن کی آوازیں سن رہی تھی۔

''مجھے پتا ہے پہلا سین دیکھتے ہی ڈائریکٹر اور سارے ایکٹر متاثر ہو گئے ہوں گے آپا سے...... شاید تالیاں بھی بجائی ہوں۔ ہوسکتا ہے اگلا سیریل بھی دینے کی بات کر رہے ہوں۔'' جہانگیر dreamer تھا اور اون سلائیوں کے ساتھ ایک خواب کے اُدھڑے دھاگوں کے ساتھ دوسرا خواب بُننے کا عادی تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے چادر کے اندر سوچ رہی تھی۔

''ہاں کوئی لمبی سیریل مل جائے تو تمہارا گردہ ٹرانسپلانٹ کروالیں گے فوراً...... سیریل کے پیسے بھی تو بہت ملتے ہیں ہیرو ہیروئن کو۔''

اُس نے ثریا کی آواز سنی۔ مومنہ کی ہر کامیابی ثریا اور سلطان کے نزدیک جہانگیر کی زندگی بچانے کے قدموں کے طور پر گنی جاتی تھی۔ اب مومنہ یہ کرے گی تو جہانگیر کو یہ مل سکتا ہے، یہ کرے گی تو جہانگیر کے ساتھ یہ ہو جائے گا اور یہ ہوگا، تو وہ سانپ سیڑھی کا پورا بورڈ کسی سانپ کے زہر کا شکار ہوئے بغیر اپنے بھائی کے ساتھ پار کر جائے گی۔ وہ اس سے آگے کچھ سوچ نہیں پائی۔ نیند مہربان تھی اور زندگی نامہربان۔

☆......☆......☆

اُس نے آنکھیں کھول دیں اور پہلا احساس جو اُسے ہوا تھا وہ سر میں دھمک کا تھا۔ یہ رات کا hangover تھا......after party effects......وہ کچھ دیر اُسی طرح اپنے بیڈ پر ٹانگیں پسارے چت لیٹا رہا۔ آنکھیں کھولتا بند کرتا رہا۔ اُس کے کانوں میں رات کی پارٹی کے DJ کا بجایا ہوا میوزک اب بھی گونج رہا تھا۔ Drum کی بلند beat......اُس نے سر کو بے اختیار جھٹکا یوں جیسے شور کو بھی سر سے جھٹک دینا چاہتا تھا۔ پھر وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس کے گلاس پینٹ ہاؤس کی دیواروں اور کھڑکیوں سے اس وقت روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ وال کلاک 10 بجا رہا تھا اور وہ روٹین میں اُس کے جاگنے کا وقت تھا۔ چاہے وہ ساری رات ہی کوئی پارٹی اٹینڈ کر کے آتا لیکن دس بجے اُس کا باڈی کلاک اُسے کسی الارم کلاک کی طرح جگا دیتا تھا۔

بستر پر اُٹھ کر بیٹھا وہ چند لمحے پینٹ ہاؤس کی شیشے کی دیواروں سے نظر آتا منظر دیکھتا رہا۔ 30 منزلہ عمارت کی اُس آخری منزل پر موجود پینٹ ہاؤس میں صبح آنکھ کھلنے کے بعد وہ اسی طرح ہر روز بستر پر بیٹھا رہتا تھا۔ وہ اُس وقت انجانے میں زندگی کی بے معنویت کو محسوس کرنے کے چند لمحے تھے جو ہر روز قلبِ مومن کی زندگی میں اُسی وقت آتے تھے۔ ساری رات پارٹیز میں وقت گزارنے کے بعد صبح hangover کی کیفیت میں آنکھ کھلنے کے بعد بستر پر بیٹھ کر پینٹ ہاؤس کی گلاس والز سے نظر آنے والا سمندر اور اُس کے اوپر اُڑتے پرندے دیکھنا۔ وہ منظر اُس کے پینٹ ہاؤس سے بہت دور کا تھا اور وہ وہاں بیٹھے سمندر کی آواز نہیں سُن سکتا تھا۔ اس کے باوجود اُس کے اندر اُس منظر کو دیکھتے ہوئے سمندر کی موجوں اور لہروں کی حرکت کے ساتھ وہ شور بھی سنائی دیتا تھا جو اس وقت سمندر میں ہوتا۔

بستر سے اُتر کر وہ لڑکھڑا یا تھا۔ یہ لڑکھڑاہٹ بھی روٹین کی تھی۔ دو تین قدموں کے بعد وہ سنبھل جاتا آج بھی سنبھل گیا تھا۔

واش روم میں بیسن پر سر جھکائے وہ اپنے چہرے اور آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارتا ہی چلا گیا۔ یوں جیسے اندر سر میں سنائی دینے والی دھمک کو روکنا چاہتا ہو یا دھو دینا چاہتا ہو۔ پھر اُس نے سیدھا کھڑا ہو کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ سُرخ puffy آنکھیں، ہلکی بڑھی ہوئی شیو، بکھرے بال اور بھیگا ہوا چہرہ اور اُس چہرے سے نیچے گردن اور سینے تک آتی پانی کی باریک لکیریں۔ رات کی تھکاوٹ بھی آئینے میں نظر آنے والے مرد کی وجاہت کو دُھندلانے میں ناکام نظر آ رہی تھی۔ اُس کے تیکھے نین نقش اُس کے عرب یا ترکش ہونے کی چغلی کھا رہے تھے یا کم از کم اس کے genes میں اُس ancestory کی موجودگی کا برملا اظہار کر رہے تھے۔

آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے وہاں لکھا اپنے پورے دن اور اگلی رات کا شیڈول پڑھ رہا تھا۔ اُس کی مصروفیات کی ایک لمبی قطار تھی اور وہ ذہنی طور پر اس وقت اُن میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

نائٹ سوٹ کی شرٹ پہنتا وہ باہر لاؤنج میں آ گیا تھا۔ جہاں دیوار پر **اھدنا الصراۃالمستقیم** کی وہی بڑے سائز کی painting دیوار پر لگی ہوئی تھی۔ اُسی دیوار پر جس کے ساتھ وہ صوفہ پڑا جس پر بیٹھا وہ اس وقت TV آن کیے چینل سرفنگ میں مصروف تھا کسی میکانیکی انداز میں...... BBC سے فیشن چینلز اور وہاں سے اسپورٹس اور پھر دوبارہ BBC یا CNN...... اُس کی روز کی چینل روٹین بھی ایک جیسی ہی تھی۔ ملازم اُس کے باہر نکلنے اور بیٹھنے کے دوران اُس کے لیے کافی کا ایک مگ رکھ گیا تھا۔ سامنے ایک نیوز چینل پر اچانک رات کے ایوارڈ شو کی جھلکیاں دکھائی جانے لگیں تھیں۔ اُس نے آواز تھوڑی بلند کر دی۔ نیوز کاسٹر اُس کی فلم کے ایوارڈز کے حوالے سے خبر دے رہا تھا اور وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی ایوارڈ لیتے ہوئے فوٹیج دیکھ رہا تھا۔ تبھی اُس کا صوفے پر پڑا اسیل فون بجنے لگا۔ اُس نے فون کی اسکرین پر چمکتا شیلی کا نام دیکھا اور پھر LCD کی آواز ہلکی کرتے ہوئے فون کال ریسیو کی۔ وہ اُس کی پہلی فلم کی ہیروئن تھی۔

''ہیلو جان۔'' بے حد میٹھی اور بے حد familiar آواز میں اُس نے اُسے اُسی انداز سے مخاطب کیا تھا جس انداز سے وہ انڈسٹری کے ہر ہیرو اور ڈائریکٹر کو مخاطب کرتی تھی۔

''ہیلو شیلی۔'' اُس نے جواباً اُسی casual ٹون میں اُسے مخاطب کیا جس میں ہمیشہ کیا کرتا تھا۔

''اُف کیا کہوں تمہارے بارے میں تم نے تو تباہی مچا دی رات کو ایوارڈز میں......'' وہ اب اُسے مکھن لگانے کی مہم شروع کر چکی تھی۔

''ہم لوگ تو audience میں بیٹھے بس پہلے stunned تھے اور پھر تالیاں بجانے لگے تو بس بجاتے ہی گئے۔ میں نے تو کھڑے ہو کر تمہارے لیے clapping کی اور چیئرز بھی کیا تم نے دیکھا۔'' اُس نے مومن سے پوچھا۔ اُس کی بات سننے کے دوران کافی پیتے ہوئے ریموٹ لیے چینل سرفنگ میں مصروف ہو چکا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا شیلی بہت لمبی بات کرے گی۔

''نہیں کب؟'' وہ چونکا۔

''.oh God you missed it'' وہ بے اختیار مایوس ہوئی۔

''اگر اُن لوگوں نے ایڈٹ نہ کیا نا تو TV پر جب ایوارڈ شو چلے گا تو چلائیں گے تمہیں چیئر

کرتے ہوئے میری فوٹیج تم دیکھنا......تم نے تو کیسی جرأت دکھائی کہ اُن کے منہ پر ہی اُنہیں Cheater بول دیا......آج دیکھو ذرا نیوز پیپرز میں ایوارڈ سے زیادہ تمہاری اسپیچ کی کوریج ہے۔'' وہ قلبِ مومن کی جتنی تعریفیں کرسکتی تھی اس وقت کررہی تھی کیوں کہ بدقسمتی سے پچھلی رات ایوارڈز کی آفٹر پارٹی میں وہ کوشش کے باوجود قلبِ مومن سے مل کر یہ سب نہیں کہہ پائی تھی کیوں کہ اُس ایوارڈ شو اور برانڈ جو اُس ایوارڈ کو سپانسر کررہا تھا وہ مسلسل قلبِ مومن سے چپکے ہوئے اُسے وضاحتیں دے کر اُس کی خفگی ختم کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ اور شیلی اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ اُس برانڈ کے نمائندوں کے سامنے وہ قلبِ مومن کو اس ''دلیری'' پر وہاں کھڑے داد دیتی۔

''میں نے ابھی نیوز پیپرز دیکھے نہیں ابھی دیکھتا ہوں۔'' اُس نے شیلی سے مختصراً کہا۔'' ارے وہ تم نے Dusk کا کور دیکھا؟'' شیلی کو اچانک یاد آیا۔ مومن نے سامنے پڑے ہوئے اُس میگزین Dusk پر ایک نظر دوڑائی اور کہا۔

''ہاں دیکھا ہے۔''

''میری تصویر کا سائز دیکھو...... باقی دونوں سے چھوٹا کردیا ہے مجھے۔'' شیلی نے لمحہ بھی ضائع کیے بغیر شکایت کی۔ مومن نے کچھ سمجھے بغیر میگزین اُٹھالیا اور اُس کور کو دیکھنے لگا جس پر اُس کے ساتھ اُس کی پچھلی تین فلموں کی ہیروئنز کی بے حد مختصر ملبوسات میں تصاویر تھیں اور اوپر ایک heading میں The Queen Maker لکھا ہوا تھا۔

مومن نے ایک نظر کور پر ڈال کر میگزین کو دوبارہ ٹیبل پر پھینکتے ہوئے کہا۔''ہاں ہاف انچ ہی چھوٹی ہوگی اگر ہوئی بھی تو۔'' دوسری طرف اُس کے جملے پر شیلی جیسے چلاّ اُٹھی تھی۔

''ہاف انچ بھی کیوں چھوٹی ہوئی میری پکچر...... کس کی فلم ہٹ ہوئی ہے اس سال......؟ میری...... اور تصویر کس کی چھوٹی دے رہے ہیں؟...... وہ بھی میری؟'' مومن نے اُسے تسلی دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔''تم پرواہ مت کرو۔''

''کیسے پرواہ نہ کروں۔ مجھے کیا پتا نہیں کہ Dusk کے ایڈیٹر کی نیت کیا ہے اور کس طرح وہ لینا کو پروموٹ کررہے ہیں۔'' شیلی نے اُس کور میں موجود ایک دوسری ہیروئن کا نام لیتے ہوئے کہا۔ مومن اب بے زار ہونے لگا تھا۔ وہ صبح سویرے تصویروں کی سائزنگ میں سر کھپانا نہیں چاہتا تھا۔

''شیلی اس وقت میرے سر میں شدید درد ہورہا ہے اور تمہاری آدھی باتیں میرے سر کے اوپر سے گزر رہی ہیں۔'' اُس نے بے حد صاف گوئی سے کہا اور شیلی نے بغیر برا منائے فوراً ہی اپنی ٹون بدلی۔

''جان مجھے بتایا کیوں نہیں۔ میں اپنی باتیں لے کر بیٹھ گئی، سوسوری جان۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

''نہیں......نہیں ابھی تو میں آڈیشنز کے لیے نکل رہا ہوں۔'' مومن نے فوراً کہا۔شیلی نے جواباً کچھ خفگی سے اُس سے کہا۔

''.You have been so mean to me اتنی بڑی ہٹ دی ہے تمہیں اور تم پھر بھی اگلی فلم کے لیے آڈیشن کرنے بیٹھے ہو۔''

مومن نے بے ساختہ کہا۔

''تمہیں پتا ہے میں ہیروئن repeat نہیں کرتا۔ یہ میری کامیابی کی وجہ ہے۔''

''گالی دینا چاہتی ہوں تمہیں میں اس بات پر۔'' شیلی نے جواباً کہا۔

''وہ تم text کر دینا۔ ابھی تو میں نکل رہا ہوں گھر سے۔'' مومن نے جواباً tease کرنے والے انداز میں اُسے کہا۔''ہو تم ویسے گالیوں ہی کے قابل۔'' دوسری طرف سے شیلی نے فون بند کرنے کے بعد کہا تھا۔

☆......☆......☆

اُس چھوٹے سے کمرے میں پڑا فرنیچر مرمت طلب ہونے کے باوجود اپنے ''خاندانی'' ہونے کا اظہار کررہا تھا اور اُس گھر، کمرے اور اُس گھر میں رہنے والوں کی خستہ حالی کے باوجود اُس کمرے میں فرنیچر کی بہت ساری چیزیں تھیں جو مرمت ہو جاتیں تو اینٹک کہلاتیں۔ اور فرنیچر کی اُنہیں آئٹمز میں وہ قدِ آدم شیشہ بھی تھا جو پہلے کبھی کسی ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ منسلک تھا، مگر اب اُس کے بغیر ہی اُس دیوار پر لگا یا گیا تھا جس کے سامنے اس وقت مومنہ سلطان کھڑی انگلیوں میں سگریٹ لیے کش لگاتی اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے جیسے آئینے سے باتیں کر رہی تھی۔

''آئینہ مجھ سے محبت کرتا ہے، میں تم سے اور تم کسی اور سے......تینوں پاگل ہیں اور تینوں خالی ہاتھ رہیں گے۔'' وہ آخری جملے پر ہذیانی انداز میں قہقہہ مار کر ہنسی پھر کھانسی۔ اُس کی آنکھوں میں پانی آ گیا اور وہ سُرخ ہو رہی تھیں۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر انگلیوں میں دبے سگریٹ کو دیکھتے ہوئے اُس نے کہا۔

''دیکھو اس سگریٹ کو تمہارے ہونٹوں نے چھوا ہے۔ اب تک جل رہا ہے۔ ایسی ہی ایک آگ میں، میں بھی جل رہی ہوں۔''

وہ جیسے آئینے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہی تھی۔

''اسے تو میں بجھا سکتی ہوں، مگر میں اور یہ آئینہ ہم جل سکتے ہیں، بجھ نہیں سکتے۔ آگ ہو سکتے

ہیں راکھ نہیں۔''

اُس نے جلتے ہوئے سگریٹ کو اپنی ہتھیلی پر بجھایا اور آئینے میں نظر آنے والے اُس عکس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی اُس کا سیل فون بجنے لگا۔ بجھا ہوا سگریٹ ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے اُس نے فون اُٹھالیا اسکرین پر داؤد کا نام چمک رہا تھا۔

''مومنہ ساڑھے بارہ بجے ہے آڈیشن......تم آرہی ہونا۔ دیکھو دیر مت کرنا۔'' دوسری طرف وہ داؤد تھا۔

''ہاں...... ہاں ...... میں آرہی ہوں۔ بس تھوڑی دیر میں نکل رہی ہوں۔'' داؤد نے اُس کی بات سننے سے پہلے ہی فون بند کر دیا۔ وہ جلدی میں تھا اور ہمیشہ ہی جلدی میں رہتا تھا۔

''مومنہ ناشتا تو کر لو بیٹھ کر۔'' وہ ابھی فون اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی جب ثریا ایک ٹرے میں چائے کا کپ اور دو سلائس رکھے آئی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر ناشتا کرنے بیٹھ گئی۔ ثریا چند لمحے وہیں کھڑی رہی پھر اُس نے کہا۔

''ریہرسل کر لی نا؟''

''ہاں۔'' چائے کا سپ لیتے ہوئے مومنہ نے کہا۔

''مجھے سنا دو ایک بار۔'' ثریا کو تجسس ہوا۔

''نہیں اماں......بس اب آڈیشن میں ہی بولوں گی یہ لائنز۔'' اُس نے سلائس کا ایک اور لقمہ چبا کر چائے سے نگلتے ہوئے کہا۔

''تمہارے کپڑے پریس کرتی ہوں۔'' ثریا دروازے کی طرف لپکی جب مومنہ کی آواز نے اُس کے پیروں میں بیڑی ڈالی۔

''میں یہ کام نہیں کرنا چاہتی۔'' ثریا نے پلٹ کر مومنہ کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں کی بے چارگی کو دیکھا پھر مدھم آواز میں کہا۔

''کیوں کہتی ہو ہر بار یہ جملہ مومنہ جب جانتی ہو کہ یہ کام چھوڑ بھی نہیں سکتی۔''

''اپنے آپ کو یاد دہانی کرواتی ہوں اور تو کچھ نہیں۔'' وہ کہتے سلائس کا آخری ٹکڑا نگلی یوں جیسے جلدی میں ہو۔

''جہانگیر سے مل لوں پھر ابا سے میک اپ کروانا ہے۔'' اُس نے کہا اور دروازے میں کھڑی ثریا کے پاس سے گزر گئی جو اُس کے کپڑے لیے وہاں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

☆......☆......☆

اپنی کلائی پر گھڑی باندھتے ہوئے وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوئی جہاں جہانگیر اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کے قدموں کی چاپ پر اُس نے آنکھیں کھول دیں اور اُسے دیکھ کر مسکرایا وہ بھی جواباً مسکرائی۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' وہ اُس کے سوال پر بے اختیار ہنسا اور بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آپا پھر وہی سوال...... میں ٹھیک ہوں۔''

''مجھے پتا ہے اور ایک دن تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' جہانگیر نے ترکی بہ ترکی کہا۔

''مجھے یہ بھی پتا ہے۔''

''آڈیشن کے لیے جا رہی ہوں...... تم دعا کرنا۔'' اُس نے جہانگیر سے کہا۔

''قلبِ مومن کی فلم کے لیے آڈیشن کے لیے جا رہی ہیں نا؟'' جہانگیر نے بے حد اشتیاق سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اُس کا ذہن کہیں گم تھا۔

''میں نے رات کو نیوز میں دیکھا تھا اُس کی فلم کو پھر ایوارڈ ملا ہے۔'' جہانگیر بڑی ایکسائٹمنٹ سے اُسے بتانے لگا۔

''آپ کو پتا ہے ہیٹ ٹرک کر لی ہے اُس نے بیسٹ فلم اور ڈائریکٹر کی۔ تین فلمز بنائی ہیں اور تینوں نے ایوارڈ جیتے ہیں۔ انڈسٹری کا پہلا ڈائریکٹر ہے جس نے یہ کارنامہ کیا ہے۔'' جہانگیر رُکے بغیر اُسے بتاتا چلا گیا اور وہ صرف اُس کا چہرہ دیکھتی چلی گئی۔ وہ آج بھی انڈسٹری کی اس طرح خبر رکھتا تھا جیسے انڈسٹری کا حصہ ہو۔ اس بیماری میں گھر میں قید ہو جانے کے بعد اُس کی واحد activity یہی رہ گئی ہے...... TV پر شوبز کی خبریں اور فلمز دیکھنا۔ وہ کبھی کبھار اُس کے لیے نیوز اسٹالز سے پرانے شوبز میگزینز لے آتی تو جہانگیر کی خوشی دیدنی ہوتی۔

''دُعا کرنا جہانگیر۔'' اُس نے جہانگیر سے کہا۔ یہ جیسے اُس کا معمول تھا۔ کسی بھی آڈیشن یا پروجیکٹ کی شوٹ شروع ہونے سے پہلے جہانگیر سے دُعا کے لیے کہنا۔ اُسے پتا نہیں کیوں اُس کی دعا پر یقین تھا۔ شاید اُس صبر اور برداشت کی وجہ سے جس سے وہ اپنی بیماری کاٹ رہا تھا۔

''فکر نہ کریں...... مل جائے گی آپ کو فلم...... سٹار بنیں گی آپ...... بہت بڑی فلم سٹار۔'' وہ جیسے اُس کو please کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہن کی جدوجہد سے وہ واقف تھا۔ شوبز کے لئے اُس کی ناپسندیدگی سے بھی...... لیکن اپنے لیے دی جانے والی اُس کی قربانی سے بھی۔

''ستارہ نہیں بننا مجھے...... ستارے تو ٹوٹ جاتے ہیں۔ مجھے تو صرف تمہارا علاج کروا کر تمہارے ٹوٹتے ستارے کو بچانا ہے۔''

اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے مومنہ نے سوچا تھا۔

''میں باہر تک چھوڑنے آؤں۔'' جہانگیر نے اُسے آفر کی۔

''بالکل نہیں میں ابھی ابا کے پاس جا رہی ہوں میک اپ کروانے۔ تمہیں بیٹھنا پڑے گا خوامخواہ ہی برآمدے میں...... وہاں گرمی ہے، تم یہیں بیٹھو۔'' اُس نے فوری طور پر اُسے منع کر دیا۔ پھر وہ اس کی سائیڈ ٹیبل پر جا کر اُس کی میڈیسنز چیک کرتے ہوئے بولی۔

''کون کون سی میڈیسنز ختم ہو گئی ہیں؟ میں آج لیتی آؤں گی۔'' جہانگیر نے اُسے دو میڈیسنز کا بتایا تھا اُسے ان کی پوٹینسی پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ کیوں کہ اُسے گھر میں ہر فرد کی میڈیسن کی پوٹینسی کا پتا تھا۔ باہر سے سلطان کی آواز آنے لگی۔ وہ اُسے بلا رہا تھا۔ وہ جہانگیر کے کمرے سے واپس اپنے کمرے میں گئی اور استری کیے کپڑے پہن کر برآمدے میں اُس کرسی پر آ کر بیٹھ گئی جس پر بٹھا کر سلطان کسی کا بھی میک اپ کیا کرتا تھا۔

وہ پرانے زمانے کا ایک وینٹی باکس کھولے اُس میں موجود چیزوں کو اِدھر اُدھر کرتے مومنہ کے انتظار میں تھا۔ مومنہ کے کرسی پر بیٹھتے ہی اُس نے بے حد پروفیشنل انداز میں ایک کپڑا مومنہ کی گردن میں حمائل کیا۔ وینٹی باکس میں سے ایک فاؤنڈیشن نکال کر بڑی پھرتی سے اُس فاؤنڈیشن کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر گیلے sponge کے ساتھ اُسے مومنہ کے چہرے پر لگانے لگا۔ نقطوں کی شکل میں...... وہ میک اپ کرنے کا پرانا طریقہ تھا اور سلطان پرانے طریقوں سے ہٹنے پر تیار نہیں تھا۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے مومنہ خاموشی سے میک اپ کرواتے ہوئے وینٹی باکس کے ڈھکن پر لگی حسنِ جہاں کی ایک بے حد دلکش مسکراہٹ والی تصویر کو دیکھنے لگی۔ جس پر کوئی بھی نظر ڈالتا تو اُسے ایسا ہی لگتا جیسے وہ اُسے ہی دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

وہ اب بھی اُسے ہی دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اُس پر نظریں جمائے مومنہ دل ہی دل میں گھڑی کی سوئیاں گن رہی تھی۔

''ابا ذرا جلدی مجھے بس پکڑنی ہے۔'' مومنہ نے بالآخر سلطان سے کہہ ہی دیا۔ سلطان کے ہاتھ پہلے سے زیادہ تیزی سے کام کرنے لگے تھے اور وہ ساتھ کہنے لگا۔

''ہاں...... ہاں...... بس ہو جائے گا پانچ منٹ میں سب۔ حسنِ جہاں کو بھی پانچ منٹ میں تیار

کرتا تھا میں ۔اُسے بھی جلدی ہوتی تھی ہر کام کی۔ایسی مکھن جیسی دودھیا ملائم سکن تھی اُس کی ۔پاؤڈر بھی پھسلتا تھا۔میرے علاوہ کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھی وہ چہرے کو۔میرے ہاتھ کے علاوہ کسی پر اعتبار نہیں تھا اُسے۔مومنہ حسنِ جہاں کا تذکرہ سننے کی عادی تھی اور صرف وہ ہی نہیں اُس گھر کا ہر شخص اور سلطان کا ہر دوست اور ملنے والا۔

وہ حسنِ جہاں کا میک اپ آرٹسٹ رہ چکا تھا اور دن میں کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا تھا جب اُسے کسی نہ کسی حوالے سے حسن جہاں کی یاد نہ آتی تھی۔

وینٹی باکس کے ڈھکن پر لگی اُس کی مسکراتی تصویر دیکھتے ہوئے مومنہ اُس کے قصے باپ کی زبان سے سن رہی تھی اور وہ سب اتنی بار سنا ہوا تھا کہ وہ باپ کا اگلا جملہ بھی دہرا سکتی تھی۔

''یہ لو...... ہو گیا کام۔اب بس لپ اسٹک رہ گئی۔'' سلطان گہرا سانس لیتے ہوئے سیدھا ہوا اور اُس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

''ابا لپ اسٹک میں خود لگاتی ہوں۔'' مومنہ نے باپ کو روکنے کی کوشش کی۔سلطان نے اُسے ٹوک دیا اور وینٹی باکس میں سے اُس کے لیے لپ اسٹک ڈھونڈنے لگا۔

''لپ اسٹک لگانا ہی تو اصل آرٹ ہے۔کیمرے کے سامنے بھدی اور اناڑی کی لگی ہوئی لپ اسٹک کی وجہ سے بڑے بڑے خوب صورت چہرے بھی برے لگتے ہیں۔'' وہ اس کے ہونٹوں پر برش سے لپ اسٹک لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ اپنا پاؤں ہلانے لگی تھی اُسے واقعی جلدی تھی۔

''یہ لو......دیکھو ٹھیک ہے نا۔'' سلطان نے بالآخر اُس سے کہا۔اُس نے آئینے میں خود پر نظر ڈالتے ہوئے فوری طور پر اُٹھتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک ہے ابا۔'' سلطان پرانے زمانے کا میک اپ آرٹسٹ تھا، لیکن مومنہ کو اُس کے ہاتھ پر یقین تھا۔وہ جب بھی سلطان سے میک اپ کروا کر جاتی تھی......اسکرین پر اُس کا چہرہ بے حد اچھا لگتا تھا۔سلطان اپنے کام کا ماہر تھا۔اپنے زمانے میں فلم انڈسٹری میں اُس کا طوطی بولتا تھا۔

☆......☆......☆

''وہ کل جہانگیر کا ڈائیلاسس ہے۔تمہارے سیریل کی payment کب آئے گی۔'' ثریا یک دم کمرے سے برآمدے میں آئی اور مومنہ کو یاد دہانی کروائی۔

''آج جاؤں گی آڈیشن کے بعد payment کے چیک کے لیے۔جونیئر آرٹسٹ ہوں، خود کہاں آئے گی میری payment۔'' وہ بڑبڑائی تھی۔

''بس آپ لوگ دعا کریں۔ یہ فلم مل جائے کسی طرح۔'' اُس نے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے ثریا اور سلطان دونوں سے کہا۔

''میں نے تیار کیا ہے۔تم دیکھنا کیمرے کے سامنےحسنِ جہاں لگے گی۔ یوں رول دیں گے یوں۔'' اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ گھر سے نکلتے ہوئے اُس نے عقب میں سلطان کو بے حد گمان سے ثریا سے کہتے سنا۔ وہ باپ سے یہ نہیں کہہ سکی کہ اب کوئی بھی حسنِ جہاں کو نہیں جانتا پہچانتا ہے......اور میک اپ دیکھ کر اگر رول دیے جاتے تو......

اسٹاپ پر کھڑی بس پر بیٹھتے ہوئے بھی اُس نے یہی سوچا تھا۔

''ابا کو لگتا ہے ان کا وینٹی باکس مجھے حسنِ جہاں بنادے گا۔ابا کو پتا ہی نہیں ان کے وینٹی باکس کی ساری چیزیں expire ہوچکی ہیں یا دونمبر ہیں۔اب وہ برانڈ بھی بند ہو چکا ہے جو برانڈ حسنِ جہاں کا پسندیدہ تھا۔'' اس نے کھڑکی سے باہر سڑک پر بھاگتی ٹریفک کو دیکھتے ہوئے تلخی سے سوچا تھا۔ یہ ساری باتیں وہ صرف سوچ سکتی تھی کہہ نہیں سکتی تھی۔

''ابا ہر بار مجھے حسنِ جہاں بنا کر دنیا میں بھیجتے ہیں اور میں پھر مومنہ سلطان بن کر رہ جاتی ہوں۔اُس نے سوچا۔

☆......☆......☆

آفس کی reception میں تقریباً 25 لڑکیاں تھیں۔ مومنہ اُن میں سے چند چہروں کو فوراً پہچان گئی۔ وہ چند اُبھرتی ہوئی ماڈلز تھیں اور چند دوسری ایکٹریسز جنہوں نے حال ہی میں ایک آدھ سیریل میں مین لیڈ کی تھی اور وہ اُس Reception area میں بیٹھی کچھ نہ کہے اور کیے ہوئے بھی بے حد گلیمرس اور اسٹائلش لگ رہی تھیں۔ اُن میں سے کچھ اپنے اپنے سیل فون پر مصروف آس پاس بیٹھی لڑکیوں کو اگنور کررہی تھیں۔ کچھ جو ایک دوسرے سے واقف تھیں وہ بیٹھی اور کھڑی گپ شپ لگا رہی تھیں۔ چند ایک ہاتھ میں پکڑے اسکرپٹ پر نظر ڈال رہی تھیں اور چند ایک دوسری لڑکیوں کو گھورنے اور evaluate کرنے میں مصروف تھیں اور وہ سب ہر طرح کے کپڑوں میں ملبوس تھیں سادہ جینز اور کرتوں سے لے کر فارمل پینٹس اور tunics تک اور کچھ اسکرٹس بھی۔ لانگ شارٹ دونوں قسم کے......صرف چند ایک تھیں جو شلوار قمیص میں ملبوس تھیں اور مومنہ ان میں واحد تھی جس کے گلے میں دوپٹا بھی لٹک رہا تھا۔ باقی کوئی اگر شلوار قمیص میں ملبوس تھی بھی تو سلیولیس قمیص میں ٹخنوں سے بہت اونچے اور گھٹنوں سے تھوڑا ہی نیچے والی کیپری میں۔

مومنہ کے لیے وہ مجمع نیا نہیں تھا۔ نہ وہ وہاں discomfort کا شکار ہوئی تھی نہ کم اعتمادی کا۔ وہ ایسے ہی crowd کے ساتھ میڈیا میں کام کر رہی تھی اور اُن سب کی insecurities اور رویوں سے بخوبی واقف تھی، مگر وہاں بیٹھے اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ اس crowd میں وہ اپنی جگہ بنائے گی یا نہیں، لیکن اس وقت اس آڈیشن کے لیے وہاں بیٹھے ہوئے اس کے سر پر جہانگیر کا کل کا ڈائیلاسس سوار تھا۔ اُس کی وہ میڈیکل فائل جو گھر سے نکلتے ہوئے ثریا نے اُس کے ہاتھ میں تھمائی تھی کیوں کہ ڈاکٹر نے کچھ دوائیاں تبدیل کی تھیں اپنے پچھلے چیک اپ میں......جس میں مومنہ شوٹنگ کی وجہ سے نہیں جا سکی تھی اور وہ نئی دوائیاں مہنگی اور پیسے نہ ہونے کی وجہ سے سلطان کو اس وقت خرید کر شروع نہیں کروا سکی تھی۔ جہانگیر کے میڈیکل اخراجات اسی طرح اوپر نیچے جاتے تھے اور اُس کے اچانک آنے والے اخراجات مومنہ کے سارے مالیاتی تخمینوں اور اندازوں کو ملیامیٹ کر دیتے تھے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہر مہینے کسی نہ کسی سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتی۔

وہ اُس وقت بھی اُس میڈیکل فائل کو کھولے اُن اخراجات کا حساب لگانے میں مصروف تھی جو اُس کا رائلٹی چیک نہ ملنے پر اُسے پھر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ فائل کو اس طرح کھولے اُس میں سر گھسائے بیٹھی تھی کہ دائیں بائیں بیٹھی لڑکیاں اُس فائل کے اندر موجود Prescription کو نہ دیکھ سکیں، مگر جس وقت وہ بالآخر اُس سارے مینٹل maths سے گہرا سانس لیتے ہوئے فارغ ہوئی اور فائل بند کرتے ہوئے اپنا سر سیدھا کیا، تو اُس کے برابر بیٹھی لڑکی نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

’’You are so focussed جب سے آئی ہیں بس اسکرپٹ میں سر دیے بیٹھی ہیں۔ مجھے تو ابھی تک لائنز بھی ٹھیک سے یاد نہیں۔‘‘ اُس لڑکی نے مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا۔ وہ بھی جواباً اُسی انداز میں مسکرا دی اور اُسے اچانک آڈیشن اور اسکرپٹ دوبارہ یاد آیا۔

وہ لڑکی پہلی بار کسی ایکٹنگ اسائمنٹ کے لیے آڈیشن دینے آئی تھی اور نروس تھی۔ چند لمحے وہ مومنہ سے گپ شپ کرتی رہی اور جب وہ خاموش ہو کر اپنے اسکرپٹ کی طرف متوجہ ہوئی تو مومنہ Reception area سے باہر نکل آئی۔ اُس کی باری میں ابھی دیر تھی اور اُسے بہت ضروری کال کرنی تھی۔

اسٹوڈیو کی اینٹرنس کے سامنے ہی ٹہلتے ہوئے اُس نے اپنے ایک ڈائریکٹر کو فون کیا۔

’’مومنہ ابھی تمہیں ہی فون کرنے والا تھا میں۔ ایک رول ہے۔ کام نکالا ہے خاص طور پر

تمہارے لیے میں نے سوپ میں۔'' سلیم بھائی نے چھوٹتے ہی اس کی آواز سنتے ہوئے کہا۔ مومنہ بے اختیار خوش ہوئی۔

''بڑی مہربانی سلیم بھائی...... کتنے دن کا کام ہے؟''

''دس دن کا۔'' اُن کے اگلے جملے نے اُسے مایوس کیا تھا۔

''کوئی بڑا رول دیتے مجھے سلیم بھائی اس بار تو......''

''ہاں...... ہاں اگلی بار بڑا رول دوں گا...... کتنی بار تو سمجھایا ہے تمہیں کہ پروڈیوسر کے ساتھ گپ شپ لگایا کرو۔ اس کی پارٹی میں جاؤ، دوستی بناؤ۔ آنا جانا ہوگا تو رول بھی ملے گا اور رول بڑا بھی ہوتا جائے گا۔'' سلیم بھائی نے اُسے فوری طور پر وہی مشورہ دیا تھا جو وہ ہمیشہ دیتے تھے۔ وہ مومنہ کے فن کے واقعی قدردان تھے، مگر کام وہ اُسے زیادہ نہیں دے پاتے تھے اور نہ دینے کی وجوہات وہ ہمیشہ مومنہ کو بڑی صاف گوئی سے بتا دیتے تھے جنہیں وہ برا مانے بغیر سن لیا کرتی تھی کیوں کہ وہ وجوہات وہ پہلے ہی جانتی تھی۔

''میرا چیک مل جائے گا سلیم بھائی آج۔'' اُس نے سلیم بھائی کے مشوروں کے جواب میں عجلت کے عالم میں کہا۔

''آج تو مشکل ہے۔'' انہوں نے جواباً کہا۔

''کسی طرح کروادیں سلیم بھائی...... جہانگیر کا ڈائیلاسس ہے کل۔ تھوڑی بہت رقم تو دلوادیں مجھے۔''

اُس نے کچھ منت بھرے انداز میں کہا۔ وہ اُن کا انکار سن کر واقعی پریشان ہوگئی تھی۔

''اچھا...... اچھا میں کرتا ہوں کچھ...... تم آرہی ہو؟'' سلیم بھائی کو جہانگیر کی بیماری کا پتا تھا اور وہ اُس سے ہمدردی رکھتے تھے۔

''ہاں دو تین گھنٹے تک۔'' اس سے پہلے کہ وہ ان سے کچھ اور کہتی اُس نے اپنے عقب میں داؤد کی آواز سنی۔ وہ خفا لگ رہا تھا۔

''حد ہے مومنہ میں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔ فون الگ سے بزی چل رہا ہے تمہارا۔'' داؤد اندر سے باہر نکلا تھا۔ وہ مومن کا اسسٹنٹ تھا۔

''جی ٹھیک ہے سلیم بھائی، خدا حافظ۔'' مومنہ نے فون بند کرتے ہی اُس سے معذرت کرنا شروع کی۔

''ایک ضروری کال تھی بس...... ختم ہوگئی میری باری آگئی کیا؟''

''یار خاص طور پر لی ہے تمہاری باری...... اور تم غائب اب آ جاؤ جلدی۔ ڈائیلاگز یاد ہیں نا۔'' وہ کہتے ہوئے اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اندر چلا گیا اور وہ بھی تیز قدموں سے اُس کے پیچھے چل دی۔

☆......☆......☆

داؤد نے اُس کے لیے اسٹوڈیو کا دروازہ کھولا اور وہ اندر داخل ہوگئی۔ پہلی نظر میں اندر داخل ہونے پر اُسے قلبِ مومن نظر نہیں آیا جو اس وقت ایک ٹیبل پر لیپ ٹاپ پر وہ فوٹیج دیکھ رہا تھا جو آڈیشن کے لیے شوٹ ہو رہی تھی۔

''وہاں چلی جائیں۔'' داؤد نے اُسے اسٹوڈیو کے اُس حصہ کی طرف ڈائریکٹ کیا جہاں سپاٹ لائٹس تھیں اور مومنہ نے اُس وقت ایک ٹیبل پر لیپ ٹاپ لیے بیٹھے مومن کو دیکھ لیا تھا، مگر وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ اُس کی پوری توجہ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر تھی۔ اُس اسٹوڈیو میں crew کے چند لوگ بھی تھے۔ مانیٹر پر بیٹھا ایک شخص اور کیمرے کے پیچھے کھڑا ایک اور شخص۔

مومنہ رُکے بغیر سیدھا اُس جگہ پر جا کھڑی ہوئی جہاں ایک اسٹول پڑا تھا اور سپاٹ لائٹ کی روشنی مرکوز تھی اور جیسے ہی وہ وہاں کھڑی ہوئی قلبِ مومن نے پہلی بار نظر اُٹھا کر اُسے دیکھا اور لیپ ٹاپ کے بجائے اُس مانیٹر کی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا جو اُس ٹیبل پر ہی پڑا تھا۔

''یہ مومنہ سلطان ہیں۔'' داؤد نے قلبِ مومن کو جیسے اُس کا تعارف دیا وہ مومن کی میز پر جا کر بیٹھ چکا تھا۔

''ان کی شوریل میں نے share کی تھی آپ کے ساتھ۔'' اس نے مومن کو یاد دلایا۔ سپاٹ لائٹس کی روشنی میں بہت دور نیم تاریکی میں میز کے دوسری طرف بیٹھے قلبِ مومن کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اُس وقت وہاں تیز روشنیوں میں کھڑی داؤد کو بھی ٹھیک سے نہیں دیکھ پا رہی تھی۔

''اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔'' وہ پہلا جملہ تھا جس میں قلبِ مومن نے اُسے براہ راست مخاطب کیا تھا۔

''میں مومنہ سلطان ہوں، گریجویشن کیا ہے۔ تین چار سال سے ایکٹنگ کر رہی ہوں۔'' مومنہ نے میکانیکی انداز میں کہنا شروع کیا۔

''میں نے کبھی کسی فلم میں نہیں دیکھا آپ کو۔'' مومن نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''TV پر کام کرتی ہوں میں۔'' مومنہ کو اب اُسے دیکھنا کچھ آسان لگنے لگا تھا۔

''کس سیریل میں lead کیا ہے؟'' مومن کا اگلا سوال آیا۔

''لیڈ نہیں کیا...... کافی سوپس میں کام کیا ہے...... سیریل میں اب کر رہی ہوں۔'' مومنہ نے جواباً کہا۔ اُس نے قلبِ مومن کو داؤد کی طرف مڑتے اور بے حد تند و تیز لہجے میں کہتے سنا۔

"She works in soaps and you have invited her for my movie!"

مومنہ کا رنگ سرخ ہوا، مگر وہ اُس سے نہیں داؤد سے مخاطب تھا اور داؤد نے کچھ کمزور سے لہجے میں اُسے defend کرنے کی کوشش کی۔

''ایکٹریس بہت اچھی ہے۔ اس لیے میں نے سوچا...... آپ دیکھ لیں۔'' مومن داؤد کے جملے پر دوبارہ سیدھا ہو کر مومنہ سے مخاطب ہوا۔

''اسکرپٹ آپ کے پاس ہے؟'' اس نے کہا۔

''جی۔'' مومنہ نے جواباً کہا۔

''پہلا سین پرفارم کر کے دکھائیں۔'' اگلی ہدایت آئی۔ مومنہ نے کسی توقف کے بغیر ہاتھ میں پکڑے اسکرپٹ کو میڈیکل فائل کے اوپر رکھتے ہوئے کھولا۔ ایک نظر صفحے پر ڈالی پھر اسکرپٹ اور میڈیکل فائل کو اُس اسٹینڈنگ اسٹول پر رکھنے کے بعد وہ آڈیشن کے لیے تیار ہو گئی۔

سامنے کیمرے میں دیکھتے ہوئے اُس نے جھکا ہوا سر اُٹھایا اور کیمرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولنا شروع کیا۔

''میں جانتی ہوں تم مجھ سے نفرت کرتے ہو...... محبت سے زیادہ گہرا، پرانا اور دائمی رشتہ ہے میرا اور تمہارا۔ کوئی مجھے چوائس بھی دے، تو میں اپنا اور تمہارا رشتہ نہ بدلوں۔'' پہلا ڈائیلاگ بولتے ہوئے اُس نے اپنے دوپٹے کو دوبارہ ٹھیک کیا اور اس سے پہلے کہ وہ دوسرا ڈائیلاگ بولتی۔ اُس نے قلبِ مومن کو کہتے سُنا۔

''دوپٹا اُتار دیں اپنا۔'' وہ چند لمحوں کے لیے ساکت ہوئی پھر اُس نے کہا۔

''جی؟''

''سین خراب کر رہا ہے یہ۔'' قلبِ مومن نے جواباً مانیٹر پر ہی اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ فوٹو جینک تھی وہ یہ دیکھ چکا تھا۔

''میں باندھ لیتی ہوں۔'' اس نے مومنہ کو جواباً کہتے سنا اور اس نے کچھ خفگی کے عالم میں مانیٹر

سے نظریں ہٹا کر سیدھا اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اُتار دینے میں کیا اعتراض ہے آپ کو؟''

''میں comfortable نہیں ہوں گی سین میں۔'' مومنہ نے جواباً کہا۔قلب مومن بے اختیار ہنسا۔

''میری فلم میں کوئی دوپٹا نہیں لیتا اور آپ دوپٹا اتار دینے سے سین نہیں کروا پائیں گی؟ تم نے رول بتایا ہے اسے۔'' اُس نے پہلا جملہ مومنہ سے اور آخری داؤد سے بولا تھا۔

''آہ وہ میری اتنی detail میں بات نہیں ہوئی بس آڈیشن والے سینز دیے تھے۔ بریف بھی تھا اُس میں۔'' داؤد نے اتنے ڈائریکٹ کال پر کچھ گڑبڑا کر کہا تھا۔ داؤد کی بجائے مومنہ نے اُس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

''ہیروئن کی بیسٹ فرینڈ کا رول ہے جو اپنی دوست کے منگیتر کو چھیننا چاہتی ہے۔'' قلبِ مومن نے اس کی آواز پر گردن موڑ کر سیدھا دیکھا اور پھر بے حد تیکھی آواز اور لہجے میں کہا۔

''ویمپ کا رول ہے جو ایک مرد کو پانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے۔ وہ پارٹیز میں جاتی ہے۔ ناچتی گاتی ہے، بوائے فرینڈز کے ساتھ پھرتی ہے۔ آئٹم نمبرز بھی کرتی ہے، تو کیا دوپٹا اُتارے بغیر یہ سب تم کر سکو گی؟'' وہ سیدھا آپ سے تم پر آ گیا اور اُس کے انداز میں تنفر تھا اور انداز چیلنج کرنے والا۔ مومنہ اور وہ چند لمحے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے۔ پھر مومنہ نے بڑی خاموشی سے اپنا دوپٹا اُتار کر اُسی اسٹول پر رکھ دیا جہاں اُس نے وہ اسکرپٹ اور میڈیکل فائل رکھی تھی اور پھر دوبارہ اُسی جگہ آ کر کھڑی ہو گئی جہاں وہ پہلے کھڑی تھی۔ ایک بار پھر مومن اور وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر مومنہ نے اپنا اگلا ڈائیلاگ بولنا شروع کر دیا۔

''تم احمر زیاد تم مجھ سے میری عزت کیا چھینو گے۔ عزت میری جوتی کی نوک پر اور ذلت سے بڑھ کر مجھے کبھی کوئی چیز راس آئی نہیں۔'' قلبِ مومن کو لحظہ بھر کے لیے یوں لگا جیسے وہ اس سے ڈائریکٹ مخاطب تھی۔ اُس کے اگلے ڈائیلاگ سے پہلے ہی اُس نے تیزی سے داؤد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''She can act......لیکن میرا ایشو گلیمر ہے اور مجھے assurance نہیں کہ یہ گلیمرس اور seductive لگے گی جو اس رول کی ڈیمانڈ ہے۔''

''میرا خیال ہے وہ carry کر لے گی ابھی تو یہ شلوار قمیص میں ہے اس لیے لگ رہا ہے کہ شاید گلیمرس نہیں لگے گی۔'' داؤد نے اس سے کہا۔

''Stringy tops, hot pants اور bikini میں بھی مجھے لگتا ہے یہ ایسے ہی لگے گی۔''

قلبِ مومن نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا اور مومنہ نے اُس کی بات سن لی تھی۔

''میں یہ کپڑے تو نہیں پہن سکتی، لیکن میں یہ یقین دلاتی ہوں کہ میں بہت اچھی پرفارمنس......'' مومن نے اُس کا جملہ بیچ میں ہی کاٹ دیا تھا۔

''میڈم میں آرٹ فلم نہیں بنا رہا۔ کمرشل فلم بنا رہا ہوں اور میرے ایکٹرز مجھے یہ نہیں بتاتے کہ وہ کیا نہیں پہنیں گے اور کیا نہیں...... یہ میں اُنہیں بتاتا ہوں۔'' اُس نے بے حد rude لہجے میں اس بار اُسے مخاطب کیا تھا۔

"You simply don't have what it takes to be a filmstar."

قلبِ مومن نے اپنی اُسی bluntness کا مظاہرہ کیا تھا جس کے لیے وہ مشہور تھا اور مومنہ چند لمحوں کے لیے جیسے ہل نہیں سکی تھی۔

"Next artist." وہ اب داؤد سے کہہ رہا تھا۔ یہ جیسے مومنہ کے لیے جانے کا اشارہ تھا۔

سرخ دھواں ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ مومنہ نے اپنا دوپٹا اور بیگ اُٹھایا اور کسی کی طرف دیکھے بغیر برق رفتاری سے اسٹوڈیو سے نکل آئی۔ باہر Reception میں بیٹھی لڑکیوں نے اُس کے چہرے کے تاثرات سے جیسے اُسے کھوجنے کی کوشش کی اور اُنہیں زیادہ جدوجہد کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

اسٹوڈیو سے باہر سڑک پر چلتے ہوئے بھی اُس کے کانوں میں قلبِ مومن کے جملے گونج رہے تھے۔

''چلّو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیے تھا تمہیں مومنہ سلطان...... یا شاید شرم سے ڈوب مرنے کے لیے چلو بھر پانی بھی زیادہ ہے۔ تم آخر گئی کیوں تھی اس کے پاس۔'' اُس کے اندر جیسے کوئی بول رہا تھا۔

''ضرورت نے مجبور کیا تھا۔ ضرورت بڑی بے شرم چیز ہے۔'' اس نے اپنی توجیہہ پیش کی اور اس کے اندر کی آواز گونگی ہوگئی یوں جیسے اس نے اس کی توجیہہ مان لی تھی اور تبھی یک دم مومنہ کو یاد آیا کہ وہ اسکرپٹ کے ساتھ ساتھ جہانگیر کی میڈیکل فائل بھی اندر اسٹوڈیو میں آڈیشن والی جگہ اسٹول پر ہی چھوڑ آئی تھی۔ اسے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ وہ آدھ کلومیٹر چلتے ہوئے وہاں سے دور آگئی تھی اور مین روڈ پر چڑھنے والی تھی اور اب اُسے پھر واپس پیدل مارچ کرنا تھا۔ وہ بھی قلبِ مومن کے اسٹوڈیو کی طرف Reception میں موجود لڑکیوں نے اُسے ایک بار پھر وہاں پا کر بڑی حیرانی سے دیکھا۔ مومنہ نے

کھڑے کھڑے داؤد کو فون کیا۔ کسی نے کال ریسیو نہ کی۔ ریسپشن پر receptionist موجود نہیں تھی اور وہ انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ ایک لمحہ جھجکنے کے بعد وہ اسٹوڈیو کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

سپاٹ لائٹس والی جگہ پر ایک بے حد ماڈرن خوب صورت اور سٹائلش لڑکی بہت بولڈ کپڑوں میں ملبوس کھڑی تھی اور مومن اُس کے بالمقابل کھڑا اُس کے اسٹیپس میں کیے ہوئے لمبے بالوں کو اُس کے ایک کندھے سے دوسرے پر ڈالتے ہوئے کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ وہ لڑکی جواباً مومن سے کہہ رہی تھی۔

''اچھا اس طرح بال جھٹک کر یہ ڈائیلاگ بولوں میں؟''

''ہاں۔'' مومن نے جواباً اس سے کہا۔

''میں نروس ہو رہی ہوں آپ کو اتنے قریب اتنے سامنے دیکھ کر I love you۔'' اس لڑکی نے مومن پر لائن مارنے کا یہ موقع بھی ضائع نہیں کیا تھا اور نہ مومن نے فلرٹ کرنے کا۔

"I love you too honey."

اور بالکل اس وقت مومنہ سلطان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی اور وہ کہیں رُکے بغیر سیدھا اُس اسٹول کی طرف آئی جس سے کچھ فاصلے پر مومن اور وہ لڑکی کھڑے تھے۔

''ایکسکیوزمی میری ایک فائل رہ گئی تھی یہاں۔'' مومن اُس کی آواز پر جیسے کرنٹ کھا کر پلٹا۔

''تمہیں کوئی مینرز ہیں...... کس سے پوچھ کر آئی ہو اندر؟'' اس کا پارہ پلک جھپکتے میں آسمان کو چھونے لگا۔

''سوری میری یہ فائل رہ گئی تھی یہاں بس یہ لینے آئی ہوں۔'' مومنہ تب تک اسٹول کے پاس پہنچ کر اپنی فائل اُٹھا چکی تھی۔

''اپنے آپ کو نوٹس کروانے کے لیے اپنی چیزیں چھوڑ کر جانا بڑا گھٹیا طریقہ ہے۔'' قلبِ مومن نے پہلے سے زیادہ بدتمیزی سے کہا اور مومنہ کچھ لمحوں کے لیے جیسے ساکت ہو گئی تھی۔ اُسے غصہ نہیں آتا تھا وہ بے حد ٹھنڈے مزاج کی تھی، مگر اُس وقت قلبِ مومن کے اوپر اُسے اتنا غصہ آیا کہ اگر کوئی چیز اُس کے ہاتھ میں ہوتی وہ اُسے دے مارتی۔

''جو کچھ یہاں چل رہا ہے اُس سے تو یہ بہت ہی کم cheap ہے۔'' اُس نے جوابی جملہ اُس کے منہ پر اُسی کے انداز میں دے مارا تھا۔ مومن کو یقین نہیں آیا اُس نے کیا سُنا تھا اور ایسا ہی ری ایکشن اُس لڑکی کا بھی تھا۔

"Excuse me."

وہ تقریباً چلایا تھا۔

''چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ فائل لینے آئی تھی اور لے کر جا رہی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اُس کے پاس سے گزری۔ جب اُس نے اُسے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

''اگر یہ سب cheap تھا تو تم آئی کیوں تھی یہاں یہ سب کرنے......اتنی ستی ساوتری ہو تو گھر بیٹھنا چاہیے تھا تمہیں۔ رول کی بھیک مانگنے نہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ کہتا گیا اور مومنہ اُس سے بازو چھڑوانے میں ناکام ہونے پر مزید مشتعل ہو گئی اور اس بار اُس نے مومن کو پوری قوت سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔

''کام لینے آئی تھی عزت بیچنے نہیں......بکنی منی، اسکرٹ میں عورت کا جسم دکھا کر تم جو آرٹ کی خدمت کر رہے ہو اُس کا حصہ نہیں بننا مجھے...... پہلے پتا ہوتا تو شکل بھی نہ دیکھتی تمہاری۔ تمہارا کام cheap تم اُس سے زیادہ cheap۔'' وہ کہہ کر بجلی کی تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 2
/RAMZEBEKHUDI
/RAMZEBEKHUDI

الف

قسط نمبر:2

پیارے بابا!

میں جانتا ہوں اس خط کے لفافے پر میرا نام دیکھ کر آپ چونکے ہوں گے پھر بہت دیر تک آپ نے اس لفافے کو کھولا نہیں ہوگا۔ میرا نام دیکھتے رہے ہوں گے اور آپ کو سب کچھ یاد آتا رہا ہوگا۔ جو میں آپ سے کہہ کر گیا تھا اور جس پر میں آپ سے نادم ہوں۔ آپ نے سوچا ہوگا خط کھولے بغیر لفافے کو پھاڑ کر پھینک دیں مگر یہ آپ سے ہو نہیں سکا ہوگا کیوں کہ میں آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں......طٰحہ عبدالعلی، جسے آپ نے میری ماں کے جانے کے بعد چڑیا کے بچے کی طرح تن تنہا پالا اور جس کے لیے آپ نے اپنی زندگی وقف کردی۔ لفافہ پھاڑ کر پھینک دیتے تو بھی دوبارہ ٹوکری سے نکال کر کاغذ کے ٹکڑوں کو جوڑ لیتے۔ دل تو ہے نہیں یہ کہ ٹوٹ کر نہ جڑ تا۔

کیا لکھوں آپ کے نام اس خط میں۔ اپنی شرمساری، اپنی ندامت یا اپنی بے بسی۔ بابا آپ کو چھوڑ کر گیا تھا پر آپ سے کٹ کر رہا نہیں جا رہا۔ آپ یاد آتے رہتے ہیں۔ زیادہ نہیں بس ہر سانس کے ساتھ۔

آپ کا دل دُکھایا ہے پر میرے پاس اُس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا...... کیا کرتا؟ آپ کو چھوڑ کر کم از کم زندہ تو رہا ہوں۔ حسنِ جہاں کو چھوڑ دیتا تو یہ بھی نہ کر پاتا۔ خط پڑھ رہے ہوں گے تو حسنِ جہاں کے نام پر آپ کے ماتھے پر بل آیا ہوگا۔ میں جانتا ہوں آپ اب بھی اُس کے لیے اپنا دل بڑا نہیں کر پائے ہوں گے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار آپ کو کسی سے نفرت کرتے دیکھا ہے اور وہ بھی اُس سے جس سے مجھے محبت ہے۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا بابا آپ نفرت نام کی کسی شے سے واقف بھی ہیں۔

آپ تو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ کائنات سے......اور اس کائنات میں ایک حسنِ جہاں بھی ہے جسے اللہ نے دُنیا میں پیدا کر کے اُس کو میرے دل میں رکھ دیا ہے۔ وہ ویسی ہی "روح" رکھتی ہے جیسی آپ اور میں، ویسا ہی دل جیسا آپ اور میں۔ پھر بابا آپ مجھے حسنِ جہاں سے محبت کرنے کے لیے معاف کیوں نہیں کر سکتے۔

میرے بس میں ہوتا اُسے پیار نہ کر پاتا تو میں نہ کرتا۔ میرے بس میں ہوتا اُس سے ترک تعلق کرنا تو میں کب کا کر چکا ہوتا۔ پر میرے بس میں کچھ بھی نہیں۔ اُسے دل سے نہیں نکال پاتا، آپ کو دماغ

سے اور میں آج کل دل اور دماغ کی اس جنگ میں صرف ایک بے کار وجود بن کر رہ گیا ہوں۔

آپ کی بد دعائیں لگ رہی ہیں مجھے۔ میں جانتا ہوں یہ پڑھتے ہوئے آپ بے قرار ہوئے ہوں گے کیوں کہ آپ تو مجھے بد دعا دے ہی نہیں سکتے نا، لیکن آپ کا دل دُکھایا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے اللہ ناراض نہ ہوا ہو مجھ سے۔

اب اللہ کا نام نہیں لکھ پاتا میں۔ لکھتا بھی ہوں تو وہ نام میری روح سے نہیں بس ہاتھوں سے لکھا جاتا ہے...... لوگ میرے ہاتھ سے بنی خطاطی کو اب نہیں دیکھتے۔ دنگ ہونا تو دور کی بات ہے اور خریدنا تو اُس سے بھی دور کی بات۔

میں جانتا ہوں آپ کہیں گے دل میں حسنِ جہاں بسا کر اللہ کا نام لکھو گے تو یہی ہوگا۔ شاید شرک کر بیٹھا ہوں مگر توبہ کی توفیق بھی نہیں ہو پا رہی۔ طٰحہ عبدالعلی بڑی تکلیف میں ہے آج کل۔ اللہ کو پکارتا ہوں تو وہ نہیں سنتا۔ آپ کو پکار رہا ہوں کیوں کہ اللہ آپ کی ہمیشہ سنتا ہے۔ اُسے کہیں طٰحہ کو معاف کر دے۔ طٰحہ کے دل سے حسنِ جہاں مٹا دے، وہاں اپنا ٹھکانہ بنائے۔ طٰحہ کے ہاتھوں اور روح کو اس قابل رہنے دے کہ وہ اللہ کے نام لکھے تو لوگوں کے دلوں کو موم کر دے۔ اللہ کی کبریائی کے خوف سے۔ منور کرے اللہ کی محبت کے نور سے۔

پر یہ تبھی ہوگا جب آپ طٰحہ کو معاف کریں گے۔ بابا مجھے معاف کر دیں۔

آپ کا نافرمان بیٹا
طٰحہ عبدالعلی

☆......☆......☆

قلبِ مومن نے بے یقینی کے عالم میں اپنی ماں کے ہاتھوں سے وہ لفافہ لیا تھا۔ اُس پر اُس کا نام لکھا تھا بے حد خوب صورت رسم الخط میں۔ ''اللہ تعالیٰ کی ہینڈ رائٹنگ کتنی خوب صورت ہے۔'' ایک لمحہ کے لیے اُس نے اُس لفافے پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا۔ پھر سر اُٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا جس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ اُس نے لفافہ لیتے ہوئے محسوس کی تھی۔ وہ سر تا پا لرز رہی تھی۔ اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں میں اور آنسوؤں کو آنکھوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا یا شنگرفی یا گلابی۔ پتا نہیں وہ کون سا رنگ تھا۔ کلر بیلٹ کے سارے رنگوں سے زبانی واقف ہونے کے باوجود مومن بوجھ نہیں سکا مگر کم از کم وہ زرد رنگت نہیں تھی۔ وہ زرد رنگت جو وہ اپنے باپ کے جانے کے بعد اپنی ماں کے چہرے پر دیکھنے کا عادی ہو گیا تھا۔

وہ ایک خوب صورت سرخ گلاب کی طرح کھل اُٹھی تھی یا شاید جی اُٹھی تھی۔ وہ ماں کو مبہوت دیکھتا رہا۔

''تم خط نہیں پڑھو گے؟'' اُس کی ماں نے جیسے اُسے یاد دلایا۔

''ہاں...... مگر اسے کھولا کس نے؟'' اس نے یک دم لفافہ پلٹا اور اُس کا اُٹھا ہوا flap دیکھا۔

''میں نے۔'' کچھ مجرمانہ سے انداز میں اُس کی ماں نے کہا۔ وہ راز جو اُس کے اور اللہ کے درمیان تھا وہ اُس کی ماں بھی جان گئی تھی اور یہ بات اُس وقت مومن کو اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ چپ چاپ خط لیے اندر آ گیا تھا۔

میرے پیارے قلبِ مومن

تمہارے سارے خط اللہ تک پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے پڑھ بھی لیے ہیں۔ وہ تمہیں خود اُن سب کا جواب بھیجنا چاہتے تھے لیکن پھر انہوں نے سوچا وہ تمہارا جواب میرے ذریعے تم تک پہنچا دیں۔ میں 15 تاریخ کو آ رہا ہوں۔ تمہاری سب باتوں کا جواب لے کر۔

تمہارا دادا

عبدالعلی

جس بے قراری اور بے چینی سے اُس نے لفافہ کھول کر خط پڑھنا شروع کیا تھا۔ اُسی بے قراری کے ساتھ ہی اُس نے خط ختم کیا تھا۔ بے حد مایوسی کے ساتھ۔

''تو یہ خط اللہ تعالیٰ نے لکھ کر نہیں بھیجا۔'' اُس نے عجیب مایوسی سے سوچا۔

''پردادا یہاں کیوں آ رہے ہیں؟'' اُس کے ذہن میں اگلا سوال اُبھرا تھا۔ مگر اُس سے بھی بڑا سوال یہ تھا کہ دادا کو یہ کیسے پتا چلا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خط بھیج رہا تھا اور دادا کو کیوں اُس کے خطوں کا جواب دینے کے لیے اللہ نے چنا۔ کیا وہ بھی اللہ کے پاس رہتے تھے۔

سوالات کا ایک انبار تھا جس نے اُس کے ذہن کا گھیراؤ کیا ہوا تھا۔

''مومن۔'' وہ اپنی ماں کی آواز پر بے اختیار پلٹا۔ وہ پتا نہیں کب اُس کے پیچھے کمرے میں آ گئی تھی۔

''اللہ تعالیٰ نے خود خط کیوں نہیں لکھا مجھے؟'' اُس نے ماں کو دیکھتے ہی بے ساختہ کہا۔

''خود نہیں لکھتے وہ اُن کے پاس بہت سارے لوگ ہوتے ہیں کام کرنے کے لیے۔ اُنہوں نے کسی کو کہہ دیا ہوگا کام کرنے کے لیے۔'' اُس کی ماں نے اُس کے ہاتھ میں پکڑا خط اُس کے ہاتھ سے

لے کر اُسے بڑی احتیاط سے تہ کر کے لفافے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''انہوں نے دادا سے کہا ہے۔'' مومن کو لگا جیسے اُس کی ماں نے خط دھیان سے نہیں پڑھا تھا۔

''ہاں میں جانتی ہوں۔'' مدھم آواز اُسے سنائی دی تھی۔ اُس کی ماں اب خط کو اُس کی سٹڈی ٹیبل پر رکھتے ہوئے اُس پر ایک پیپر ویٹ رکھ رہی تھی۔

ایک لمحہ کے لیے مومن کو خیال آیا وہ ماں کو بتا دے کہ اُس نے خط میں اپنے باپ کو بھیجنے کا کہا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے ہی وہ جھجکا تھا اور پھر اُس نے ماں سے کہہ دیا۔

''لیکن میں نے تو بابا کو بلایا تھا۔ دادا کو تو نہیں بلایا تھا۔'' اُس کے شکوہ کا جواب اُس کی ماں نے ایک پراسرار مسکراہٹ سے دیا تھا مگر اُس مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی آنکھوں میں بہت سارے بجلی کے قمقمے سے روشن ہوئے تھے۔

''وہ بھی تو آ رہے ہیں۔'' وہ ساکت ہوا پھر خوشی سے بے قابو۔

''آپ کو کیسے پتا چلا؟'' مومن بے اختیار چلایا تھا۔

جواب میں ایک اور مسکراہٹ آئی تھی اور پھر ایک ہنسی۔ اُس نے باپ کے جانے کے بعد آج پہلی بار ماں کو کھلکھلا کر ہنستے دیکھا تھا۔ سرخ ہوتے، چمکتے چہرے کے ساتھ۔ مومن کو یقین آ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ واقعی اُس کے بابا کو بھیج رہے تھے اور وہ بھی اُس کے دادا کے ساتھ جن سے وہ کبھی نہیں ملا تھا۔ مگر اس سے بھی زیادہ نا قابل یقین بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے سارے خط مل گئے تھے اور انہوں نے اس کے خط پڑھ بھی لیے تھے۔ اُس کی ماں کمرے سے جا چکی تھی اور مومن وہیں کھڑا تھا۔ اپنے دل کی دھڑکنوں کو گنتا۔ وہ کل سکول میں سب کو بتا سکتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جو خط لکھتا تھا وہ اللہ کو مل گئے تھے اور اُسے اُن کا جواب بھی ملنے والا تھا مگر اُس سے پہلے اُسے ایک کام کرنا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بھاگتا جا رہا تھا، پھولے ہوئے سانس کے ساتھ۔ کھیتوں میں لہلاتی سبز فصل کے بیچوں بیچ اُس پگڈنڈی پر جو اُس جنگل کی طرف مڑ رہی تھی۔ اُس کی سائیکل کا ٹائر پنکچر تھا اور مومن کل تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

سارے دیو، جن، بھوت، چڑیلیں اُسے سب بھول چکی تھیں جو اس جنگل میں کہیں نہ کہیں بستے تھے اور جن سے پورا قصبہ بچوں کو ڈراتا تھا۔ یاد تھا تو اُسے وہ لیٹر بکس یاد تھا جس میں ڈالے ہوئے خط اللہ تک پہنچ گئے تھے اور وہ اب تصدیق چاہتا تھا کہ یہ سب جھوٹ نہیں تھا۔ اُس کی ماں کی کوئی طفل تسلی بھی

نہیں تھی۔

لیٹر بکس وہیں پڑا تھا جہاں اُس نے رکھا ہوا تھا۔ اس سوکھے ہوئے درخت کے گرے ہوئے تنے پر جو مسلسل ہونے والی بارشوں میں اُسی تنے کی طرح نمی سے گیلا تھا۔ مومن چلتے ہوئے تنے کے پاس آیا اور بے تابی سے اُس نے لیٹر بکس کو درخت کے تنے پر لٹایا اور اُس کا نیچے والا وہ حصہ کھولا جس کو کھول کر خط نکالے جاتے تھے۔ لیٹر بکس بالکل خالی تھا۔ اُس کے 30 کے 30 خط اللہ تک پہنچ چکے تھے۔ مومن کا دل چاہا وہ بے اختیار اُچھلے چیخے اور چلائے یا پھر تھوڑا سا ڈانس کرلے۔ تو جو جواب اُس کے پاس آیا تھا وہ اللہ ہی کی طرف سے آیا تھا۔ اُس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر جیسے اپنے کھلے ہوئے ہونٹوں اور کِھل کِھل پڑتی مسکراہٹ کو بیک وقت چھپایا۔ لیٹر بکس کا نچلا حصہ بند کیا اور اُسے سیدھا کر کے تنے پر رکھا۔ ایک بار پھر مسکرایا پلٹا اور برق رفتاری سے دوبارہ بھاگنے لگا۔ پیروں کے نیچے آنے والے درختوں کے خشک اور سبز پتوں نے اس بار کوئی چرمراہٹ نہیں کی تھی کیوں کہ وہ سب بارش کے پانی میں بھیگے ہوئے تھے البتہ جہاں جہاں بھاگتے ہوئے مومن کے قدم پڑ رہے تھے وہاں وہاں پیروں کے نشان گڑھوں کی شکل میں پڑ رہے تھے۔ کچھ چھینٹے اُڑ کر اُس کی ٹراوزر پر بھی لگ رہے تھے۔ پر قلبِ مومن کو اس وقت کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ نہ کیچڑ کی نہ جنگل کے ویرانے کی نہ ہی اس بات کی کہ اُسے وہاں سے بھاگتے ہوئے ایک لمبا فاصلہ طے کر کے واپس گھر پہنچنا تھا۔ اپنی ماں کے پاس حسنِ جہاں کے پاس۔

☆......☆......☆

جیولری کے اُس کھلے ہوئے ڈبے کے اندر کچھ بھی نہیں تھا جو کچھ تھا اُس ڈبے کے گرد ڈریسنگ ٹیبل پر بکھرا پڑا تھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے حسنِ جہاں بیٹھی آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ سر پر جوڑے کی شکل میں لپیٹے ہوئے بالوں کو اُس نے ہیئر پن نکالتے ہوئے کھولا تھا۔ وہ سر سے کندھوں تک آئے پھر کندھوں سے نیچے اُس کی کمر سے لپٹتے ہوئے گرتے چلے گئے۔

بستر پر لیٹا ہوا قلبِ مومن کروٹ لیے کھلی آنکھوں سے حسنِ جہاں کو دیکھتا گیا تھا۔ اُس کی ماں بے پناہ خوب صورت تھی۔ اُس نے بہت لوگوں سے سنا تھا اور اُن لوگوں میں اُس کا اپنا باپ بھی تھا اور اب ایک بار پھر وہ اپنی ماں کو اُسی طرح اُس آئینے کے سامنے بیٹھا دیکھ رہا تھا جس طرح وہ اُس کے باپ کے جانے سے پہلے کبھی کبھار بیٹھ کر تیار ہوا کرتی تھی۔ سنگھار کرتی تھی۔ زیور پہنتی تھی اور ''حسنِ جہاں'' بن جاتی تھی۔ پھر اُس کی ماں نہیں رہتی تھی کیوں کہ اُس پر کسی کی نظر ٹھہرتی ہی نہیں تھی مگر ایسا کبھی کبھار ہوتا تھا۔ کسی تہوار پر کسی خاص دن یا تب جب وہ یا اُس کا باپ کسی بات پر بہت خوش ہوتے تھے۔

اپنے باپ کے جانے کے بعد مومن نے کبھی اُسے سنگھار کرتے نہیں دیکھتا تھا۔ زیور پہننا تو دور کی بات تھی۔ اُس نے کبھی اپنی ماں کو اس آئینے کے سامنے بیٹھا بھی نہیں دیکھا تھا جس کے سامنے وہ رات کے اس پہر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ رات کے اس پہر اُس کی سٹڈی ٹیبل پر بیٹھ کر روتے اور سسکتے ہوئے وہ خط لکھا کرتی تھی جسے وہ اُس الماری والے ڈبے میں ڈال دیتی تھی۔ مومن کو یہ نہیں پتا تھا کہ وہ اُن خطوں میں کیا لکھتی تھی مگر یہ ضرور پتا تھا کہ وہ یہ خط کس کو لکھتی تھی۔ اُس کے باپ طٰحہ عبدالعلی کو۔

''ممی آپ کے پاس کتنے زیادہ زیور ہیں!'' وہ بہت دیر بستر پر خاموش لیٹا نہیں رہ سکا۔ اُٹھ کر حسنِ جہاں کے پاس چلا آیا تھا۔ اور ڈریسنگ ٹیبل پر بکھرے ہوئے زیورات میں سے ایک ہار اُٹھاتے ہوئے اُس نے کہا تھا۔ حسنِ جہاں اپنے کانوں میں جھمکے پہن رہی تھی۔ اُس کی بات پر ایک لمحہ کے لیے جیسے وہ ٹھٹکی تھی پھر بے اختیار مسکرائی۔

''سب نقلی ہیں۔'' اُس نے جیسے مومن کو بتایا مگر اُس نے اُس کی بات پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ اس وقت اُس خوب صورت imitation جیولری کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔

''آپ ہمیشہ ایسے رہا کریں۔'' اُس نے ماں سے یک دم فرمائش کی۔ ایک جھومر اُس کے ماتھے کے اوپر بالوں میں لٹکاتے ہوئے۔

''کیسے؟'' وہ ہنسی۔

''ایسے...... خوب صورت اور خوش۔'' مومن کو جتنے آسان الفاظ میں اُسے سمجھانا آیا تھا اُس نے سمجھا دیا تھا۔ اُس کی ماں نے عجیب سی نظروں سے اُسے دیکھا یوں جیسے حیران ہوئی ہو کہ وہ کیسے جانتا تھا کہ وہ خوش نہیں تھی۔ ماؤں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ صرف وہی اولاد کا چہرہ پڑھ سکتی ہیں۔ اُنہیں یہ اندازہ نہیں ہوتا اُن کی اولاد بھی اُن کا چہرہ ویسے ہی پڑھ سکتی ہے۔

''تمہارے بابا آرہے ہیں۔ اب ہمیشہ خوش اور خوب صورت رہوں گی۔'' اُس نے مومن کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

''میں نے بلایا ہے اس لیے آرہے ہیں۔'' مومن جتائے بغیر نہیں رہ سکا۔

''ہاں جانتی ہوں تمہارے بلانے پر ہی آرہے ہیں۔ میرے بلانے پر تو کبھی نہ آتے۔'' وہ بچہ تھا پھر بھی ماں کے لہجے میں چھلکتی اُداسی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

''بابا گئے کیوں تھے؟'' وہ سوال قلبِ مومن نے پہلی بار نہیں کیا تھا بلکہ ہر روز کرتا تھا۔

''مجھ سے ایک غلطی ہوگئی تھی۔'' جواب وہی آیا تھا جو ڈیڑھ سال سے آرہا تھا۔

''تو آپ معافی مانگ لیتیں۔'' وہ حل بھی مومن ڈیڑھ سال سے اُس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ معافی مانگنا ایک بات تھی ملنا دوسری۔

''مانگی تھی۔'' اُس کی آواز بھر آئی اور اُس نے مومن سے نظریں چُرا لیں۔

مومن ماں کا لہجہ ''بریل'' کی طرح پڑھتا تھا۔

''میں بابا سے کہوں گا آپ کو معاف کر دیں۔'' یہ وعدہ بھی پرانا تھا اور مرہم بھی۔ وہ حسنِ جہاں کے بالوں کو اب اپنی انگلیوں کے گرد لپیٹ رہا تھا جیسے مسحور مدہوش ہونے والے انداز میں جیسے جادو ٹونا کر رہا ہو۔

''بابا آئیں گے تو آپ سفید گلاب لگائیں گی نا؟'' اُس نے جیسے ماں کو یاد دلایا۔

''سفید گلاب تو تمہارے بابا لاتے تھے میرے لیے...... وہ لائیں گے تو لگا لوں گی۔'' حسنِ جہاں کو پتا نہیں کیا یاد آیا۔

''میں لا دوں گا آپ کو۔'' اس نے بے حد پرجوش انداز میں ماں کو اپنی خدمات پیش کیں۔

''تم کہاں سے لاؤ گے؟'' وہ ہنسی۔

''کہیں سے بھی توڑ کر۔'' وہ سوچ میں پڑا۔

''یہ گلاب کا موسم نہیں ہے۔'' حسن جہاں نے اُسے یاد دلایا۔

''میں آپ کے لیے کہیں سے بھی لے آؤں گا۔'' وہ ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ ایسا وعدہ تو کبھی طٰحٰہ نے بھی نہیں کیا تھا۔ اُس کی ہنسی اُس کے آنسو ساتھ لے کر آئی تھی۔ پرانی سہیلی کی طرح۔ مومن نے ماں کی خوب صورت آنکھوں کو ہمیشہ کی طرح پانی سے بھرتے دیکھا۔

''ممی مجھے آپ روتے ہوئے اچھی نہیں لگتیں۔'' اُس نے جیسے بے قرار ہو کر ماں سے کہا۔ طٰحٰہ بھی یہی کہتا تھا۔ وہ ہمیشہ ہر بات میں اسے طٰحٰہ کی یاد دلاتا تھا۔ حسنِ جہاں نے اُلٹے ہاتھ سے آنسو رگڑے تھے۔ آنکھیں خشک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے۔ پھر اُسے دیکھ کر مسکرائی یوں جیسے اسے خوش کرنا چاہتی ہو۔

''آپ مجھ سے زیادہ پیار کرتی ہیں یا بابا سے؟'' قلبِ مومن نے اُس سے سوال کیا۔ وہ طٰحٰہ کے سامنے بھی اُس سے یہی پوچھا کرتا تھا۔ اُس کے جانے کے بعد آج پہلی بار اُس سے دوبارہ پوچھ رہا تھا۔

''تم سے زیادہ بابا سے اور بابا سے زیادہ تم سے۔'' وہ بے اختیار ہنسی۔ مومن نے بُرا منایا۔

''یعنی زیادہ کس سے؟'' اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''جو مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے اُس سے۔'' حسنِ جہاں نے بے ساختہ کہا۔

''وہ تو میں کرتا ہوں۔'' حسنِ جہاں نے قلب مومن کی آنکھیں دیکھیں۔ کیا آنکھیں تھیں، کیا معصومیت تھی۔ کیا سچ تھا اور کیا اعتراف تھا۔ محبوب کا اظہارِ محبت عورت دل پر لکھتی ہے۔ اولاد کا اظہارِ محبت روح پر۔ پہلا قبر تک جاتا ہے دوسرا آسمانوں تک ساتھ لے کر جاتی ہے۔

''ممی مجھے نیند آرہی ہے۔'' اس نے ماں سے بالوں کو اپنی انگلیوں کے گرد سے کھولتے ہوئے یک دم جماہی لی۔ وہ اُسے دیکھ کر رہ گئی۔ اگر وہ نہ ہوتا تو اس کی زندگی میں کیا تھا، کچھ بھی نہیں۔ وہ قلب مومن کو بستر پر جا کر لیٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اُن سارے نقلی زیورات میں جو وہ اپنے اردگرد پھیلائے بیٹھی تھی۔ صرف ایک اصلی تھا اس کے پاس، قلبِ مومن۔

☆......☆......☆

''تو تمہارے بابا آ گئے تو پھر تم کیا کرو گے؟'' سکول میں اُس کے سب سے قریبی دوست نے لنچ بریک میں اُس سے پوچھا تھا۔ قلبِ مومن کے باپ کے واپس آنے کی خبر اُس کی پوری کلاس میں گردش کر رہی تھی۔ اس خبر کے ساتھ کہ قلبِ مومن نے اللہ کو خط لکھ کر اپنے بابا کو بلوایا تھا۔ وہ دنوں میں جیسے وہاں star بن گیا تھا۔

''پھر ہم یہاں سے چلے جائیں گے ممی کہتی ہیں۔'' اُس نے اطمینان سے اپنے دوست کو بتایا۔

''اور کہاں جاؤ گے تم لوگ؟'' اُس کے دوست نے کریدا۔

''یہ تو نہیں بتایا ممی نے۔'' قلبِ مومن نے سر کھجا کر کہا۔

''تم نے اللہ سے اور کیا کیا مانگا ہے قلبِ مومن؟'' اس کے دوست نے چند لمحے بعد اپنے لنچ کا سینڈوچ کھاتے ہوئے بالآخر اُس سے وہ سوال پوچھا جس کا اُسے تجسس تھا۔ قلبِ مومن نے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ ایک بات بتا چکا تھا ساری باتیں نہیں بتا سکتا تھا۔

اس دن وہ گھر آتے ہوئے بے حد خوش تھا کیوں کہ گھر میں بہت کچھ بن رہا تھا۔ اُس کے بابا کا فیورٹ کیک اور فیورٹ ڈش اور مومن کا فیورٹ ڈونر کباب۔ اُس کی ماں اُس دن اُس سٹور میں کام پر نہیں گئی تھی جہاں وہ سٹور کیپر تھی۔ وہ صبح سے اُس کے بابا کے استقبال کی تیاری میں مصروف تھی۔

مومن کا خیال تھا وہ گھر پہنچے گا تو بابا وہاں آ چکے ہوں گے، مگر ایسا نہیں تھا۔ بابا ابھی بھی نہیں آئے تھے اور اُس کی ماں ایک بہترین لباس پہنے ہوئے تھی۔

''ممی......'' قلبِ مومن اُس کو دروازہ کھولتے ہی دیکھ کر اپنا سوال بھول گیا تھا۔ حسنِ جہاں کو

جیسے اندازہ ہوا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتا تھا۔

''بس وہ آنے ہی والے ہوں گے۔ مومن تم جلدی سے کپڑے تبدیل کرلو۔ میں کھانا بنا رہی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے وہاں رُکے بغیر اندر گئی اور اُسی رفتار سے مومن بھی اندر گیا تھا۔

کپڑے تبدیل کرتے ہوئے اُسے کچھ خیال آیا اور وہ ماں کے پیچھے باورچی خانے میں آ گیا۔

''ممی وہ جو آدمی ہمارے گھر آیا تھا اس کا کیا نام تھا؟'' کام کرتے ہوئے حسنِ جہاں نے اس کے سوال کو غور سے نہیں سنا۔

''کون سا آدمی؟'' اس نے مومن کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''جس کی وجہ سے بابا خفا ہو کر گئے تھے۔'' حسنِ جہاں ساکت ہوگئی تھی۔ ساکت شاید چھوٹا لفظ تھا وہ برف ہوئی تھی۔ پلٹ کر اس نے قلبِ مومن کو دیکھا۔ وہ ڈیڑھ سال بعد بھی اس شخص کو یاد کر رہا تھا جس کی وجہ سے طحہٰ...... وہ سوچ نہیں سکی۔ مومن اسے دیکھ رہا تھا جیسے عدالت کے آگے کٹہرے میں کھڑے مجرم کو جج دیکھتا ہے۔

''تمہیں سب یاد ہے۔'' وہ اُس سے یہ سوال نہیں کرنا چاہتی تھی جو کر رہی تھی۔ مومن نے سر ہلایا۔ وہ آگے بڑھ آئی۔ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی۔ اسے دونوں کندھوں سے پکڑا اور کہا۔

''وہ کوئی آدمی نہیں ہے۔ تم سب کچھ بھول جاؤ۔'' وہ اُس سے عجیب منت والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ مومن نے سر اثبات میں ہلایا پھر اُس سے پوچھا۔

''وہ دوبارہ تو نہیں آئے گا نا؟'' اُس کے انداز میں ایک عجیب سا خوف تھا جیسے وہ ہر اُس چیز کو وہاں آنے سے روک دینا چاہتا ہو جو اُس کے باپ کو خفا کر سکتی تھی۔

''کبھی نہیں۔'' حسنِ جہاں نے بے اختیار کہا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا بیرونی دروازے کی بیل بجی تھی۔ مومن نے یک دم ماں سے اپنے آپ کو چھڑایا۔

''بابا آ گئے۔'' وہ بھاگا تھا، بیرونی دروازے کی طرف اور حسنِ جہاں بھی اُسی طرح باہر لپکی تھی۔ ڈیڑھ سال بعد وہ اُس سے ملنے اُسے دیکھنے جا رہی تھی جو اُس کا محبوب تھا اور اُس سے خفا تھا اور اب لوٹ آیا تھا تو وہ عجب سرشاری اور بے خودی کے عالم میں تھی۔

مومن نے دروازہ کھولا تھا اور دروازے کے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ ساکت ہوا اور ایسا ہی سکتہ اُس کے پیچھے آتی حسنِ جہاں کو ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وہ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتی ہی چلی گئی تھی۔ چہرے پر کچھ تھا ہی نہیں جو اُسے صاف کرنا تھا مگر پھر بھی آنکھیں بند کیے یوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں لیے پانی کو منہ پر مارنا اُسے اچھا لگ رہا تھا۔ شاید پانی اُس کی شرمساری دھوڈالتا جو اُس نے اُس دن محسوس کی تھی اور اُس ذلت کو بھی جو اس وقت اُسے اپنے ماتھے پر چبھ رہی تھی۔

''کچھ تو عقل کرتی مومنہ، سیدھا انکار کر کے ہی آ گئی۔'' اس نے اپنے عقب میں ثریا کی آواز سنی تھی جو اُسے تولیا پکڑانے آئی تھی۔

''تو اور کیا کرتی...... منی اسکرٹ پہن کر دکھا دیتی۔'' وہ تلخ ہونا نہیں چاہتی تھی لیکن ہوگئی تھی۔ تولیے سے گیلے چہرے کو رگڑتے ہوئے اُس نے جیسے اپنی ہزیمت بھی چھپائی تھی۔

''تو اُنہیں دو تین سین کر کے دکھاتی۔ وہ ایکٹنگ دیکھتے تو خود رول دیتے تجھے۔'' اُس نے تولیا ہٹا کر ماں کو دیکھا۔ اُن کی سادگی پر اسے ہنسی آئی حالاں کہ اُسے رونا آ رہا تھا۔

''اماں یہاں کسی کو ایکٹنگ ایکسپریشنز پرفارمنس نہیں دیکھنی۔ یہاں سب کو ایکٹریس کا صرف جسم دیکھنا اور دکھانا ہوتا ہے۔'' اُس نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ثریا کو بے اختیار جھجک محسوس ہوئی۔ مومنہ کبھی ایسی باتیں تو نہیں کرتی تھی۔

''ایسا بھی کلیوگ نہیں ہے۔'' ثریا نے بے اختیار اُس انڈسٹری کو defend کرنے کی کوشش کی جس کا وہ کبھی حصہ رہی تھی۔

''کلیوگ ہی ہے اماں...... آپ کا زمانہ نہیں ہے یہ۔ اب سینما میں سب شریف اور خاندانی لوگ جاتے ہیں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ مگر دیکھنے وہ بھی آئٹم نمبر ہی جاتے ہیں۔'' اُس نے پلٹ کر ماں کو جیسے 21ویں صدی میں لانے کی کوشش کی۔

''پر ایک چیز پرفارمنس بھی تو ہوتی ہے۔ ایکٹنگ بھی تو ہوتی ہے۔'' ثریا نے اپنے زمانے سے چپکے رہنے کی آخری کوشش کی۔

''وہ آپ کے زمانے میں ہوتی ہوگی اور اُس کی قدر بھی آپ کے زمانے میں ہی ہوتی ہوگی۔ میں جس زمانے میں ہوں اماں اس میں صرف گلیمر بکتا ہے۔ قیمت ہوتی ہے ہر چیز کی ''قدر'' نہیں۔'' وہ ماں سے اب مدھم لہجے میں بات کر رہی تھی۔ جو کچھ اُس کے ساتھ آج ہوا تھا وہ اُن کا قصور نہیں تھا۔

''اتنا پرانا زمانہ تو نہیں تھا میرا۔'' ثریا کے جیسے کلیجے پر ہاتھ پڑا تھا۔

''بس یہی کوئی پندرہ بیس سال پہلے ہی کی تو بات تھی۔'' وہ بڑبڑائی تھی۔

’’پندرہ بیس سال دو دہائیوں کو کہتے ہیں اماں۔‘‘ وہ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ثریا نے جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے۔اُس انڈسٹری کا دفاع نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا جس کے لیے وہ اب پرانی اور آؤٹ ڈیٹڈ ہو چکی تھی۔

’’یہ فلم مل جاتی تو جہانگیر کا گردہ ٹرانسپلانٹ ہو جاتا۔مومن کی ہر فلم ہٹ ہوتی ہے۔یہ فلم بھی ہٹ ہو جاتی تو تم سٹار بن جاتی۔کام ہی کام ہوتا تمہارے پاس۔اس کے بعد کوئی فلم نہ بھی ملتی تو بھی TV پر ہی کام مل جاتا۔جہانگیر کا علاج......‘‘ ثریا خود کلامی کی طرح بات کر رہی تھیں۔یوں جیسے اُنہیں اُس خیالی محل کو توڑتے ہوئے تکلیف ہو رہی تھی جو وہ کل سے مومن کی فلم میں اُسے کام مل جانے کے تصور پر ہی کھڑا کر کے بیٹھ گئی تھیں۔جملے کے آخر تک جاتے جاتے انہوں نے مومنہ کا چہرہ دیکھا تھا اور اس کے چہرے کی ندامت نے جیسے کچھ دیر کے لیے ان کی آواز چھینی تھی۔مومنہ اب ماں کا چہرہ کسی مجرم کی طرح دیکھ رہی تھی جس کا جرم ثابت ہو گیا تھا اب سزا کا اعلان باقی تھا۔

’’کھانا، کھانے کا تو پوچھا ہی نہیں میں نے۔‘‘ ثریا کو یک دم خیال آیا۔اُس کے پاس اب بھی ایک چیز ایسی تھی جس کا ذکر کر کے وہ اس صورت حال سے مومنہ اور خود کو بچا سکتی تھی۔

’’نہیں بھوک نہیں ہے اماں۔‘‘ مومنہ اندر کمرے میں جانے کے لیے پلٹی تھی۔

’’شوٹ پر کچھ کھا لیا نا؟‘‘ ثریا پیچھے آئی تھی یوں جیسے اپنا احساس جرم کم کرنا چاہتی ہو۔

’’ہاں کھا لیا۔‘‘ اس نے آج کچھ بھی نہیں کھایا تھا لیکن اس کے باوجود اُسے بھوک بھی نہیں تھی۔

کچھ دن ہوتے ہیں اچھے اور کچھ دن ہوتے ہیں بُرے مگر مومنہ سلطان کے دن کم بُرے اور زیادہ بُرے کی کیٹیگریز میں بٹے ہوئے تھے۔اندر کمرے میں نیم تاریکی تھی اور ٹھنڈک مگر وہاں جہانگیر بھی تھا۔اُس کے انتظار میں بیٹھا۔دونوں کی نظریں ملی تھیں اور جہانگیر نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔وہ اُس کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔مگر شاید اس نے صحن میں ہونے والی ساری گفت گو سن لی تھی۔بہن کے لیے اس کے پاس سوال نہیں تھے مگر اس کی نگاہ میں ہمدردی تھی۔وہ جس دریا میں سے روز گزر کر آتی تھی وہ دریا اس کی وجہ سے مومنہ کی زندگی میں آیا تھا اور جہانگیر کو اس پر ندامت تھی، رنج تھا مگر وہ بے بس تھا۔بالکل اس گھر کے باقی تینوں افراد کی طرح۔وہ اُن سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اُسے مرنے کے لیے چھوڑ دیں۔وہ کہہ بھی دیتا تو بھی وہ نہ چھوڑتے۔کبھی اُن سب نے بہت اچھا وقت بھی دیکھا تھا، پہلے تب جب سلطان فلم انڈسٹری میں کام کر رہا تھا۔پھر تب جب جہانگیر کو چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر کام ملنا شروع ہو گیا تھا، مگر وہ سارا وقت اب صرف یادوں اور حقیقت کی شکل میں تھا۔زندگی وہ تھی جو اُن کے

سامنے پھری تھی۔

’’تم ایک دن بہت بڑی سٹار......‘‘ لمبی خاموشی کے بعد جہانگیر نے اُس کے لیے جو جملہ ڈھونڈا تھا مومنہ نے اُسے بیچ میں ہی کاٹ دیا تھا۔

’’میں خواب نہیں دیکھتی جہانگیر......نہ خیالی پلاؤ پکاتی ہوں اور تم مجھے تسلی مت دو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، میں ٹھیک ہوں۔‘‘ اس نے جہانگیر سے کہا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر اور اپنی بات کے آخر تک وہ عجیب انداز میں کمزور پڑی تھی۔ وہ سیاہ حلقے، بجھتی ہوئی آنکھیں، گھلتا ہوا وجود مومنہ سلطان کے ہر حوصلے کو مٹی کر دیتا تھا۔ ہر سوچ کو ردی، ہر خواہش کو پانی۔ وہ اُس کے سامنے یہ تک نہیں کہہ پائی تھی کہ اگر دنیا میں کوئی چیز اُس کے قدموں کے نیچے سے ریت بن کر سرکتی ہے تو وہ جہانگیر کی بیماری کا خیال تھا، باقی کسی چیز کو وہ کچھ نہیں گردانتی تھی۔

’’میں جانتا ہوں آپ خطاط بننا چاہتی تھیں اور آرٹ پڑھنا چاہتی تھیں۔ میں آڑے آ گیا۔‘‘ جہانگیر نے سر جھکا کر کہا۔ وہ غلط وقت پر اُسے یہ سب یاد دلا رہا تھا۔

’’خطاطی میں آج بھی کرتی ہوں، آرٹ میں کبھی بھی پڑھ لوں گی۔‘‘ وہ اگلا جملہ جو کہنا چاہتی تھی اُسے کہہ نہیں پائی، لیکن تمہاری زندگی کو میں کسی ٹائم مشین پر نہیں ڈال سکتی کہ آگے لے جاؤں۔

مزید کچھ کہے بغیر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اُسے قلبِ مومن سے اُس لمحہ شدید نفرت محسوس ہوئی تھی، اُس کے سارے جملے اُس کے کانوں میں اب بھی گونج رہے تھے۔

بستر پر لیٹ کر اپنی چادر تاننے کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے ایک بار پھر جیسے اپنی اُس دنیا میں جانے کی کوشش کی تھی اور وہ ناکام رہی تھی۔ اس کے اوپر تنی چادر کے اندر سے قلبِ مومن کا چہرہ دِکھنے لگا تھا۔ بالکل ایسے جیسے کسی پروجیکٹر کی سکرین پر۔ اس کی نظریں ان آنکھوں میں اُس کے لیے جھلکنے والی حقارت، وہ رعونت جس سے اُس نے مومنہ کا بازو پکڑا تھا اور وہ جملے۔ وہ سب کچھ جیسے پروجیکٹر کے اوپر چلنے والی کسی فلم کی طرح دیکھ رہی تھی۔

چادر کو اس نے یک دم اپنے سر سے اتارا تھا اور سانس لینے کی کوشش کی تھی۔ پھر وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ قلبِ مومن کا تکبر کسی آکٹوپس کی طرح اُس کی سوچوں کو اپنے شکنجے میں لیے بیٹھا تھا۔ وہ جس انڈسٹری میں تھی وہاں ہتک اور توہین اُس کے لیے ان چکھے پھل نہیں تھے نہ غرور اور تکبر وہ پرندہ جسے اس نے کبھی دیکھا ہی نہ ہو، مگر پہلی بار کسی نے اس کی اس طرح بے عزتی کی تھی، کام مانگنے پر۔ ورنہ کوئی بھی سامنے کچھ بُرا نہیں کہتا تھا۔ کہنا بھی ہوتا تو پیٹھ پیچھے کہتا تھا۔ یہ پہلی بار تھا کہ کسی نے صرف کام مانگنے پر

اُسے یہ سب کہا تھا۔اُس نے قلبِ مومن کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔اُسے دوبارہ کبھی زندگی میں اُس کا سامنا کرنا ہی نہیں تھا اور زندگی......زندگی میں تو ایسا بہت کچھ ہو جاتا ہے۔اُس نے جیسے خود کو بہلانے کی کوشش کی تھی۔زندگی میں تو ایک فیصل بھی ہوتا ہے جو نہیں ملتا اور یہ تو صرف ایک فلم تھی۔اُسے اپنی تسلی اور بہلاوے پر یک دم ہنسی آئی۔اس کا دماغ فیصل کو کہاں سے لے آیا تھا یا پھر دل تھا جو اُس کو اُس وقت لایا تھا جب اُسے مرہم کی ضرورت تھی۔آنکھیں بند کیے اس نے بے بسی سے اپنا ماتھا چھوا۔پہلے وہ قلبِ مومن کو اپنے ذہن سے نکالنے کی جدوجہد کر رہی تھی اب اُسے فیصل کو بھی نکالنا تھا۔نیند آج اُس کے مقدر میں ہی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

کوئی رنگ کالا......کوئی پیلا
کوئی لال گلابی کر دا......
بلھے شاہ رنگ مرشد والا
کسے کسے نوں چڑھدا......

وہاں بیٹھا پورا مجمع اُس کلام کے اُن جملوں میں بے اختیار ہاتھ اور بازو اُٹھا اُٹھا کر داد دے اُٹھا تھا اور داد دینے والوں میں نیہا بھی تھی جو اُس کے برابر فرشی نشست پر بالکل پہلی قطار میں تھی۔گلوکار منجھا ہوا تھا اور پکے سُر کے ساتھ گا رہا تھا اور بار بار اُن جملوں کو دُہرا رہا تھا جس پر اُسے داد مل رہی تھی۔چالیس پچاس لوگوں کا وہ مجمع جیسے جھوم رہا تھا۔کچھ کے ہاتھوں میں مشروب کے گلاسز تھے اور کچھ اُس سونف اور سپاری کو بار بار لے کر منہ میں ڈال رہے تھے جس کی ٹرے لیے ویٹر بار بار چکر لگا رہا تھا اور کچھ فرشی نشست پر تقریباً نیم دراز آنکھیں بند کیے سرور کے کسی عالم میں پہنچے ہوئے تھے۔گلوکار نے بلاشبہ سماں باندھ دیا تھا اور اس مجمع میں صرف چند لوگ تھے جو گلوکار کو کسی داد و تحسین کے بلند و بانگ اظہار کے بغیر سن رہے تھے اور اُن میں سے ایک قلبِ مومن بھی تھا۔وہ گلوکار پر بہ غور نظریں جمائے ہوئے تھا مگر اُس کے کہنے پر لہک نہیں رہا تھا نہ دوسروں کے کہنے پر بہک رہا تھا۔نہ ہاتھ پاؤں اور سر کو گلوکار کی تانوں اور اُس کے میوزک پر ہی ہلا رہا تھا۔وہ بس سُن رہا تھا۔کسی جملے پر وہ محظوظ ہوتا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جاتی اور سر کی ہلکی سی جنبش پر وہ داد دیتا لیکن ایسا شاید اس ڈیڑھ گھنٹہ کی محفل میں دو یا تین بار ہی ہوا تھا۔وہ وہاں نیہا کے اصرار پر آیا تھا ورنہ اُسے صوفی کلام کی محفلوں میں آنے اور وقت گزارنے میں دل چسپی نہیں تھی۔یہ اُس کے مزاج کی موسیقی نہیں تھی مگر نیہا کو وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔

"Uff.... so spiritual" نیہا نے اُس کے برابر بیٹھتے ہوئے گلوکار کی کسی لائن پر جھومتے ہوئے قلبِ مومن کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔

Spiritual کیا تھا اُس گانے اور اُس کے کلام میں یہ مومن جان نہیں پا رہا تھا۔ آواز کمال تھی طبلہ اور ہارمونیم بجانے والے اپنے کام کے ماہر تھے۔ لیکن بس اس کے علاوہ تو کچھ بھی نہیں تھا جس پر وہاں موجود لوگ "Spiritual" ہو رہے تھے۔

کئی جاگن کئی جاگ نہ جانن

کئی جاگدیاں وی سُتے ہو

کئی لوگ جاگتے جاگتے لٹ گئے اور کئی سونے کی حالت میں بھی پا گئے۔

کیاں نوں رب ستیاں ملیا

کئی جاگدے وی گئے مُٹھے ہو

گلوکار نے اگلا کلام شروع کیا تھا اور قلبِ مومن نے نیہا کے کان میں سرگوشی کی۔ ''چلیں؟'' اُس نے حیرانی سے مومن کو دیکھا اور کہا۔ ''کہاں؟''

''تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے نیہا کے کان میں ایک اور سرگوشی کی۔ اُس نے جواباً بے حد تجسس کے عالم میں مومن کا چہرہ دیکھا جس پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ مزید کچھ کہے بغیر نیہا وہاں سے اُٹھ کر اُس کے ساتھ باہر تو آ گئی لیکن وہ اب بھی ایک عجیب سی کیفیت میں تھی۔ اُن کی گاڑی گاڑیوں کی لمبی قطار کے تقریباً آخری سرے پر تھی جو اُس گھر کے باہر سڑک کے کنارے کھڑی تھیں جہاں وہ یہ محفل موسیقی اٹینڈ کرنے آئے تھے۔

''کمال ہی کر دیا۔ مجھے لگ رہا ہے میں صوفی ہو گئی ہوں۔'' اُس کے ساتھ چلتے ہوئے نیہا نے اپنے عریاں بازوؤں کو عجیب سرمستی کے عالم میں سر سے اوپر بلند کرتے ہوئے لہراتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت ایک سلیولیس بلاؤز اور لانگ اسکرٹ میں ملبوس تھی۔ وہ مختصر بلاؤز اُس کی کمر اور پیٹ کا تھوڑا سا حصہ دکھا رہا تھا۔ اُس سفید سلک کے بلاؤز اور سیاہ اسکرٹ میں وہ گلے میں بہت ساری لمبی اور چھوٹی زنجیریں اور پتھر پہنے ہوئے تھی۔ جنہوں نے اُس کے سینے کو تقریباً چھپا دیا تھا۔ باہر چلتی ہوا اُس کے کٹے ہوئے بالوں اور لٹکے ہوئے اسکرٹ کو بار بار اُٹھا رہی تھی اور نیہا دونوں سے بے پروا تھی۔ نہ وہ بالوں کو اُڑ کر اپنے چہرے اور ماتھے پر آنے سے روک رہی تھی نہ اپنی لمبی خوبصورت ٹانگوں سے بار بار ہوا سے اُٹھنے والے اسکرٹ کو۔ انگلیوں میں دبے سگریٹ کا آخری کش لیتے ہوئے اُس نے گلوکار کے بول

گنگناتے ہوئے سگریٹ پھینکا۔

''مومن میں صوفی ہوگئی ہوں۔'' اُس کے ساتھ چلتے ہوئے مومن نے اُس کے پہلے جملے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا اور نیہا نے جیسے اُس کی توجہ لینے کے لیے اُسے دوبارہ وہ جملہ دہرایا۔

''وہ تو تم ہر بار ایسی کسی محفل کو اٹینڈ کرنے کے بعد چند گھنٹوں کے لیے ہو جاتی ہو۔ اس لیے پریشان مت ہو۔ چند گھنٹوں بعد ٹھیک ہو جاؤ گی تم۔'' ساتھ چلتے ہوئے مومن نے اپنی ٹراؤزر کی جیب سے گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے اُسے جیسے تسلی دی۔

''نہیں یار...... آج کچھ اور ہی کیفیت ہوگئی ہے میری۔'' نیہا نے جیسے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ وہ متاثر نہیں ہوا۔ ''اچھا good for you۔'' اُس نے ساتھ چلتے ہوئے اسی انداز میں اُس کو کہا۔ ''تم یہ قوالی اپنی فلم میں ڈالونا۔'' نیہا نے یک دم گلوکار کی سب سے پہلی قوالی کے بول دہراتے ہوئے مومن سے کہا۔ وہ اُس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔ ''میری فلم میں قوالی کا کیا کام؟''

''یار Spirituality آئے گی۔'' نیہا نے جیسے دلیل دی۔

''یعنی میری فلم کا شو دیکھتے ہی audience سینما میں مسجد ڈھونڈنا شروع کر دے گی۔'' اُس نے مذاق اڑانے والے انداز میں نیہا سے کہا تھا۔

''تم سے باتوں میں نہیں جیت سکتی میں۔ suggestion دے رہی تھی۔ بالی ووڈ کی فلمز میں نہیں دیکھا۔ ہر فلم میں قوالی ڈالتا ہے سلمان خان اور ہر فلم سپر ہٹ۔'' نیہا نے جیسے اُسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ سڑک پر اب بھی وہی بول گانے اور لہرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بازو پھیلا پھیلا کر۔ وہاں کھڑی گاڑیوں کے ڈرائیورز کی خود پر مرکوز تعاقب کرتی ہوئی نظروں سے بے خبر۔

''میری قوالی کے بغیر بھی سپر ہٹ ہوتی ہے فلم۔'' مومن کو اس وقت سلمان خان کا حوالہ برا لگا۔

''اُس کی فلم 100 کروڑ کرتی ہے۔'' نیہا واقعی کسی اور کیفیت میں تھی ورنہ اُس کے ساتھ سلمان خان کے لیے argue نہ کرتی جو مومن کا ناپسندیدہ ترین اداکار تھا۔

''وہ spirituality اور قوالی سے 100 کروڑ نہیں بناتا۔ آئیٹم نمبر سے بناتا ہے۔'' اپنی گاڑی کا لاک دور سے ہی کھولتے ہوئے اُس نے نیہا کو جواب دیا۔ اُس کی گاڑی نے دور ہی سے لائٹس جھپکا کر جیسے اُس کا استقبال کیا تھا۔

''Whatever...... لیکن تم میری حالت نہیں دیکھ رہے۔ کبھی اس حالت میں دیکھا ہے تم نے مجھے۔ یہ spirituality نہیں تو کیا ہے۔'' نیہا نے اُس کی بات کا بُرا منایا۔

’’یہ اُن چرس والے سگریٹوں کا اثر ہے جو تم بار بار ٹیرس پر جا کر پی کر آ رہی تھی۔ spirituality نہیں ہے یہ۔‘‘ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا تھا۔

’’تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے تم کو بڑا پتا ہے spirituality کا......اور by the way میں نے صرف دو سگریٹس پیئے تھے۔ دو سے مجھے کچھ نہیں ہوتا۔‘‘ نیہا نے بھی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اُسے جواب دیا اور ساتھ ہی اُسے کچھ یاد آیا۔

’’تم نے صوفی کا نخرہ دیکھا؟‘‘ مومن گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بے اختیار ہنسا۔

’’تم صُوفی سے صوفی پر آ گئی......اتنی جلدی؟‘‘

’’بکومت......کیا پہن کے آئی ہوئی تھی وہ اور pretend یوں کر رہی تھی جیسے پتا نہیں کون سے planet کی ڈیزائنر ہو۔‘‘ نیہا کا دماغ واقعی اب اُس صوفیانہ کلام سے سیکنڈز میں اُس ڈیزائنر پر آ گیا تھا جو اُس کی حریف تھی۔

"I loved her clothes. Her sense of style is amazing."

مومن نے جواباً کہا۔ وہ ایسا ہی تھا نیہا اُس کی گرل فرینڈ تھی مگر مومن کو جو چیز اچھی لگتی تھی وہ اُس کے بارے میں کھلے دل سے تبصرہ کرتا تھا۔

You dare not. She was looking ridiculous in those clothes.

نہ ہونے کے برابر کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے تاکہ سب مرد اُسے دیکھیں، Cheap حرکت۔ نیہا کے لہجے میں عجیب طرح کی مڈل کلاس جیلسی گونجی تھی۔

’’اگر یہ strategy تھی تو اس کی strategy بالکل ٹھیک تھی کیوں کہ سب مرد واقعی اُسے ہی دیکھ رہے تھے میں بھی......She looked Hot‘‘ مومن نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اُسے تپایا۔ وہ جانتا تھا نیہا صوفی کو پسند نہیں کرتی۔

’’مومن......‘‘ نیہا نے جیسے اُسے خبردار کیا۔

’’مجھ سے اگلی فلم میں وارڈ روب ڈیزائن کرنے کی بات کر رہی تھی۔‘‘ مومن نے اُس کی للکار کے جواب میں کہا۔ نیہا کو جیسے آگ لگ گئی۔

’’اس کی اتنی ہمت......‘‘

’’یار پروفیشنل ہے Opportunity دیکھ رہی ہے۔ وہ میرے ساتھ کام کر کے۔‘‘ مومن نے جیسے اُس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''تم اس کے ساتھ کام نہیں کرو گے۔ میں ہی تمہاری اگلی فلم کی وارڈ روب بھی کروں گی۔ سنا تم نے۔'' وہ ہنسا۔

''سن لیا یار کر لینا۔ اب غصہ ختم کرو۔ تم وہ صوفی ہونے اور Spirituality کی بات کر رہی تھی وہ بتاؤ مجھے۔''

''مذاق مت اڑاؤ میرا۔'' نیہا اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

''وہ سرپرائز کیا تھا جو مجھے دینا چاہتے تھے۔'' اُسے یک دم یاد آیا۔ مومن نے جواب دینے کی بجائے اپنی گاڑی کچی جگہ سے سڑک پر لاتے ہوئے کہا۔

''میرے اپارٹمنٹ چلو پھر بتاتا ہوں تمہیں۔'' نیہا نے دل چسپی سے اسے دیکھا۔ اسے اس ''سرپرائز'' کا بے حد انتظار تھا اور توقع بھی لیکن وہ یہ کنفرم کرنا چاہتی تھی خوشی کے کسی اظہار کے بغیر کہ وہ خوش فہمی کا شکار نہیں ہو رہی تھی۔

اپنے پینٹ ہاؤس کا دروازہ کی کارڈ سے کھولتے ہوئے نیہا کو لیے وہ اندر آیا تھا اور اندر آتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر لابی میں دیوار کے ساتھ پڑے cansole پر رکھے ایک سفید لفافے پر پڑی تھی۔ وہ یقیناً شکور نے کوریئر سے وصول کرنے کے بعد ہمیشہ کی طرح وہاں رکھا تھا جہاں اُس کی ڈاک وہ رکھتا تھا۔ نیہا اب بھی مسلسل صوفی کے حوالے سے کچھ بولتی جا رہی تھی مگر چند لمحوں کے لیے اسے لفافے پر نظر ڈالتے ہوئے وہ جیسے اپنے ماحول سے غافل ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے نیہا رُکے بغیر اندر لاؤنج میں چلی گئی تھی اور مومن سیدھا اُس cansole کی طرف آیا تھا۔ اُس نے لفافے کو اُٹھا کر دیکھا۔ موتیوں جیسی تحریر میں لفافے پر اُس کا نام لکھا ہوا تھا۔ اُسی انداز میں جس طرح ہمیشہ لکھا ہوتا تھا۔ اُس نے انگلیوں سے جیسے لکھنے والے کے لمس کو اپنے نام پر ہاتھ پھیر کر ڈھونڈا، محسوس کیا، پھر لفافے کو بغیر کھولے اُس نے cansole کا دروازہ کھول کر اندر رکھ دیا۔ وہ دراز اُن جیسے بہت سے ان کھلے لفافوں سے بھرا ہوا تھا اور ان سب پر ایک ہی نام تھا......قلبِ مومن۔

نیہا ٹیرس میں پڑی میز کی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی جب وہ وہاں آیا تھا۔ ٹیرس پر رات کے اس پہر پورے شہر کی عمارتوں کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ دور سمندر میں ڈولتی کچھ بوٹس اور جہازوں کی بھی۔ نیہا کے ہاتھ میں شیمپیئن گلاس تھا جس میں وہ فریج سے کچھ پانی ڈال کر لائی تھی اور اب اُس ٹیرس پر میز کے سامنے کرسی پر بیٹھی وہ سمندر کی طرف گردن موڑے اُس پانی کو آہستہ آہستہ پینے میں مصروف تھی۔ ہوا اُس کے بالوں کو اُڑاتی اوپر لے جاتی۔ پھر نیچے لے آتی۔ سمندر کی لہروں کی طرح......اور وہ مومن کے

انتظار میں کسی خوب صورت پینٹنگ کی اکیلی لڑکی کی طرح ٹیرس پر لگی خوب صورت لائٹس سے نکلتی روشنی میں بیٹھی تھی۔ مومن کے آنے پر اُس نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا پھر مسکرائی اور گلاس واپس میز پر رکھ دیا۔

مومن اُس کے بالمقابل دوسری کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ پھر اس نے اس کے سامنے بورڈ پر فریم کے بغیر ایک painting رکھی۔ نیہا بے ساختہ مایوس ہوئی وہ یہ سرپرائز دیکھنے یہاں نہیں آئی تھی۔ مومن کبھی کبھار paint کیا کرتا تھا اور اکثر اسے paint کرتا تھا اور وہ painting بھی اسی کی ہی تھی۔ وہیں ٹیرس میں اسی میز پر اسی طرح ہوا میں اڑتے بالوں اور شیمپین گلاس میں پانی پیتے ہوئے۔

''تمہارا فیورٹ پوز اور میری فیورٹ پینٹنگ۔'' مومن نے جیسے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔ نیہا کو لگا وہ جیسے اُس سے داد چاہتا تھا۔

''Its Beautiful'' اس نے پینٹنگ پر غور کیے بغیر کہا۔ وہ ہمیشہ یہیں بیٹھتی تھی۔ اسی طرح پانی پیا کرتی تھی اور مومن نے اسے ماڈلنگ کے لیے بٹھائے بغیر اسے اسی طرح paint کیا تھا۔

نیہا نے ایک نظر painting پر ڈالتے ہوئے اپنا گلاس دوبارہ اٹھایا اور تبھی اس کی نظر میز پر رکھی اُس painting میں اپنے ہاتھ کی انگلی میں ایک ring جگمگاتی نظر آئی تھی۔ ایک لحظہ کے لیے اسے شائبہ ہوا کہ وہ بھی painted تھی مگر غور سے دیکھنے پر اسے نظر آ گیا تھا کہ وہ painting نہیں تھی، اصلی تھی۔ اس کے رگ و پے میں جیسے ایک کرنٹ دوڑا تھا۔ اُس نے نظر اُٹھا کر مومن کو دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔

''You are.....'' نیہا نے بے حد ایکسائٹمنٹ کے عالم میں اُسے کچھ کہتے کہتے جملہ اُدھورا چھوڑا اور اُس painting میں اپنی اُنگلی کے گرد نظر آنے والی اس ring کو اس جگہ سے نکالنے لگی جہاں وہ دھنسی ہوئی تھی۔

''مومن......'' نیہا کی آواز فرط جذبات سے بھر آئی تھی۔ وہ اس ڈائمنڈ رنگ کو اب بے حد جذباتی انداز میں اپنی انگلی اور انگوٹھے کی پوروں کے درمیان پکڑے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ مومن نے اس کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی لے لی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی انگلی میں وہ ring پہنا دی۔

''This is beautiful.'' نیہا نے اپنے ہاتھ میں پہنائی گئی اس ring کو دیکھتے ہوئے خوشی اور ایکسائٹمنٹ سے کہا۔

''تمہارے ہاتھ سے زیادہ نہیں۔'' مومن نے بڑی آہستگی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے اُس کے ہاتھ کو ہونٹوں سے چھوا اور پھر اُسے چھوڑ دیا۔

''I love you.'' نیہا نے جیسے اسے respond کیا۔

''I love you too.'' مومن نے جواباً کہا۔ نیہا اب اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ چمکتی آنکھوں کے ساتھ۔

''تمہارا taste ہر چیز میں matchless ہے۔'' وہ اُس ring کو دیکھتے ہوئے مومن کو سراہے بغیر نہیں رہ سکی۔

''یعنی تم indirectly اپنے آپ کو appreciate کر رہی ہو۔'' مومن نے برجستہ کہا اور نیہا نے اس کے جملے پر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اپنا ہاتھ دوبارہ میز پر دھرے مومن کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے appreciate کرنے کے لیے تم کافی ہو۔ یقین نہیں آرہا۔ قلبِ مومن تم مجھے پرپوز کر رہے ہو۔'' نیہا اس وقت خود پر ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔

''کیا اچھا لگا مجھ میں؟'' اُس نے عجیب سی ادا کے ساتھ مومن سے پوچھا۔ یوں جیسے اپنی تعریف سننا چاہتی ہو۔ مومن نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر دل کی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ہمیں تم یہاں اچھی لگ گئی۔'' وہ اُس کے جملے پر ہنسی اور پھر اس نے اپنی کنپٹی پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''دل کو اچھی لگی یا دماغ کو؟''

''میں دماغ سے نہیں سوچتا۔ قلبِ مومن ہوں میں دل ہی فیصلہ کرتا ہے ہر بات کا۔'' مومن نے عجیب بے نیازانہ انداز میں اس سے کہا۔

نیہا نے اپنی انگلیوں کے گرد جیسے کچھ لپیٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے اُس سے کہا۔ ''جب تم اس طرح بات کرتے ہو تو تم لڑکیوں کے دلوں کو اپنی انگلیوں کے گرد لپیٹ لیتے ہو قلبِ مومن۔'' وہ اُس کی بات پر مسکرایا۔

''جانتا ہوں لیکن قلبِ مومن تمہاری مُٹھی میں ہے۔'' نیہا اُس کے اعتراف پر عجیب غرور سے مسکرائی پھر ہنس دی۔ اُس کی مسکراہٹ کمال تھی اُس کی ہنسی جمال۔ اُس کے کانوں میں لٹکتے موتی ہلکورے لے رہے تھے اور اُس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اپنی گہری سیاہ لمبی پلکوں والی آنکھوں کے ساتھ وہ قلبِ مومن کی آنکھوں اور دل میں بیک وقت کھبی تھی اور اُسے کسی کی یاد دلا گئی تھی۔

''تم حسنِ جہاں جیسی ہو۔'' اُس کے چہرے پر نظریں جمائے وہ جیسے کسی ٹرانس میں بولا تھا۔

وہ ہنسی ''حسنِ جہاں جیسی کیوں؟ حسن جہاں کیوں نہیں؟'' اُس نے عجیب غرور سے اُس حوالے کو سمجھا بغیر کہا جو قلبِ مومن کے اندر سے کہیں نکلا تھا۔

''حسن جہاں بس ایک ہی تھی۔'' قلبِ مومن نے نیہا کے گلاس کے کناروں پر اُس کی لپ اسٹک سے بنے ہونٹوں کے نشانوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

☆......☆......☆

''کتنی بڑی Opportunity تھی مومنہ سلطان جو تم نے ضائع کی ہے۔'' مومنہ نے ڈھیٹوں کی طرح اُس کی لعنت وملامت سنی تھی۔'' وہ سیٹ پر اقصیٰ کو اُس سوپ کے لیے میک اپ کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ کیوں کہ اُس کا سین شروع ہونے والا تھا اور مومنہ چپ چاپ بیٹھے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''اب بولو منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر کیوں بیٹھ گئی ہو۔'' اُس نے بلش آن لگاتے لگاتے مومنہ کو مزید گھر کا۔

''میں کریکٹر کی ڈیمانڈ پوری نہیں کرسکتی تھی نہ ہی ڈائریکٹر کی۔'' اُس نے بالآخر کہا۔ اقصیٰ نے ہاتھ میں پکڑا برش تقریباً پٹختے ہوئے اُس سے کہا۔

''اس لیے ساری عمر بہنوں اور سہیلیوں کے رول کروگی اور پھر خالہ اور چچیوں کے۔ نام بنانے کے لیے ''سب'' کرنا پڑتا ہے مومنہ سلطان اور ''سب'' ہی کر رہی ہیں۔ سنا تم نے۔''

''سن لیا۔'' اُس نے بحث ختم کرنے کی کوشش کی۔ ''سن لیا مگر سمجھنا مت، سیکھنا مت۔ کتنی منتیں کر کر کے میں نے داؤد سے تمہارا آڈیشن کروایا تھا اور تم وہاں لڑ کر آ گئی۔ وہ بھی قلبِ مومن سے۔ کوئی عقل کا اندھا بھی ایسا نہ کرتا اور تم تو مجبور اور ضرورت مند تھی مومنہ۔'' وہ جیسے اُسے یاد دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مومنہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ یہ جملے تو اب اُس کے ماتھے پر لٹک رہے تھے لیبل کی طرح۔ کوئی اُسے نہ بھی یاد کرواتا پھر بھی نظر آتا۔

''بدتمیزی اُس نے کی تھی مجھ سے، میں نے کیا کیا۔'' اُس نے جیسے خود کو defend کرنے کی کوشش کی۔

''وہ کر سکتا ہے۔ ڈائریکٹر ہے۔ سکہ چلتا ہے اس وقت انڈسٹری میں اُس کا، اُس کی فلم میں کاسٹ ہونے کے لیے ہیروئنیں طواف کرتی ہیں اُس کا۔ وہ سیٹ پر گالیاں بھی دے تو بھی کوئی اُف نہیں کرتا......اور تم اُسے کہہ کر آئی ہو Cheap۔''

اقصیٰ نے آخری لفظ یوں کہا جیسے وہ گناہ تھا جو مومنہ سے ہو گیا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا تھا میرا۔'' مومنہ پچھتائی نہیں لیکن بڑبڑائی۔ اقصیٰ کو وہ صرف اسی طرح

خاموش کر سکتی تھی لیکن اُس کی یہ حکمت عملی بھی غلط ثابت ہوئی تھی۔

''اب پچھتانے کا فائدہ۔'' اُس نے فوراً کہا۔

''پچھتا نہیں رہی۔ مجھے اُس کے پاس جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ I am sorry۔'' اُس نے اپنی عزت اور انا کو تو کب کا مار دیا تھا مگر خودداری تھی جو پتا نہیں کیوں اب بھی زندہ رہ گئی تھی۔

''تمہاری وجہ سے اُس نے داؤد کو کتنا ذلیل کیا کہ کہاں سے اُٹھا لائے ہولڑکیاں آڈیشن کے لیے جن کا نہ کوئی خاندان ہے نہ کلاس نہ گرومنگ۔'' اقصیٰ کو داؤد کی بے عزتی کا صدمہ نہیں بھول رہا تھا۔

''جس کا خاندان اور کلاس ہے وہ کیا کر رہا ہے۔'' مومنہ اُس کے جملے پر تپ گئی۔ اقصیٰ نے ملامتی نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

'' گھنٹے سے سر کھپا رہی ہوں اور پھر وہی بات۔ ٹھیک کہہ رہی تھی تم کہ تمہیں اُس کے پاس جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ داؤد نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ فلم ہے فلم۔ سوپ اور سیریل سمجھ کر مت آنا اس میں کام کرنے۔'' اقصیٰ کا میک اپ اب ختم ہو چکا تھا اور وہ تیار تھی۔

''میرا مسئلہ اس وقت صرف پیسہ ہے۔ مومن کی فلم بھی صرف پیسے کے لیے ہی کرنا چاہتی تھی۔ ورنہ متاثر نہیں ہوں اُس سے میں۔'' وہ کہے بغیر رہ نہیں سکی۔

''پیسہ چاہیے تھا جہانگیر کے لیے اسی لیے داؤد اور میں نے کوشش کی تھی کہ یہ فلم مل جائے تمہیں مگر تم نے......کل کو پچھتاؤ گی کہ موقع ملا تھا اور تم نے ضائع کر دیا۔'' مومنہ اُس کے جملے پر جھاگ کی طرح بیٹھی تھی۔

''کیا کروں معافی مانگ لوں؟'' وہ بے اختیار اُلجھی اور اقصیٰ بے یقینی سے اُس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''وہ ''مومن'' ہے کینہ رکھتا ہے۔ بدلہ لیتا ہے معاف نہیں کرتا......اور وہ بھی اب۔''

''مجھے جانا ہے اقصیٰ ابا انتظار کر رہے ہیں ہاسپٹل میں...... جہانگیر کا ڈائیلاسز ہے آج۔ تم سے کچھ پیسے چاہئیں تھے۔'' اُس نے اقصیٰ کی بات کاٹی اور اُس سے اپنا مسئلہ کہا۔ آخری جملہ ہمیشہ کی طرح نظریں ملائے بغیر۔ قرض مانگنے والا کیا نظر ملاتا کیا نظر اُٹھاتا۔

''گھنٹہ بک بک سنی میری۔ سیدھا نہیں کہہ سکتی تھی پہلے ہی۔'' اقصیٰ نے اپنا پرس کھولتے ہوئے اُسے ڈانٹا۔ وہ اُس کی ہر ڈانٹ ہر جھڑک سن سکتی تھی۔ چینی کی طرح وہ اس بھری دُنیا میں خاندان کے باہر اُس کا خاندان تھی جس سے وہ سب کہہ لیتی تھی سب مانگ لیتی تھی اور جس کے سامنے وہ ''رو'' لیتی تھی۔ پتا

نہیں اُدھار کا وہ کون سا کھاتہ تھا جو دوستی کے کاروبار میں چلتا ہے۔ ہندسوں میں کوئی لین دین رکھا ہی نہیں جاتا اُس میں سب احسان کی زبان میں درج ہوتا ہے۔ قدر کی زبان میں وصول ہوتا ہے۔ اقصیٰ مومنہ سلطان کی غم گسار، غم خوار تھی اُس پر جان چھڑکنے والی دوست اور وہ مومنہ سلطان حیران ہوتی تھی کہ وہ کس صلے کی توقع میں اُس کے ساتھ تھی۔ وہ بھی اُس کی طرح سائیڈ رولز کرتی تھی۔ کالج میں اُس کی کلاس فیلو بھی رہی تھی۔ اُس کی زندگی کے مسائل مومنہ سلطان جیسے نہیں تھے۔ کم تھے اور اُس کی زندگی میں ایک داؤد بھی تھا جو مومنہ سلطان کی زندگی میں نہیں تھا۔

وہ دونوں انگیجڈ تھے اور دونوں اپنی شادی کے لیے پیسے جمع کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ داؤد قلبِ مومن کا اسسٹنٹ تھا اور کالج میں اُن کی چوکور کا تیسرا کونا۔ اقصیٰ سکول کے زمانے سے ایکٹنگ کر رہی تھی کیوں کہ اُسے اپنے باپ کی وفات کے بعد تین چھوٹے بھائیوں کو پڑھانا اور ماں کا سہارا بننا تھا اور داؤد اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں بچپن سے اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد رہتا تھا۔ اور اُن کے ساتھ تیسری مومنہ سلطان تھی جسے اس دوستی کے آغاز میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ انٹر میں آرٹ پڑھنے آئی تھی۔ جہانگیر چائلڈ سٹار کے طور پر بہت اچھا کما رہا تھا اور سلطان اور ثریا کو بھی تھوڑا بہت کام ملتا رہتا تھا۔ زندگی تب مومنہ سلطان کے لیے اچھی تھی اور زیادہ اچھی چوکور کے اُس چوتھے کونے کی وجہ سے ہوئی تھی جس کا نام فیصل تھا۔

مگر پھر سب کچھ بدل گیا تھا اور جو بھی بدلا تھا وہ صرف مومنہ سلطان کے لیے بدلا تھا۔ اقصیٰ اور داؤد کی زندگی کے مسئلے تو شروع ہی سے ویسے ہی تھے وہ نہ بڑھتے تھے نہ کم ہوتے تھے اور مومنہ کی زندگی میں جہانگیر کی بیماری تباہی کی طرح آئی تھی اور فیصل اُس کی زندگی وہ نخلستان تھا جہاں بسنے کے خواب مومنہ دیکھتی رہی تھی۔ نخلستان نخلستان ہی رہا تھا لیکن بس صحرا میں سراب کی طرح ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اُس نے برآمدے میں کھڑے سلطان کو دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ سلطان نے بھی بالکل اُسی وقت اُسے دیکھا تھا۔ مومنہ کو وہ کچھ اضطراب میں لگا تھا۔ لنگڑاتا ہوا وہ مومنہ کی طرف بڑھا اور اُس نے کہا۔

''کب سے انتظار کر رہا ہوں تمہارا مومنہ، ڈاکٹر بھی چلا گیا'' سلطان نے اُس کے قریب آتے ہی کہا۔

''چلا گیا، لیکن آپ نے تو بات کرنی تھی گردہ لینے کی۔'' مومنہ نے کہا۔

''ہاں کی ہے میں نے بات۔ وہ کہہ رہا تھا پیسے لے آؤ تو مل جائے گا گردہ......matching بھی ہوجائے گی پر بغیر پیسوں کے بار بار گردہ لینے کی بات نہ کروں میں۔'' مومنہ کو پتا تھا ڈاکٹر کے انداز میں کیسی بے زاری ہوگی۔ وہ ہر بار جہانگیر کا ڈائیلاسز کروانے آتے تو اسی طرح کی گفتگو ہوتی تھی اُن کے درمیان۔

''کتنے پیسے لگیں گے گردہ ٹرانسپلانٹ ہونے پر؟''

(یوں جیسے وہ گولڈ کا ریٹ تھا جو ہر ہفتے بدل جاتا تھا۔)

''پانچ، چھے لاکھ۔'' وہ ڈاکٹر رٹے رٹائے انداز میں جواب دیتا۔

''match تو ہوجائے گا نا۔'' سلطان پوچھتا۔

(یوں جیسے وہ کپڑے کا وہ تھان کھلوا کر دیکھ رہا ہو جسے خریدنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو۔''

''پیسے ہوں گے تو سب match ہوجاتا ہے۔ یہاں خالی خولی باتوں کا کیا فائدہ۔'' ڈاکٹر جواباً اُن سے کہتا۔

''کوئی نقصان تو نہیں ہوگا نا جہانگیر کو نئے گردے سے۔'' سلطان کو تشویش ہوتی۔

(یوں جیسے پہلے پرانے گردے کے ساتھ جہانگیر جنت میں جی رہا تھا۔)

''اُس کا نصیب۔'' ڈاکٹر وہ جواب دیتا اور سلطان کے سارے سوال ختم ہوجاتے اور اس ساری گفتگو کے دوران مومنہ خاموش تماشائی کی طرح کھڑی رہتی۔ ڈاکٹر اُس سے کچھ بے تکلفی دکھاتا کچھ flirtatious ہوتا۔ وہ جانتا تھا وہ اداکارہ تھی جس کا مطلب معاشرے کے ہر شخص کی طرح وہ بھی یہی لیتا تھا کہ وہ آسانی سے ''دستیاب'' تھی اور کردار پر سوالیہ نشان لیے ہوئے بھی تھی۔

مومنہ ڈاکٹر کی ''ان'' نظروں کو نظرانداز کرتی مسکراتے ہوئے اُس کی ذومعنی باتوں کو سنی ان سُنی کرتی ڈھٹائی سے ہنستی اور ڈاکٹر کے اس خیال کی تصدیق کرتی کہ ہر اداکارہ کریکٹرلیس ہوتی ہے۔ آسانی سے دستیاب ہونے والی بدکردار عورتیں۔

اور مومنہ سلطان اُس harrasment کو نظرانداز کرنے پر مجبور تھی اور اُس کے ساتھ ساتھ سلطان بھی۔ اُس ہاسپٹل میں اُس ڈاکٹر کے طفیل جہانگیر کو زندگی کی بوندیں مل رہی تھیں۔ قطرہ قطرہ، تو اُس کے سامنے مومنہ سلطان حیا اور شرافت کا ڈھنڈورا کیا پیٹتی۔ وہ اُس کے بھائی کا مسیحا تھا۔ اُس کی جان بھی لے لیتا تو وہ دے دیتی یہ تو معمولی سی ذلت تھی جو وہ کسی بس سٹاپ پر کھڑے کسی لوفر لفنگے کے ہاتھوں بھی برداشت کرلیتی تھی۔ یہ تو پھر اُس کے بھائی کا علاج کروانے والا ''کوالیفائیڈ'' ڈاکٹر تھا۔

''جہانگیر کا ڈائیلاسز ہو گیا؟'' اُس نے سلطان کے چہرے پر جیسے کوئی اچھی خبر ڈھونڈ نا چاہی۔

''ابھی ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر نے کچھ اور test لکھ دیے ہیں۔'' سلطان نے کچھ کاغذ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ مومنہ نے کچھ کہے بغیر وہ کاغذ پکڑ لیے۔ سلطان اندر چلا گیا تھا۔ مومنہ وہیں کوریڈور میں پڑی ایک بنچ پر ایک بوڑھی عورت کے برابر بیٹھ گئی جو تسبیح پڑھ رہی تھی۔

''ڈائیلاسز ہے کسی کا؟'' اُس کے بیٹھتے ہی مومنہ سے اُس نے پوچھا تھا۔

''ہاں......'' مومنہ نے مدھم آواز میں کہا۔ اُن کاغذات پر لکھے tests کا مطلب تھا مزید قرض اور مومنہ کو سوچنا تھا کہ فوری قرض وہ اب اور کس سے لے سکتی تھی۔

''کس کا؟'' عورت نے اُس کی عدم دل چسپی کی پروا کیے بغیر اُس سے پوچھا تھا۔

''بھائی کا۔'' اُس نے پھر مختصر جواب دیا۔

''جوان ہے؟'' عورت نے تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' اس بار چند لمحے خاموشی رہی۔ مومنہ نے سکون کا سانس لیا۔ اُن سوالوں کے رُکنے پر۔

''میرا بھی بیٹا ہے ڈائیلاسز پر۔ پہلے بڑے والے کا گردہ فیل ہوا پچھلے سال۔ اب چھوٹے والے کا۔'' مومنہ نے بے اختیار سر اُٹھا کر اُس عورت کو دیکھا جہاں وہ بیٹھے تھے وہاں سب ہی کی ایسی ہی کہانیاں تھیں لیکن وہ پھر بھی اُس عورت کے لیے دُکھی ہوئی تھی۔

''تو بڑے والا؟'' مومنہ کو سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا سوال کرے اُس کے بڑے بیٹے کے بارے میں، لیکن اُس عورت نے جیسے اُس کا سوال بھانپ لیا تھا۔

''اُسی کے لیے تسبیح کر رہی ہوں۔ آج برسی ہے اُس کی۔ بس اب دُعا کرنا کہ چھوٹے والا بچ جائے۔ ایک ہی رہ گیا ہے نا۔'' کسی نے جیسے مومنہ کی پسلی میں کچھ دے مارا تھا۔ سانس ہی نہیں لی گئی اُس سے۔ اُس کا بھی تو ایک ہی بھائی تھا اور وہ اُس کے لیے اس عورت کی طرح تسبیحاں نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔ کاغذ پر لکھے ہوئے سارے test کے الفاظ اب آپس میں گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ دن میں کہی ہوئی اقصیٰ کی بات اُسے ایک بار پھر یاد آئی تھی۔

''کیسا موقع گنوایا تم نے مومنہ...... زندگی بھر پچھتاؤ گی تم۔'' اُس کا دل چاہا وہ وہاں سے اُٹھے اور بھاگنا شروع کر دے۔ بھاگتی جائے بھاگتی جائے یہاں تک کہ سب کچھ کہیں بہت پیچھے رہ جائے۔

''تم کہاں جا رہی ہو بیٹا؟'' اُس بوڑھی عورت نے یک دم پوچھا۔ اُس نے ہاتھ سے دور

سلطان کی طرف اشارہ کیا۔

''ابا آرہے ہیں شاید میرے بھائی کا ڈائیلاسز ہوگیا۔'' سلطان کی چال میں لنگڑاہٹ اُس ہاسپٹل میں آکر ہمیشہ بڑھ جاتی تھی۔ وہ پاؤں میں پائے جانے والے نُقص کو اُس نے زندگی میں کبھی گردانا نہیں تھا۔ وہ عمر کے اس حصے میں آکر خواہ مخواہ ہی اُسے لنگڑے کا لیبل دے رہا تھا حالاں کہ یہ اُس کی ٹانگ کا لنگ نہیں تھا اُس کے بیٹے کی بیماری کا بوجھ تھا جو اُسے دوقدموں پر متوازن ہو کر چلنے نہیں دیتا تھا۔ پر اُس نقص کے ساتھ اُس عمر میں بھی وہ جہانگیر کے ساتھ ہسپتالوں میں دوڑا پھرتا تھا۔

مومنہ کھڑی باپ کو دیکھتی رہی جو اُس کے قریب پہنچنے سے پہلے پہلے اپنے سارے آنسو پونچھ لینا چاہتا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اور مومنہ وہ رونا چاہتی ہی نہیں تھی۔ اُسے لڑنا تھا جہانگیر کی زندگی کے لیے۔

☆......☆......☆

ایک بہت بڑے کینوس پر ایک بوڑھا ہاتھ ایک آیت لکھ رہا تھا ویسی اُسی دودھیا روشنی میں۔

فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا.　　　　　　(سورۃ فاطر۵)

فضا میں اُس آیت کو کوئی بے حد خوش الحانی سے پڑھ رہا ہے۔ وہ بوڑھا ہاتھ اُس آیت کو مکمل کر لیتا ہے تو یک دم وہ خوب صورت خوش الحان مردانہ آواز بھی بند ہو جاتی ہے جو اس آیت کی تلاوت کر رہی تھی۔ آسمان سے پڑنے والی روشنی اب اُس کینوس کے پار سفید لباس میں ملبوس ایک عورت کو whirling Darvesh کی طرح گول چکر کاٹتے ہوئے رقص کرتی ایک عورت پر پڑتی ہے جو ایک نقطے کے برابر نظر آرہی ہے۔ تیز گھومتا ایک نقطہ اور پھر اُس نقطے کا سائز بڑھتا بڑھتا ایک عورت کے وجود میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ وہ اب اتنی تیز رفتاری سے گول چکر کاٹ رہی ہے کہ اُس پر نظر جمانا مشکل ہوگیا ہے اور پھر وہ رقص کرتا وجود آگ کے شعلے میں تبدیل ہو جاتا ہے یوں جیسے جل اُٹھا ہو اور پھر یک دم تاریکی چھا جاتی ہے۔

مومن اپنے بستر پر ہڑبڑا کر اُٹھتا ہے۔ کمرا نیم تاریک تھا اور اُس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ ناہموار سانسوں اور کانپتے ہاتھوں سے اُس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کیا۔ وہ خواب بڑے عرصے بعد اُس نے دیکھا تھا اور ہر بار کی طرح اس بار بھی اُس خواب کو دیکھنے کے بعد وہ کانپتے ہوئے عجیب سی ہیبت کے عالم میں جاگا تھا۔ نہ وہ اُس بوڑھے ہاتھ کو پہچان پا رہا تھا نہ اُس جگہ کو نہ اُسی روشنی کو نہ اُن آیات اور اُن کے مفہوم کو اور نہ ہی اُس درویشوں کے لباس میں رقص کرتی ہوئی عورت کو......مگر اس کے باوجود وہ خواب بچپن سے جیسے اُس کے تعاقب میں رہتا تھا۔ ہر بار کینوس کی آیات بدلتی تھیں۔ پر وہ بوڑھا ہاتھ وہی

رہتا تھا۔ ہر بار خواب میں رقص کرنے والا بدلتا تھا۔ کبھی وہ ایک مرد ہوتا تھا، کبھی وہ ایک عورت اور قلبِ مومن دونوں کے چہرے پہچاننے کی جستجو میں اُنہیں شعلوں میں تبدیل ہوتا غائب ہوتا دیکھتا رہتا تھا، مگر ہر بار کچھ بھی نہ پہچاننے کے باوجود وہ جیسے یہ جان جاتا تھا کہ اُس نے اُس خواب میں کس کو دیکھا تھا۔ جیسے وہ اس رات جان گیا تھا۔

اُس کا سر اس وقت شدید درد سے پھٹ رہا تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ اُٹھ کر واش روم گیا تھا۔ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اُس نے جیسے اُس درد سے لڑنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ واپس کمرے میں آ کر اُس نے گلاس میں پانی ڈالا اور پھر سر درد کی دو گولیاں پھانکیں۔ جب تک اُس کا درد کم نہیں ہوتا وہ دوبارہ سو نہیں سکتا تھا۔ رات کا پچھلا پہر تھا اور اُس کے کمرے کے شیشوں کی دیواروں سے کراچی کی روشنیاں رات کے اس پہر بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر گلاس وال کے سامنے کھڑا رات کی تاریکی میں ڈوبے شہر کو دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے پلٹ کر اپنے کیمرے کی الماری میں سے ایک پرانی البم نکالی تھی۔ وہ البم لے کر صوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔

پہلا صفحہ پلٹتے ہی ایک بے حد خوب صورت لڑکی ایک چھ ماہ کے بچے کو گود میں لیے ہوئے تھی۔ اُس بلیک اینڈ وائٹ تصویر میں بھی اُس لڑکی کے تیکھے نقوش اور خوب صورت آنکھیں کسی کی نظر کو بھی اُلجھا سکتی تھیں۔ قلبِ مومن کی آنکھوں میں جیسے نمی آئی تھی۔ اُس نے اگلا صفحہ پلٹا پھر اگلا۔ ہر تصویر میں وہ لڑکی اسی بچے کے ساتھ تھی پر اب وہ بچہ چھ ماہ کا نہیں تھا وہ آہستہ آہستہ بڑا ہو رہا تھا اور پھر کئی صفحوں بعد وہ پہلی تصویر آئی تھی۔ جو ایک بے حد خوبرو مرد کی تھی۔ کوئی قلبِ مومن کو دیکھتا اور اُس تصویر کو تو کوئی رشتہ جوڑے بغیر نہ رہ پاتا۔

قلبِ مومن نے اگلا صفحہ پلٹا تھا۔ وہ اُس البم کا آخری صفحہ تھا۔ جس پر اُسی لڑکی، مرد اور بچے کی تصویر تھی۔ وہ اُن تینوں کی اکٹھے کھنچوائی گئی آخری تصویر تھی۔ جس میں اُس مرد اور عورت کے درمیان وہ سات سال کا بچہ کھڑا تھا۔ اُن دونوں کے ہاتھ پکڑے یوں جیسے زنجیر ہو مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا طٰحہٰ عبدالعلی اور حسنِ جہاں کی اس خوب صورت داستان کا خاتمہ اُس کڑی سے ہوا تھا جو اُن دونوں کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ وہ قلبِ مومن تھا...... طٰحہٰ عبدالعلی اور حسنِ جہاں کی اکلوتی اولاد۔

☆......☆......☆

ندیم صاحب نے تو جہانگیر کو دیکھتے ہی کہا تھا کہ میں اس میں ایک اور وحید مراد دیکھ رہا ہوں۔ یہ بچہ بڑا ہو کر ایک اور چاکلیٹ ہیرو بنے گا۔"

''مانتے ہی نہیں تھے کہ میرا بیٹا ہے۔ مذاق کرتے تھے کہ کہاں سے اُٹھا لائے ہو تم لوگ یہ نواب کی اولاد۔'' سلطان اپنی بات کہہ کر خود ہنسا تھا اور اُس کے ہنسنے پر ثریا اور جہانگیر بھی۔ مومنہ اپنے لیے ٹرے میں کھانا لے کر اندر آئی تھی اور ہزاروں بار سُنے ہوئے وہ جملے اُس نے ایک بار پھر سُنے تھے۔ وہ ساری گفتگو ہر اُس رات ہوتی تھی جب جہانگیر کا ڈائیلاسز ہوتا تھا۔ پتا نہیں ثریا اور سلطان جہانگیر کا حوصلہ بحال کرنا چاہتے تھے یا اپنا۔ وہ اُن کی باتیں سنتے ہوئے کھانا لے کر کمرے میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

اُس کمرے کی دیواروں پر سستی لکڑی کے لگے ریکس جہانگیر کے ایوارڈز، شیلڈز اور ٹرافیز سے بھرے پڑے تھے اور اُن میں کہیں وہ سونے کا پانی چڑھے ہوئے تاج بھی تھے جو وقتاً فوقتاً چائلڈ آرٹسٹ کے طور پر اُس کی رسم تاج پوشی کے دوران مختلف پریس کلبز اور ادبی تنظیمیں کیا کرتی تھیں اور جہاں جہانگیر کے بچپن میں ثریا اور سلطان بڑے شوق سے جایا کرتے تھے اور وہ بھی۔ اُسے تالیاں بجانے کا بے انتہا شوق تھا جہانگیر کے لیے اور سیٹیاں بھی جو بجاتا اُس نے سلطان سے سیکھا تھا اور پھر ہر تقریب کے بعد سب انعام یافتہ افراد کا گروپ فوٹو اور پھر جہانگیر اور اماں ابا کے ساتھ اُس کا فیملی فوٹو جسے فوٹوگرافرز اُس وقت سلطان اور ثریا کے اصرار پر کھینچتے تھے مگر بعد میں اخبار میں تصویر صرف جہانگیر ہی کی لگتی۔ وہ تینوں اُس میں سے حذف کر دیے جاتے۔ وہ پاکستان کا سب سے مہنگا چائلڈ آرٹسٹ رہا تھا۔ مہنگا اور talented۔

مومنہ اُس کے کمرے میں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے ہمیشہ دیواروں پر لگی اُن تصویروں کو دیکھتی رہتی تھی جو اُن سپر سٹارز کے ساتھ جہانگیر کی تھیں جن کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے زمانہ ترستا تھا۔

''اماں جب میں ٹھیک ہو جاؤں گا تو پھر ایکٹنگ کروں گا۔'' اُس نے جہانگیر کو کہتے سُنا اور وہ نوالہ لینا بھول گئی۔

''ہاں......ان شا اللہ......اور اس بار تو بیسٹ ایکٹر کا ایوارڈ لینا ہے میرے بیٹے نے۔'' ثریا نے جیسے اُس کے خواب کی پینگ بڑھائی جہانگیر اور مومنہ کی نظریں ملیں۔ وہ مسکرا دی۔

''آپا کو تو جس دن سے فلم نہیں ملی موڈ ہی آف ہو گیا ہے ان کا۔'' اُس نے مومنہ کو چھیڑا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ چاہتا تھا وہ کچھ بولے۔

''تمہارا اور میرا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ دیکھو اُس دیوار پر میرا ایک بھی ایوارڈ نہیں ہے۔ سارے ایوارڈز ساری شیلڈز تمہاری ہیں۔'' مومنہ نے جیسے اُس ڈرامے میں اپنا رول پلے کرنا شروع کیا جو وہ سب مل کر جہانگیر کے لیے کرتے تھے۔

’’ہاں یہ تو ہے لیکن تم بھی میری طرح چائلڈ آرٹسٹ بن جاتی تو میرے جتنے نہیں لیکن کچھ نہ کچھ ایوارڈز تو جیت ہی لیتی تم۔‘‘

وہ جواباً اُس ڈرامے میں اپنا رول ادا کرنے لگا تھا۔

’’ارے اس کا بس چلے تو یہ تو آج بھی نہ کرے اداکاری۔ یہ کہاں قدر جانتی ہے ایکٹنگ کی، آرٹسٹ کی۔‘‘ ثریا نے مداخلت کی۔ مومنہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ سلطان کو حسنِ جہاں یاد آ گئی۔

’’حسنِ جہاں قدر کیا کرتی تھی آرٹسٹوں کی۔‘‘ مومنہ نے یک دم کھانے کی ٹرے اُٹھائی اور کمرے سے نکل گئی۔

’’پتا نہیں ابا کو ہر بات پر حسنِ جہاں کیوں یاد آ جاتی ہے۔‘‘ اُس نے جیسے چڑ کر سوچا تھا۔

’’اور اب گھنٹوں اُس کی مثالیں دیتے رہیں گے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے ابا کو حسنِ جہاں سے محبت تھی صرف کام نہیں کرتے تھے اُس کے ساتھ اور اماں...... اماں جہانگیر کے عشق میں مبتلا ہیں اور میں؟ میں ان سب کے۔ ہم سب دائروں میں چل رہے ہیں۔ کوئی دائرہ کسی دوسرے دائرے سے ملتا ہی نہیں۔‘‘ برآمدے کے تخت پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے اُس نے برآمدے کی کھلی کھڑکی سے نظر آتے جہانگیر ثریا اور سلطان کی تکون کو دیکھا۔ وہاں جیسے اُس کی کوئی جگہ ہی نہیں تھی۔ مگر مومنہ سلطان کو اس کی بھی شکایت نہیں تھی۔ وہ اُن کے گھر کا ’’ہیرو‘‘ تھا اور فلم انڈسٹری صرف ہیرو کی پرستش کرتی تھی۔ اُس کے ماں باپ کا خواب تھا اُس فلم انڈسٹری میں ایک ’’ہیرو‘‘ اُن کے خاندان سے بھی ہوتا۔ مومنہ سلطان کے لیے انہوں نے کبھی ایسا خواب نہیں دیکھا تھا۔ اُسے ضرورت اور مجبوری اُس میدان میں لے آئی تھی۔ جہاں کے کانٹے صرف عورت کے پیروں کو زخمی کرتے تھے۔

☆......☆......☆

’’آئینہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔ میں تم سے اور تم کسی اور سے۔ تینوں پاگل ہیں اور تینوں خالی ہاتھ رہیں گے۔‘‘ قلبِ مومن اپنے سٹوڈیو میں رات کے اس پہر آڈیشنز کی فوٹیج دیکھنے میں مصروف تھا اور اسکرین پر اس وقت مومنہ سلطان کے اُس نامکمل آڈیشن کی فوٹیج چل رہی تھی۔ وہ غضب کی ایکٹریس تھی۔ کمال کا eye contact تھا اُس کا کیمرا اور کیمرے کے ذریعے دوسری طرف بیٹھی audience کے ساتھ۔ اُس کے تاثرات بے حد جان دار تھے اور ڈائیلاگ ڈیلیوری اور آواز قاتل۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار اُس کے آڈیشن کی فوٹیج پر آ رہا تھا۔ اُس آڈیشن کی فوٹیج کو جسے اُس کا گرتا دوپٹا بھی خراب نہیں کر پایا تھا۔ اُس کا فٹ ورک بہترین تھا۔ وہ فریم میں تھی اور فریم میں ہی رہی تھی۔ اداکاری

اُس کے لیے جیسے خالہ جی کا گھر تھا۔

اُس کے آڈیشن کو دیکھتے ہوئے قلبِ مومن کے ذہن میں اُس کے ساتھ ہونے والی پوری ملاقات گھومی تھی۔ وہ اگر اتفاقاً اس فوٹیج کو نہ دیکھ لیتا تو شاید اُس ملاقات کے بعد مومنہ سلطان اُسے کبھی یاد تک بھی نہ رہتی مگر اس وقت وہ ہر دس پندرہ منٹوں کے بعد نئی ایکٹریسز کے آڈیشن دیکھنے کے بعد دوبارہ اُس کے آڈیشن پر آجاتا۔ اُن درجنوں اسٹائلش اور خوب صورتی اور گلیمر کے معیار پر ہر لحاظ سے پورا اُترنے والی لڑکیوں میں سے اُسے کوئی ایک ''اداکارہ'' نظر نہیں آئی تھی۔ فوٹیج کو آخری بار دیکھ کر اُس نے اُسے delete کر دیا تھا۔ یہ کام اُس نے داؤد کے ذمہ لگایا تھا مگر داؤد شاید دانستہ طور پر اُسے یہی موازنہ اور مقابلہ دکھانا چاہتا تھا جو وہ اس وقت ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ کر رہا تھا مگر اس کے باوجود مومنہ کے لیے اُس کی فلم میں کوئی گنجائش پیدا نہیں ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

گہری نیند میں مومنہ کو یوں لگا تھا جیسے اُس کی آنکھ کسی کھٹکے سے کُھلی تھی۔ اُس نے غنودگی کے عالم میں آنکھیں کھولے کمرے کو دیکھا تھا۔ ثریا سو رہی تھی برابر کے بستر پر۔ وہ اپنی چادر اُتارتے ہوئے بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے جہانگیر کے کمرے سے کچھ آوازیں آئی تھیں۔

اپنے کمرے سے نکل کر اُس نے صحن میں چارپائی پر گہری نیند سوئے سلطان کو دیکھا پھر وہ جہانگیر کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ جاگا ہوا اپنے بستر پر بیٹھا تھا اور اُس کا بستر اُس کے ایوارڈز سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے سر اُٹھا کر مومنہ کو دیکھا تھا۔ وہ بھی اُسے دیکھتی رہی پھر پاس چلی آئی۔

''کیوں جاگ رہے ہو جہانگیر؟ کچھ چاہیے؟'' وہ کُرسی پر اُس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

''آپا تم مجھے مرنے نہ دینا۔'' عجیب بے بسی کی کیفیت میں اُس نے مومنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب خوف تھا۔

''تم مجھے بچا لینا۔'' وہ اُس کے ہاتھ بھینچے ہوئے اُس سے کہہ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی پھر اُس نے جہانگیر کو لپٹا لیا۔

''نہیں مرنے دوں گی۔'' اُس نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اُس کے سینے میں منہ چھپائے ہوئے سسک رہا تھا اور اُس کے بستر پر ہر طرف اُس کا ''عروج'' پڑا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی مومنہ۔'' اقصیٰ نے اُسے ہونق نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ صبح سویرے

اُس کے گھر پر تھی اور اُس کی درخواست سُن کر اقصیٰ کو لگا تھا وہ پاگل ہوگئی تھی۔

''مجھے خود بھی اپنی سمجھ نہیں آتی۔'' وہ چائے کا کپ اپنی گود میں رکھے اُس کے بستر میں بیٹھی بڑبڑائی تھی۔

''تم مومن کو سمجھتی کیا ہو آخر؟ تم جاؤ گی اُس کے پاس اور وہ تمہاری معذرت قبول کر کے رول دے دے گا تمہیں......All good'' اقصیٰ نے جھنجھلاتے ہوئے اُس سے کہا۔

''ایک کوشش کر لینے میں کوئی ہرج تو نہیں۔'' مومنہ اپنی بات پر مصر تھی۔

''وہ تمہیں رول نہیں دے گا۔ میں تمہارے سامنے وہ باتیں دہرانا نہیں چاہتی جو اُس نے تمہارے بارے میں داؤد سے کی تھیں۔ تم کیوں بے عزّت ہونا چاہتی ہو؟''

''مجھے اس وقت شہرت اور پیسے کی ضرورت ہے اقصیٰ......عزت اب ترجیح نہیں رہی میری۔ تم ایک دفعہ داؤد سے کہو مومن سے میری ملاقات کروا دے۔ بس ایک بار۔'' وہ منت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی اور اقصیٰ اُس کے اس لہجے کے سامنے ٹِکی نہیں رہ سکتی تھی۔

''تم چاہتی ہو داؤد بے روزگار ہو جائے اور ہماری شادی پھر لٹک جائے تو ٹھیک ہے۔ دوستی کے نام پر یہ بھی سہی۔'' اُس نے تن فن کرتے ہوئے فون اُٹھا کر داؤد کا نمبر ملانا شروع کر دیا تھا۔ مومنہ چُپ چاپ اُسے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

قلبِ مومن کا پینٹ ہاؤس میوزک کی تیز آواز سے گونجتے ہوئے ٹیرس پر بنے ڈانس فلور پر تھرکتی سپاٹ لائٹس کی رنگین روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ وہ ویسی ہی معمول کی ایک پارٹی تھی جس کے لیے وہ پینٹ ہاؤس مشہور تھا۔ ویٹرز ہارڈ اور سافٹ ڈرنکس سرو کرتے ہوئے ٹیرس پر بنے اُس بار میں آ جا رہے تھے جو بوقتِ ضرورت باربی کیو ایریا کے طور پر بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ ایک DJ مختلف انواع کا میوزک بجاتے ہوئے ماحول کو گرمائے ہوئے تھا اور ہر بدلتے میوزک کی بیٹ پر ڈانس فلور پر جوڑے تھرک رہے تھے۔ مہمانوں کی آمد و رفت جاری تھی اور وہاں موجود کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو ایک دوسرے سے واقف نہ ہو۔ پاکستان ٹی وی، ماڈلنگ اور فلم انڈسٹری سے منسلک اپنی اپنی فیلڈ کے بہترین ناموں میں سے تھے اور وہ سب وہاں قلبِ مومن کی فلم کی کامیابی اور اُس کے ایوارڈ کو سیلبریٹ کرنے آئے ہوئے تھے۔ شوبز کی فیلڈ سے منسلک کوئی ایسا بڑا اسٹار نہیں تھا جو اس وقت وہاں نہ ہوتا۔ قلبِ مومن کے invitation کو کوئی رد کرنے کی جرأت کر نہیں سکتا تھا اور اُس کی نظروں اور good books میں رہنا اس وقت ہر ایکٹر اور

ایکٹریس کی ضرورت تھی یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اپنی کسی فلم میں main lead کو دوبارہ کاسٹ نہیں کرتا تھا۔ وہ بہت سے بڑے برانڈز کی کمرشل فلمز بھی شوٹ کرتا تھا اور قلبِ مومن اُن کمرشلز میں صرف اُن ہی کو لیتا تھا جنہیں وہ چاہتا تھا۔ برانڈز کے مطالبات کو وہ اکثر نظر انداز کرنے کا عادی تھا اور اُس کا ہر کمرشل ٹی وی اور ڈیجیٹل اسکرین پر دھوم مچانے کی تاریخ رکھتا تھا۔ تو قلبِ مومن کے نخرے اگر برانڈز نہ اُٹھاتے تو کیا کرتے اور ایکٹرز اُس کے آگے پیچھے نہ پھرتے تو کیا کرتے۔

قلبِ مومن اس وقت داخلی دروازے کے پاس مہمانوں کے استقبال کے لیے نیہا کے ساتھ موجود تھا اور نیہا وہاں پر بالکل ایک میزبان کا کردار ادا کر رہی تھی۔ قلبِ مومن کی گرل فرینڈ کے طور پر وہ شوبز کے حلقوں میں اب بڑی اچھی طرح متعارف ہو چکی تھی اور قلبِ مومن کی گرل فرینڈ کے لیبل کو اُس نے ایک ڈیزائنرز کے طور پر اپنے بزنس کو پھیلانے اور clientale کو بڑھانے کے لیے بہترین طریقہ سے استعمال کیا ہے۔ اُس کے پاس آنے والوں میں اب انڈسٹری کی ہر بڑی ایکٹریس اور ماڈل شامل تھی جو اُس کے ذریعہ قلبِ مومن کی رسائی پانے کے متمنی تھے اور نیہا بڑی چالاکی اور ذہانت سے اُن کی اس خواہش کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہی تھی۔ شوبز جیسا بزنس کوئی اور نہیں ہوتا۔

اس سارے ہنگامے میں لاؤنج میں لگی ہوئی وہ خطاطی کسی عینی شاہد کی طرح اُس دیوار پر استارہ تھی جس کے نیچے بڑے صوفوں میں نیم برہنہ ماڈلز اور ایکٹرسز شراب کے گلاسز ہاتھ میں لیے مخمور بیٹھی تھیں یا پھر چل پھر رہی تھیں۔

''مومن یہ ضوفی ہے میں نے اسے انوائٹ کیا تھا تمہیں ملوانے کے لیے۔'' وہ لمبے قد کا کسرتی جسم رکھنے والا مناسب شکل وصورت کا ایک نوجوان لڑکا تھا جسے نیہا نے قلبِ مومن سے ملوایا تھا۔ قلبِ مومن نے کسی ردعمل کے بغیر اُس کا استقبال کرتے ہوئے خوش دلی سے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''آپ سے پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے۔'' ضوفی نے جواباً بے حد نروس انداز میں مومن سے کہا۔

''ہاں But I am a huge fan.۔'' اُس نے بے حد گرم جوشی سے قلبِ مومن سے مصافحہ کیا تھا۔ وہ جو سکن ٹائٹ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اُس کی مختصر آستینیں اُس کے biceps کو اور اُس کا V گلا اُس کے سینے کے مسلز کو ڈسپلے پر رکھے ہوئے کسی شوپیس کی طرح دکھا رہی تھی۔

''Thank you.'' مومن مسکرایا تھا لیکن اُس نے ضوفی میں زیادہ دل چسپی نہیں لی تھی۔ وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہونے والا تھا جب نیہا نے ایک بار پھر اُسے ضوفی ہی کی طرف متوجہ کیا۔

''ضوفی نے ابھی ابھی ماڈلنگ اور ایکٹنگ شروع کی ہے اور بڑا keep ہے وہ کسی فلم میں کام کرنے کے لیے۔'' مومن نے نیہا کی بات اب بھی دھیان سے نہیں سنی تھی اُس کی توجہ اپارٹمنٹ کے بار بار کھلنے والے دروازے پر مبذول تھی جہاں سے چند چند منٹوں کے وقفے سے کوئی نہ کوئی مہمان نمودار ہو رہا تھا۔

نیہا اور ضوفی نے اُس کی عدم توجہ بیک وقت نوٹس کی اور ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر نیہا نے جیسے کوشش نہ چھوڑتے ہوئے اُس سے دوبارہ بات کا آغاز کیا تھا۔

''میں سوچ رہی تھی مومن اگر تم اپنی فلم میں......''

''ایکسکیوز می ڈیئر۔'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کر پاتی مومن کسی مہمان کو آتا دیکھ کر نیہا کی بات سننے بغیر اُس کا بازو تھپکتے ہوئے چلا گیا تھا۔ ضوفی اور نیہا دونوں کچھ نادم سے ہوئے تھے۔ ضوفی نے نیہا سے کہا۔

''میں نے کہا تھا نا اُس سے پہلے بات کر لینا۔'' اُس کا لہجہ شکایتی تھا۔

''کرلوں گی یار ٹینشن کیوں لے رہے ہو؟'' نیہا نے جواباً اُس کا کندھا تھپکا۔

''ابھی کچھ دیر میں دوبارہ بات کرتی ہوں اُس سے۔ اُسے ذرا مہمان ریسیو کر لینے دو۔'' وہ اُسے لیے ہوئے ٹیرس کی طرف گئی۔

دور ایک جرنلسٹ کے ساتھ کھڑی شیلی نے تیکھی نظروں سے نیہا اور ضوفی کو دیکھا تھا۔ وہ جب سے آئی تھی اُس کی نظروں کا مرکز نیہا اور مومن ہی رہے تھے۔

''You were like a goddess in this movies.'' اُس کے سامنے کھڑی Dusk کی فیچر رائٹر اُسے compliment دے رہی تھی۔ شیلی دوبارہ اُس کی طرف متوجہ ہوئی اور اُس نے اپنے بالوں کو تھپکا اور مسکرائی مگر اُس کی نظریں اب پھر نیہا پر تھیں جو ضوفی کو ٹیرس پر چھوڑ کر واپس مومن کے ساتھ کھڑی مہمانوں کو ریسیو کر رہی تھی۔

''ان کا کچھ چل رہا ہے کیا؟'' اُس جرنلسٹ نے شیلی کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔ شیلی ایک دم گڑبڑائی اور ہنسی۔

''No, no. Momin is very much single and available.'' شیلی نے کہا۔

''But she is playing the host.'' جرنلسٹ نے اصرار کیا۔

''گرل فرینڈ ہے یار......اور وہ تو مومن کی گئی ہیں۔''شیلی نے دوبارہ کہا۔

''میں نے تو خبر لگائی تھی کہ مومن اور تم dating کر رہے ہو۔'' جرنلسٹ نے اس بار شیلی کو چھیڑا وہ قہقہہ مار کر خوش دلی سے ہنسی۔

''اچھا میں نے نہیں پڑھی۔''

''ایسا سین ہے کیا؟'' جرنلسٹ نے کُریدا۔

''Keep your fingers crossed.''شیلی نے معنی خیز انداز میں اُس کو شہ دی۔ نیوز میں سٹار بننے کے لیے انڈسٹری کے heart throb کے ساتھ کسی بھی حیثیت میں نتھی رہنا ضروری تھا اور شیلی ایسے تعلقات کی ''افادیت'' پر یقین رکھنے والوں میں سے تھی۔

ناز نے دور کھڑے قلبِ مومن کو بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک اُبھرتی ہوئی ماڈل تھی اور ایک بڑے ایوارڈ شو میں بیسٹ ماڈل کا ایوارڈ جیت چکی تھی۔ اس وقت وہ ایک مشہور فیشن ڈیزائنر کے ساتھ قلبِ مومن کی اس پارٹی میں آئی تھی اور اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس فیشن ڈیزائنر کو dump کر کے قلبِ مومن کے ساتھ جا کھڑی ہوتی جو چند لمحے پہلے اُن دونوں کے ساتھ گپ شپ کر کے وہاں سے گیا تھا اور جس نے ناز کے نام نہاد لباس سے جھلکنے والے تمام اثاثہ جات پر کچھ زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ ناز جانتی تھی وہاں موجود سب خواتین وہاں اسی ''ڈسپلے'' کے لیے آئی تھیں۔ قلبِ مومن اپنی فلمز میں گلیمر کے علاوہ کچھ پیش نہیں کرتا تھا اور وہاں سب ''glamour'' کے سب تیر تلواروں سے لیس ہو کر آئی تھیں۔

''شیلی کے ساتھ کوئی چکر چل رہا ہے مومن کا؟'' ناز نے اُس فیشن ڈیزائنر سے پوچھا جس کی escort کے طور پر وہ آئی تھی۔

''شیلی!...... ہاہاہا۔'' وہ فیشن ڈیزائنر استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

''Sheely is not Momin's type.'' اُس نے دور مومن کا بازو پکڑے کھڑی شیلی کو دیکھتے ہوئے ناز کو تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''اور وہ جو دوسری لڑکی ہے۔'' ناز نے نیہا کو دیکھتے ہوئے کُریدا۔

''گرل فرینڈ ہے مومن کی۔ اب دیکھو اُسے کب dump کرتا ہے۔ تم انٹرسٹڈ ہو رہی ہو کیا؟'' اُس ڈیزائنر کو یک دم خیال آیا۔

''صرف فلم میں؟'' ناز نے گڑ بڑا کر کہا۔

''اس کے کیریئر کو یہاں تک پہنچانے میں اُس ڈیزائنر کا بہت بڑا ہاتھ تھا اور ناز کو اچانک خیال آیا تھا کہ اُسے یہ ساری معلومات اُس ڈیزائنر سے نہیں لینی چاہییے تھیں۔

''مومن میں loyalty نہیں ہے۔'' اُس ڈیزائنر نے جیسے ناز کے انکار کے باوجود اُسے خبردار کیا۔

''dump تو سب ہی کر دیتے ہیں یہاں کام نکلنے کے بعد لیکن مومن......'' ڈیزائنر نے بے حد معنی خیز انداز میں جملہ اُدھورا چھوڑتے ہوئے ایک جتانے والی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے گلاس سے سپ لیا۔

''میں تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' ناز کو اُس فیشن ڈیزائنر کو اظہارِ محبت پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اُن کا تعلق اتنا ہی ''خالص'' تھا۔

اور قلبِ مومن کے بارے میں ایسے سوال و جواب کرنے والی ناز تنہا نہیں تھی اُس پارٹی میں۔ وہاں موجود ہر لڑکی اپنے آپ کو جیسے قلبِ مومن کی بھینٹ چڑھا دینے کے لیے تیار پھر رہی تھی۔ یہ محبت نہیں تھی، بزنس تھا شوبزنس۔ قلبِ مومن کا ساتھ اُن میں سے کسی کو بھی آسمان پر پہنچا دیتا۔ اُن تین ہیروئنز کی طرح جن کی زندگیاں قلبِ مومن کی فلمز نے بدلی تھیں اور آسمان کس کو اچھا نہیں لگتا تھا اور قلبِ مومن اس سب سے باخبر تھا۔ اپنی اہمیت سے، اپنی ضرورت سے، اپنے سٹارڈم سے، ہر چیز سے وہ پھندوں میں پھنسنے والا نہیں تھا۔ دام میں آجانے والا صیّاد بھی نہیں تھا۔ نہ جال میں قابو آتا تھا۔

''جان یہ میں تم سے ملوا رہی تھی ضوفی کو۔'' نیہا تیسری بار ضوفی کو مومن کے پاس لے کر آئی تھی اور یہ پہلا موقع تھا جب مومن نے ضوفی پر بالآخر غور کیا تھا۔ وہ اُسے اس طرح بار بار اُس کے پاس کیوں لا رہی تھی۔ چھوٹے موٹے ریفرنسز چلتے رہتے تھے لیکن اتنی desperation سے تو کبھی نیہا نے کسی کو اُس سے ملوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مومن کو پہلی بار خیال آیا تھا۔

''ضوفی کی خواہش ہے تمہارے ساتھ کام کرنے کی۔'' وہ اب اُس سے کہہ رہی تھی۔

''خواہش نہیں خواب ہے سر......آپ میرے آئیڈیل ہیں، آپ کی کامیابی پر مجھے رشک آتا ہے۔ آپ کے کام کا مجھ سے بڑا fan کوئی نہیں ہے پاکستان میں۔'' ضوفی نے اُس کی شان میں قلابے ملانا شروع کیے اور مومن نے اُسے درمیان میں ہی ٹوکا۔ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں پکڑے گلاس سے ٹیرس اور لاؤنج میں موجود لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مومن نے اُس سے کہا۔

''تمہیں پتا ہے یہ سب کون ہیں؟''صوفی الجھا۔اُس نے نیہا کو دیکھا۔نیہا کو لگا مومن کچھ نشے میں تھا۔

''یہ سب سٹارز ہیں۔''صوفی نے کچھ اٹک کر کہا۔مومن مسکرایا۔

''نہیں یہ سب میرے fans ہیں اور پاکستان میں ان سے بڑھ کر میرا مداح کوئی نہیں ۔ یہ سب میرے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خواب ہے ان سب کا۔'' وہ صوفی کے جملے ہی دہرا رہا تھا اور صوفی کو عجیب سی ہتک محسوس ہوئی تھی۔

''تو یار دو نا اُسے فلم میں چانس۔''نیہا نے جیسے صورت حال سنبھالی۔

''کیسا چانس؟''مومن نے جواباً بے حد سپاٹ لہجے میں اُس سے کہا۔

''اپنی فلم کے لیے آڈیشن کرو اُس کا۔تم خود متاثر ہو جاؤ گے صوفی کی اسکرین presure اور ٹیلنٹ سے۔''نیہا نے ملائم لہجے میں کہا۔

''I don't think so.''مومن نے سر سے پاؤں تک صوفی کو دیکھنے کے بعد اُسی اطمینان سے گلاس ایک سے دوسرے ہاتھ میں بدلتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔صوفی اور نیہا کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے۔صوفی نے بے حد اپ سیٹ ہو کر شکایتی نظروں سے نیہا کو دیکھا تھا۔اُس نے ایک بار پھر اُسے تھپکتے اور تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''نشے میں ہے ابھی اس لیے اس طرح کی باتیں کر رہا ہے...... let him sober up.''

''What a beautiful piece of art.''

اُس ڈیزائنر نے مومن کو روکتے ہوئے اُس کیلی گرافی کی طرف اشارہ کیا تھا۔وہ شاید پہلی بار مومن کی کسی پارٹی میں آیا تھا اور پہلی بار اُس کیلی گرافی کو دیکھ رہا تھا۔

مومن اُس کی تعریف پر مسکرایا اور اُس نے کہا۔

''Thank you.''

''آرٹسٹ کون ہے؟'' اُس ڈیزائنر نے مزید پوچھا۔ چند اور لوگ بھی اب اپنے ڈرنکس پکڑے اُس کیلی گرافی کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''عبدالعلی۔''ایک لمحہ کے توقف کے بعد مومن نے بالآخر کہا۔

''Amazing.''اُس ڈیزائنر نے مزید سراہا۔

''Look at the strokes the curves, the colors.... brilliant.''وہ اُسی

کیلی گرافی کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

''لکھا کیا ہوا ہے؟'' ایک ماڈل نے اپنے امریکن لب و لہجے میں مومن سے پوچھا۔

''قرآن پاک کی آیت ہے۔'' مومن نے بتایا۔ وہ ماڈل بے اختیار ہنسی۔

''آف کورس، وہ تو جانتی ہوں میں لیکن اس کا مطلب کیا ہے؟'' بیک وقت اُن تینوں چاروں لوگوں نے مومن کو دیکھا۔ مومن نے محقق انداز میں پیش کی گئی اُس خطاطی پر نظر دوڑائی پھر مدھم آواز میں کہا۔

''میں نہیں جانتا۔'' وہ کہہ کر پلٹا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے ہٹ جاتا اُس کے سامنے اُس کا ملازم ایک مہمان لے کر آیا تھا اور آنے والے مہمان کو دیکھ کر قلبِ مومن فریز ہو گیا تھا۔ شراب کا گلاس اُس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

☆......☆......☆

الف

عمیرہ احمد

EPISODE - 3



الف

قسط نمبر:3

میرے پیارے اللہ!

آپ کیسے ہیں؟

میرا نام قلبِ مومن ہے۔ میری عمر آٹھ سال ہے اور میں اپنی ممّی کے ساتھ رہتا ہوں۔

آپ مجھے جانتے ہیں نا کیونکہ آپ نے مجھے پیدا کیا۔ لیکن میں پھر بھی آپ کو اپنی ایک تصویر بھیج رہا ہوں تا کہ میں آپ کو یاد آ جاؤں۔

آپ نے اتنے بہت سارے لوگوں کو پیدا کیا ہے ہوسکتا ہے آپ مجھے بھول گئے ہوں حالانکہ ممّی کہتی ہیں ہم تو اللہ کو بھول سکتے ہیں، لیکن اللہ ہمیں کبھی نہیں بھولتا۔

آپ کو بہت سارے لوگ خط لکھتے ہوں گے...... میں سوچتا ہوں آپ اتنے سارے خط کیسے پڑھتے ہوں گے...... پر ممّی کہتی ہیں آپ اپنا ہر خط پڑھتے ہیں......وہ بھی خود......

مجھے یہ نہیں پتہ کہ آپ کہاں رہتے ہیں لیکن ممّی کہتی ہیں آپ وہاں رہتے ہیں جہاں کوئی نہیں رہتا......آسمان پر...... میں تو آسمان تک نہیں جا سکتا لیکن آپ کو خط یہاں بھیج رہا ہوں کیونکہ آپ تو اپنی ڈاک ہر جگہ سے لے لیتے ہیں...... یہ بھی مجھے ممّی نے ہی بتایا......

میرا خط جلدی سے پڑھ لیں اور پھر مجھے خط کا جواب بھیجیں۔ مجھے آپ سے ایک کام ہے......اور یہ کام کوئی اور نہیں کرسکتا۔ آپ میرے خط کا جواب بھیجیں گے تو پھر اگلے خط میں آپ کو وہ کام بتاؤں گا۔

میں نے خط پر urgent بھی لکھا ہے تا کہ آپ خط جلدی سے پڑھ لیں لیکن ممّی کہتی ہیں ہر کام صبر سے کرنا چاہیے کیونکہ صبر کرنا نیکی ہے، میں بھی صبر سے آپ کے خط کا انتظار کروں گا، تا کہ ایک نیکی بھی کرلوں کیونکہ ممّی نے مجھے بتایا ہے آپ کو نیکیاں اچھی لگتی ہیں۔ مجھے بھی اچھی لگتی ہیں۔

میرے پاس ایک ڈائری ہے جس میں میں ہر روز اپنی ہر نیکی لکھتا ہوں ......اور اُسی ڈائری میں اپنے گناہ بھی لکھتا ہوں۔

ممّی کہتی ہیں اس طرح کرنے سے مجھے یاد رہے گا کہ میں ہر روز اچھے کام زیادہ کرتا ہوں کہ بُرے کام۔

میں روز رات کو اپنی ڈائری چیک کرتا ہوں اور اگر بُرے کام زیادہ کئے ہوں تو پریشان ہوتا

ہوں۔

ممّی کہتی ہیں اگر میں توبہ کرلیا کروں تو میرے بُرے کام اور گناہ غائب ہو جائیں گے۔

میں ہر روز ایسا ہی کرتا ہوں۔توبہ کر کے سوتا ہوں تو صبح میری ڈائری خالی ہوتی ہے۔ممّی کہتی ہیں وہ آپ کے کہنے پر eraser سے میرے سارے گناہ مٹا دیتی ہیں۔

Thank you for that

آپ بہت اچھے ہیں۔اب آپ تھک گئے ہوں گے۔میں بھی تھک گیا ہوں۔آپ آرام کریں میں بھی سونے جا رہا ہوں۔

آپ کا قلبِ مومن

☆......☆......☆

دروازے کے باہر جو شخص کھڑا تھا اُسے مومن نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور اگر کبھی دیکھا بھی تھا تو اپنے باپ کی دکھائی ہوئی کسی تصویر میں۔اُس کا چہرہ اور سر اور داڑھی کے بال ایک جیسے سفید تھے۔بہت ہلکی داڑھی بہت گھنے سر کے بال اور بڑھاپے میں بھی ہیرے کی کنیوں جیسی چمکتی خوب صورت ہیزل آنکھیں جو قلبِ مومن پر جمی تھیں کسی مقناطیس کی طرح۔

''قلبِ مومن؟'' قلبِ مومن نے اُس دراز قد بوڑھے آدمی کی زبان سے اپنا نام سُنا ایک اشتیاق بھرے لہجے میں......اُس نے جواب دینے کے بجائے اُس بوڑھے آدمی کے عقب میں اپنے باپ کے وجود کو کھوجنے کی کوشش کی......وہاں کوئی نہیں تھا صرف وہی بوڑھا شخص تھا اور اُس کا ایک بیگ، قلبِ مومن نے بے اختیار پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا اور اُس کے چہرے اور آنکھوں میں اُسے وہی مایوسی نظر آئی تھی جو اُس کے اپنے چہرے اور آنکھوں میں تھی۔

''مومن تمہارے دادا......'' اُس نے ماں کو بالآخر کچھ کہتے سُنا۔وہ اب اُس کا ہاتھ پکڑے اُس شخص کی طرف بڑھا رہی تھی۔مومن نے سر اُٹھا کر ماں کو دیکھا پھر سامنے کھڑے اُس شخص کو جواب پنجوں کے بل اُس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اُسے دیکھتے ہوئے۔

''میرے بابا کہاں ہیں؟'' اُس نے اُس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھا تھا۔

''وہ میرے پاس نہیں ہے۔'' مومن کا جواب اُس نے مومن کو نہیں دیا تھا۔اُس کے عقب میں کھڑی حسنِ جہاں کو دیا تھا۔

''وہ میرے پاس کبھی نہیں آیا......'' اُس نے اس بار وہ جملہ قلبِ مومن کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے کہا تھا۔قلبِ مومن کو لگا اُس کے پیچھے کھڑی حسنِ جہاں ہٹی ہے، بے اختیار گردن موڑ کر اُس نے ماں کو دیکھا۔ وہ واقعی اب اُس کے پیچھے نہیں تھی۔ دروازے کی چوکھٹ سے پشت لگائے کھڑی تھی، یوں جیسے اپنے آپ کو سہارا دے رہی ہو۔مومن نے پلٹ کر اُس بوڑھے شخص کی آنکھوں میں پھر آنے والے پانی کو حیرت سے دیکھا۔وہ کیوں رو رہا تھا اور اُسے لپٹا کر کیوں......

اُس کے سینے سے لگے، اُس کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کی نمی کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے بھی مومن کو بے تاب کرنے والا واحد خیال اور احساس ماں کا تھا۔عبدالعلی سے ملنے والا پہلا لمس اُس نے ''محسوس'' ہی نہیں کیا تھا۔

''ڈیڑھ سال ہونے والا ہے اُسے مجھے اور مومن کو چھوڑ کر گئے......آپ کہتے ہیں وہ آپ کے پاس نہیں گیا......پھر وہ کہاں گیا؟'' اُس نے عبدالعلی کے ساتھ اندر کمرے میں آنے کے بعد حسنِ جہاں کے منہ سے پہلا جملہ سُنا تھا۔ اُس نے یہ جملہ عبدالعلی سے کہا تھا پھر اچانک اُسے مومن کا خیال آیا اور اُس نے مومن کو وہاں سے جانے کے لئے کہا۔''مومن تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' اُس نے ماں کی تحکمانہ آواز سُنی اور ایک لفظ کہے بغیر بھی وہ وہاں سے اندر کمرے میں آ گیا، مگر دروازے کی جھری کو بند کئے بغیر وہ اُس کمرے میں جھانکتا رہا جہاں عبدالعلی اور حسنِ جہاں کھڑے تھے۔وہ دونوں اس وقت اُسے ایک راز کی طرح لگ رہے تھے......جگسا پزل...... جسے وہ حل کر کے اپنے باپ تک پہنچنا چاہتا تھا مگر وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے چُپ تھے۔

''آپ بیٹھیں'' اُس نے حسنِ جہاں کو کہتے سُنا اور عبدالعلی کو ایک کُرسی پر بیٹھتے دیکھا، وہ دیواروں پر لگی طحہ کی بنائی ہوئی خطاطی دیکھ رہا تھا۔

''آپ کہتے ہیں وہ آپ کے پاس نہیں گیا پھر وہ کہاں گیا؟'' اُس نے بالآخر حسنِ جہاں کو ٹوٹتے دیکھا۔وہ آگے آئی تھی اور عبدالعلی کے پیروں میں بیٹھتے ہوئے اُس نے عبدالعلی کے پاؤں کو چھوتے ہوئے روتے ہوئے کہا تھا۔''اب بس...... جو بھی سزا ہے......کاٹ لی میں نے......اسے کہیں معاف کر دے مجھے......'' اندر دروازے کی جھری سے جھانکتے قلبِ مومن کا وجود پتے کی طرح لرزنے لگا تھا۔ اُسے ماں کا کسی کے سامنے بھی جُھکنا اچھا نہیں لگا تھا، کسی کے سامنے بھی۔

عبدالعلی بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھے تھے اور انہوں نے حسنِ جہاں کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور پھر روتی ہوئی حسنِ جہاں کو بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھایا تھا۔

''تم میرا یقین کرو بیٹا وہ میرے پاس نہیں آیا......ڈیڑھ سال وہ میرے پاس رہتا اور میں اُسے تم

دونوں کے بغیر رہنے دیتا...... میں بے رحم نہیں ہوں......اتنا تو نہیں ہوں......'' اُس نے عبدالعلی کو عجیب بے چارگی کے عالم میں کہتے سُنا۔

'' پھر کہاں گیا ہے وہ......میرے پاس نہیں......آپ کے پاس نہیں تو کہاں گیا وہ......''حسنِ جہاں اب عجیب ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔ قلبِ مومن نے دروازے کی جھری کو بند کردیا۔ اُس سے اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھا نہیں جارہا تھا۔ وہ اتنے دنوں سے نہیں روئی تھی اور آج رورہی تھی تو......آخری جملہ جو اُس نے عبدالعلی کو کہتے سُنا تھا وہ ایک ہی تھا۔

''میں اُس کو ڈھونڈوں گا......شاید وہ کونیا چلا گیا ہو......اپنے درویش ساتھیوں کے پاس۔'' یہ وہ آخری جملہ تھا جو مومن نے اُن دونوں کی گفتگو کا سُنا تھا۔ وہ اُس وقت بے حد رنجیدہ تھا۔ بے حد ناراض بہت اُداس......اور وہ کسی بھی کیفیت کو سمجھ نہیں پارہا تھا......اُسے بس رونا آرہا تھا بالکل اُسی طرح جیسے اُس نے حسنِ جہاں کو روتے دیکھا تھا......ہچکیوں کے ساتھ اپنے بستر پر بیٹھ کر اُسے وہ کھانا یاد آیا تھا جسے اُس کی ماں بنانے کے لئے کل سے تیاریاں کررہی تھی......وہ خوب صورت کیک جسے اُس نے پوری فیملی کے ساتھ کاٹنے کے لئے بیک کیا تھا۔

ہچکیوں سے روتے ہوئے اُس نے سوچا تھا یہ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اُس کے بابا کو بھیجنا چاہیے تھا۔ دادا کو کیوں بھیجا اُنہوں نے۔ دادا کو تو نہیں بلوایا تھا اُس نے، وہ خفگی سے روتے ہوئے ساتھ ساتھ سوچ رہا تھا۔

''مومن......'' دروازہ یک دم کھلا تھا اور اُس کی ماں اُس سے کچھ کہتے کہتے رُک گئی پھر بے قراری کے عالم میں اُس کے پاس آئی۔

''تُم رو کیوں رہے ہو؟'' اُس نے مومن کے پاس بیٹھ کر اُسے لپٹایا تھا۔'' بابا کیوں نہیں آئے......اُنہیں آنا چاہیے تھا......'' وہ روتے ہوئے ماں سے لپٹا تھا۔

''وہ آجائیں گے......'' اُس نے ماں کی تسلّی پر بے ساختہ سر اُٹھا کر اُسے دیکھا وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ سرخ ناک، سرخ آنکھوں کے ساتھ بھی وہ مسکرانے کی کوشش کررہی تھی۔

''انہوں نے آپ کو بتایا ہے کیا؟'' مومن ایک لمحہ کے لئے رونا بھولا تھا۔''ہاں تم آجاؤ......کھانا کھاؤ......تمہارے دادا تمہارا انتظار کررہے ہیں۔'' اُس نے ماں کو نظریں ملائے بغیر کہتے سُنا تھا۔ وہ اُٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔''میں دادا سے کیوں ملوں......؟ مجھے اُن کے ساتھ کھانا نہیں کھانا......'' اُسے اس وقت دادا کے علاوہ کوئی اور بُرا نہیں لگ رہا تھا۔ حسنِ جہاں ٹھٹھکی تھی پھر اُس نے اُس سے کہا۔

''دادا کو تو اللہ نے بھیجا ہے.....تم پھر بھی خفا رہو گے اُن سے؟'' وہ لمحہ میں موم ہوا تھا۔اُس کی ماں بلیک میلر تھی۔جو کام وہ کسی کے کہنے پر نہیں کرتا تھا اُس سے اللہ کا نام لے کر کروا لیتی تھی۔

''میں بس کھانا کھاؤں گا...... بات نہیں کروں گا۔'' اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے اُس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

''اور جب تمہارے بابا آئیں گے اور اُنہیں پتہ چلے گا کہ تم نے دادا سے بات نہیں کی تو وہ تم سے خفا ہوں گے......تم اُن کو خفا کرنا چاہتے ہو......'' اُس کی ماں نے اب دوسرا ہتھیار استعمال کیا۔مومن چت ہوا تھا۔

''بابا کب آئیں گے؟'' اُس نے بے قراری سے ماں سے پوچھا۔''جلدی'' اُس نے ماں کی پشت دیکھی۔وہ اب بیرونی دروازے کی طرف جا رہی تھی مگر جانے سے پہلے مومن نے اُسے وہ سارا زیور اُتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے دیکھا جو وہ اُس کے باپ کے لئے پہنے کھڑی تھی......سب کچھ...... ہار جھمکے......انگوٹھیاں......چوڑیاں......بالوں میں لگائی ہوئی پھولدار چمکتی ہوئی سنہری سوئیاں..........مومن نم آنکھوں کے ساتھ اُس کو سب کچھ اُتارتے دیکھتا رہا۔وہ منظر اُس کے ذہن پر جیسے نقش ہو گیا تھا۔

''ممّی'' اُس نے ماں کو جیسے تکلیف میں مخاطب کیا تھا۔حسنِ جہاں نے گردن موڑ کر عجیب خالی نظروں سے اُسے دیکھا۔

''آپ مجھے ایسے بھی اچھی لگتی ہیں۔'' حسنِ جہاں کی آنکھیں پانی سے اور ہونٹ مسکراہٹ سے لرزے تھے۔وہ مرہم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا اُس کے رِستے ہوئے زخم پر......قلبِ مومن نے ماں کو سر جھکاتے ہوئے دیکھا تھا......اُسے تب بھی یہ اندازہ تھا کہ وہ آنسو چھپانا چاہتی تھی وہ ہمیشہ روتے ہوئے اسی طرح سر جھکا کر اُس سے آنسو چھپایا کرتی تھی۔

''ہم کل تمہارے بابا کو ڈھونڈنے جا رہے ہیں۔تم دعا کرنا وہ مل جائیں۔'' اُس نے بھرّائی ہوئی آواز میں جیسے قلبِ مومن کے سامنے دل کھول دیا تھا۔ایک لمحہ ضائع کئے بغیر قلبِ مومن نے دونوں ہاتھ دعا کی شکل میں جوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔

''مل جائیں......مل جائیں......ممّی کو بابا جلدی مل جائیں۔'' اُس کے ہونٹوں کی حرکت کو کوئی بھی پڑھ لیتا۔حسنِ جہاں کو عجیب احساسِ جرم ہوا تھا۔وہ کس عمر میں اُس سے کیا کروا رہی تھی...... بے چارگی سی بے چارگی تھی...... بے بسی سی بے بسی۔

''مل جائیں گے......'' مومن نے اب آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے ماں کو اطلاع دی، حسنِ جہاں بھی مسکرائی اور اُس کے لئے بانہیں پھیلائیں۔ وہ آ کر لپٹ گیا۔قلبِ مومن کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ ہر بات پوری ہوتی تھی۔حسنِ جہاں کو یقین نہیں اعتماد تھا۔

اُس سے لپٹے قلبِ مومن کو یاد آیا اُس نے ماں کو وہ خواب نہیں سنایا تھا جو اُس نے پچھلی رات دیکھا تھا۔۔

☆......☆......☆

اگلے کئی دن قلبِ مومن، عبدالعلی اور حسنِ جہاں کے ساتھ جگہ جگہ پھرتا رہا تھا......ایک شہر سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے......اُس کے باپ کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں مل رہا تھا...... یوں جیسے وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔حسنِ جہاں کی انگلی پکڑے مومن زندگی کے ایک نئے چہرے سے روشناس ہو رہا تھا............اُمید سے............نا اُمیدی سے............آس سے............آس کے ٹوٹنے سے......اور کُفر سے جو انہیں سرحدوں کے بیچوں بیچ کہیں اُڑتا پھرتا ہے۔

☆......☆......☆

جنگل میں وہ لیٹر باکس ویسے کا ویسا ہی پڑا ہوا تھا......تنہا......مومن کی طرح......اُداس......وہ بھی مومن کی طرح......اُس نے سائیکل زمین پر لٹا دی......وہ ایک بار پھر خط لے کر آیا تھا۔

لیٹر باکس میں خط ڈالنے کے بعد بھی وہ عجیب اُداسی کے عالم میں لیٹر باکس کے سامنے کھڑا رہا تھا اُسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی وہ اس خط کو وہاں ڈال دینے کے بعد کیا کرے اُس دن پہلی بار اُس نے سوچا تھا آخر اللہ تعالیٰ کو خط کتنے دنوں میں ملتا ہے......اور وہ کتنی دیر میں پڑھتے ہیں اور پھر جواب کے لئے اُنہیں کتنا وقت چاہیے...... وہاں کھڑا وہ اپنے حساب کتاب کی ساری صلاحیتوں کو بیدار کئے جمع تفریق کرتا رہا......حل کچھ نہیں نکلا تھا......اللہ کی مرضی جب چاہے خط لے جب چاہے پڑھے جواب دے نہ دے اُسے کسی نے جیسے وسوسے کی شکل میں بتایا تھا......قلبِ مومن وہاں کھڑا جنگل کو دیکھتا رہا اُسے اب وہاں سے ڈر نہیں لگتا تھا......وہ وہاں اتنی بار آ چکا تھا کہ ہر درخت کو پہچان سکتا تھا......پتوں کی سرسراہٹ کو بھی...... پرندوں کی چہچہاہٹ کو بھی۔

''باقی سارے خطوں کا جواب دیر سے دے دیں......اُن سب خطوں کے جو میں آئندہ کبھی آپ کو لکھوں گا......لیکن اس خط کا جواب جلدی دے دیں......پلیز......پلیز اللہ'' اُس نے بلند آواز میں یک دم پکارا تھا اُس کی آواز بازگشت کی طرح اُن بلند درختوں کے درمیان گونجتی ...... بہت دور تک گئی

تھی۔قلبِ مومن کو یک دم لگا......اُس کی دُعا پھر قبول ہوئی تھی۔ بے حد مطمئن سائیکل اُٹھا کر وہ بھاگتا جنگل سے باہر آ کر اُس پر سوار ہوا تھا۔

☆......☆......☆

اپنے گھر کے باہر اُس نے ایک مجمع دیکھا تھا اور ایک ایمبولینس اور وہ ابھی گھر سے بہت دور تھا مگر پھر بھی اُسے لگا تھا وہ اُسی کا گھر تھا جہاں وہ سب لوگ کھڑے تھے......خاموش......اُسے سمجھ نہیں آئی تھی......کیا بابا آئے تھے......اُس نے سائیکل تیز تیز چلانی شروع کر دی تھی۔خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے...... اُس کے خط کا جواب آ گیا تھا...... اور اتنا جلد...... اتنا...... "I love you ALLAH"......اُس نے سائیکل دوڑاتے ہوئے بلند آواز میں کہا اور پھر اُس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دیکھا...... بیک وقت......اور اُس خاموشی کو محسوس کیا جو اُس کے گھر پر چھائی ہوئی تھی اور اُس سٹریچر کو دیکھا جو کسی کو گھر سے باہر لا رہا تھا اور مومن کی سائیکل پھسلی تھی۔

☆......☆......☆

آخری چیز جو قلبِ مومن نے کبھی توقع کی تھی وہ اپنے دادا کے سامنے اس مجمع کے درمیان اس حالت میں دیکھا جانا تھا۔مگر اُس کی زندگی میں اکثر چیزیں وہ ہوتی تھیں جن کی اُسے توقع بھی نہیں ہوتی تھی۔

اپنے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو بے حد آہستگی سے پاس آتے ہوئے ویٹر کی ٹرے میں رکھتے ہوئے قلبِ مومن اُس ساکت و صامت حیرت زدہ بوڑھے کی طرف گیا تھا جو وہاں یوں کھڑا تھا جیسے کوئی بچہ بھول کر کسی جنگل میں آ نکلا ہو۔

''آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں اپنے آنے کا۔''اُن سے لپٹتے ہوئے قلبِ مومن نے بلند آواز میں اُن کے کان میں کہا۔وہاں میوزک کا شور اتنا تھا کہ اُسے شور کرنا پڑ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں خط لکھا تھا......شاید تمہیں ملا ہی نہیں۔'' اُس کے برعکس اُس کے دادا نے سرگوشی ہی کی تھی اور قلبِ مومن نے اُن کی سرگوشی بھی سن لی تھی۔اُن سے الگ ہوتے ہوئے اُن سے نظریں ملائے بغیر اُس نے شکور کے ہاتھ میں پکڑا اُن کا سامان دیکھا اور پھر اُس سے کہا۔

''دادا کو گیسٹ روم میں لے جاؤ میں آتا ہوں۔'' شکور کو بروقت اُس کی مشکل اور صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا تھا۔''جی جی......میں لے کر جاتا ہوں......آئیں دادا جی۔'' شکور اُنہیں لے کر ایک دوسرے کوریڈور کی طرف گیا تھا اور قلبِ مومن نے عبدالعلی کو کسی اعتراض اور تامل کے بغیر

شکور کے پیچھے جاتے دیکھا یوں جیسے وہ بھی یہ چاہتے ہوں کہ مومن کو اس مشکل سے نکلنے کے لئے اُس کی مدد کریں۔

وہاں کھڑے قلبِ مومن نے میوزک کی beat پر ناچتے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گزرتے عبدالعلی کو عجیب ندامت اور شرمساری سے دیکھا تھا اور ندامت اور شرمساری اُسے کس لئے محسوس ہو رہی تھی وہ یہ بوجھ نہیں سکا تھا۔ گیسٹ روم کے کھلے دروازے سے اندر جانے سے پہلے مومن نے دادا کو پلٹتے دیکھا۔ یوں جیسے وہ جانتے تھے کہ وہ اُنہیں ہی دیکھ رہا تھا وہیں کھڑا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں مومن نے نظریں چرائیں پھر جب اُس نے دوبارہ گیسٹ روم کے دروازے کو دیکھا تھا تو وہ بند ہو چکا تھا۔ دادا اندر جا چکے تھے۔

''یہ کون تھے۔'' نیہا لپکتی اُس کی طرف آئی تھی۔ ''میرے دادا۔'' قلبِ مومن کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''دادا؟'' نیہا کو جیسے کرنٹ لگا۔ ''تم نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ تمہارا کوئی فیملی ممبر ہے۔'' وہ بھونچکا ہو کر اُس سے بولی تھی۔ ''ہاں بس یہی ہیں۔'' مومن نے جیسے خود کو سنبھالا۔ ''ملواؤ مجھے۔'' نیہا نے یک دم اصرار کیا۔ ''نہیں آج نہیں پھر کسی دن ملواتا ہوں......travel کر کے آئے ہیں آج تھکے ہوئے ہوں گے۔'' قلبِ مومن نے کہا۔ ''میرے بارے میں کچھ تو بتایا ہوگا اُنہیں؟'' نیہا کریدے بغیر نہیں رہ سکی۔ ''بہت کچھ۔'' قلبِ مومن نے مسکرا کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کمال اعتماد سے جھوٹ بولا۔ اُسے اب اس پارٹی کا کچھ کرنا تھا......مگر کیا کرنا تھا یہ اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

گیسٹ روم میں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے اُنہیں ہمیشہ ملتا تھا سوائے دیوار پر لگی اُس Nude پینٹنگ کے جو پہلے وہاں نہیں لگی ہوتی تھی۔ عبدالعلی کی نظر اُس کمرے میں آنے کے بعد سب سے پہلے اُس پینٹنگ پر ہی پڑی تھی اور وہ ٹھٹک گئے تھے۔ شکور کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اب اُن کا سامان رکھ رہا تھا۔ اُس نے دادا کو دیوار پر لگی اُس پینٹنگ کی طرف متوجہ ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی باہر گونجتا شور یک دم ہلکا ہوا تھا۔

''اس بار آپ بہت دیر کے بعد آئے دادا جان۔'' شکور نے اُن کا بیگ اور وہ فریم رکھتے ہوئے کہا۔ جسے بڑی حفاظت سے پیک کیا گیا تھا۔ ''ہاں بس دیر ہوگئی اس بار۔'' عبدالعلی نے گہرا سانس لے کر اُس پینٹنگ سے نظریں ہٹالیں۔ ''وضو کریں گے آپ؟'' شکور کو سامان رکھتے ہی خیال آیا۔ ''ہاں نماز رہتی ہے ابھی میری۔'' دادا نے اپنی آستینیں کے کف کھولتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ پھر انہوں

نے اُس پیٹنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''پہلے یہاں میری کیلی گرافی لگی ہوئی تھی۔'' شکور کے جواب نے عبدالعلی کو چند لمحوں کے لئے بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

''ہاں وہ تو ہر بار آپ کے آنے سے پہلے لگواتے ہیں مومن بھائی......سٹور روم سے نکلوا کر......اس بار تو آپ کے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ میں چپل دیکھ لوں...... ہے بھی کہ نہیں۔'' شکور نے اُن کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ ہونقوں والے انداز میں کچھ عجلت کے عالم میں باتھ روم کے باہر ڈریسنگ روم میں گیا پھر ہڑبڑاتا ہوا باہر آیا۔

''مصلّے ڈھونڈھ لوں ذرا...... پتہ نہیں ہے بھی کہ نہیں۔'' اُسے ایک نئی پریشانی لاحق ہوئی تھی۔''میرے پاس ہے میرا مصلّے تم فکر نہ کرو جا کر مہمانوں کو دیکھو اُنہیں ضرورت ہوگی تمہاری۔'' عبدالعلی نے بے حد نرمی سے اُسے ٹوکا تھا اور پھر وہ باتھ روم میں چلے گئے۔ شکور اسی طرح بڑی احتیاط سے کمرے کا دروازہ کھولتا اور بند کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

اپنے آخری مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد مومن سیدھا دادا کے کمرے میں آیا تھا۔ اُس کا خیال تھا وہ سو چکے ہوں گے۔ بے حد خاموشی سے دروازہ کھول کر اُس نے کمرے میں جھانکتے ہوئے دادا کو ڈھونڈا تھا۔ وہ مصلّے بچھائے کمرے کے ایک کونے میں اُسے نظر آ گئے تھے۔ وہ اُسی احتیاط سے دروازہ بند کرتے ہوئے اندر آیا تھا اور کچھ دیر کھڑا دادا کو دیکھتا رہا۔ اُن کی پشت اُس کی طرف تھی شاید وہ اُس کی آمد سے بے خبر تھے۔ اور تبھی قلبِ مومن کی نظر دیوار پر لگی اُن paintings پر پڑی اور وہ بے اختیار ہونٹ بھینچ کر رہ گیا تھا۔ اُس نے خواہش کی تھی عبدالعلی کی نظر ان پینٹنگز پر نہ پڑی ہو لیکن وہ جانتا تھا یہ خواہش خوش فہمی سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ آرٹسٹ تھے یہ کیسے ممکن تھا اس کمرے میں آ کر ان دیواروں پر نظر ہی نہ دوڑائی ہوتی اُنہوں نے۔ کچھ کہے بغیر بے حد خاموشی سے قلبِ مومن نے دیواروں پر لگی اُن پینٹنگز کو بے حد خاموشی کے ساتھ ایک کے بعد ایک اُتار کر دیواروں کے ساتھ اُلٹا کر رکھنا شروع کیا تھا۔

''رہنے دیتے انہیں۔'' وہ عبدالعلی کی آواز پر یک دم چونکا تھا پتہ نہیں انہوں نے کس وقت اپنی نماز ختم کر لی تھی۔ قلبِ مومن بے حد غیر محسوس انداز میں اُن پینٹنگز کو وہیں چھوڑ کر سیدھا ہوتے ہوئے پلٹا تھا۔ دادا مصلّے سے اُٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے اور اب اُسی کی طرف متوجہ تھے اُسی نرم شفیق اور

حلیم انداز میں جس کے لئے وہ اُنہیں بچپن سے دیکھتا آیا تھا۔

''مجھے بڑا افسوس ہے۔'' انہوں نے یک دم قلبِ مومن سے کہا۔ ''کس بات کا؟'' وہ بے اختیار چونکا تھا۔ یہ جملہ وہ بولنا چاہتا تھا اُن سے اور وہ بول رہے تھے۔

''میں غلط وقت پر آ گیا تمہاری پارٹی خراب کر دی میں نے۔'' اُن کے لہجے میں واقعی رنج تھا۔ مومن نظریں نہیں ملا سکا۔ وہ ایسے ہی تھے ہمیشہ سے...... اُسے ہمیشہ عجیب احساس جرم دیتے تھے وہ۔

''نہیں پارٹی تو ویسے ہی ختم ہو جانی تھی۔ آپ کے آنے نہ آنے سے کچھ فرق نہیں پڑا۔'' وہ کہتا ہوا صوفے پر بیٹھا تھا۔ ''میں نے خط لکھا تھا تمہیں سوچا تھا مل گیا ہوگا لیکن شاید تمہیں نہیں ملا۔'' انہوں نے قلبِ مومن کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کو ڈاک کے سسٹم کا تو پتہ ہی ہے اس لئے کہتا ہوں فون کیا کریں خط تو کم ہی ملتے ہیں مجھے آپ کے۔'' اُس نے بے حد ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولا تھا۔ ''اور جہاں میں رہتا ہوں وہاں فون کے سگنلز اپنی مرضی سے آتے ہیں۔ دادا نرمی سے ہنسے تھے۔ ''اسی لئے آپ کے اور میرے درمیان رابطہ ٹوٹ گیا۔'' قلبِ مومن نے بے ساختہ کہا۔ ''ٹوٹا تو کچھ بھی نہیں...... یہ خون کا رشتہ ہے قلبِ مومن...... فاصلہ آ گیا ہے بس اور مصروفیت۔''

''اور فاصلہ اور مصروفیت دونوں تعلق توڑ دیتے ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ آرام کریں......تھک گئے ہوں گے صبح بات کرتے ہیں۔'' عبدالعلی اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر اُسے گلے لگا کر ماتھے پر بوسہ دیا۔ قلبِ مومن کے حلق میں ہمیشہ کی طرح کوئی چیز اٹکی تھی...... یہ جو جذباتیت تھی اس کا وہ شکار ہونا نہیں چاہتا تھا اور دادا اس دُنیا میں وہ واحد شخص تھے جو قلبِ مومن کے دل میں جو احساسات پیدا کرتے تھے وہ اُن سے اگلی ملاقات تک چور بنا پھرتا رہتا تھا۔

''خدا حافظ۔'' وہ جذباتیت کے اُس اظہار کے جواب میں یہی کہہ سکتا تھا اور یہی کہہ سکا۔ وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکلا تو لاؤنج میں اُس کی نظر اُس cansole پر پڑی تھی جس کی درازوں میں دادا کے خطوں کے علاوہ اور کوئی خط نہیں تھے اور وہیں وہ آخری موصول ہونے والا خط بھی تھا جس کے بارے میں وہ جھوٹ بول کر آیا تھا مگر اُس کے پاس اس کے علاوہ اُس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

اُس کا اور عبدالعلی کا رشتہ بے حد عجیب تھا وہ جانتا تھا وہ اُس سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اور وہ بھی اُن سے ویسی ہی محبت کرتا تھا مگر اظہار نہ وہ کر پاتے تھے نہ قلبِ مومن......کر پاتے اگر قلبِ مومن کی غیر جذباتیت ایک دیوار کی طرح دونوں کے درمیان آڑے نہ آئی رہتی۔

''میں بورڈنگ میں پڑھنا چاہتا ہوں۔'' اُسے یاد تھا اُس نے پہلی بار دادا سے کیا بڑا مطالبہ کیا تھا......اُس کا خیال تھا وہ اُسے سمجھائیں گے روکیں گے منائیں گے یہ کہیں گے کہ وہ اُس کے بغیر اکیلے نہیں رہ سکتے وہ اپنے فیصلہ کو بدل دے مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔انہوں نے اُس کا مطالبہ پورا کر دیا تھا...... شاید اُس زخم کو بھرنا چاہتے تھے جو قلبِ مومن کو لگا تھا یا پھر اپنے اُس احساس جرم کو مٹانے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ اس جرم کے شریک تھے۔

قلبِ مومن استنبول کے ایک بہت نامور بورڈنگ سکول میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ اُس نے اُس وقت دادا سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ اُسے افورڈ کر سکتے تھے یا نہیں۔ کیونکہ وہ بورڈنگ سکول پرائیویٹ تھا۔اُن سے دور جا کر مومن کو جیسے عجیب سا قرار ملا تھا۔اُس کا اگلا مطالبہ امریکہ میں فلم میکنگ پڑھنے کے لئے بھیجا جانا تھا اور عبدالعلی نے وہ مطالبہ بھی خاموشی سے پورا کر دیا تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ ایک پاکستانی دوست کے ساتھ بنائی جانے والی کمپنی قلبِ مومن کو امریکہ سے واپس ترکی لے جانے کی بجائے پاکستان لے آئی تھی اور عبدالعلی نے تب بھی کوئی اعتراض کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔

اگر زندگی میں قلبِ مومن کبھی کسی شخص کی خوبیوں کو سراہتا تھا تو وہ عبدالعلی ہی تھے مگر وہ کبھی اُن کے سامنے یہ اعتراف نہیں کر سکا تھا۔اب اتنے سالوں سے وہ پاکستان رہ رہا تھا تو وہ بھی اُس کے پاس آنے جانے لگے تھے۔قلبِ مومن نے کبھی بھی دادا سے جھوٹ بول کر اپنا لائف سٹائل اُن سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جس طرح رہنا چاہتا تھا جو کرنا چاہتا تھا ویسے ہی رہ رہا تھا۔ وہی کر رہا تھا۔ بہت کم عمری میں وہ امریکہ میں مالی طور پر عبدالعلی پر dependant نہیں رہا تھا اور اس خود مختاری اور مالی آزادی نے اُسے ہر لحاظ سے آزاد کر دیا تھا۔رہی سہی کسر اُس کی فیلڈ اور اُس فیلڈ میں اُس کی قابل رشک حد تک کم وقت میں حاصل کی جانے والی کامیابی نے پوری کر دی تھی۔ وہ دادا کے ساتھ جیسی سیدھی اور سادہ زندگی گزارتا آیا تھا وہاں سے نکل کر وہ اُتنی ہی ''تیز رفتار'' زندگی گزار رہا تھا......سب کچھ آج ہی کر جانے کا جنون......ابھی ہی پا لینے کی دوڑ، سب سے بہتر ہونے کا خواب......قلبِ مومن کی زندگی اُس بھاگ دوڑ کے علاوہ کچھ نہیں رہی تھی مگر اس سب میں بھی عبدالعلی سے ہونے والے ہر سامنے میں اُس کی رفتار میں جیسے ایک سپیڈ بریکر آتا تھا۔اُس کے لائف سٹائل کے بارے میں اُنہیں کس حد تک خبر تھی۔قلبِ مومن نے کبھی اُس کا اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی مگر اُس کے لائف سٹائل میں وہ کون سی چیزیں تھیں جو اُنہیں پریشان کر سکتی تھیں۔قلبِ مومن کم از کم اُس کا ایک پردہ رکھنے کی کوشش ضرور کرتا تھا اور وہ پردہ آج بدقسمتی سے رہ نہیں سکا تھا۔

☆......☆......☆

وہ نیند کی حالت میں ہڑبڑا کر اُٹھا تھا اور کچھ دیر کے لئے بستر پر پڑے اُسے اندازہ نہیں ہوا کہ اس طرح جاگنے کی وجہ کیا تھی مگر پھر اُس کے ذہن نے جیسے اُس آواز کی طرف اُسے متوجہ کیا تھا جو بہت ہلکی آواز میں آ رہی تھی۔ مگر گونج رہی تھی۔ وہ اذان کی آواز تھی۔ عبدالعلی کی اذان کی۔ انہیں عادت تھی۔ فجر کے وقت وہ اذان دے کر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ اُن کی زندگی کا معمول تھا اور اب یہاں اُس کے اپارٹمنٹ میں بھی وہ ہمیشہ کی طرح فجر کی نماز کے لئے اذان دے رہے تھے۔ بستر میں لیٹا نیم تاریک بیڈروم میں آنکھیں کھولے وہ اُس اذان کے الفاظ کو سنتا رہا جن پر اُس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

اُس پینٹ ہاؤس میں باہر کی آوازیں نہیں آسکتی تھیں۔ آس پاس موجود مساجد کے سپیکرز سے آنے والی اذان کی آوازیں کبھی اُس کے گھر کی شیشے کی دیواروں کو پھلانگ کر اندر نہیں آسکتی تھیں۔ اُس کا گلاس ہاؤس تقریباً ساؤنڈ پروف تھا۔ مگر جب بھی عبدالعلی وہاں آتے وہ پینٹ ہاؤس ہر روز صبح فجر کے وقت اللہ کے نام سے اسی طرح گونجتا رہتا اور قلبِ مومن ہر صبح ان کی آواز پر اسی طرح میکانیکی انداز میں بیدار ہوتا۔ اسی طرح میکانیکی انداز میں بستر پر لیٹے لیٹے الصلوٰۃ خیر المن النوم تک اذان سنتا اور پھر سو جاتا......آج بھی یہی ہوا تھا۔ دادا الصلوۃ خیر من النوم کے الفاظ پکار رہے تھے اور قلبِ مومن نے کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆......☆......☆

''دادا جاگ گئے؟'' اگلی صبح وہ بہت جلدی اُٹھا تھا اور اُٹھتے ہی وہ سیدھا شکور کے پاس کچن میں گیا تھا۔ ''سلام مومن بھائی۔جی کہہ رہے تھے جب آپ جاگ جائیں تو اُنہیں بتا دیں پھر وہ ناشتہ آپ ہی کے ساتھ کریں گے۔'' شکور نے جواباً اُسے اطلاع دی۔ ''اچھا...... کچھ پوچھ تو نہیں رہے تھے؟'' قلب مومن کچن سے نکلتے نکلتے کوئی خیال آنے پر واپس پلٹا تھا۔ ''رات کو۔''

''کس چیز کے بارے میں؟'' شکور نے جواباً آملیٹ کے لئے انڈے توڑتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔ ''میرے بارے میں کہ کون آتا جاتا ہے؟ یا رات کی پارٹی کے بارے میں ...... کہ کیا ہو رہا تھا۔'' شکور کے تاثرات سے قلبِ مومن کو اندازہ ہوا کہ اُس کے سوالات کتنے بے ربط اور احمقانہ لگ رہے تھے۔

''نہیں تو دادا جان کیوں پوچھیں گے جو بھی آتا جاتا تھا دیکھ تو لیا انہوں نے اور جو ہو رہا تھا وہ بھی۔'' شکور نے طنز نہیں کیا تھا۔ سیدھا جواب دیا تھا۔ جیسے جواب وہ دیتا تھا مگر قلبِ مومن کو لمحہ بھر کے

لئے لاجواب بھی کیا اور خفا بھی۔ ''زبان ذرا کم چلانا جب تک وہ یہاں ہیں۔'' اُس نے شکور کو تھوڑے سخت لہجے میں گھرکا تھا۔ ''جی۔'' شکور نے زیادہ اثر لئے بغیر کہا۔ انسان مومن بھائی کی مانے تو گونگا ہی ہو جائے اُس نے ساتھ ہی انڈہ پھینٹتے ہوئے سوچا تھا۔

''کب تک رہیں گے یہاں؟'' قلبِ مومن سوال کرنے کے بعد بے ساختہ پچھتایا تھا۔ شکور نے انڈے پھینٹتے پھینٹتے کہا۔ ''پتہ نہیں جی...... پوچھ آؤں؟'' وہ قلبِ مومن کا ہر مسئلہ حل کرنے کے لئے ضرورت سے زیادہ مستعد رہتا تھا۔ ''میں پوچھ لوں گا اُن سے۔ تم ناشتہ بناؤ۔'' وہ اپنی غلطی پر جیسے پچھتاتا ہوا وہاں سے نکلا تھا جانتا تھا یہ ممکن نہیں تھا کہ شکور دادا سے اس سوال کا جواب اس ریفرنس کے ساتھ نہ مانگتا کہ مومن بھائی پوچھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

''اندر آجاؤں؟'' دروازہ پر دستک دے کر وہ انہیں سلام کرتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ عبدالعلی ایک فریم کو میز پر رکھے اُس کی پیکنگ اُتار رہے تھے چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور بے اختیار مسکرائے۔ ''وعلیکم السلام ابھی تمہارا ہی سوچ رہا تھا میں......'' مومن مسکرایا اور اُن کے بالمقابل اُس میز کے دوسری طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔ جس پر وہ اُس پینٹنگ کو رکھے اُس کی پیکنگ اُتار رہے تھے۔ ''نیند ٹھیک سے آئی آپ کو؟'' اُس نے دادا کو کہتے ہوئے ان کا چہرہ بغور دیکھا۔ اُن کے چہرے پر ہر بار کی طرح اس بار بھی کچھ جھریوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔

''ہاں بالکل ٹھیک سے آئی...... فجر کے وقت آنکھ بھی کھل گئی تھی۔'' انہوں نے جیسے خوش ہوتے ہوئے مومن کو بتایا اور مومن نے یہ نہیں کہا کہ یہ وہ پہلے ہی جانتا تھا۔

''یہ دیکھو'' انہوں نے فریم کی پیکنگ اب کھول دی تھی اور اُسے میز پر رکھے انہوں نے مومن کی توجہ اُس خوبصورت خطاطی کی طرف مبذول کروائی۔ قلبِ مومن بے اختیار مسکرایا۔ ''میری سالگرہ کا تحفہ؟'' دادا نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا۔

وہ پچھلے سات سالوں سے ہر سال اُس کی سالگرہ پر اُسے اپنی بنائی ہوئی ایک خطاطی کا تحفہ دیا کرتے تھے......پچھلے سات سالوں سے یہ ایک روٹین تھی اور اب قلبِ مومن کو اُن تحفے کی نوعیت کا اس حد تک اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بتائے بغیر بھی بوجھ جاتا تھا۔ اُس کی سالگرہ میں ابھی کچھ دن باقی تھے اور وہ اسی لئے آئے تھے۔

''ہاں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اب اُس محقق انداز میں بنائی ہوئی خطاطی میں لکھی ہوئی آیت پر

انگلی پھیر رہے تھے۔

''وَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤمِنِین ۔ (سورۃ الانفال، آیت نمبر 19)

انہوں نے انگلی پھیرتے ہوئے آیت پڑھی۔''بہت خوبصورت ہے۔''مومن نے فریم کو بغیر اٹھائے یا ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''مطلب نہیں پوچھو گے؟'' دادا نے اُس سے کہا تھا۔''پوچھنے کا فائدہ؟......آپ نے ہر بار جتنی آیات کا مطلب بتایا ہے میں ہر بار بھول جاتا ہوں۔'' قلبِ مومن نے جواباً کہا تھا۔ وہ جیسے دانستہ چاہتا تھا کہ وہ اُسے نہ بتائیں۔

''تم یاد رکھا کرو۔'' دادا نے اُسے جواباً کہا۔''یاد رہتا نہیں۔'' قلبِ مومن نے بے ساختہ ایکسکیوز دیا۔''اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔''انہوں نے اس بار اس سے بحث کئے بغیر اُسے کہا تھا۔قلب مومن چند لمحے خاموش ہو کر اُس فریم کو دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔''اور میں مومن نہیں۔ آئیں ناشتہ کرتے ہیں۔'' وہ کہہ کر رُکے بغیر وہاں سے گیا تھا اور عبد العلی اُس کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں پر جیسے اُلجھے اُسے جاتا دیکھتے رہے۔

☆......☆......☆

''یار تم کیوں آئی ہو؟'' داؤد اُسے اپنے آفس میں دیکھ کر کراہ کر رہ گیا تھا۔''تم جانتے ہو۔'' مومنہ نے اپنا بیگ کندھے سے اُتار کر زمین پر کرسی کے پاس رکھتے ہوئے اس سے کہا۔''ہاں اور میں تمہیں اُس کا جواب پہلے ہی بتا چکا ہوں۔'' داؤد بے چارگی سے بولا تھا۔ اُسے مومنہ سے ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی۔

''داؤد تم نے اُس سے بات نہیں کی میں جانتی ہوں۔'' مومنہ نے دوٹوک انداز میں اُس سے کہا تھا۔''ہاں......اور تم قلبِ مومن کو جانتی نہیں اس لئے یہ بات کہہ رہی ہو۔'' داؤد نے جواباً اُسے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔''میں ایک بار ملنا چاہتی ہوں اُس سے......ایک بار۔'' مومنہ نے اُس کی بات کاٹی تھی اور اس سے پہلے کہ داؤد اُسے کچھ کہتا قلبِ مومن کچھ کاغذ لئے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔''داؤد یہ پیپرز ایک بار دیکھ لو پھر despatch کرنا ہے اُنہیں اور......'' وہ روانی میں اُن پیپرز کو تھمانے کے لئے آگے آیا تھا اور اُس وقت پہلی بار مومنہ اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑی ہو کر پلٹی تھی۔ وہ اور قلبِ مومن بالمقابل تھے اور قلبِ مومن نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لیا تھا اُسے پہچاننے میں۔ اُس نے وہ ہاتھ پیچھے کر لیا تھا جس سے وہ کاغذات داؤد کی طرف بڑھا رہا تھا اور اُس نے ایک نظر داؤد کو دیکھا تھا۔ جس کا رنگ اس

وقت فق ہو چکا تھا۔ وہ جس بلا کو ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا وہ نہیں ٹلی تھی۔

''تم کس لئے آئی ہو یہاں؟'' تمام ادب لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے قلبِ مومن نے بے حد تیز آواز میں سیدھا مومنہ ہی سے کہہ دیا تھا۔ ''آپ سے معذرت کرنے...... اُس دن جو ہوا تھا نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' مومنہ نے اُس کے لہجے کی کرختگی کو نظر انداز کیا تھا۔ اور مدھم آواز میں اُس کو مدعا بتایا تھا۔

''معذرت کرنے؟...... کس چیز کی معذرت کرنے؟...... میڈم...... یہ دروازہ دیکھ رہی ہیں اسے کھولیں...... and get lost یہ میرا آفس ہے تمہارے باپ کا آفس نہیں ہے۔'' قلبِ مومن نے جو جواب دیا تھا مومنہ کو لگا تھا اُس کا چہرہ سرخ ہوا ہوگا۔ وہ اُس کی تذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

''میں واقعی شرمندہ ہوں اور آپ سے معذرت کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ڈھیٹ نہیں تھی، بے شرم بھی نہیں تھی مگر زندگی تھی اور وہ مجبوری بھی تھی جو اُس کے پیروں اور ہاتھوں کو ایک ہی رسی سے باندھے ہوئے تھی۔ قلبِ مومن اس بار اُس پر دھاڑا تھا۔

''تمہیں سنائی نہیں دے رہا میں کیا کہہ رہا ہوں...... get lost اور دوبارہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا...... اور تم...... یہ آخری بار ہے کہ یہ میرے آفس میں نظر آ رہی ہے۔ یہ تمہاری جو کوئی بھی ہے۔ اس آفس میں نظر نہیں آنی چاہیے۔ اگلی بار یہ آفس میں آئے گی تو پھر صرف یہ نہیں جائے گی تم بھی جاؤ گے۔'' مومن نے آخری چند جملے داؤد سے کہے تھے۔ بے حد درشت لہجے میں اور پھر کاغذ اُس کے ٹیبل پر پھینکنے والے انداز میں اُچھال کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ مومنہ داؤد سے نظریں نہیں ملا سکی...... نہ ہی داؤد ملا سکا تھا۔ ایک عجیب سناٹا اُترا تھا اُس آفس میں بھی اور مومنہ سلطان پر بھی۔ ذلت اس وقت اُس کے سامنے اتنی چھوٹی چیز ہوگئی تھی کہ اُسے اُس کی پرواہ نہیں رہی تھی...... پرواہ اگر کسی چیز کی رہ گئی تھی تو وہ جہانگیر تھا۔

''میں نے بتایا تھا تمہیں......'' داؤد نے جیسے صورت حال سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں...... اور مجھے افسوس ہے میری وجہ سے تمہیں یہ سب کچھ سننا پڑا۔'' اپنا بیگ اُٹھاتے ہوئے اُس نے داؤد سے نظریں چرائیں تھیں۔ آنکھوں میں پانی تھا اور یہ آنسو ہی وہ کسی کے سامنے بہانا نہیں چاہتی تھی۔

''مجھے اپنی پروا نہیں ہے مومنہ مگر......'' داؤد نے کہہ کر بات ادھوری چھوڑی تھی۔ مومنہ سر ہلا کر رہ گئی۔ ''جہانگیر کے لئے آئی تھی۔'' اُس نے عجیب بے ربطی سے یہ جملہ بولا تھا۔

''تم جہانگیر کے لئے پریشان مت ہو جو بھی ہوا میں کروں گا...... کچھ لوگوں سے کہا ہے میں نے تمہارے لئے...... کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔'' وہ یہ نہ بھی بتاتی تو بھی داؤد کو اندازہ تھا اُسے اس طرح اُس فلم میں کام مانگتے اور اُس کے لئے قلبِ مومن جیسے شخص کے سامنے ناک رگڑنے کے لئے کون سی ضرورت مجبور کر رہی تھی۔

مومنہ نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ اُس بے حد مختلف انداز میں ڈیکوریٹڈ سٹوڈیو اور آفس سے جس کا مالک اس وقت مومنہ سلطان کی زندگی کا واحد قابلِ نفرت شخص تھا۔

☆......☆......☆

کبوتروں والی وہ حویلی ہمیشہ کی طرح پرسکون، خاموش تھی...... سائیکوانالسٹ کے اُس کاؤچ کی طرح جس پر بیٹھ کر انسان اپنا اندر کھوجنے اپنے بوجھ اُتارنے آتا ہے اور ہلکا پھلکا ہو کر جاتا ہے۔

مومنہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی کسی سے اجازت لئے بغیر۔ اُس حویلی کا دروازہ اسی طرح کھلا ملتا تھا۔ وہاں آنے والے ہر شخص کو...... اور وہاں آنے والے زیادہ تر آرٹ سکولز کے سٹوڈنٹس ہوتے تھے۔ جو اپنی فرصت کے چند گھنٹے وہاں اپنی مرضی سے آکر گزارتے تھے۔ اُس ایک کام میں ماسٹر ابراہیم کے ساتھی اور مددگار بن کر جو ماسٹر ابراہیم نے کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔

حویلی کا دروازہ کھلتے ہی سامنے وہ فوارے والا چھوٹا سا صحن تھا جو ہر وقت کبوتروں سے بھرا رہتا تھا اور اُن کی عجیب خصوصیت یہ تھی کہ وہ وہاں آنے والوں سے ڈر کر نہیں اُڑتے تھے۔ اپنی جگہ پر ہی جمے بیٹھے رہتے یا چلتے چلتے کچھ آگے سرک جاتے۔ یوں جیسے گزرنے والوں کو راستہ دے رہے تھے۔ پانی کے اُس چھوٹے سے فوارے کے گرد بنی حوض میں جو اُس صحن کے بیچوں بیچ لگا ہوا تھا اب بھی پانی موجود تھا اور بے حد صاف رکھنے کی کوشش کی گئی تھی اُسے...... اس کے باوجود کہ وہ پانی پینے کے لئے اُڑ کر اُس حوض کے گرد بنی اُس چار انچ چوڑی دیوار پر بیٹھنے والوں کبوتروں کی بیٹ سے روز گندی ہوتی تھی اور ماسٹر ابراہیم اُسے روز صاف کرتے تھے تاکہ کبوتروں کو صاف اور شفاف پانی ملے پینے کے لئے۔

دانہ چگنے کے لئے جگہ جگہ بیٹھے ہوئے کبوتروں کے بیچوں بیچ گزرتے ہوئے مومنہ سلطان کو عجیب سا سکون ملا تھا اور ہمیشہ ملتا تھا۔ وہ اپنی زندگی شور شرابے سے بھاگتی جب بھی یہاں آتی تھی کچھ دیر کے لئے سب دکھ جیسے ٹھہر جاتا تھا۔ وہاں بکھری خاموشی اُس کے اندر کا سارا شور جیسے sponge کی طرح جذب کر لیتی تھی۔

حویلی کے کھلے برآمدے میں ماسٹر ابراہیم فرش پر پڑی اُس دری پر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھے۔ انہوں نے حویلی کے کھلنے والے دروازے پر سر اُٹھا کر اندر آنے والے کو دیکھا تھا نہ ہی کبوتروں کے بیچوں بیچ سے گزرنے والی مومنہ کے پیروں کی چاپ نے اُنہیں متوجہ کیا تھا۔ وہ سر جھکائے بے حد انہماک سے قرآن پاک کے اُس نسخے کی جلد سازی کرنے میں مصروف تھے جو اُن کے سامنے پڑا ہوا تھا۔

''السلام علیکم ماسٹر صاحب۔'' مومنہ نے برآمدے کی دو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مدھم آواز میں اُنہیں سلام کیا تھا اور پھر اپنا بیگ دری پر ایک کونے میں رکھ دیا۔ اپنی مخصوص جگہ پر جہاں فرش پر ہی وہ چھوٹی سی ڈیسک رکھی تھی جس پر وہ کام کیا کرتی تھی۔

''وعلیکم السلام......ارے مومنہ اس بار بڑے دنوں کے بعد آئیں تم۔'' ماسٹر ابراہیم نے بالا آخر سر اُٹھا کر بے حد خوش دلی سے اُس کا استقبال کیا تھا۔ مومنہ تب تک میکانیکی انداز میں برآمدے میں جگہ جگہ دیواروں کے ساتھ پڑے بہت سارے کھلے خانوں والی شیلفوں میں سے ایک کے اندر موجود ایک قرآن پاک نکال رہی تھی۔

''ایک سیریل میں کام مل گیا تھا ماسٹر صاحب۔'' شیلف کے خانے سے اُس قرآن پاک کو بے حد احتیاط سے لا کر اپنی جگہ پر آنے اور زمین پر پڑی اُس فرشی ڈیسک پر اُس قرآن پاک کو رکھتے ہوئے مومنہ نے ماسٹر ابراہیم کو جواب دیا۔ اُن کی طرف دیکھے بغیر اُن سے نظریں ملائے بغیر۔ وہ اس وقت جس ذہنی کیفیت میں وہاں آئی تھی نہیں چاہتی تھی کوئی اُسے پہچانے۔

''ارے ماشاءاللہ سیریل کا کام مل گیا۔'' ماسٹر ابراہیم نے بے ساختہ اُس سے کہا اور اُن کے ان الفاظ پر وہ یک دم جیسے رنجیدہ ہوئی تھی۔

''ماشاءاللہ نہ کہیں ماسٹر صاحب۔'' ماسٹر ابراہیم نے جیسے حیران ہو کر اُسے دیکھا تھا وہ قرآن پاک کے اُس نسخے کا کام ختم کر چکے تھے جس کا کام وہ کر رہے تھے۔

''تمہاری خواہش تھی سیریل میں کام کرنے کی تم نے دُعا کروائی تھی۔'' انہوں نے مومنہ سلطان کا چہرہ بغور دیکھا تھا جو سر جھکائے اب اُس قرآن پاک کو اپنے ڈیسک پر رکھے بیٹھی تھی۔

''ہاں دُعا کروائی تھی مگر آپ ماشاءاللہ نہ کہیں مجھے شرم آتی ہے۔'' ''کس سے؟'' ماسٹر ابراہیم نے جیسے حیران ہو کر اُسے دیکھا تھا۔

''اللہ کے علاوہ کس سے آئے گی ماسٹر صاحب؟'' اُس نے اُنہیں دیکھے بغیر سر جھکائے اب وہ

کاغذ کھول لیا تھا جس پر وہ کام کرنے والی تھی۔ اُس کا قلم اور روشنائی کی دوات اُس کے ڈیسک کے پاس پڑے تھے۔ ماسٹر ابراہیم کو یک دم سمجھ آ گئی تھی کہ اُس کا اشارہ کس طرف تھا۔

''رزق دیتا ہے یہ کام بھی......رزق کے لئے ہی کہا ہے ماشاءاللہ۔''انہوں نے مدھم آواز میں مومنہ سے کہا تھا وہ اتنے سالوں سے اُن کے پاس آ رہی تھی وہ اُس کی زندگی کے ہر امتحان ہر آزمائش سے بخوبی واقف تھے۔

''آپ نیک ہیں آپ جو چاہے کہہ سکتے ہیں۔''وہ اُن کی بات پر بے ساختہ بولی تھی اور وہ ہنس پڑے تھے۔

''تم بھی نیک ہو بیٹا۔''اُن کی بات پر مومنہ نے قلم ہاتھ میں پکڑے گہرا سانس لیتے ہوئے پہلی بار سر اُٹھا کر اُنہیں دیکھتے ہوئے کہا۔''میں نیک ہوتی آپ کی طرح تو یہاں''یہ'' کر رہی ہوتی...... ساری دُنیا سے کٹ کر چھپ کر۔''اُس نے ڈیسک پر رکھے اُس کاغذ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا تھا جس پر اُس نے ابھی کام شروع کرنا تھا۔

وہ اُس کی بات پر مسکرائے تھے۔''''یہ'' بھی تو کر رہی ہو۔''انہوں نے اُسے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔''مگر''صرف''یہ نہیں کر رہی نا......اور کر بھی رہی ہوں تو اپنے سکون اپنے لالچ کے لئے کر رہی ہوں۔''وہ اب کاغذ پر اُس قرآن پاک کے اُن شروع کے صفحات کو لکھ رہی تھی جس پر اُس بوسیدہ قرآن پاک کی ابتدائی تحریر تھی۔

وہ وہاں پہلی بار آرٹ سکول کے کسی سٹوڈنٹ کے ساتھ آئی تھی جو ماسٹر ابراہیم کی اس حویلی کے بارے میں جانتا تھا۔ جہاں لوگ اپنے بوسیدہ اور مرمّت طلب قرآن پاک کے نسخے دے کر جایا کرتے تھے اور وہاں ماسٹر ابراہیم آرٹ سکول کے بہت سارے سٹوڈنٹس کی رضا کارانہ مدد کے ساتھ پھٹ جانے والے صفحات اور مٹ جانے والے الفاظ کو خطاطی کے انداز میں لکھوا کر قرآن پاک کے اُن نسخوں کو دوبارہ جلد کر کے مرمت کیا کرتے تھے۔ وہ وہاں یہ کام کئی سالوں سے کر رہے تھے۔ پہلے اکیلے کیا کرتے تھے اب کئی نوجوان وہاں آکر شوقیہ اور جذبے کے ساتھ یہ کام کرتے تھے خاص طور پر خطاطی سے منسلک سٹوڈنٹس اور مومنہ سلطان کا اس جگہ سے تعارف بھی ایسے ہی ہوا تھا اور اب وہ مسلسل وہاں آنے والے افراد میں شامل تھی جو اپنی سہولت کے اوقات میں وہاں آکر ماسٹر ابراہیم کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ مومنہ سلطان کے ساتھ اپنے اُس ٹوٹے ہوئے خواب کے ساتھ آج بھی جُڑے رہنے کا ذریعہ تھا جو آرٹ سکول میں آرٹ کی ڈگری کرنے کی صورت میں کبھی اُس نے دیکھا تھا۔ وہ خطاط بننا چاہتی

تھی......خطاطی کرنا چاہتی تھی اور بچپن سے اُس کا اگر کوئی شوق تھا تو یہی تھا اس کے باوجود کہ وہ ایک فلمی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جہاں باپ ایک فلم میک اپ آرٹسٹ تھا اور ماں ثریا ریڈیو سے منسلک رہنے والی ایک سنگر اور vo آرٹسٹ مگر مومنہ کو ایکٹنگ میں دلچسپی تھی نہ گانے میں نہ ہی فلم سے منسلک کسی اور چیز میں......اُسے خطاطی کا شوق تھا اور اس شوق کو بڑھاوا دینے میں سلطان اور ثریا دونوں کا ہاتھ تھا یہ اُن کے بھی اچھے وقتوں کا خواب تھا جب وہ مومنہ کو خطاط بنانا چاہتے تھے مگر آرٹ سکول میں پڑھا کر پھر باہر کے کسی ملک میں بھیج کر بہت زیادہ پڑھا لکھا کر......مومنہ کے لئے انہوں نے یہ کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ جہانگیر کی طرح فلم کی فیلڈ میں آتی...... ہیروئن بنتی......اور اس کی وجہ سلطان تھا یا حسنِ جہاں یہ فیصلہ کرنا کبھی کبھار مومنہ سلطان کو مشکل ہو جاتا۔ مگر زندگی اپنے فیصلوں، اپنے خوابوں اور اپنی خواہشات کے تابع نہیں ہوتی......مومنہ سلطان کی زندگی بھی نہیں تھی۔ وہ جہانگیر کو گردوں کی بیماری کا پتہ چلنے کے بعد اپنی تعلیم چھوڑ کر اُس کا علاج کرنے کے جنون میں اداکارہ بنی تھی اور آرٹ سکول کے خواب کے ساتھ ہی اُس نے زندگی میں اور بھی بہت کچھ چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اُسے اچانک پتہ چل گیا تھا کہ آگے کچھ بھی نہیں ہے...... جو بھی اچھے دن انہوں نے کبھی گزارے تھے وہ پیچھے رہ گئے تھے۔ اور اب وہ زندگی میں کچھ بہت بڑا کام بھی کر لیتی تو وہ صرف جہانگیر کا علاج کر لینا تھا۔

''جہانگیر کیسا ہے؟'' ماسٹر ابراہیم نے موضوع گفتگو یک دم بدلا تھا۔ ''دوسرا گردہ بھی فیل ہو رہا ہے اس کا۔'' وہ ایک لمبی خاموشی کے بعد کام کرتے کرتے بولی تھی۔ ''میں ابھی پہلے کے لئے بھی پیسے جمع نہیں کر پائی...... ماسٹر صاحب مجھے لگتا ہے میں آدھی پاگل ہوگئی ہوں۔ باقی کی ہو جاؤں گی۔'' اُس کے اندر کا لاوا جیسے پھٹ پڑا تھا اور آنسوؤں کے سیلاب کے ساتھ۔

''جو رزق کما رہی ہوں وہ کمانا نہیں چاہتی...... جو کما رہی ہوں اُس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو رہا...... جو چاہتی ہوں وہ ملتا نہیں جو ملتا ہے وہ چاہ نہیں بنتا۔'' اُس نے سر جھکا لیا تھا۔ پھر آستین سے اپنی آنکھیں اور چہرہ رگڑا۔

''میں کچھ کرتا ہوں تمہارے لئے۔'' ماسٹر ابراہیم بے اختیار پریشان ہوئے تھے انہوں نے مومنہ کو اتنا ڈسٹرب کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''آپ بس دعا کریں میں اس آزمائش سے نکل جاؤں یہ ختم ہو جائے۔'' اُس نے جواباً اُن سے کہا۔ ''آمین۔'' ماسٹر ابراہیم نے بے ساختہ کہا۔ ''میرا گردہ لگ سکتا نا تو میں اپنے دونوں گردے اُسے دے دیتی۔ وہ جینا چاہتا ہے میں جینا نہیں چاہتی۔'' اُس کے لہجے میں آج کچھ ایسا تھا جو ماسٹر ابراہیم کو

بُری طرح پریشان کر رہا تھا۔

''اللہ کی ذات سے اتنی مایوسی ٹھیک نہیں مومنہ۔'' انہوں نے جیسے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ ''اللہ سے تو مایوس نہیں ہوں......دنیا سے ہوں......لوگوں سے ہوں۔'' اُس نے جواباً کہا تھا۔ ''اللہ کی دُنیا ہے بیٹا......اللہ کے لوگ ہیں۔'' ماسٹر ابراہیم نے جیسے اُسے ایک بار پھر سمجھایا۔ ''ہاں سب اللہ کے ہیں بس ایک مومنہ اللہ کی نہیں ہے نا۔'' اُس نے آنسو صاف کر لئے تھے وہ اب دوبارہ کام شروع کر چکی تھی۔ ماسٹر ابراہیم اسے اس بار کچھ نہیں کہہ سکے تھے۔ وہ خاموشی سے اُس کا جھکا ہوا سر دیکھتے رہے۔ وہ اب کام میں مصروف تھی یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اُسے دیکھ رہے تھے۔ مگر جی ہلکا کرنا تھا وہ ہو گیا تھا اُس کا...... یہ آنسو وہ نہ ثریا کے سامنے بہا سکتی تھی نہ جہانگیر کے......اور اقصیٰ کو اُس کی بات سمجھ ہی نہیں آتی تھی جب وہ اداکاری کے حوالے سے وہ باتیں کرتی جو وہ ماسٹر ابراہیم کے سامنے کر رہی تھی اور وہ سمجھ رہے تھے۔

''میں نے کبھی تمہیں ایسے شکوہ کرتے نہیں دیکھا مومنہ۔'' ماسٹر ابراہیم نے لمبی خاموشی کے بعد اس بار بڑی سنجیدگی سے اُس سے کہا تھا۔

''آج اُس رزق کے لئے کسی کے ہاتھوں ذلیل ہو کر آئی ہوں جس کے لئے آپ ماشاء اللہ کہہ رہے تھے۔'' مومنہ اُن سے یہ جملہ بولنا چاہتی تھی لیکن بول نہیں سکی۔ اُس نے سر اُٹھا کر ماسٹر ابراہیم کو دیکھا پھر عجیب بے بسی سے مسکرائی۔ ''آپ سے کہا نا......میں پاگل ہو رہی ہوں۔'' اس سے پہلے کہ ماسٹر ابراہیم کچھ کہتے حویلی کا دروازہ کھول کر ایک اور لڑکی اندر صحن میں داخل ہوئی تھی اور مومنہ اور ماسٹر ابراہیم بے اختیار اُس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وہ بھی وہاں کام کرنے والوں میں سے تھی۔ ایک ہلکی ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس بے حد ماڈرن حلیے میں لیکن سر کے گرد ایک حجاب اوڑھے...... ماسٹر ابراہیم کے پاس ہر طرح کے سٹوڈنٹ آتے تھے ہر حلیے میں...... مگر اُس cause کے لئے سب کا جذبہ ایک جیسا تھا یا پھر وہ اس جگہ کا اثر تھا۔ اپنے جوتے اُتارتے ہوئے وہ لڑکی اب ماسٹر ابراہیم کو سلام کر رہی تھی اور ساتھ بمشکل اُس حجاب کو گرہیں لگا لگا کر سنبھال رہی تھی جو اُس نے شاید صرف یہ کام کرتے وقت ہی اوڑھا ہو گا زندگی میں موضوع گفتگو وہیں بدل دیا تھا ماسٹر ابراہیم نے اور مومنہ نے اپنا جھکا ہوا سر کچھ اور جھکا کر اپنی سرخ آنکھوں کو اُس لڑکی سے چھپایا تھا۔

☆......☆......☆

قلبِ مومن فلمز نہیں بناتا جیسے اپنے ہاتھوں سے مجسمے تراشتا ہے جنہیں وہ سینما جانے والی

audience کے دلوں اور ذہنوں میں سما دیتا ہے۔ وہ اپنی ہیروئنز کو objects کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اور ایک feminist کے طور پر یہ میری اس سے ایک فلم ڈائریکٹر کے طور پر واحد شکایت ہے۔ اس کی Diva اس کی فلم میں ہیرو کے سامنے ایک کھلونے سے زیادہ حیثیت اور اہمیت نہیں رکھتی۔ اپنے سارے گلیمر اور سحر سے سینما جانے والوں کو سحر زدہ کرنے اور سال کی سب سے بڑی کمرشل hit دینے کے باوجود ۔

ٹینا قلبِ مومن کے آفس میں میگزین کے ایک آرٹیکل کا آخری پیرا گراف پڑھ رہی تھی جب اپنی آفس چیئر میں جھولتے ہوئے مومن نے اُسے ٹوکا تھا۔

''Reviewer کون ہے؟'' اس کا لہجہ بے حد تیکھا تھا۔ ''صدف سحر۔'' ٹینا نے اس مشہور بلاگر اور فلم reviewer کا نام لیا جو سوشل میڈیا کی Review Queen مانی جاتی تھی۔

''آخری چند جملوں کے علاوہ تو بہت اچھا review دیا ہے اُس نے ہمیں اور ہماری فلم کو۔'' ٹینا نے اس کے تاثرات جیسے پڑھنے کی کوشش کی جو اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔

''آخری چند جملے بھی کیوں لکھے ہیں اس آرٹیکل اور ویب سائٹ میں...... جب ہم فائیو سٹار ریویو کے لئے pay کر رہے ہیں تو وہ کیسے اس طرح کے comments کر سکتی ہے میرے اور میری فلم کے بارے میں۔'' قلبِ مومن واقعی خفا تھا۔

''میری بات ہوئی تھی صدف سے۔ وہ کہہ رہی تھی ذرا بیلنس رکھنے کے لئے آخر میں یہ چند لائنز شامل کی ہیں ساری تعریفیں ہی ہوں تو پھر پڑھنے والے شبہ کرتے ہیں کہ پیسے دے کر review لکھ دیا ہے۔'' ٹینا نے وضاحت دی وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مختلف میگزینز اور ویب سائٹس پر قلبِ مومن کی فلم کے بارے میں آنے والے مختلف تبصرے اُسے پڑھ پڑھ کر سنا رہی تھی اور اس میں paid اور unpaid دونوں طرح کے تبصرے تھے اور اب صدف سحر کا وہ reviewer قلبِ مومن کو جیسے لڑ گیا تھا۔

''یہ اُن کا مسئلہ ہے ہمارا نہیں ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اگر ایک ویب سائٹ کو پیسے دے کر ایک review لکھوا رہے ہیں تو وہ ہمارے خلاف ایک لائن بھی کیسے لکھ سکتے ہیں۔'' قلبِ مومن نے ہمیشہ کی طرح دوٹوک انداز میں کہا۔

''میں دوبارہ بات کرتی ہوں صدف سے اور دیکھتی ہوں اس کا کیا حل نکالا جا سکتا ہے۔'' ٹینا نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ اس سے پہلے کہ قلبِ مومن اُسے کچھ کہتا دروازہ کھول کر یک دم نیہا اندر آئی تھی۔

’’ہیلو۔‘‘ اس نے دروازے میں کھڑے کھڑے گردن اندر کہتے ہوئے مومن کی توجہ اپنی جانب مبذول کی تھی۔ ’’اوہ ہیلو۔‘‘ مومن اُسے دیکھ کر جواباً مسکرایا۔ ٹینا نے باہر جاتے ہوئے اندر آتی ہوئی نیہا سے ہیلو ہائے کی اور قلبِ مومن ٹیبل پر پڑا اپنا لیپ ٹاپ بند کرنے لگا تھا۔

’’میں بس دو منٹ میں فارغ ہوتا ہوں پھر چلتے ہیں۔‘‘ مومن نے تیزی سے اپنی سکرین پر کھلی ہوئی مختلف ونڈوز بند کرنا شروع کر دیا تھا۔ ’’مجھے اصل میں تم سے بڑی ضروری بات کرنی تھی آج۔‘‘ نیہا نے اُس کی بات کے جواب میں کسی تمہید کے بغیر اپنے مدعا پر آتے ہوئے کہا۔ قلبِ مومن نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے چونک کر اُسے دیکھا۔

’’ہاں کرو۔‘‘ ’’تم سے صوفی کے بارے میں بات کرنی تھی۔‘‘ ’’کون صوفی؟‘‘ قلبِ مومن بے اختیار اُلجھا۔ ’’یار وہ دوست جسے میں تمہاری پارٹی میں ساتھ لائی تھی اور تم سے ملوایا تھا۔ وہ سمارٹ ہینڈسم good looking ماڈل۔‘‘ نیہا نے اُسے تفصیلات دے کر جیسے اُس کی یادداشت بحال کرنے کی کوشش کی قلبِ مومن کو یک دم وہ یاد آیا تھا۔

’’اوہ اچھا...... وہ لڑکا...... اُس کے بارے میں کیا بات کرنی تھی؟‘‘ مومن نے اب کچھ حیرانی سے کہا تھا۔ ’’وہ بھی تمہاری فلم کے لئے آڈیشن دینا چاہتا ہے۔‘‘ نیہا نے بے ساختہ کہا۔ ’’male lead تو میں final کر چکا۔‘‘ قلبِ مومن نے بے ساختہ کہا۔ ’’تو کسی اور رول کے لئے دیکھ لو اُسے۔‘‘ نیہا نے فوراً سے بیشتر کہا۔ ’’He is so keen to work with you. اور میں نے وعدہ بھی کیا ہے اُس سے۔‘‘ قلبِ مومن نے نیہا کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’اُس نے بہت زیادہ متاثر نہیں کیا مجھے۔‘‘ نیہا نے اس کی بات پر کچھ خفگی سے کہا۔ ’’تم کیا بات کر رہے ہو اتنی آفر آ رہی ہیں اس کے پاس۔‘‘ ’’تو پھر کیا مسئلہ ہے وہ کرے اُن آفرز کو قبول۔‘‘ مومن نے جواباً کہا تھا۔ ’’وہ تمہارا fan ہے اور تمہارے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے......اور مجھے نہیں پتہ مومن...... میں نے وعدہ کیا ہے اس سے تمہیں اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا اب۔‘‘ نیہا نے بڑے ناز سے اٹھلاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ مومن تب تک اپنا بیگ بند کر کے کھڑا ہو چکا تھا۔ ’’فی الحال تو گھر چلتے ہیں تمہیں دادا سے ملوانا ہے پھر بعد میں دیکھوں گا کچھ ہو سکتا ہے یا نہیں مگر مجھے عورتوں کو سیڑھی بنا کر آگے بڑھنے والے مرد اچھے نہیں لگتے۔‘‘ اُس نے اٹھتے اُٹھتے نیہا سے کہا تھا شاید اُسے صوفی کے لئے نیہا کی وہ وکالت اچھی نہیں لگی تھی۔ ’’What do you mean?...... بیسٹ فرینڈ ہے وہ میرا۔‘‘ نیہا نے جیسے احتجاج کیا تھا مگر مومن تب تک اپنا بیگ اُٹھائے آفس سے باہر نکل چکا تھا۔ وہ کچھ تلملائے ہوئے انداز میں اُس کے پیچھے آئی تھی اس کے باوجود کہ اُسے یقین تھا قلبِ

مومن اُسے انکار نہیں کر سکتا تھا اور اب وہ اُس فلم میں صوفی کے لئے کوئی نہ کوئی جگہ ضرور نکالے گا۔

☆......☆......☆

''انٹیریئر change کیا ہے تم نے۔'' اس نے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی نیہا نے جیسے کچھ چونک کر اُس سے کہا تھا۔ اس کے لاؤنج کی دیواروں پر بھی وہ Nude پینٹنگز اور وہ عریاں مجسمے غائب تھے جو وہاں چند دن پہلے موجود تھے اور جو قلبِ مومن کے aesthetics کا اظہار تھے۔

''کچھ دنوں کے لئے ہٹایا ہے انہیں۔'' قلبِ مومن نے جواباً اس سے کہتے ہوئے اپنا بیگ لاؤنج میں رکھا۔ ''کیوں؟'' نیہا حیران ہوئی تھی۔ ''کچھ زیادہ ہی Nude تھا سب کچھ۔'' مومن نے جواباً مسکرا کر عجیب نادم انداز میں کہا۔ ''تو کیا ہوا؟ آرٹ تھا۔'' نیہا جیسے اُس کے انداز پر حیران ہوئی تھی۔ ''دادا ہیں ابھی یہاں تو بس جب تک وہ یہاں ہیں میں یہ سب ان کے سامنے نہیں رکھ سکتا۔'' مومن نے بالآخر اُسے اصلی وجہ بتائی۔ ''conservative ہیں وہ؟ برا مناتے ہیں؟ برا بھلا کہتے ہیں۔'' نیہا نے بے ساختہ کہا۔ ''نہیں۔'' مومن نے مختصر کہا۔ ''تو پھر؟'' وہ حیران ہوئی۔ ''کیلی گرافی کرتے ہیں وہ قرآن پاک کی آیات تو بس میں نے سوچا شاید اُنہیں برا نہ لگے۔'' مومن نے جیسے وضاحت دی تھی جو وہ دینا نہیں چاہتا تھا اور تبھی یک دم اُس نے دادا کو لاؤنج میں آتے دیکھا۔ جنہیں شکور بلانے گیا تھا۔ ''اسلام علیکم۔'' اس سے پہلے کہ وہ اُن سے کچھ کہتا انہوں نے خوش دلی سے سلام کیا تھا۔ نیہا نے جواباً وعلیکم السلام کہتے ہوئے مومن کو دیکھا یوں جیسے یہ جاننا چاہ رہی ہو کہ اب آگے کیا کہے۔ ''دادا یہ نیہا ہے میری کلوز فرینڈ اور نیہا یہ میرے دادا ہیں۔'' مومن نے دونوں کا تعارف کروایا تھا۔ عبدالعلی نے اُس لڑکی کو بغور دیکھا جس کا تعارف مومن کروا رہا تھا۔ وہ پہلی لڑکی تھی جسے مومن نے اُن سے متعارف کروایا تھا۔ اُن کے سلام کا جواب دیتے ہی نیہا نے بے اختیار اُن سے کہا۔ ''مومن بتا رہا تھا آپ کیلی گرافی کرتے ہیں۔ بڑی تعریف کر رہا تھا آپ کی۔'' اس کے جملے پر عبدالعلی اور قلبِ مومن نے اب بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا اور جیسے دونوں نے ہی بیک وقت نظریں چرائیں پھر عبدالعلی نے نیہا سے کہا۔ ''مومن بھی تو کرتا ہے کیلی گرافی۔'' نیہا کو جیسے کرنٹ لگا۔ ''Seriously?'' اس نے مومن کو یوں دیکھا جیسے اس نے یہ راز بتا کر کوئی گناہ کیا تھا۔ ''کیلی گرافی آنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ میں کیلی گرافی کروں۔'' مومن نے بے ساختہ نادم انداز میں کہا یوں جیسے وہ اس انکشاف کے ہونے پر پریشان ہوا تھا۔

''نہیں بھی کرے تو بھی تم نے سیکھی تو ہے نا۔'' نیہا اب بھی متاثر تھی۔ ''ہاں......اور وہ پیدائشی

خطاط ہے بیٹا......اللہ تعالیٰ نے اس ہنر سے نوازا ہوا ہے اُسے۔'' عبدالعلی نے بے حد فخریہ انداز میں جیسے نیہا کو بتایا تھا اور مومن کی ندامت میں اورضافہ کیا تھا۔

''بچپن کا شوق تھا دادا......بچپن میں ہی چلا گیا۔'' اس نے موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش کی تھی۔''اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے والے ہاتھ اللہ کا نام لکھنا چھوڑ تو سکتے ہیں بھول نہیں سکتے۔تم جب بھی خطاطی کرو گے بہت اچھی کرو گے۔'' عبدالعلی نے جواباً اس سے کہا تھا۔ نیہا اس ساری گفتگو کے دوران کسی خاموش تماشائی کی طرح کھڑی رہی تھی۔''میں کپڑے بدل لوں پھر چلتے ہیں۔'' ایک لمحہ کی کچھ عجیب سی خاموشی کے بعد مومن نے یک دم دادا کی بجائے نیہا سے کہا اور کمرے سے نکلنے ہی والا تھا جب اُس نے نیہا کو کہتے سنا۔

''دادا وہ سٹار ڈائریکٹر ہے۔ کیلی گرافی سٹارڈم تھوڑا دے گی اُسے۔آپ نے اُس کی فلمز دیکھی ہیں؟'' مومن بے اختیار پلٹا اور پچھتایا تھا۔ جو موضوع گفتگو بدلنے کے لئے وہ وہاں سے جا رہا تھا وہ بڑے خطرناک موڑ پر آ گیا تھا۔

''نہیں میں نے نہیں دیکھیں۔'' اس نے عبدالعلی کو مدھم آواز میں کہتے سنا۔

''Oh you must watch them.'' نیہا بے حد ایکسائیٹڈ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''مومن عورت کو جس طرح سکرین پر پیش کرتا ہے!! That's awesome......dream woman. بنا دیتا ہے وہ اپنی ہیروئن کو......Diva......Star۔'' نیہا بولتی جا رہی تھی اور عبدالعلی خاموشی سے سن رہے تھے اور پھر انہوں نے گردن موڑ کر اُس دروازے کو دیکھا تھا جس پر ہاتھ رکھے مومن کھڑا تھا۔ یوں جیسے وہ اب بھی جانتے تھے کہ وہ وہیں تھا۔اُن کی آنکھوں میں کچھ ایسی چیز جھلکی تھی کہ وہ وہاں کھڑا نہیں رہ سکا تھا۔ پلٹ کر دروازہ کھول کر وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔

☆......☆......☆

''مجھے سارا سکرپٹ یاد ہو گیا ہے۔'' جہانگیر نے فاتحانہ انداز میں مومنہ سے کہا وہ اُس ڈرامہ کا سکرپٹ پڑھ رہا تھا جو مومنہ کر رہی تھی اور وہ کچھ دیر پہلے بنی چائے اور بسکٹ لئے اس کے پاس آ کر صحن کی چارپائی پر آ کر بیٹھی تھی جس پر وہ نیم دراز تھا۔''''اچھا سناؤ پھر؟'' مومنہ نے مسکرا کر جواباً اُس کے ہاتھ سے سکرپٹ لیا اور آلتی پالتی مار کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔''سین نمبر؟'' جہانگیر بھی فوراً تیار ہوا تھا۔''سین نمبر 13......نہیں 18 ہیرونائل اور آبگینے کا سین۔'' مومنہ نے چیلنج کرنے والے انداز میں سکرپٹ کے صفحے اُلٹتے پلٹتے اس سے کہا۔ ایک لمحہ سے بھی پہلے جہانگیر نے کھٹ سے ہیرونائل کا ڈائیلاگ دہرایا تھا۔

''ارے تم غصہ کیوں کھا رہی ہو؟'' وہ کہہ کر رُکا پھر اس نے مومنہ سے پوچھا۔''ہیروئن کے بھی سنا دوں؟'' ''چلو ہیروئن کے میں سناتی ہوں تم بس ہیرو کے بولو۔'' چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھاتے ہوئے مومنہ نے اُس سے کہا اور ساتھ ہی اگلا ڈائیلاگ دہرایا۔''غصہ کھانے والی بات ہے۔'' ''خوبصورت لگ رہی ہو۔''

''بکومت۔'' ''تعریف کروں تو غصہ نہ کروں تو غصہ......اب مجھے بھی غصہ آنے لگا ہے تم پر۔''

''تو ٹھیک ہے......ختم کرو یہ سب کچھ۔'' ''آئزہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے میرا۔'' ''تمہارا نہیں ہے اس کا ہے۔'' ''وہ بھی نہیں ہے۔'' ''بھائی ہونا پھر تم اُس کے۔'' ''وہ تو تمہارا ہوں اس سکرپٹ میں۔'' جہانگیر روانی سے ہیرو کے ڈائیلاگ طوطے کی طرح دہراتے ہوئے جہانگیر بالآخر ڈائیلاگ بھولا اور اُس نے اگلا جملہ اپنے پاس سے بولا اور مومنہ نے ہاتھ میں پکڑا اسکرپٹ بے اختیار اُس کے کندھے پر مارتے ہوئے اُس سے کہا۔

''بھول گئے نا۔'' جہانگیر جواباً فاتحانہ انداز میں ہنسا تھا۔ یہ اُن دونوں کا بہت پرانا کھیل تھا۔ سکرپٹ سکرپٹ کھیلنا۔ جو وہ ایک بار پھر سے کھیل رہے تھے اور اب ڈائیلاگ بھول جانے پر ہنس ہنس کر دوہرے ہوتے جا رہے تھے......بچوں کی طرح۔

''کیا ہوا ہے تم دونوں کو؟......کس بات پر ہنس رہے ہو؟'' ثریا بالکل اُسی وقت اندر کمرے سے نکلی تھی اور اب اُن دونوں کو یوں ہنستے دیکھ کر ہکا بکا ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ مومنہ کچھ کہتی اُس کا فون بجنے لگا تھا۔ اپنی ہنسی پر جیسے کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے مومنہ نے فون دیکھا۔ وہ اقصیٰ کی کال تھی۔

''تمہیں تو لگتا ہے داؤد نے پہلے ہی بتا دیا ہے۔'' اُس کی آواز سنتے ہی اقصیٰ نے کہا تھا۔ ''کیا؟'' مومنہ حیران ہوئی تھی۔ ''تمہارے آڈیشن کا۔'' ''کیسے آڈیشن کا؟'' مومنہ مزید حیران ہوئی تھی۔ ''تم ہنس رہی تھی تو میں سمجھی تمہاری بات ہوئی ہے اُس سے......بہت بڑی خوش خبری ہے تمہارے لئے......لاہور جا رہی ہو تم۔'' اقصیٰ اب ایکسائیٹڈ انداز میں اُسے بتانے لگی تھی۔''داؤد نے تمہاری شوریل اور قلبِ مومن کے فلم کے لئے ہونے والے آڈیشن کی فوٹیج بھیجی تھی کسی کو......ہالی ووڈ کی کسی فلم کی کاسٹنگ ہو رہی ہے یہاں اور پاکستان میں ہی شوٹنگ ہونی ہے اُس کے کچھ حصہ کی......تمہیں آڈیشن کے لئے بلوایا ہے اُن لوگوں نے تمہاری شوریل دیکھ کر۔ تو بس تم تیاری پکڑو لاہور کی۔'' چند لمحوں کے لئے مومنہ کو جیسے اُس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ''تم مذاق کر رہی ہو؟'' اُس نے کہا تھا۔''یار مذاق کروں گی تم

سے......؟ سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہوں اور خوشی سے بے قابو ہو کر تمہیں فون کر رہی ہوں۔'' اقصیٰ نے اُسے ڈانٹا تھا۔ ''تم ہالی ووڈ کی فلم کے آڈیشن کی بات کر رہی ہو؟'' مومنہ کو لگا اُس نے کچھ غلط سنا تھا۔ ''ہاں یار امریکہ اور پاکستان میں شوٹنگ ہے اُس کی اور شوٹنگ ہے بھی جلدی پہلے کچھ انڈین ایکٹرز کو لیا ہوا تھا انہوں نے لیکن ویزا پرابلمز ہو رہے ہیں اُنہیں تو اب فوری طور پر یہاں کاسٹنگ کر رہے ہیں۔'' اقصیٰ دوسری طرف سے کہہ رہی تھی لیکن مومنہ جہانگیر کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ جو ہالی ووڈ اور آڈیشن کے لفظ اُس کی زبان سے سن کر اس وقت یک دم ہی بے حد پر جوش ہو گیا تھا۔ ''تو اب؟'' مومنہ کو اب بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے ری ایکٹ کرے۔ ''بس تو تیاری کرو...... داؤد بھی کال کرے گا تمہیں...... ٹکٹ اور stay کے انتظامات بھی وہی لوگ کریں گے...... اچھا بس سین آ گیا ہے میرا بعد میں بات کرتے ہیں تو تفصیل بتاتی ہوں تمہیں۔'' اقصیٰ نے یک دم عجلت میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

''کیا ہوا آپی؟...... ہالی ووڈ کی فلم کے لئے آڈیشن ہو رہا ہے؟'' فون بند کرتے ہی جہانگیر نے اُس سے پوچھا تھا اور صحن میں تار پر کپڑے ڈالتی ہوئی ثریا بھی پاس آ گئی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے مومنہ کا دل چاہا وہ کوئی جھوٹ بول دے۔ وہ اُنہیں پھر سے اُمید اور نا اُمیدی کے دھاگے سے باندھنا نہیں چاہتی تھی۔ فلم اُس کا جنون نہیں تھا مگر جہانگیر اور اُس کے گھر والوں کا تھا اور وہ قلبِ مومن کے آڈیشن کی ناکامی کے بعد والی صورت حال کا سامنا دوبارہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جتنی دیر میں وہ کوئی جھوٹ گھڑ پاتی جہانگیر نے اُس کی خاموشی سے خود ہی جواب اخذ کر لیا تھا۔ وہ بڑے پر جوش انداز میں ثریا کو فون پر ہونے والی گفتگو بتا رہا تھا۔

''آپا کی سلیکشن ہوئی ہے ہالی ووڈ کی کسی فلم کے آڈیشن کے لئے اور آپا لاہور جا رہی ہیں۔''

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' مومنہ نے ثریا کو بے اختیار ہاتھ دعائیہ انداز میں باندھ کر بلند کرتے دیکھا۔

''آڈیشن کے لئے سلیکشن ہوئی ہے اماں انہوں نے کاسٹ نہیں ہے مجھے ابھی۔'' مومنہ نے بے اختیار اُن کی توقعات پر بند باندھنے کی کوشش کی تھی۔

''وہ بھی مل جائے گا انشاءاللہ...... میں تمہارے ابا کو تو بتاؤں ذرا...... کہاں کھڑے ہیں۔'' ثریا اسی جوش و خروش میں کہتے ہوئے باہر گلی کا دروازہ کھول کر سلطان کو ڈھونڈنے نکل گئی تھی۔

''آپا تم نے بہت بڑا اسٹار بن جانا ہے...... بتا رہا ہوں میں تمہیں...... ہالی ووڈ میں کام کرو گی۔ پھر آسکر لینے جاؤ گی...... پھر speech کرنا اور میرا thank you کرنا کہ اگر جہانگیر نہ ہوتا تو......''

مومنہ نے جہانگیر کی بات چائے میں بسکٹ کا بچا ہوا ٹکڑا ڈبوتے ہوئے کاٹی۔

''پھر تمہاری آنکھ کھل جائے گی اور جب آنکھ کھل جائے تو تم مجھے بھی جگا دینا۔'' وہ کہتے ہوئے چارپائی سے اُٹھ گئی تھی۔

''آپا دیکھ لینا تم......'' جہانگیر کی آواز اُس کے عقب میں آئی تھی مگر مومنہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

☆......☆............☆

وہ ایک جمائی لیتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ چابی سے کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔شکور اس وقت سو چکا ہوتا تھا اور وہ اُسے نہیں جگاتا تھا۔لاؤنج سے گزرتے ہوئے اُسے ٹیرس پر ٹہلتے دادا دکھائی دیئے۔قلبِ مومن نے بے اختیار کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔اُس وقت تین بجنے والے تھے۔ عبدالعلی نے بھی لاؤنج کی گلاس وال سے اُسے دیکھ لیا تھا اور وہ اندر آ گئے تھے۔

''آپ اب تک جاگ رہے ہیں؟'' مومن نے اُن کے اندر آتے ہی اُن سے کہا تھا۔''ہاں تہجد کے لئے اُٹھا تھا پھر تمہارا انتظار کرنے لگا۔تم بہت دیر سے آتے ہو رات کو واپس...... جب سے آیا ہوں تمہارے ساتھ بیٹھنے کا وقت ہی نہیں مل رہا۔'' وہ لاؤنج کے صوفہ پر بیٹھ گئے تھے ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے گراتے ہوئے۔مومن بھی دوسرے صوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔''ہاں بس اگلی فلم کی تیاری کر رہا ہوں......ایسی ہی ہے میری زندگی آج کل۔'' مومن نے گہرا سانس لے کر آنکھیں رگڑیں اور صوفہ سے ٹیک لگائی۔''ایسی ہونی تو نہیں چاہیے۔'' عبدالعلی نے جواباً اُس سے کہا تھا۔''آپ کو نیہا کیسی لگی؟'' مومن نے یک دم موضوع بدلا۔''نیہا؟'' عبدالعلی کو فوری طور پر وہ یاد نہیں آئی تھی۔''اس دن ایک لڑکی سے ملوایا تھا نا آپ کو اُس کی بات کر رہا ہوں۔'' مومن کو حیرانی ہوئی دادا نیہا کو اتنی آسانی سے کیسے بھولے تھے۔وہ اتنی ''عام'' تو نہیں تھی کہ اُن کی یادداشت کا حصہ بھی نہ بن پاتی۔

''اوہ ہاں......اچھی لڑکی ہے۔'' عبدالعلی کو یک دم یاد آیا۔''میں شادی کرنا چاہتا ہوں اُس سے۔'' مومن نے بغیر تمہید کے کہا۔اُس کے فیصلے ایسے ہی ہوتے تھے اچانک اور خود ہی کئے ہوئے۔''مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔'' عبدالعلی نے جواباً مدھم آواز میں کہا۔مومن ہلکے سے ہنسا۔''آپ کو ہر بات کا اندازہ پہلے ہی کیسے ہو جاتا ہے؟'' وہ بھی مسکرائے تھے پھر انہوں نے بڑی محبت سے کہا۔''صرف تمہارے بارے میں ہوتا ہے یہ۔'' ''نہیں مجھے لگتا ہے آپ کو ہر چیز کا پہلے سے پتہ ہوتا ہے۔کوئی جن ہے آپ کے پاس۔'' اس نے مسکراتے ہوئے خوش دلی سے کہا تھا اور عبدالعلی اُسے بغور دیکھتے مسکراتے رہے پھر

انہوں نے یک دم اُس سے کہا۔''تم خوش ہو قلبِ مومن؟'' آواز دھیمی تھی لہجہ نرم لیکن سوال عجیب تھا۔ مومن عجیب طرح سے ہی کھٹکا تھا۔'' آپ نے کیا پوچھا۔'' اُس نے جیسے دوبارہ سوال کی تصدیق چاہیے۔

''تم خوش ہو؟'' انہوں نے نظریں اُس کے چہرے پر جمائے اُس سے دوبارہ انہیں الفاظ میں اپنا سوال دہرایا۔ مومن بے اختیار ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا لیکن اُس نے اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''بہت...... بہت زیادہ بلکہ بے تحاشہ۔'' اُس نے گہرا سانس لے کر بے حد خوش نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''لگتے کیوں نہیں ہو مجھے؟'' عبدالعلی کے اگلے جملے نے مومن کی مسکراہٹ کو ماند کیا تھا۔

''میرا لائف سٹائل دیکھیں دادا...... میری شہرت، میری کامیابی...... گھر، کیرئیر...... میرے پاس سب کچھ ہے جو میری عمر کے کسی لڑکے کا خواب ہوگا۔ پھر خوش نہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے اُس نے کہا۔

''شاید غلط بات کر گیا ہوں...... بوڑھا ہو گیا ہوں...... بعض دفعہ غلط سوال پوچھ بیٹھتا ہوں...... لیکن میں تمہیں ہمیشہ خوش ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔'' عبدالعلی کہہ رہے تھے اور وہ سن رہا تھا۔ ایسی بات انہوں نے پہلی بار کی تھی۔

''سو جاؤ تم اب...... تھکے ہوئے ہو گے۔'' وہ کہتے ہوئے یک دم اُٹھ گئے تھے لیکن مومن وہیں بیٹھا رہا تھا۔ بعض سوال جیسے انسان کو آئینے کے سامنے لا بٹھاتے ہیں اُس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ خوشی کا وہ کون سا پیمانہ تھا جس پر اُس کے دادا نے اُسے پرکھ کر یہ نتیجہ نکالا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں اُن کے جملوں کی گونج میں بیٹھا رہا تھا۔ پھر اُٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو console کے آئینے نے ایک بار پھر جیسے اُس کا راستہ روکا تھا۔ وہاں اُس کا عکس نظر آ رہا تھا اور عبدالعلی کے سوال کی گونج...... کیا وہ چہرے سے ناخوش لگ رہا تھا......؟ لیکن کیوں؟...... وہ تو ناخوش نہیں تھا۔ وہ تو ''خوش'' تھا پھر دادا اُسے ان بھول بھلیوں میں کیوں اُلجھا کر گئے تھے۔

☆......☆......☆

وہ سیٹ پر اقصیٰ کے انتظار میں پہلے ایک گھنٹہ سے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ بالآخر آ گئی تھی اپنے سین سے فارغ ہو کر اور آتے ہی مومنہ کو دیکھتے ہی اُس نے بڑی گرم جوشی سے اُسے گلے لگایا تھا۔

''مبارک......مبارک......مبارک......'' ''مجھے اب ڈر لگ رہا ہے کہ اگر آڈیشن میں فیل ہوئی

تو تم نے ملامت بھی اُتنی ہی کرنی ہے جتنی مبارک دے رہی ہو۔'' مومنہ نے اُس سے کہا تھا۔ ''خوامخواہ میں ہی ...... ایک منٹ ذرا بیگ میں سے ڈھونڈ لوں میں...... ایک تو پتہ نہیں چیزیں جاتی کدھر ہیں میری...... رکھو کہیں ملتی کہیں سے ہیں۔'' وہ اپنے بیگ کی زپ کھولے اُس کے اندر موجود سامان کو کھنگالنے میں مصروف تھی۔ ''ہاں یہ رہا۔'' اُسے بالآخر وہ لفافہ مل گیا تھا جو وہ ڈھونڈ رہی تھی۔

''تمہاری آڈیشن کے لئے کال لیٹر، تمہاری ٹکٹ اور ہوٹل میں بکنگ کا واؤچر...... تینوں چیزیں ہیں اس میں...... پہلے کبھی لاہور گئی ہو؟'' اقصیٰ کو اُسے لفافہ تھماتے ہوئے اچانک خیال آیا۔ مومنہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کوئی بات نہیں بس ائیرپورٹ سے ٹیکسی پکڑنا اور اس ہوٹل میں پہنچ جانا...... یہ PC لاہور کے قریب ہی ہے اور تمہارا آڈیشن وہاں ہے۔'' وہ بڑی تیز رفتاری سے اُسے بتاتی جا رہی تھی۔ اسسٹنٹ دور سے اُسے اگلے سین کے لئے تیاری کی آوازیں لگا رہا تھا اور وہ ایک بات مومنہ سے کرتی پھر اگلا جملہ اسسٹنٹ سے کہتی عجیب ہڑبڑاہٹ میں تھی۔

''بس اب میرا سین آرہا ہے۔ میں ڈراپ کردوں گی تمہاری فلائٹ والے دن تمہیں اور واپس پک بھی کرلوں گی بس تم کوئی اچھی خبر لے کر آنا'' وہ کہہ رہی تھی۔

''تم نے کیوں نہیں کوشش کی آڈیشن کے لئے۔'' مومنہ نے یک دم اُس سے کہا۔ ''کی تھی مجھے شارٹ لسٹ نہیں کیا انہوں نے۔'' اقصیٰ نے اُس طرح کھلکھلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے زیادہ اُمید بھی نہیں تھی۔'' اُس نے مومنہ کے تاثرات دیکھ کر اُسے جیسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''یار بس جا رہی ہوں میں...... دو دن سے میری اور اس اسسٹنٹ کی لڑائی ہو رہی ہے یہ پھر ڈائریکٹر کے کان بھرے گا میرے خلاف اگر ایک بار بھی اور آواز لگانی پڑی تو......'' وہ کہتے ہوئے تقریباً بھاگتی ہوئی گئی تھی۔ مومنہ اُس لفافے کو کھولتے ہوئے سیٹ سے باہر آگئی تھی۔ ٹکٹ اور واؤچر کے بعد اُس نے بس سٹاپ پر کھڑے ہو کر کال لیٹر کو کھولا تھا اور جب تک وہ شرائط وضوابط پر آئی تھی اس کا دل بری طرح بوجھل ہوا تھا۔ فون نکال کر اُس نے اقصیٰ کو کال کی تھی۔ فون چند لمحے بجتا رہا پھر فوراً ہی کال ریسیو کی گئی۔

''تم مجھے cut کروا کر ہی سکون کا سانس لوگی مومنہ۔'' اقصیٰ اب اُس پر تقریباً دھاڑی تھی۔

''تم نے کیوں کیا یہ؟'' مومنہ نے بے ساختہ اُس سے کہا۔ ''کیا'' وہ یک دم دھیمی پڑی تھی۔ ''وہ لوگ تو accomodation اور air fare نہیں دے رہے...... شرائط میں لکھا ہے...... یہ تم نے کیا ہے نا۔'' دوسری طرف ایک لمحہ کے لئے اقصیٰ کی آواز نہیں آئی۔ ''تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اقصیٰ۔'' مومنہ نے اُس سے کہا۔ ''ایک چانس مل رہا تھا اتنا بڑا...... تم نے جانا ہی نہیں تھا یہ پڑھ کر کہ وہ لوگ جہاز کا کرایہ اور

accomodation نہیں دیں گے......صرف اس لئے کروایا یہ میں نے۔''اقصیٰ نے بالآخر اُس سے کہا تھا۔''میں یہ پیسے واپس کروں گی تمہیں۔''مومنہ نے جواباً کہا۔''ہاں ہاں مجھے پتہ ہے بہن، بڑی خوددار ہو تم......سب کچھ واپس کردو گی تم...... پہلے جاؤ تو۔''اقصیٰ نے جیسے ہاتھ جوڑ کر اُس سے کہا تھا۔ ''تمہاری وجہ سے دنیا مجھے تھوڑی کم کالی لگتی ہے۔''مومنہ کی آواز بھرا گئی تھی۔''تم ہر چیز دل پر لینا کم کردو نا تو دنیا اور بھی کم کالی لگے گی۔''اقصیٰ نے جواباً اُسے کہا تھا۔''بس آ گئی میری۔''مومنہ نے اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑی تھیں اُس کے لئے وہاں اس وقت بات کرنا مشکل ہو گیا تھا۔اُس نے اقصیٰ کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا تھا۔ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں سب کو جو اپنے پر توڑ کر دوسروں کو اڑنے کے لئے دے دیں۔مومنہ سلطان کو سمجھ نہیں آئی تھی وہ زندگی میں داؤد اور اقصیٰ کے احسان کا بوجھ کیسے اُتارے گی......قرض تو وہ یقیناً اُتار ہی دیتی۔

☆......☆......☆

''سلطان سے میک اپ کروانے کے لئے منتیں کرتے تھے چھوٹے بڑے ایکٹرز پر میرے پاس وقت ہی نہیں ہوتا تھا...... حسنِ جہاں کی فلمیں ہی ختم نہیں ہوتی تھیں...... پھر اُس کے شوز...... پرفارمنسز ...... کتنے تو ملک پھر کر آیا تھا میں اُس کے ساتھ......انڈیا، جاپان، لندن، دبئی، ترکی......بس ترکی لڑ گیا۔''ہمیں سلطان ہمیشہ کی طرح وہی پرانے قصے لئے بیٹھا ہوا تھا اور ترکی کے نام پر اُس نے ایک آہ بھری تھی۔

اپنے گھر کے برآمدے میں کرسی پر بٹھائے وہ اُس نوجوان لڑکے کا میک اپ کرنے میں مصروف تھا جو فلم میں ملنے والے کسی چھوٹے موٹے رول کے لئے اُس کے پاس بیٹھا میک اپ کروا رہا تھا اور میک اپ کروانے کے دوران سلطان نے ہمیشہ کی طرح حسنِ جہاں نامہ کھول لیا تھا۔اُس کے لئے میک اپ کرتے ہوئے ہر چہرہ جیسے حسنِ جہاں کے چہرے کا عکس اور بازگشت بن جاتا تھا۔

''بس سلطان بھائی دُعا کرنا آج ایسی پرفارمنس دے جاؤں کہ چھا جاؤں۔''اُس لڑکے نے اُس کی باتیں صرف سنی تھیں اُن پر توجہ نہیں دی تھی۔

''انشاء اللہ......حسنِ جہاں بھی سیٹ پر جانے سے پہلے یہی کہتی تھی سلطان سے۔میں امام ضامن باندھتا تھا۔صدقہ دیتا تھا۔خیرات کی دیگ بنتی تھی پھر حسنِ جہاں پاؤں رکھتی تھی سیٹ پر اور اگر کبھی مجھے وہم ہو جاتا نا کسی فلم یا پروڈیوسر کے بارے میں تو ساری دنیا ایک طرف ہو جاتی لیکن حسنِ جہاں پھر بھی فلم نہیں کرتی تھی۔''سلطان کے سارے سابقے سارے لاحقے سارے حوالے حسنِ جہاں سے شروع

ہوکر اُسی پر ختم ہوجاتے تھے۔ گفتگو کسی بھی زمانہ کی کیوں نہ ہوتی۔

''تم کو بھی ایک ایک بات یاد ہے اپنے زمانہ کی سلطان بھائی......اس طرح دہراتے ہو جیسے کل کی بات ہو۔'' وہ لڑکا اب ہنس پڑا تھا اور اُس نے وہ کپڑا اپنی گردن کے گرد سے ہٹا دیا تھا جسے سلطان اُس کے سینے اور کندھوں کے گرد بچھائے اُس کی puffing کر رہا تھا تا کہ میک اپ اُس کی سفید قمیض پر نہ لگتا۔

''اپنا زمانہ کل بھی ہو تو بھی سب کو اچھا ہی لگتا ہے اور وہ بھی وہ کل جو کبھی گزرتا ہی نہیں۔'' سلطان بڑبڑا کر ہنسا تھا۔

''ہنر تو بڑا ہے سلطان بھائی تمہارے ہاتھ میں...... پر پیسہ نہیں۔ اتنا نام بنایا تھا تو نے سلطان بھائی تو تھوڑا پیسہ بھی بنا لیتے۔ میک اپ آرٹسٹ تو سیلون بنا لیتے ہیں اور کچھ نہیں تو گھر کی چھت ہی بنا لیتے۔'' اُس نوجوان کو پتہ نہیں کیا خیال آیا تھا کہ سلطان کو چند نوٹ تھماتے ہوئے اُس نے ساتھ میں نصیحت بھی تھما دی تھی۔

''ٹھیک کہتے ہو تم......سلطان کو پیسہ نہیں جوڑنا آیا۔ سلطان ہی سمجھتا رہا ساری عمر خود کو...... پتہ ہی نہیں تھا حسنِ جہاں کے سورج کی طرح میرا سورج بھی غروب ہو جائے گا۔'' اس نے جاتے ہوئے گاہک کو دیکھ کر سوچا تھا اور گاہک کے بیرون دروازے سے باہر جاتے ہی جھومر تالیاں بجا کر اندر آیا تھا۔

''سلطان بھائی اتنی بڑی بات تم نے جھومر سے چھپالی۔'' اُس نے آتے ہی اپنے مخصوص انداز میں تالی پیٹتے ہوئے اُس سے شکوہ کرنے والے انداز میں کہا تھا۔ سلطان نے اپنا میک اپ کا سامان سمیٹتے ہوئے اُس سے کہا۔ ''کیا چھپالیا تجھ سے جھومر؟''

''لو بھلا جھومر کو نہ پتہ چلے گا کہ باجی مومنہ ہالی ووڈ کی فلم میں کام لینے گئی ہے۔'' جھومر نے دو تالیاں اور پیٹیں۔'' ''تجھے کس نے بتایا ہے جھومر؟'' سلطان اُس کی بات پر ہنسا اور اُس نے پوچھا۔ ''جھومر کیوں بتائے تجھے جب تو نے نہیں بتایا۔ ارے اس محلے والے کچھ چھپا کر تو دکھائیں جھومر سے۔'' وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔ جھومر تھا تو ہیجڑا مگر محلے کے ہر گھر میں اُس کا آنا جانا تھا اور وہ محلے والوں کی خوشی اور غمی میں سب سے پہلے پہنچتا تھا۔

''بس جھومر تو دُعا کرنا کوئی اچھی خبر لے کر آئے مومنہ۔ ہالی ووڈ میں کام مل جائے تو نصیب بدل جائے گا ہمارا۔ پھر جہانگیر کا علاج ہو جائے گا اور میرا بیٹا کام کرے گا فلموں میں ہیرو بن کر۔'' سلطان نے خوابوں کا چرخہ پھر سے کاتنا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''نیہا آجاتی ہے تو اُس سے بھی کاسٹیومز اور وارڈروب کا بجٹ ڈسکس کرلو......پچھلی دفعہ اوور بجٹ ہوگئی تھی ہماری وارڈروب۔'' قلبِ مومن نے ٹینا اور داؤد سے کہا۔ وہ اُن دونوں کے ساتھ اپنے آفس میں بیٹھے اپنی اگلی فلم کے لئے ایکٹرز کی لُک ٹیسٹ اور وارڈروب کی ڈسکشن کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔

''اس بار ایک دو دوسری ڈایزائنرز بھی اپروچ کررہی ہیں وارڈروب کے لئے۔ نیہا مان جائے تو ورائٹی بھی آجائے گی اور وارڈروب کا بجٹ بھی کم ہوجائے گا کیونکہ اُن ڈیزائنرز کو تو صرف کریڈٹس میں اپنا نام چاہیے۔'' ٹینا نے مومن سے کہا تھا۔ اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میرا نہیں خیال کہ نیہا مانے گی کریڈٹس کو Share کرنے کے لئے تو ہمیں وہ آپشن سوچنا ہی نہیں چاہیے۔'' بات کرتے کرتے مومن نے گھڑی دیکھی اور اُس نے ٹینا سے کہا۔ ''نیہا کو اور کتنا ٹائم لگے گا آنے میں ذرا چیک کرو...... ہماری تو میٹنگ ختم ہونے والی ہے اور وہ ابھی تک نہیں پہنچی۔'' وہ قدرے ناخوش تھا۔ اس سے پہلے کہ ٹینا کچھ کہتی کمرے کا دروازہ کھول کر نیہا مسکراتی ہوئی ضوفی کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔

''ہیلو......سوری میں زیادہ لیٹ تو نہیں ہوئی۔'' اُس نے اندر آتے ہی مومن کو مخاطب کیا۔

''بس ایک گھنٹہ۔'' مومن نے جواباً کہا تھا۔ ضوفی کو دیکھ کر اُس کے ماتھے پر بل پہلے ہی آگئے تھے۔

''اچھا پھر تو ٹائم پر ہی ہوں میں۔'' نیہا نے جیسے کندھے اُچکا کر ہنس کر کہا تھا۔ اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ ضوفی نے بھی یہی کیا تھا۔

''داؤد جو شہلا کی پریزنٹیشن ہے وہ چلا دیں......Excuse me اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کچھ دیر کے لئے ویٹنگ روم میں بیٹھ جائیں......ہم لوگ یہ میٹنگ ختم کرلیں۔'' مومن نے پہلا جملہ داؤد سے اور اُس کے بعد ہونے والی ساری بات ضوفی سے کی تھی جس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزرا تھا اور وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن نیہا نے اُسے روک دیا۔

''وہ تم سے ملوانا تھا میں نے ضوفی کو آج۔ بات ہوئی تھی نا تم سے میری۔''

''آج تو بہت مصروف ہوں میں اس میٹنگ کے فوراً بعد فنانسرز کے ساتھ میٹنگ لائن اپ ہے میری۔'' مومن نے صاف انکار کیا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس وقت ضوفی پر کیا گزر رہی تھی۔

''صرف دس پندرہ منٹ ہی کی تو بات ہے۔'' نیہا نے اصرار کیا تھا۔ ''مجھے اگر پہلے پتہ ہوتا تو ضرور لیکن آج تو پانچ منٹ کے لئے بھی فارغ نہیں ہوں میں۔'' مومن بھی بدلحاظی کی انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔ ''ٹینا تم دو

دن بعد ضوفی کے ساتھ میری میٹنگ شیڈول کردو...... .I hope it's ok with you Zoofi''
اُس نے نیہا کو صاف جواب دیتے ہی پہلے ٹینا اور پھر ضوفی کو مخاطب کیا۔ جس کا رنگ اس وقت اُڑا ہوا تھا اور اُس نے قلبِ مومن کی اس آفر کو بے حد خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے جیسے گھٹنے ٹیکے!! '' Yes .that's ok No problem at all'' ٹینا نے اپنے سامنے پڑے لیپ ٹاپ میں ضوفی کی اپائنمنٹ نوٹ کرنا شروع کی تھی مگر یک دم نیہا اپنا بیگ اُٹھا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''ایسا کرو تم میری اپائنمنٹ بھی دو دن بعد ہی کے لئے کردو کیونکہ آج تو میں بھی اس میٹنگ میں نہیں بیٹھ سکوں گی۔ مجھے بھی کہیں جانا ہے۔'' نیہا نے ضوفی کے اُٹھتے ہی اپنے تیور دکھائے تھے۔

''Bye۔'' وہ کہہ کر سیکنڈز میں کمرے سے باہر گئی تھی۔ ضوفی اُس سے پہلے ہی کمرے سے نکل چکا تھا۔

''نیہا...... نیہا۔'' مومن نے اُسے روکنے کی کوشش کی لیکن اُس کے نہ رُکنے پر وہ اُٹھ کر اُس کے پیچھے گیا تھا۔

وہ اُس کے دروازے سے ابھی باہر نکلی ہی تھی جب مومن نے اُس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ ''یہ کیا childish behaviour ہے؟'' مومن نے بڑی خفگی سے دبی آواز میں اُس سے کہا تھا۔ نیہا نے اُس کا ہاتھ جھٹک کر اپنا بازو اُس سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ ''Behave yourself اگر تمہیں دوسروں کا احساس نہیں ہے تو دوسرے کیوں تمہارا احساس کریں۔'' اُس کے لہجے میں بے حد تلخی اور غصہ تھا۔ ''تم اُس لڑکے کی وجہ سے مجھ سے argue کررہی ہو؟'' قلبِ مومن کو جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں کررہی ہوں...... تو؟'' اُس نے بڑی بدتمیزی سے کہا اور تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئی۔ زندگی میں پہلی بار مومن کو ایسے رویے کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ کوئی اُس پر کسی دوسرے کو ترجیح دیتا اور وہ بھی وہ جو اُس کی منگیتر تھی۔ گلاس وال سے اُس نے نیہا کو ضوفی کے ساتھ دور جاتے دیکھا تھا ماؤف ذہن کے ساتھ۔

☆......☆......☆

میز کے دوسری طرف بیٹھے اُن دونوں افراد نے آپس میں چند سرگوشیاں کی تھیں پھر اُس انڈین نژاد امریکن عورت نے مومنہ کو انگلش میں کہا۔ ''تم گونگی اور بہری ہو اور تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی دوست کو قتل ہوتے دیکھا ہے اور تم چھپ کر اپنی زندگی بچانے کی کوشش کررہی ہو۔'' مومنہ نے بغور اُس عورت کی ہدایات کو سنا تھا اور اُس کا دل ڈوبا۔ تو اُس کے کوئی ڈائیلاگز ہی نہیں تھے اور وہ اُسے بغیر ڈائیلاگز

کے پرفارم کرنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ ''لگتا ہے وقت ہی ضائع کیا یہاں آڈیشن کے لئے آکر...... تین سینز کا رول ہے اور بغیر ڈائیلاگ کے...... میں کروں گی کیا۔'' اُس نے اُلجھے ہوئے انداز میں سوچا تھا۔ وہ عورت اب اُسے situation سمجھا رہی تھی۔ ''گونگی اور بہری لڑکی......مومنہ اب ذہنی طور پر اُس کریکٹر کے اندر اُتر رہی تھی جس کو کرنے کی اُسے اس وقت کوئی خواہش تھی نہ مل جانے کی اُمید......اُس کا ذہن اُسے اپنے ایکسپریشنز بنانے کے لئے cues دینے لگا تھا۔

وہ پہلا سین پرفارم کرنے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کا آڈیشن بہت طویل ہوگیا تھا اور جب وہ آڈیشن کے بعد باہر نکلی تھی تو باہر موجود آڈیشن کے لئے دوسری ایکٹرسز نے اُس سے سوال جواب کرنے شروع کر دیئے تھے۔ سب کو یہ تجسس تھا کہ اُس کا آڈیشن اتنا لمبا کیوں ہوا تھا۔ وہ اُسے باہر آئے ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے جب ایک لڑکے نے اندر سے باہر آکر اُس کے بہت قریب مدھم آواز میں اُس سے ایک دوسرے کمرے میں چلنے کے لئے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے اُس کے ساتھ اُس دوسرے کمرے میں آگئی تھی۔ وہاں وہ انڈین امریکن عورت پہلے سے موجود تھی جو آڈیشن لینے والی ٹیم میں بھی شامل تھی۔ وہاں بیٹھے اُس نے اس بار مومنہ سے بڑے دوستانہ انداز میں بات کرتے ہوئے اُسے اپنا تعارف کروایا اور پھر اُس سے کہا۔

''آپ کچھ دن اور لاہور میں رہ سکتی ہیں؟'' اُس کا اگلا سوال تھا اور مومنہ اس بار چونکی تھی۔

''ہاں مگر کیا میں اس آڈیشن کے نتیجے کے بارے میں پوچھ سکتی ہوں؟'' وہ عورت جواباً مسکرائی اور اُس نے کہا۔ ''کاسٹنگ ایجنٹ ہی اس سلسلے میں آپ سے بات کرے گا مگر فی الحال ہم آپ کا stay بڑھا رہے ہیں اور آپ کو یہیں PC میں ٹھہرا رہے ہیں۔'' وہ خوشی کی ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہوئی تھی، دل کی تیز رفتار دھڑکن کے ساتھ۔ تو کیا وہ کاسٹ کر لی گئی تھی؟ اُس نے آڈیشن پاس کر لیا تھا؟ وہاں بیٹھے مومنہ سلطان کا دل خوشی سے اُچھلا تھا اور پھر جیسے بے یقینی سے رُکا تھا۔ جہانگیر کا چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔ کیا واقعی ایک معجزہ ہوگیا تھا...... ہالی ووڈ کی فلم؟

آدھ گھنٹہ کے بعد اُسی کمرے میں کاسٹنگ ایجنٹ موجود تھا وہ ایک پاکستانی تھا اور اُس نے مومنہ کو یہ خوش خبری سنا دی تھی کہ وہ آڈیشن میں منتخب ہو چکی تھی۔ پہلی کال جو مومنہ سلطان نے وہاں سے کی تھی وہ اقصیٰ کو کی تھی جو یہ خبر سن کر شاید دوسری طرف خوشی سے چھلانگیں لگانے لگی تھی۔

''میں نے کہا تھا تمہیں...... دیکھو میں نے کہا تھا نا. I am so proud of you'' وہ فون پر چلا رہی تھی اور مومنہ ہنس رہی تھی۔ ''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے اقصیٰ صرف تمہاری وجہ سے آج میں

یہاں کھڑی ہوں۔'' مومنہ اُس سے اظہار کیئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ ''بس بس کوئی ضرورت نہیں ان فضول باتوں کی...... کانٹریکٹ سائن ہوگیا کیا؟'' ''کل ہوگا۔'' ''آنٹی اور جہانگیر کو بتایا ہے؟'' مومنہ ہنسی اور اُس نے کہا۔ ''نہیں ابھی نہیں بتایا صرف stay بڑھنے کا بتایا ہے اُنہیں کراچی جا کر خود بتاؤں گی سرپرائز دوں گی۔'' ''زندگی بدلنے والی ہے مس مومنہ سلطان تمہاری......اب مجھے پہچاننا مت بھولنا۔'' اقصیٰ نے اُسے جیسے تنگ کیا تھا اور وہ ہنس پڑی تھی۔

اور زندگی بدلنے کا یقین اُسے تب تک نہیں آیا تھا جب اگلے دن اُس نے اپنے سامنے پڑا وہ کانٹریکٹ نہیں دیکھا تھا جس پر دس ہزار ڈالر کی signing amount کا اندراج تھا، اُس کانٹریکٹ پر سائن کرتے ہوئے اُس کا ہاتھ کانپنے لگا تھا یہ اُس کی زندگی کا اب تک ملنے والا سب سے بڑا معاوضہ تھا اور یہ معاوضہ نہیں تھا یہ اُس کی زندگی کے سب مسئلوں کا حل تھا۔ زندگی واقعی اب بدلنے جا رہی تھی۔ وہ اس رقم سے بڑے آرام سے جہانگیر کے گردے ٹرانسپلانٹ کروالیتی...... اتنے آرام سے کہ...... اُسے بے اختیار رونا آیا تھا اور کاسٹنگ ایجنٹ پریشان ہوا تھا۔

''سب ٹھیک ہے بس میں کچھ جذباتی ہوگئی تھی۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان ہنسی تھی۔ دونوں ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں اور گال کسی بچے کی طرح رگڑتے ہوئے اُس کا دل چاہ رہا تھا وہ اُڑ کر واپس کراچی جا پہنچے اور خوشی کے اُس لمحے کو ثریا، سلطان اور جہانگیر کے ساتھ منائے اور اُسی جذباتیت میں اُس نے اس خبر کو سرپرائز رکھنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا۔ اُس نے جہانگیر کے سیل فون پر کال ملانی شروع کی۔ نمبر آف تھا۔ پھر باری باری اُس نے سلطان اور ثریا کے نمبر ملانے شروع کیے، کسی نے اُس کی کال ریسیو نہیں کی۔ اُس نے اقصیٰ کو فون کیا اور کانٹریکٹ سائن کرنے کی خبر بریک کی۔ اُسے اس بار اقصیٰ کا ردِ عمل بے حد عجیب سا لگا تھا۔ ''تم واپس کب آرہی ہو'' اقصیٰ نے جواباً اُس سے پوچھا تھا۔ ''کل رات فلائٹ ہے میری۔'' مومنہ نے اُسے بتایا۔ ''بس ٹھیک ہے پھر کل بات کرتے ہیں مل کر۔'' اقصیٰ نے جواباً اُس سے کہا۔

''سنو اقصیٰ تم پریشان ہو کیا؟ سب خیریت تو ہے؟'' مومنہ اُس سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ ''ہاں ہاں...... بالکل خیریت ہے بس ایک سیٹ پر لڑائی ہوگئی تھی میری تو اس لئے۔'' اُس نے فوراً سے پہلے مومنہ سے کہا۔ ''تم آرام سے اپنا کام کرو۔ ٹینشن مت لو۔'' مومنہ کچھ مطمئن ہوئی۔ ''میں اماں اور ابا کو فون کر رہی ہوں وہ کال ریسیو نہیں کر رہے۔ جہانگیر کا فون بھی آف ہے۔'' اُس نے اقصیٰ سے کہا۔ ''اچھا میں صبح کوشش کرواتی ہوں تمہاری بات کرواؤں میری تو آج بات ہوئی تھی ثریا آنٹی سے۔'' اقصیٰ

نے جواباً کہا۔ ''تم نے اُنہیں بتا دیا؟'' مومنہ نے بے اختیار کہا۔ ''نہیں بالکل بھی نہیں بس تم آ جاؤ تو بتا دینا۔'' اقصیٰ کے لہجے میں عجیب بے ربطگی محسوس ہوئی تھی اُسے مگر وہ اُس سے زیادہ دیر بات نہیں کر سکی۔ اُسے فلم کی ٹیم کے ساتھ بیٹھنا تھا اور اگلے دن رات تک یہ مصروفیت اسی طرح چلتی رہی اور بالآخر جب وہ کراچی ائیر پورٹ پر اُتری تھی تو اُس نے سکون کا سانس لیا تھا۔

ائیر پورٹ پر داؤد اور اقصیٰ نے اُسے ریسیو کیا تھا۔ اقصیٰ اُسے دیکھتے ہی اُس سے لپٹ گئی تھی اور اُس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ مومنہ نے ہنس کر اُسے خود سے الگ کیا۔ ''اچھا اچھا اب اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں جانتی ہوں کہ تم بہت خوش ہو مگر یہ سب تمہاری وجہ سے ہی ہوا ہے اور اب رونا بند کرو ورنہ میں بھی رو پڑوں گی۔'' اُس نے اقصیٰ سے کہا تھا اور داؤد نے آگے بڑھ کر اقصیٰ کو اُس سے الگ کیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھے داؤد اُس سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتا رہا اور وہ اُسے بڑے پر جوش انداز میں تفصیلات بتاتی رہی مگر اس نے نوٹس کیا تھا اقصیٰ مسلسل خاموش ہی تھی وہ بول نہیں رہی تھی۔

''تم نے غلط ٹرن لے لیا داؤد...... اس طرح سے تو گھر نہیں آئے گا۔'' ایک غلط موڑ مڑنے پر اُس نے داؤد کو ٹوکا تھا اور داؤد نے جواباً اُس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ مومنہ کو لگا شاید اُسے وہاں کچھ کام تھا۔ وہ اب ایک ہاسپٹل کے اندر چلا آیا تھا۔ مومنہ تب بھی کچھ نہیں بولی لیکن اُس کی چھٹی حس نے اچانک اُسے الارم دینا شروع کیا تھا۔ اماں ابا تین دن سے فون نہیں اُٹھا رہے جہانگیر کا فون بند تھا اور داؤد اُسے ہاسپٹل کیوں لایا تھا۔ کیا جہانگیر کی طبیعت خراب تھی۔ اُس کا دل جیسے حلق میں آیا تھا۔ پھر داؤد نے گاڑی ایک جگہ کھڑی کر دی تھی۔ مومنہ نے اُس عمارت کے اوپر لگی عبارت پڑھی۔ وہ مردہ خانہ تھا۔

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 4

الف

قسط نمبر:4

میری پیاری بیٹی حسنِ جہاں

السلام علیکم

تمہارا حال پوچھنا چاہتا ہوں...... پوچھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا۔ تمہارا حال تو جانتا ہوں میں اور میں ہی تو وجہ بنا ہوں تمہیں اس حال میں لانے کی...... تمہیں کیا لکھوں میری بیٹی کیا لکھوں......؟

بہت ساری باتیں ہیں جو تم سے کہنا چاہتا ہوں لیکن لفظ......لفظ اس کاغذ پر وہ لکھنے سے قاصر ہیں جو میرے دل میں ہے۔ لیکن تمہارا دوبارہ سامنا کرنے سے تمہارے نام یہ خط لکھنا آسان ہے میرے لئے۔

تم سے کیا کہوں......؟ کہ میں شرمندہ ہوں یا یہ اعتراف کروں کہ میں گناہ گار ہوں......تم سے حسنِ جہاں کہ تمہارا وہ گھاؤ بھر جائے جو میرے ہاتھوں لگا اور تم مجھے معاف کر سکو۔

میں نے اپنی ساری زندگی کینوس اور کاغذ پر صرف اللہ کی بڑائی اور صنّاعی بیان کرتے گزاری ہے۔ روشنائی اور رنگوں سے خطاطی کرتے عمر بسر کی ہے، مگر یہ سمجھ نہیں آیا کہ اللہ کی بڑائی بیان کرتے کرتے غرور کا وہ کون سا لمحہ تھا جس میں میں خود کو بھی ''بڑا'' مان بیٹھا تھا...... نیک، متقی، پرہیز گار گناہ نہ کر سکنے والا...... یاد نہیں حسنِ جہاں، میں مومن سے کافر کس وقت ہوا تھا......لیکن کبھی نہ کبھی کچھ تو ایسا کر بیٹھا تھا میں کہ ٹھوکر کھائی تو اللہ نے سنبھالا نہیں گرنے دیا......اور میں گرتا ہی چلا گیا اور اب جب یہ خط لکھنے بیٹھا ہوں تو یہ کاغذ آئینہ بن کر مجھے میرا وہ عکس دکھا رہے ہیں جن سے میں نظریں نہیں ملا سکتا۔

اس عمر میں اکلوتی جوان اولاد کو کھو دینے کے بعد میری زندگی کا وہ محور گم ہو گیا ہے جس کے گرد میری زندگی گھومتی تھی۔ اب کچھ بھی یاد نہیں رہتا مجھے۔ نہ کھانا نہ پینا نہ سونا جاگنا نہ ہی دنیا کی کوئی اور چیز......طحٰہ سب کچھ لے گیا ہے میرا......بس میرا وجود چھوڑ گیا ہے اپنے اس پچھتاوے کے ساتھ جو ہر وقت میرا گلا گھونٹتا رہتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اب اس پچھتاوے کا کروں کیا اور اس وجود کا مصرف کیا رہ گیا ہے۔ وہ خطاطی جو کئی نسلوں سے خون کی طرح ہماری رگوں میں بہتی آئی تھی طحٰہ کے جانے کے بعد سوکھنے لگی ہے۔ اب میری اگلی نسلوں میں کوئی اللہ کی کبریائی اور بڑائی بیان کرنے والا نہیں آئے گا یہ

میری سزا ہے......میرے غرور کی......میں اس کی شکایت کسی سے نہیں کرسکتا۔

طحہٰ مٹی ہو گیا......میں مٹی بھی نہیں ہو سکتا......اس دنیا سے جانے کی باری میری تھی مہلت اس کو نہیں ملی۔اس عمر میں جو غم میرے حصے میں آیا ہے وہ جھیلا نہیں جا رہا۔ یہ جو گھر ہے جس میں میں رہتا ہوں یہاں کی ہر شے ہر دیوار کے ساتھ اس کی یادیں لپٹی ہیں۔ میں ہر روز صبح اس کی یادوں کو درختوں کی بڑھی ہوئی شاخوں کی طرح کاٹ کر باہر پھینک آتا ہوں وہ رات تک پھر سے اُگ آتی ہیں پرانی یادوں کی رہ جانے والی جڑوں میں سے میں یہ فصل کاٹتے کاٹتے تھکنے لگا ہوں۔ گھر طحہٰ سے خالی ہو گیا اُس کی یادوں سے خالی ہونے کو تیار نہیں۔

وہ تمہارے ساتھ چلا گیا تھا تو اس گھر میں اس کی یادیں اس طرح نہیں اُگتی تھیں۔ میری نفرت اور غصہ ہر اُگنے والی یاد کو کھا جاتے تھے۔اب ایسا نہیں ہوتا اب میرے اندر کچھ بھی نہیں رہا......فخر، غرور، آن، غصہ سب ختم ہو گیا......اگر کچھ بچا ہے تو روشنی کی وہ کرن جو قلبِ مومن کے نام سے تمہارے گھر کو روشن کیے ہوئے ہے۔ میں ہر وقت اس کے بارے میں سوچتا ہوں جب اپنے اندر باہر ہر طرف اندھیرا ہو جاتا ہے تو اُس کے چہرے کی روشنی مجھے راستہ دکھانے لگتی ہے۔ کیا اُس کو اپنا یہ بوڑھا دادا یاد آتا ہے ......؟ مگر میں اُسے کیوں یاد آؤں گا؟ میں نے اُس کو دیا ہی کیا ہے؟ اس کو پہلی بار دیکھا تو مجھے لگا طحہٰ کا بچپن لوٹ آیا وہ بچپن میں قلبِ مومن جیسا ہی تھا۔ ویسا ہی معصوم چہرہ ویسے ہی میٹھی آواز ویسے ہی سوال اور شرارتیں...... پر قلبِ مومن تو شرارتیں نہیں کرتا وہ تو بس طحہٰ کیا کرتا تھا قلبِ مومن تو بس سوال کرتا ہے اور ان سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں......اس کا مجرم ہوں میں...... میں نے اُس سے شرارتیں چھین کر یہ سوال تھما دیئے۔ میں نے بڑا ظلم کیا......میری بیٹی حسنِ جہاں......تم مجھے معاف کر دو۔ دل سے معاف کر دو۔ قلبِ مومن کو میرا بہت پیار دینا اُس سے کہنا وہ اللہ کو ایک خط اپنے دادا کے لئے بھی لکھے۔ اللہ سے کہے اُس کے دادا کا ہنر اُسے واپس کر دے۔ قلبِ مومن کا ہر خط اللہ کو پہنچ جاتا ہے وہ تمہارا بیٹا ہے اس لئے۔

والسلام

قلبِ مومن کا دادا

☆......☆......☆

قلبِ مومن نے ایک سٹریچر پر لیٹی حسنِ جہاں کو دیکھا جسے پیرامیڈکس گھر سے باہر کھڑی ایمبولینس کی طرف لے جا رہے تھے اور پھر اُس نے اپنے دادا کو دیکھا جو بہتے آنسوؤں کے ساتھ اُس

سٹریچر کے پیچھے آ رہا تھا۔قلبِ مومن اور اُس کی نظریں ملی تھیں اور قلبِ مومن کے چہرے کا خوف جیسے عبدالعلی کی آنکھوں میں جھلکا تھا۔مومن سائیکل سے گرنے کے بعد اپنی چوٹوں کو بھول گیا تھا اور اپنی اُس سائیکل کو بھی جو رستے میں گری پڑی تھی وہ بس ایمبولینس کی طرف بھاگا تھا اور دادا نے اُسے روک لیا تھا۔

''ممی کو کیا ہوا؟ میری ممی کو کیا ہوا؟'' عجیب خوف کے عالم میں اُس نے عبدالعلی سے پوچھا تھا۔

''دعا کرو کچھ نہ ہو۔'' عبدالعلی نے اُسے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا تھا ایمبولینس اب دور جا رہی تھی اور قلبِ مومن کو عبدالعلی کی ٹانگوں سے لپٹ کر جیسے عجیب سکون کا احساس ہوا تھا وہ کسی چڑیا کے بچے کی طرح کانپ رہا تھا۔عبدالعلی نے اُسے گود میں اُٹھا لیا۔وہاں کھڑے آس پاس کے گھروں میں رہنے والے لوگ اب وہاں سے آہستہ آہستہ جانے لگے تھے۔دادا کی گود میں چڑھے قلبِ مومن کو سمجھ نہیں آ رہا تھا ان لوگوں کی آنکھوں میں اس کے لئے ترس کیوں تھا...... وہ اس عمر میں بھی اُس احساس کو پہچان سکتا تھا۔

''ممی کے پاس جانا ہے۔'' اُسے ایک دم ماں کی یاد دوبارہ آئی تھی اور تبھی اس نے عبدالعلی کی آنکھوں سے مسلسل بہتے ہوئے آنسو بھی دیکھے تھے۔وہ شاید اُس کی ممی کے لئے رو رہے تھے قلبِ مومن نے خود ہی سوچ لیا تھا اُن آنسوؤں نے قلبِ مومن کے دل کو جیسے کچھ اور نرم کیا تھا عبدالعلی کے لئے۔

ICU میں حسنِ جہاں بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور عبدالعلی کے ساتھ قلبِ مومن بھی اُسے شیشے سے دیکھ کر بُری طرح بے چین ہوا تھا۔

''ممی کو کیا ہوا ہے دادا؟'' اس نے عبدالعلی کے ہاتھ کو بے تابی سے ہلایا تھا۔اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے عبدالعلی نے اُس سے کہا۔''وہ بیمار ہوگئی ہیں۔'' اُسے بتاتے ہوئے ان کی آواز بھر آئی۔ قلبِ مومن نے اس بار ان آنسوؤں پر غور کیا۔''آپ کیوں رو رہے ہیں؟'' اس بار وہ جیسے پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

''مجھ سے ایک گناہ ہوگیا ہے مومن۔'' عبدالعلی کا جیسے حوصلہ جواب دے گیا تھا۔مومن کو یک دم یاد آیا اُس کی ماں نے بھی تو کسی گناہ کی بات کی تھی جس کو اُس کے باپ نے معاف نہیں کیا تھا اور اب دادا بھی کسی گناہ کی بات کر رہے تھے۔

''ممی نے کہا تھا اُن سے بھی کوئی گناہ ہوا تھا۔'' اس نے بے اختیار عبدالعلی سے کہا۔

''نہیں تمہاری ممی نے کوئی گناہ نہیں کیا مومن...... یہ میرے گناہ کی سزا ہے۔'' وہ بلک بلک کر رونے لگے تھے۔قلبِ مومن کو اُس لمحے عبدالعلی پر بہت زیادہ ترس آیا۔اس کا دل چاہا وہ انہیں اپنے

ساتھ لگا کر تھپکے جیسے وہ اُسے تھپکتے تھے۔

''اللہ تعالیٰ کیا ہم سب کو سزا دیتے ہیں؟ مجھے اُن سے بہت ڈر لگتا ہے دادا۔'' عبدالعلی کا ہاتھ دوبارہ تھامتے ہوئے قلبِ مومن نے جیسے اپنا خوف اُن کی جھولی میں ڈالا۔

''اللہ سزا نہیں دیتا...... ہم سب دیتے ہیں۔'' انہوں نے جیسے اس ننھے بچے کے دل سے اُس خوف کو مٹانے کی کوشش کی۔

''کیا اللہ تعالیٰ ہم سے سزا دینے کو کہتے ہیں؟''

''مومن مجھ سے وہ سوال مت پوچھو جس کا جواب میرے پاس نہیں۔''

اس نے عبدالعلی کو ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا تھا۔ ICU کے شیشے سے اُس نے بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی حسنِ جہاں کو دیکھا۔ قلبِ مومن کو اُس وقت احساس ہوا اُسے صرف حسنِ جہاں کی ضرورت تھی طحہٰ کی نہیں وہ اُس کے بغیر رہنا سیکھ چکا تھا وہ حسنِ جہاں کے بغیر رہنا سیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

اگلے دو دن وہ دادا کے ساتھ ہاسپٹل جاتا رہا اور پھر اُس نے بالآخر حسنِ جہاں کو آنکھیں کھولتے دیکھ لیا تھا۔ لیکن یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جنہیں وہ ہمیشہ سے دیکھتا آیا تھا۔ یہ آنکھیں خالی تھیں اُن میں کچھ بھی نہیں تھا اُس آٹھ سال کے بچے نے وہ تبدیلی محسوس کی تھی اور بڑی شدت سے کی تھی۔ کچھ ہوا تھا اُس کی ماں کو مگر کیا ہوا تھا یہ وہ جان نہیں پا رہا تھا۔

''ممی آپ ٹھیک ہو گئیں میں نے اتنی دعائیں کی تھیں۔'' اُس نے حسنِ جہاں کو لپٹ کر جیسے اُس میں وہی گرمی وہی تمازت ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی جو ہمیشہ سے وہ اُس کی آغوش میں محسوس کرتا تھا۔ حسنِ جہاں نے اُسے لپٹا لیا تھا۔ قلبِ مومن نے اُسے کہتے سنا۔

''میں نے بھی بڑی دعائیں کی تھیں میری تو کوئی دعا قبول نہیں ہوئی......''

قلبِ مومن نے حسنِ جہاں کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی مگر عبدالعلی کی آواز نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا اُس نے انہیں ہاتھ جوڑتے حسنِ جہاں سے کہتے سنا۔

''مجھے معاف کر دو بیٹی مجھے معاف کر دو۔'' قلبِ مومن نے اب حسنِ جہاں کو بڑبڑاتے سنا۔

''آپ کو معاف کر دوں گی...... اپنے آپ کو کیسے کروں گی؟'' وہ کیا پہیلی تھی جو وہ عبدالعلی اور حسنِ جہاں کو بناتے دیکھ رہا تھا۔ وہ کیا گناہ تھا جو اُسے سزا دے کر گیا تھا اور وہ کیا شے تھی جن سے وہ محروم ہوئے تھے۔ قلبِ مومن کو سمجھ نہیں آئی...... سمجھ آئی تھی تو صرف ایک بات...... وہ دونوں اب اُس کے

باپ کی بات نہیں کرتے تھے اور اُس کو پہلے کی طرح ڈھونڈھ بھی نہیں رہے تھے......مگر قلبِ مومن اب حسنِ جہاں سے کوئی ایسی بات نہیں پوچھنا چاہتا تھا جو اُس کی ماں کو رلاتی اور پتہ نہیں کیوں اُسے لگتا تھا وہ یہ سوال کرے گا تو اُس کی ماں روئے گی۔

اللہ کو ایک اور خط لکھنا ضروری ہوگیا تھا کیونکہ قلبِ مومن کو کوئی جواب اپنی دنیا اور اپنے رشتوں سے نہیں مل رہا تھا۔

جب غلطیاں ہو جاتی ہیں تو کیا وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوسکتیں اور جب گناہ ہو جائیں تو کیا ہمیشہ اُن کی سزا ملتی ہے......کیا اللہ معاف نہیں کرسکتا؟ قلبِ مومن کو اب اللہ تعالیٰ سے یہی سوال کرنے تھے کیونکہ وہ اپنے گھر میں دو لوگوں کو تکلیف میں دیکھ رہا تھا اور وہ اُس تکلیف کی جڑ کو کھوجنا چاہتا تھا۔

جنگل میں اُسے تنے پر دھرا لیٹر باکس غائب تھا۔قلبِ مومن کو چند لمحے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔وہ شاید کسی غلط جگہ پر آ گیا تھا راستہ بھول کر آخر وہ اتنے دنوں کے بعد آیا تھا اُس جنگل میں۔ مگر قلبِ مومن کبھی راستہ نہیں بھولتا تھا۔صدمے کی کیفیت میں وہ اُس درخت کے گرتے ہوئے تنے کے ساتھ ساتھ آس پاس بہت سارے دوسرے گرے ہوئے درختوں پر بھی چڑھ چڑھ کر اپنے لیٹر باکس کو ڈھونڈتا رہا۔اُسے اپنے لیٹر باکس کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ملا تھا۔بے حد مایوسی کے عالم میں وہ اُس دن واپس گھر آیا تھا اور اپنے کمرے میں جاتے ہی وہ فریز ہوگیا تھا۔وہ لیٹر باکس ایک بیگ میں پڑا تھا۔ بیگ کی کھلی زپ سے آدھا اندر اور آدھا باہر۔قلبِ مومن بے یقینی کی کیفیت میں اُس لیٹر باکس کو دیکھتا رہا۔ممی کو کیسے پتہ تھا کہ اُس نے وہ لیٹر باکس وہاں اُس جنگل میں اُس درخت پر رکھا تھا اور وہ اس کے اندر خط ڈالتا تھا کیا یہ بھی پتہ تھا۔اُسے مزید سوچنے کا موقع نہیں ملا وہ حسنِ جہاں کی آواز تھی جس نے اُسے چونکایا تھا۔

''مومن ہم پاکستان جا رہے ہیں۔'' وہ بے اختیار پلٹا تھا۔حسن جہاں کمرے کے دروازے میں کھڑی تھی۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہوا تھا۔وہ جانتا تھا اُس کی ماں کا تعلق پاکستان سے تھا مگر اُس کا تو نہیں تھا۔

''رہنے کے لئے......اب ہم یہاں نہیں رہیں گے پاکستان میں رہیں گے۔'' مدھم آواز میں جو اُس نے حسنِ جہاں کی زبان سے سنا تھا اس نے مومن کو دہلا دیا تھا......اُس کی ماں اُسے وہاں سے کیوں کسی اور جگہ لے جانا چاہتی تھی یہ اُسے سمجھ میں نہیں آیا تھا۔وہ اور سوال کرنا چاہتا تھا مگر وہ چلی گئی تھی۔

وہ جب سے ہاسپٹل سے آئی تھی اُس سے بہت کم بات کرتی تھی۔ اگر کسی سے بات کرتی تھی تو وہ دادا تھے مگر وہ ساری باتیں سرگوشیوں اور آنسوؤں کی زبان میں ہوتی تھی اور قلبِ مومن اُن دونوں چیزوں سے بیزار ہو گیا تھا اُس پہیلی سے بھی اُس کھیل سے بھی۔

☆......☆......☆

ریلوے اسٹیشن پر اُنہیں دادا چھوڑنے آئے تھے۔ وہ اُس شہر سے دوسرے شہر ریل سے جاتے پھر وہاں سے ہوائی جہاز پر پاکستان چلے جاتے مومن کو یہ سب یاد تھا کیونکہ یہ اُسے دادا نے بتایا تھا۔ ''آپ ہمارے گھر میں رہیں گے؟'' اُس نے دادا سے پوچھا تھا۔ ''نہیں مومن میں واپس چلا جاؤں گا۔'' عبدالعلی نے جواباً اُسے بتایا۔

''واپس کہاں؟'' مومن نے کریدا۔ ''جہاں سے میں آیا ہوں۔'' اُس نے دادا کو مدھم آواز میں کہتے سنا۔ وہ ان کے گھر سے اُن کا سامان باہر رکھ کر گھر کو تالا لگا رہے تھے۔ مومن نے حسنِ جہاں کو دیکھا۔ وہ اُس گھر کو نہیں دیکھ رہی تھی بس اُس ٹیکسی کی طرف بغیر دیکھے جا رہی تھی جو اُن کے گھر کے باہر کھڑی تھی۔ قلبِ مومن نے اُس گھر کو چھوڑتے ہوئے عجیب اُداسی محسوس کی اُسے رونا بھی آیا مگر دادا نے اُسے اپنے سینے میں چھپا لیا تھا۔

اور اب ریلوے اسٹیشن پر دادا کو خدا حافظ کہتے ہوئے قلبِ مومن کو پھر رونا آیا تھا۔ دادا اب اُسے اچھے لگنے لگے تھے۔

''دادا آپ ہمارے ساتھ چلیں۔'' اُس نے عبدالعلی کا ہاتھ تھامے اُن سے کہا۔ ''ابھی نہیں جا سکتا...... پھر کبھی آؤں گا۔'' اُس نے دادا کو کہتے سنا۔

''آپ بابا کو ڈھونڈھ لینا اور اُن کو ساتھ لے کر آنا۔'' اُن کے گلے لگتے ہوئے قلبِ مومن نے اُن کے کان میں سرگوشی کی اتنے ہفتوں کے بعد آج پہلی بار اُس نے باپ کا ذکر کیا تھا مگر وہ سمجھدار تھا اُس نے ماں کو اس کی خبر نہیں ہونے دی تھی۔ عبدالعلی نے اُس سے کچھ نہیں کہا تھا بس اُس کا سر اور ماتھا چوما تھا قلبِ مومن نے اپنے ماتھے پر اُن کے آنسوؤں کی نمی محسوس کی تو اُسے ہاتھ سے چھوا۔ ٹرین چلنے والی تھی حسنِ جہاں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے دادا نے انہیں رخصت کیا تھا۔ قلبِ مومن نے ان دونوں کے درمیان کسی اور جملے کا تبادلہ نہیں سنا تھا۔ ماں کی انگلی پکڑے ٹرین کے دروازے تک پہنچتے قلبِ مومن نے پلٹ کر دیکھا۔ اُس کے دادا وہیں کھڑے رو رہے تھے جہاں وہ اُن سے الگ ہوئے تھے۔ اُس نے گردن موڑ کر حسنِ جہاں کو دیکھا وہ بھی بے آواز رو رہی تھی۔ قلبِ مومن کا دل دُکھا۔ اُسے

یقین تھا وہ دونوں بابا کے لئے رو رہے تھے اگر بابا مل جاتے تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔ مگر وہ اُنہیں ڈھونڈ ھ نہیں سکے تھے۔ اُس نے مایوسی سے سوچا۔ ''بابا مل جاتے تو کوئی بھی ایسے نہ روتا۔'' اُسے پاکستان میں ایک بار پھر سے کوئی ایسی جگہ ڈھونڈ نا تھی جہاں وہ لیٹر باکس رکھتا اور پھر اُس میں وہ خط ڈالتا جس میں اللہ سے کئے گئے سوال اور فرمائشیں ہوتیں۔

☆......☆......☆

''یہ ہمارا گھر ہے؟'' قلبِ مومن نے بے یقینی کے عالم میں اُس وسیع و عریض شاندار بنگلے کے دروازے کو دیکھتے ہوئے ماں سے پوچھا تھا جس کے باہر وہ ٹیکسی سے اُتر کر کھڑے ہوئے تھے اپنے سامان کے ساتھ۔ حسنِ جہاں نے اُسے دیکھے بغیر سر ہلایا تھا وہ جیسے کسی سوچ میں گم تھی کوئی اُدھیڑ پن کرتی ہوئی۔ قلبِ مومن اپنی خوشی پر قابو پانے سے قاصر تھا۔ اتنا بڑا گھر......وہ تو villa تھا۔ ترکی سے پاکستان آ جانے کا غم یک دم غائب ہو گیا تھا۔ وہ سر اُٹھا کر گیٹ سے پرے نظر آنے والی اُس دو منزلہ شاندار عمارت کو دیکھتا رہا۔ جس کا گیٹ کسی مرد نے کھولا تھا۔

''کون؟'' وہ کوئی ملازم تھا مگر اپنا جملہ پورا نہیں کر سکا تھا حسنِ جہاں کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُس نے بے اختیار گیٹ کھول دیا تھا۔ حسنِ جہاں سامان چھوڑ کر قلبِ مومن کا ہاتھ پکڑے کھلے دروازے سے اندر آئی تھی۔

''ممی ہم rich ہو گئے ہیں؟'' قلبِ مومن نے بے پناہ خوشی کے عالم میں گھر کے اندر کھڑی گاڑیوں اور لان کو دیکھتے ہوئے ماں کے ساتھ چلتے ہوئے اُس سے پوچھا۔ وہ جواب دیئے بغیر اُس کی اُنگلی پکڑے چپ چاپ چلتی رہی۔

''ہم گاڑی میں بیٹھا کریں گے اب؟'' قلبِ مومن کو پرواہ نہیں تھی کہ اُس کے پچھلے سوال کا جواب آیا تھا یا نہیں۔ وہ اُن چمکتی دمکتی کاروں سے مرعوب ہو رہا تھا جن کو اُس نے TV پر یا ترکی کی سڑکوں پر دیکھا تھا۔

حسنِ جہاں اب اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے گھر کے اندر لے آئی تھی اور قلبِ مومن نے پہلی بار اُس گھر کی دیواروں پر جگہ جگہ حسنِ جہاں کی تصویریں لگی دیکھی تھیں بے حد بھڑکیلے کپڑوں میں میک اپ سے لتھڑے ہوئے چہرے کے ساتھ عجیب عجیب پوز اور pastures میں......ایک لمحہ کے لئے اُسے لگا وہ اُس کی ممی نہیں ہو سکتی تھیں اُس کی ممی تو کبھی بھی ایسے کپڑے ہیں پہنتی تھیں اور ڈانس تو کبھی نہیں کر سکتیں اس طرح۔

''ممی یہ آپ کی تصویریں ہیں؟'' وہ حسنِ جہاں سے جیسے کوئی تصدیق چاہتا تھا۔ حسنِ جہاں نے اُس کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اُن بہت سارے لوگوں کی طرف متوجہ تھی جو اُس لاؤنج میں بیٹھے تھے جس میں وہ داخل ہوئے تھے اور اُنہیں دیکھ کر جیسے وہ سب ہکا بکا ہو گئے تھے۔

''اماں...... میں آ گئی۔'' قلبِ مومن نے حسنِ جہاں کو اُن پانچ چھ لوگوں میں شامل ایک عورت کو مخاطب کرتے دیکھا۔ مومن نے اُلجھی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ وہ جیسے ماں کا وہاں موجود لوگوں سے رشتہ سمجھنا چاہتا تھا۔

ایک تخت نما کاؤچ پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے وہ اُدھیڑ عمر عورت بیٹھی ہوئی تھی جسے حسنِ جہاں نے ماں کہہ کر پکارا تھا اور جس کے سامنے وہ اب قلبِ مومن کے ساتھ مجرمانہ انداز میں سر جھکائے کھڑی تھی۔

''آنا ہی تھا تو نے حسنِ جہاں......آنا ہی تھا تو مجھے اعلان کر کے کیا بتا رہی ہے۔'' اُس عورت نے آلتی پالتی مارے بیٹھے بیٹھے اپنا گاؤ تکیہ سیدھا کیا اُس کی کاٹ دار نظریں قلبِ مومن پر ایک لمحہ کے لئے ٹکی تھیں پھر دوبارہ حسنِ جہاں پر چلی گئی تھیں۔

''اب آ گئی ہے تو بیٹھ جا...... پانی پلا اسے۔'' اُسی عورت نے اگلا جملہ حسنِ جہاں سے بولتے بولتے کسی ملازم سے بات کی تھی۔ حسنِ جہاں میکانیکی انداز میں ایک صوفہ پر بیٹھ گئی۔ قلبِ مومن کو اُس نے اُسی صوفہ پر ساتھ بٹھا لیا تھا۔ قلبِ مومن نے باری باری اُن سب لوگوں کو دیکھنا شروع کیا جو وہاں کھڑے تھے۔ اُن سب کی خاموشی اور آنکھوں میں اُس نے اپنی ماں کے لئے ایک ہی تاثر دیکھا تھا۔......نفرت کا۔ قلبِ مومن کا دل یک دم گھبرایا تھا وہ شاندار گھر اُسے اچھا نہیں لگا تھا نہ ہی وہاں موجود لوگ۔ اُن میں سے کسی کی توجہ قلبِ مومن پر نہیں تھی۔

''ممتاز نے حسنِ جہاں بنایا اور تو چلی تھی حُسنہ بننے۔'' قلبِ مومن نے اُسی عورت کو تیز تلخ انداز میں عجیب ہنسی کے ساتھ اپنی ماں کو کہتے سُنا۔ اُس نے ماں کا چہرہ دیکھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اُس کے چہرے پر کچھ بھی نہیں تھا۔

''خودغرضی دیکھیں اماں اس کی...... ہمارا نہیں سوچا اس نے۔'' اس بار قلبِ مومن نے ایک اور مرد کو بلند آواز میں کہتے سنا تھا۔

''ہم مرتے جیتے اس نے پروا نہیں کی۔'' وہ وہاں کھڑی ایک اور لڑکی تھی جس کی شکل اس کی ماں سے ملتی تھی۔ قلبِ مومن نے اُس کی بات سنتے ہوئے غور کیا۔

''پروا کیوں کرتی یہ......؟ ...... یہ تو پیار کر رہی تھی...... پیار بڑا ہوتا ہے ماں باپ بہن بھائی سے بھی بڑا......وہ تو مسیحا بن کر آیا تھا اس کے لئے......شیطان تو ہم تھے...... کیوں حسنِ جہاں۔'' قلبِ مومن نے ایک بار پھر اُسی اُدھیڑ عمر کی عورت کو کہتے سُنا۔ وہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر کچھ رکھ کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی سے اُسے مسلتے ہوئے منہ میں ڈال رہی تھی۔ اُس کی موٹی موٹی آنکھیں سیاہ کاجل کے ساتھ اس وقت بے حد خوفناک لگی تھیں مومن کو۔ اور اُس کے ہونٹوں اور دانتوں دونوں کو عجیب سا لال رنگ لگا ہوا تھا۔ قلبِ مومن اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس کی نانی تھی حسنِ جہاں نے ایک بار اُسے بتایا تھا کہ چاند کی بڑھیا کی طرح اُس کی بھی ایک نانی تھی جو دور دیس میں رہتی تھی مگر قلبِ مومن نے جو تصور اپنی اُس نانی کا بنایا تھا وہ ممتاز جہاں جیسا نہیں تھا۔

''ایسے تو کوئی سوتیلے رشتوں کے ساتھ نہیں کرتا جس طرح اس نے سگے رشتوں کے ساتھ کیا۔ کاروبار شروع کیا تھا میں نے اور یہ اُس وقت بھاگ گئی۔ میرا کاروبار ڈبو گئی۔'' قلبِ مومن نے اُسی مرد کو دوبارہ بلند آواز میں کہتے سُنا جس نے پہلے اُس کی ماں کو ملامت کی تھی۔ عجیب بے چینی کے ساتھ اُس نے حسنِ جہاں کو دیکھا تھا۔ وہ ویسے ہی بیٹھی تھی خاموش سر جھکائے خشک آنکھوں کے ساتھ۔ مومن بے قرار ہوا اُس کی ماں کو بولنا چاہیے تھا کچھ کہنا چاہیے تھا۔ اس طرح کیوں اُسے برا بھلا کہہ رہے تھے وہ سب لوگ۔ وہ ماں کو جھنجھوڑنا چاہتا تھا۔

''مجھے فلم میں کام دلوانا تھا پر نہیں باجی کو کیا؟ بس خود نمبر ون رہتی......اپنا سکہ چلتا رہتا......بہن جائے بھاڑ میں۔'' اب وہ لڑکی تلخی سے کہہ رہی تھی۔ قلبِ مومن نے حسنِ جہاں کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا وہ ماں کو اُن سب باتوں سے بچانے کے لئے فی الحال صرف یہی کر سکتا تھا۔

''کیسی کیسی منتیں کی تھیں میں نے...... ماں کی سالوں کی محنت کو پیار کی بھٹّی میں نہ جھونک...... نمبر ایک ہیروئن بنا کر راج کروا رہی تھی ممتاز کروڑوں مردوں کے دلوں اور دماغوں پر...... پر اس کو چاہیے تھا ایک مرد کے نام کا پٹہ......اور یہ بچہ......اب ممتاز کیا کرے تیرا......اچار ڈالے......اماں میں آ گئی۔'' ممتاز اب بالآخر اپنی کاؤچ سے اُتر آئی تھی اور اپنی پاٹ دار آواز میں حسنِ جہاں کو لعنت ملامت کرتے ہوئے اُس نے حسنِ جہاں کی نقل اُتاری اور پھر اُس کمرے سے نکل گئی۔ اُس کے پیچھے باری باری وہ سارے لوگ بھی اُس کمرے سے چلے گئے تھے۔ جو حسنِ جہاں کو ممتاز کی طرح وقفے وقفے سے برا بھلا کہہ رہے تھے۔

عجیب خاموشی تھی جو ان سب کے جانے کے بعد وہاں آئی تھی اور اسی خاموشی میں اس کمرے

کے دروازے میں قلبِ مومن نے پہلی بار اُس شخص کو نمودار ہوتے دیکھا جو جب اُن کے ترکی والے گھر آیا تھا تو اُن کی زندگی تباہ کر کے چلا گیا تھا۔قلبِ مومن کی آنکھوں میں اُس کا چہرہ نقش تھا۔وہ اتنے عرصہ بعد بھی اُسے پہلی نظر میں پہچان گیا تھا۔کسی تعارف کے بغیر۔

وہ شخص بلّی کی طرح دبے قدموں اندر آیا تھا اور اندر آتے ہوئے اُس کی نظریں صرف حسنِ جہاں پر تھیں۔وہ سیدھا اُس کے سامنے آیا تھا۔پھر مومن نے اُسے اپنے سامنے کھڑے ہوتے دیکھا۔وہ حسنِ جہاں کی تھوڑی کو اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھا رہا تھا۔حسنِ جہاں اور اُس کی نظریں ملی تھیں۔مومن کا دل چاہا وہ اپنی ماں کی تھوڑی کے نیچے ٹکے اُس کے ہاتھ کو جھٹکے۔مگر اُس کی ماں اُس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی۔

''کیا کر کے آئی ہیں؟'' اُس شخص نے عجیب دل گرفتگی کے عالم میں حسنِ جہاں سے کہا تھا۔پانی سیلاب کی طرح حسنِ جہاں کی آنکھوں میں اُمڈا تھا

''پیار کر کے آئی ہوں۔'' قلبِ مومن نے حسن جہاں کو کہتے سنا۔اُس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنی ماں کو ہنستے دیکھا۔وہ اب اُس شخص سے لپٹی رو رہی تھی۔وہ شخص بھی رو رہا تھا صرف قلبِ مومن تھا جس کا دل اس وقت ببول کا کانٹا بن گیا تھا۔

☆......☆......☆

کسی چیز نے جیسے مومنہ کے پیٹ میں مکا مارا تھا۔وہ داؤدا اور اقصیٰ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اُسے وہاں کیوں لائے تھے مگر اُس کی زبان پر وہ سوال نہیں آ رہا تھا۔وہ علم اور لاعلمی کے درمیان جھولنے کی اس کیفیت سے جیسے باہر نکل آنے کی جرأت نہیں کر پا رہی تھی۔اُس کی آنکھوں کے سامنے جہانگیر کا چہرہ آ رہا تھا۔درد اب پیٹ سے پسلیوں کی طرف چلا گیا تھا۔اُس نے یاد ہونے کے باوجود انگلیوں کی پوروں پر وہ دن گنے جتنے دنوں سے اُس نے جہانگیر کی آواز نہیں سنی تھی......چار دن......اور ان چار دنوں میں اُسے اگر کچھ ہوا تھا تو اُسے پتہ کیوں نہیں چلا تھا۔اُس کی سانس کیوں نہیں رُکی تھی اُس کا دل کیوں نہیں رُکا تھا؟

''مومنہ۔'' برابر بیٹھی اقصیٰ نے اُس کا نام پکارا۔اُس نے میکانیکی انداز میں گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔اقصیٰ یک دم اُس سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔

''جہانگیر۔'' اُس نے بس ایک لفظ کہا تھا۔مومنہ نے ایک بھی نہیں۔سارے اندازے قیافے اُس کی پوروں پر تھے وہ جہانگیر کا نام نہ بھی لیتی تو بھی وہ جان گئی تھی وہ کہاں تھا۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر وہ کسی بت کی طرح بیٹھی رہی اور اقصیٰ اُس سے لپٹی روتی رہی اور مومنہ سلطان اُسے دیکھتی رہی اُسے رونا نہیں آ رہا تھا۔ آنسوؤں کو کچھ ہو گیا تھا۔ وہ خشک نہیں ہوئے تھے بہنا بھول گئے تھے۔

داؤد نے اُس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اقصیٰ اُس سے الگ ہوگئی۔ مومنہ میکانیکی انداز میں کھلے دروازے سے باہر آئی تھی۔ میکانیکی انداز میں ہی اُس نے مردہ خانہ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

اقصیٰ نے اُس کا ہاتھ پکڑنا چاہا اُس نے پکڑنے دیا۔ داؤد ساتھ پیچھے آیا تھا۔

مردہ خانہ کے دروازے سے باہر برآمدے کی سیڑھیوں میں اُس نے دیوار سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھے ثریا اور سلطان کو دور سے دیکھ لیا تھا۔

''تمہارے جانے کے بعد اگلے دن طبیعت خراب ہونا شروع ہوئی اُس کی لیکن وہ کہہ رہا تھا تم کو نہ بتائیں۔ آنٹی نے مجھے فون کیا تھا۔ ہم بڑی جگہ لے کر پھرتے رہے اُسے لیکن اُس کی حالت خراب ہوتی گئی۔ دونوں گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا......کل وہ......'' اقصیٰ نے بات مکمل نہیں کی۔ اُس سے آگے جو کہنا تھا وہ مومنہ جانتی تھی۔ مگر اب جیسے وہ یہ سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔

ثریا اور سلطان نے اُسے دور سے دیکھ لیا تھا۔ سلطان اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ بلند آواز میں رو رہا تھا یوں جیسے کوئی بچہ کسی بڑے کو دیکھ کر تسلی چاہنے والے انداز میں روتا تھا۔ مومنہ نے ثریا کو دیکھا وہ وہیں بیٹھی تھی دیوار کے ساتھ گم صم۔ مومنہ کو دیکھ کر بھی نہیں اُٹھی تھی۔

''لاش نہیں دے رہے کہتے ہیں پہلے ہسپتال کے بل کلیئر کرو۔'' اپنی آنکھیں رگڑتے روتے ہوئے اُس سے لپٹے سلطان نے اُس سے کہا تھا۔ مومنہ سلطان کئی سالوں سے اُس گھر کا کمانے والا مرد تھی......اور زندگی میں کبھی اُسے اپنے اس رول پر رنج نہیں ہوا۔ اُس وقت وہاں کھڑے زندگی میں پہلی دفعہ اُس نے خواہش کی تھی یہ کمانے والی ذمہ داری کاش کبھی اُس کے کندھوں پر نہ ہوتی کوئی اور ہوتا اسے نبانے والا......کوئی اور......جیسے جہانگیر......اُس کی سوچوں کو جیسے بریک لگا تھا...... جہانگیر کا نام جیسے اُسے ایک بار پھر ہوش میں لے آیا تھا۔

''انکل میں مل چکا ہوں اندر فائنانس والوں سے آپ پریشان نہ ہوں......ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔'' داؤد نے سلطان کو تسلی دی تھی۔ مومنہ باپ سے الگ ہوگئی......رونے سے زیادہ بڑے کام کرنے تھے اُسے......رونے کے لئے تو زندگی پڑی تھی۔

''ابا میں کرتی ہوں کچھ۔'' مومنہ نے مدھم آواز میں باپ سے نظریں ملائے بغیر کہا۔ روتے

بلکتے سلطان کو عجیب قرار ملا۔ مومنہ جب بھی یہ جملہ بولتی تھی کچھ نہ کچھ کر ہی لیتی تھی۔ وہ ثریا کے پاس نہیں گئی صرف اُسے دیکھ کر ہی رہ گئی تھی۔ ثریا نے بھی اُس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔

''کتنا بل ہے؟'' مومنہ نے پلٹ کر داؤد سے پوچھا۔

☆......☆......☆

'' پونے تین لاکھ کیسے بنا دیا آپ نے بل۔'' وہ بل کی رقم سن کر کراہ کر رہ گئی تھی۔ وہ اقصیٰ اور داؤد کے ساتھ اُس وقت بلز لئے ایڈمن آفس میں تھے اور وہاں موجود ڈاکٹر اُن سے بحث کر رہا تھا۔

''دیکھیں یہ پرائیوٹ ہاسپٹل ہے اس شہر کا سب سے بہترین ہاسپٹل...... ICU میں رکھا آپ کے Patient کو ڈائیلاسس ہوتا رہا، میڈیسنز اور انجکشنز دیئے جاتے رہے۔ آپ کو سارا بریک داؤن اس بل میں مل جائے گا۔'' وہ بڑے مشینی انداز میں اُنہیں تفصیلات بتا رہا تھا۔

''میں کلیئر کر دوں گی سارا بل......لیکن ابھی نہیں کر سکتی آپ اُسے لے جانے دیں میں یہ سارا بل کلیئر کر دوں گی۔'' مومنہ نے منت والے انداز میں کہا تھا۔

''مجھے آپ سے ہمدردی ہے لیکن یہ میرا ہاسپٹل نہیں ہے میں بھی ملازم ہوں یہاں......بل کلیئر ہوئے بغیر میں لاش آپ کے حوالے نہیں کر سکتا۔'' ڈاکٹر نے بڑی نرمی لیکن بڑی صاف گوئی سے اُس سے کہا تھا۔ جہانگیر کے نام کی جگہ لاش کا لفظ سن کر مومنہ کچھ دیر کے لئے عجیب سکتے میں آئی تھی۔

''آپ ہمیں زیادہ نہیں بس تین چار دن کی مہلت دے دیں میں گارنٹی کے طور پر اپنی گاڑی رکھوا جاتا ہوں یہاں۔'' داؤد نے اس بار مداخلت کرتے ہوئے ڈاکٹر سے کہا تھا۔

''دیکھیں آپ میری پوزیشن سمجھیں یہ ہاسپٹل اس طرح کی dealings نہیں کرتا اور guarantees نہیں لیتا۔ آپ لوگ کسی سے loan لے لیں ہم اور ٹائم دے دیتے ہیں آپ کو۔'' ڈاکٹر نے اپنے سامنے رکھی ایک فائل کو بند کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اور ٹائم دیں گے لیکن اُسے لے جانے نہیں دیں گے؟'' اس بار اقصیٰ نے کہا تھا۔ ڈاکٹر چپ رہا۔ مومنہ کو یک دم ہوش آیا تھا۔ اپنا بیگ کھول کر اُس نے وہ لفافہ ڈھونڈنا شروع کیا جس میں اُس کی فلم کا ایڈوانس کا چیک تھا۔ لفافہ مل گیا تھا۔

''یہ...... یہ ایک لاکھ کا چیک ہے......آپ اس وقت یہ لے لیں...... باقی بھی کل پرسوں تک دے دیتی ہوں۔'' اُس نے لفافے سے وہ چیک نکال کر ڈاکٹر کی میز پر رکھا تھا۔

''یہ چیک آپ کے نام ہے ہاسپٹل اس کا کیا کرے گا اور ہم لوگ ویسے بھی چیک میں نہیں

کیش میں payment لیتے ہیں۔'' اُس ڈاکٹر نے چیک پیچھے کھسکاتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''آپ افورڈ نہیں کر سکتے تھے یہ ہاسپٹل ...... آپ کو لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ یہ چند لاکھ تو بہت معمولی رقم ہے یہاں تو اس سے بھی زیادہ رقم کے بلز لوگ ایک بھی سوال کئے بغیر Pay کر کے جاتے ہیں۔'' اُس ڈاکٹر نے جیسے اُن کو اُن کی حیثیت کا احساس دلایا تھا۔

''زندگی بچانے کے لئے لائے تھے...... کسی بھی قیمت پر مل جاتی ...... وہ آپ نے بچائی ہی نہیں ...... مرنے کے لئے تھوڑی لائے تھے۔'' مومنہ کی آواز پہلی بار بھرآئی تھی اُسے پہلی بار لگا وہ رو دے گی مگر آنسو اُس کی آواز کو ہلا گئے تھے اُس کی آنکھوں کو چھونے کی کوشش نہیں کی انہوں نے۔

''تم دیکھنا میں یہ سب میڈیا پر دوں گی...... سوشل میڈیا پر compaign چلاؤں گی تمہارے ہاسپٹل کے خلاف...... تم لوگ گھٹیا اور کمینے ہو۔'' اقصیٰ یک دم آپے سے باہر ہو کر اُس ڈاکٹر اور اُس کے ساتھ بیٹھے فائنانس کے لوگوں پر چلاّئی تھی۔ مومنہ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا یوں جیسے اُسے روکنا چاہتی ہو۔

''اُس سے کیا ہوگا میڈم...... زیادہ سے زیادہ ہماری بدنامی...... بدنامی سے بزنس تو ختم نہیں ہوتا بل تو پھر بھی ہاسپٹل والے لیں گے آپ سے...... وہ تو ہم سے بھی لے لیتے اگر آپ کی جگہ میں ہوتا۔'' اُس ڈاکٹر نے جیسے نرم لفظوں میں اُسے اپنی حیثیت اور اوقات کا بھی احساس ڈھکے چھپے لفظوں میں کروایا۔

''میں ایکٹریس ہوں...... اپنے کام کو حلال بنانے کے لئے مر رہی ہوں پر آپ کو تو حلال کو بھی حرام بناتے ہوئے کوئی تکلیف کوئی شرمندگی نہیں ہو رہی۔'' اقصیٰ کا ہاتھ پکڑے اُس ڈاکٹر سے یہ کہہ کر اُس آفس سے نکلتے ہوئے زندگی میں پہلی بار مومنہ سلطان کو اپنا پروفیشن اُتنا حرام نہیں لگا تھا جتنا ہمیشہ لگتا تھا۔

☆......☆......☆

پتہ نہیں اُس رات وہ کہاں کہاں اُن پونے تین لاکھ کی رقم کو اکٹھا کرنے اقصیٰ اور داؤد کے ساتھ گئی تھی۔ جہانگیر کے پچھلے کئی سالوں سے ہونے والے علاج نے اُنہیں پہلے ہی بہت سے لوگوں کا مقروض کر رکھا تھا اور وہ کوشش کے باوجود بھی پرانا قرض ادا نہیں کر پائے تھے اور اب اس اچانک آ جانے والی پونے تین لاکھ کی رقم کے بل نے جیسے مومنہ سلطان کا سارا دم خم ختم کر دیا تھا۔ اُس کے پاس کچھ دنوں کا وقت ہوتا تو وہ اس رقم کو اقصیٰ اور داؤد کے ساتھ مل کر کسی نہ کسی طرح پورا کر لیتی۔ مگر اُسے دو دن سے

اُس مردہ خانہ میں پڑے ہوئے جہانگیر کو اب گھر لانا تھا اُسے اپنے آخری گھر بھیجنا تھا تاکہ اُس کے ماں باپ کو کچھ سکون مل جاتا۔ مومنہ سلطان کے ہاتھ میں بس اب اتنا ہی سکون دینا رہ گیا تھا اُن کے لئے۔

داؤد کی پرانے ماڈل کی اُس سوزوکی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی مومنہ سلطان نے شہر کی سڑکوں پر رات کو در بہ در پھرتے پتہ نہیں کس کس کو فون کر چھوڑا تھا...... بڑی بڑی رقموں کے لئے نہیں...... چھوٹی چھوٹی رقموں کے لئے...... تین...... پانچ...... سات...... اُس کا حلقہ احباب اتنی ہی رقم قرض میں دے سکتا تھا...... کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھی جانے والی ہر رقم اُس کی زندگی کے گلاس کو پانی کے قطروں کی طرح بھر رہے تھے...... عزتِ نفس اور خودداری کو وہ مردہ خانہ کے باہر بیٹھے ہوئے سلطان اور ثریا کے پاس چھوڑ آئی تھی...... تاکہ وہ کم از کم اُس رات مومنہ سلطان کے پیروں کی زنجیر نہ بنیں جنہوں نے اُس کے پیروں کی زنجیر بن کر اُسے جہانگیر کی زندگی اور علاج کے لئے اس طرح پیسے جمع کرنے سے روکے رکھا تھا۔

''دیکھو مومنہ ابھی تمہیں ایک لاکھ دیا گیا ہے ایڈوانس میں اور اب تم چاہ رہی ہو کہ مزید رقم دی جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ اور میری تمہیں advice ہے کہ اس سٹیج پر اس طرح کے مطالبے نہ کرو ورنہ پروڈکشن کمپنی تمہیں نکال دے گی اس فلم سے...... یہ بڑے پروفیشنل لوگ ہیں پاکستانی بہانے اور جھوٹ نہیں مانتے یہ۔'' اُس نے اُس فلم کے کاسٹنگ ایجنٹ کو فون کیا تھا۔ جو فلم وہ سائن کر کے آئی تھی اور اُس نے فون پر ہی اُس کی پوری بات سنے بغیر اُسے کہہ کر فون یہ کہتے ہوئے بند کر دیا تھا۔ ''میں کچھ guests کے ساتھ ہوں تم سے کل بات کروں گا۔'' مومنہ کو کچھ محسوس نہیں ہوا تھا نہ کوئی ہتک نہ کوئی ذلت...... جس کرب میں وہ تھی وہ اُس کے باقی سب احساس کھا گیا تھا۔

''ہو جائیں گے اکٹھے مومنہ ہو جائیں گے تم پریشان نہ ہو...... ہم کر رہے ہیں کوشش...... فوری طور پر کچھ بن نہیں پا رہا ورنہ داؤد اپنی گاڑی بیچنے کی بات کر چکا ہے کتنے لوگوں سے کل سے...... تم دُعا کرو کوئی فوری payment پر تیار ہو تو گاڑی ہی بیچ دیں سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔'' اُس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہوئی اقصیٰ اپنے فون پر کالز کرتے ہوئے مسلسل اُسے تسلیاں دے رہی تھی۔

''اسلم بھائی سے بھی بات کرتی ہوں اگر اُن سے کچھ مل جائیں۔'' مومنہ نے جواباً فون پر ایک اور نام ڈائل کرنا شروع کر دیا یوں جیسے وہ تسلی اُس نے سنی ہی نہ ہو۔ اقصیٰ نے کال کرتے کرتے اُس کا چہرہ دیکھا۔ مومنہ کے چہرے پر کچھ نہیں تھا...... کچھ بھی۔ وہ صرف کال ملا کر فون کان سے لگائے اب اسلم بھائی سے بات کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اسلم بھائی کچھ قرض چاہیے۔'' دوسری طرف اسلم بھائی کی

آواز سنتے ہی اُس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔''ایک تو میرے ہر آرٹسٹ کو میرے ہی سوپ میں قرض کی ضرورت پڑتی ہے۔ بینک سمجھ لیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔اب تم بتاؤ کون سا پلاٹ خریدا ہے جس کی قسط دینی ہے۔''انہوں نے دوسری طرف سے جھلا کر کہا تھا۔

''جہانگیر مر گیا اسلم بھائی...... اُس کی لاش لینی ہے ہاسپٹل سے...... بلز کلیئر کرنے ہیں۔'' مومنہ نے چند گھنٹوں میں درجنوں بار دہرایا ہوا جملہ اُسی میکانیکی انداز میں ایک بار پھر دُہرایا تھا۔دوسری طرف اسلم بھائی کچھ دیر بول ہی نہیں سکے تھے پھر انہوں نے کچھ گڑبڑاتے ہوئے انداز میں کہا۔''اوہو یہ تو بڑے دُکھ کی خبر ہے...... کتنے پیسے چاہیے؟''''آپ جتنے بھی دے سکیں۔''مومنہ نے اُسی انداز میں کہا۔''میں اس وقت شوٹ پر ہوں......نکل نہیں سکتا ابھی یہاں سے......مگر تم آجاؤ...... کرتا ہوں کچھ......شوٹنگ لوکیشن کا تو پتہ ہے نا؟''

''جی اسلم بھائی ...... میں آجاتی ہوں وہاں۔'' اُس نے جواباً کہتے ہوئے فون بند کیا اور contact list میں سے اگلا نمبر ڈھونڈتے ہوئے بڑبڑانے لگی۔''اب کس کو کال کروں...... کس کو کروں۔''اقصیٰ کا دل کٹنے لگا۔اُس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اُس سے کیا کہے وہ اب داؤد کو اُس لوکیشن کا پتہ بتا رہی تھی جہاں اسلم بھائی شوٹ پر تھے۔

''تم قلبِ مومن سے بات کرو وہ اگر کچھ کردے۔''اقصیٰ کو یک دم دوبارہ خیال آیا۔''کل بھی سارا دن اُن سے بات کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں لیکن وہ مصروف تھے آج بھی کتنی دفعہ کال کر چکا ہوں فون نہیں لے رہے۔''داؤد نے گاڑی کو اُس سڑک پر ڈالتے ہوئے کہا جس کا پتہ مومنہ نے بتایا تھا۔

''ان کی کوئی پارٹی چل رہی ہوگی وہ ایسے ہی ہیں مرضی سے بات کرتے ہی۔'' داؤد بڑبڑایا تھا۔''اور میں نے تو پہلے ہی کچھ قرضہ لیا ہوا ہے اُن سے اب پتہ نہیں اس بار وہ کچھ دیتے بھی یا نہیں۔'' اقصیٰ خاموش رہی۔

اُس ایڈریس پر پہنچتے ہی مومنہ میکانیکی انداز میں گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر کر چلی گئی تھی۔''یہ رو کیوں نہیں رہی۔'' داؤد نے دور جاتی مومنہ کو دیکھ کر مضطرب انداز میں اقصیٰ سے کہا تھا۔''حوصلہ دکھا رہی ہے۔''اقصیٰ نے ناک ٹشو سے رگڑتے ہوئے بھرآئی ہوئی آواز میں کہا۔''اتنے حوصلے کا کیا کرنا ہے اس نے......اس سے کہو کہ روئے۔'' داؤد نے جواباً اُس سے کہا تھا۔

وہ دس منٹ بعد دوبارہ نمودار ہوئی تھی گاڑی میں بیٹھتے ہی اُس نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ اقصیٰ کو دیتے ہوئے کہا تھا۔''یہ دس ہزار ہیں......سات ہزار جبار بھائی بھی دیں گے اُن کا گھر اسی لین میں

ہے۔'' اُس نے ہاتھ سے داؤد کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اقصیٰ نے یک دم اُس کا ہاتھ پکڑ لیا مومنہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''تم رولو مومنہ۔'' وہ اقصیٰ کو چند لمحے دیکھتی رہی پھر اُس نے کہا۔''پیسے پورے ہو جائیں پھر رولوں گی۔'' اقصیٰ سے اُس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا۔

☆......☆......☆

''اللہ ناس مارے ان ہسپتال والوں کا...... دیکھنا کیسے کیڑے پڑیں گے انہیں۔'' جھومر نے تقریباً روتے ہوئے اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے سلطان سے کہا۔ سلطان رات کے اس پہر اپنی گلی سے پیسے اکٹھے کرنے آیا تھا۔

''لاکھ کیڑے پڑ جائیں جھومر...... میرا جہانگیر تو نہیں آئے گا۔'' سلطان نے روتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔ جھومر نے دوپٹے کے پلو سے بندھے پیسے کھول کر نکالتے ہوئے سلطان کو تسلی دی۔''بس کر سلطان بھائی یہ 1500 رکھ لے...... میں نکلتی ہوں ابھی پھر رات کو...... جو کمائی ہوتی ہے وہ بھی لا کر دیتی ہوں تجھے...... ہسپتال میں ہی آ کے دے جاتی ہوں...... تو اب وہیں رہ۔'' جھومر نے سو سو کے خستہ حال نوٹ اُس کی مٹھی میں دباتے ہوئے کہا۔''تیرا شکریہ کیسے ادا کروں جھومر۔'' سلطان نے سسکیاں لیتے ہوئے اُس سے کہا تھا اتنے سالوں میں جھومر اور اُس کے درمیان کبھی شکریہ کی نوبت نہیں آئی تھی ہمیشہ تو تڑاق اور گالم گلوچ میں ہی بات ختم ہوتی تھی۔ وہ اکثر اُس سے میک اپ کراتا اور بغیر پیسے دیئے نقص نکالتا چلا جاتا یا سلطان اُس کا مذاق اڑاتا تو وہ گلی میں کھڑا ہو کر اُس کے پورے خاندان کو کوستا مومنہ باجی کے علاوہ جس کا وہ فین تھا...... اور آج جہانگیر چلا گیا تھا تو جیسے سب کی طرح وہ بھی مرہم رکھنے چلا آیا تھا۔

''چھوڑ سلطان بھائی...... میرا تو جنازہ بھی جائز نہیں...... پر جن کا جائز ہے اُن کا تو جنازہ ہو...... میں آتی ہوں پھر۔'' وہ کہتے ہوئے اسی طرح مٹکتا ہوا چلا گیا تھا۔ سلطان کو اُس لمحے جھومر کے سامنے وہ پورا معاشرہ ہیجڑا لگا جس کا وہ حصہ تھا۔

☆......☆......☆

مومنہ نے ثریا کو چونک کر دیکھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے یک دم کچھ گنگنانے لگی تھی۔ مومنہ اور اقصیٰ ابھی کچھ دیر پہلے ہی واپس ہاسپٹل آئی تھیں اور داؤد پونے تین لاکھ میں سے باقی رہ جانے والی پچاس ہزار کی رقم کسی سے مانگنے گیا تھا۔ سلطان وہاں نہیں تھا اور وہ اور اقصیٰ برآمدے کی زمین پر بیٹھے اکٹھے ہونے والے سارے لفافوں اور نوٹوں کو ایک آخری بار دوبارہ گن رہی تھیں یوں جیسے کوئی سلامی کے

لفافوں سے نوٹ نکال نکال کر گنتا ہے۔

ثریا اُسی طرح اُن سے بے نیاز برآمدے کی دیوار کے ساتھ سر ٹکائے گنگنانے لگی تھی۔ وہ ایک لوری تھی۔ مومنہ اور اقصیٰ نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر مومنہ اپنی گود میں رکھے ہوئے سارے نوٹ اقصیٰ کی گود میں ڈال کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اماں کیا گا رہی ہیں آپ۔'' ثریا کے پاس بیٹھ کر اُس نے ثریا کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تھا۔ ثریا کے بال لٹوں کی شکل میں اُس کی چٹیا سے نکل کر بکھرے ہوئے تھے اور اُس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں اُس نے مومنہ کو دیکھا۔ ''جب چھوٹا تھا نا تو دوسرے بچے لوری سن کر سوتے تھے یہ اُٹھ جاتا تھا...... شاید اب بھی......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر پھر لوری گانے لگی تھی۔

''لل لل لوری...... دودھ کی کٹوری۔''

مومنہ ثریا کا چہرہ پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتی رہی۔ اُس کے ماں باپ ہمیشہ جہانگیر کے عشق میں مبتلا رہے تھے جہانگیر کے سامنے اُن کے لئے مومنہ کچھ بھی نہیں تھی اور مومنہ نے ساری زندگی اس تفریق کو برا منائے بغیر سہا۔ جہانگیر چاہے جانے کے قابل تھا وہ شاید نہیں تھی، یا وہ یاد رہ جانے والوں میں سے تھا وہ نہیں تھی۔ وہ دلوں کو مٹھی میں کر لینا جانتا تھا وہ نہیں جانتی تھی...... اگر زندگی جہانگیر سلطان کو موقع دیتی تو وہ لاکھوں کروڑوں دلوں پر ہیرو بن کر حکمرانی کرتا یہ صرف سلطان اور ثریا کو یقین نہیں تھا مومنہ سلطان بھی یہ ماننے والوں میں سے تھی اور اگر سب کچھ ویسا ہوتا تو وہ بڑی خوشی سے جہانگیر کے سائے میں زندگی گزار لیتی......اُس کے لئے تالیاں بجاتے ہوئے اُس کی کامیابیوں اور فتوحات کو اپنا مانتے ہوئے اس کی ناموری پر راضی......مگر یہ سب کچھ زندگی نے ہونے نہیں دیا تھا یا شاید موت نے۔

ثریا کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ وہ الفاظ ڈھونڈتی رہی جن سے وہ ثریا کو یہ سمجھا سکتی کہ وہ وہ لوری نہ گائے...... جہانگیر اب کبھی نہیں اُٹھے گا۔

''جھولا جھلاؤں گی

تجھے جھولا جھلاؤں گی

تجھے جھولا جھلاؤں گی۔''

''مومنہ۔'' ایک ہی مصرعے کو بار بار گاتی ثریا کو دیکھتے ہوئے مومنہ کو اقصیٰ نے پکارا تھا۔ داؤد آ گیا تھا۔ اور اُس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ مومنہ کو دکھاتے ہوئے اُس نے کہا۔ ''پورے ہو گئے پیسے...... مجھے لگتے ہیں۔''

وہ تینوں زمین پر آلتی پالتی مارے ایک بار پھر اُن پیسوں کو گننے لگے تھے جب فجر کی اذان ہونے لگی تھی۔

''دو لاکھ 87 ہزار۔'' داؤد نے بالآخر آخری نوٹ گنتے ہوئے کہا۔ مومنہ کو لگا وہ جیسے وہ شہزادی تھی جس کے جسم میں گاڑی ہوئی سوئیاں وہ سارے نوٹ نکال رہے تھے اور آخری سوئی اُس آخری رقم سے نکلی تھی۔ وہ اب جہانگیر کو گھر لے جاسکتی تھی تاکہ ثریا وہ لوری نہ گائے۔

داؤد پیسے لے کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مومنہ برآمدے کے ٹھنڈے فرش پر چت لیٹ گئی تھی۔ یوں جیسے بہت لمبی ریس میں دوڑنے والا فنشنگ لائن کو پار کرنے کے بعد زمین پر گرتا ہے وہ بھی تب جب ریس کوئی اور جیت چکا ہو۔

''مومنہ تم رولو۔'' اقصیٰ نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ بہت دیر خاموش رہنے کے بعد بڑبڑائی۔ ''اب کس بات پر رونا ہے۔'' اقصیٰ بول نہیں سکی۔

☆......☆......☆

قلبِ مومن نے نیہا کو اپنے کسی کلائنٹ کے ساتھ اپنے بوتیک سٹوڈیو میں بیٹھے دیکھا۔ وہ اُس کے ساتھ اُس کا برائیڈل ڈسکس کر رہی تھی۔ قلبِ مومن ٹہلتے ہوئے ڈسپلے پر لگے برائیڈلز دیکھنے لگا تھا۔ نیہا نے اُسے دیکھ لیا تھا، لیکن وہ مکمل طور پر اُسے نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہی۔ اُس کے بوتیک سٹوڈیو کا وہ حصہ جو آفس کے طور پر استعمال ہو رہا تھا گلاس پارٹیشن سے بوتیک کے باقی حصہ سے الگ کیا گیا تھا۔ مومن وہاں ہونے والی گفتگو نہیں سن سکتا تھا لیکن اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ نیہا کو کلائنٹ کو بہت جلدی فارغ کر دینے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہ تقریباً دس منٹ وہاں ٹہلتا رہا اور بالآخر جب وہ کلائنٹ باہر نکلی تو وہ آفس میں داخل ہوا تھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے نیہا کو great کیا، اُس نے جواباً بے تاثر چہرے کے ساتھ اُس سے کہا۔ ''میں کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ میں تھی۔''

''میں نے تمہیں interrupt نہیں کیا۔'' مومن نے جواباً کہا۔ وہ اب ایک کرسی سنبھال کر بیٹھ چکا تھا۔ ''wait کرنا چاہیے تھا تمہیں میں بلاتی تب اندر آنا چاہیے تھا۔'' نیہا کا لہجہ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ مومن بے اختیار ہنسا اور میز پر دونوں بازوں پھیلا کر کچھ آگے جھکتے ہوئے بولا۔

''ناراضگی ختم کر دو اب۔''

''نہیں میں کیوں ناراض ہوں گی تم سے اور ہوں گی بھی تو تمہیں کیا پروا؟'' نیہا نے جواباً اُسی نروٹھے انداز میں کہا۔ ''پروا ہے تو یہاں بیٹھا ہوں نیہا۔ تم نے ضوفی کا میری فلم میں کام کرنا ضد کیوں بنالی

ہے اپنی۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''ضد؟......خواہش ہے میری تم ضد سمجھ رہے ہو تو ایسا ہی سہی۔'' نیہا نے اُسی تیکھے لہجے میں کہا۔''تمہارے اور میرے تعلق میں ضوفی نہیں آنا چاہیے۔'' مومن کی خفگی بڑھی۔''تمہارے اور میرے تعلق میں ضوفی نہیں ہے مومن......تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم اپنے علاوہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتے......تمہاری ''میں'' بہت بڑی ہے......تمہاری ناک اس سے بھی زیادہ۔'' اُس نے بڑی تلخی سے مومن کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ وہ بجھنے آیا تھا وہ رگیدنے لگی تھی۔''میں ایسا ہی ہوں نیہا......میں ہمیشہ سے ایسا ہی تھا...... آج ایسا نہیں ہوا۔'' مومن نے شہد کی طرح اُس کے زہریلے جملوں کا گھونٹ بھرا تھا۔''I misjudged you.'' اُس کے جملے نے مومن کو تکلیف پہنچائی۔''.You are hurting me'' اُس نے نیہا سے کہا۔ وہ جواباً استہزائیہ انداز میں ہنسی۔''نہیں یہ کام تو تمہارا ہے......کوئی دوسرا کیسے کر سکتا ہے؟'' ''میں تمہیں منانے آیا تھا argue کرنے نہیں۔'' مومن اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی ہمت جیسے جواب دے گئی تھی۔

''ضوفی تمہاری فلم میں lead کرے گا تو تمہارے اور میرے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا ورنہ...... It's all over......'' مومن نے بے یقینی سے اُسے دیکھا۔''تمہارے نزدیک ضوفی ہمارے رشتے سے زیادہ اہم ہے؟'' ''نہیں مجھے یہ دیکھنا ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ضد اہم ہے یا میں۔'' وہ اُس کے بعد وہاں رُکا نہیں تھا۔ وہ لہجہ وہ انداز وہ جملے اُس نے پہلی بار نیہا کے منہ سے سنے تھے اور اگر قلبِ مومن کو شاک لگا تھا تو یہ غیر متوقع نہیں تھا وہ کسی دوسرے مرد کے لئے اُس سے لڑ رہی تھی......اُسے چھوڑ دینے پر تیار تھی......قلبِ مومن کے لئے یہ ہتک آمیز تھا اور ہتک کو برداشت کرنا مومن کی گھٹی میں نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''دادا جی......مومن بھائی کی شادی کر دیں اب۔'' شکور عبدالعلی کے کمرے میں ہی فرش پر کپڑا بچھائے اُن کے کپڑے پریس کر رہا تھا جب کپڑے پریس کرتے کرتے اُس نے یک دم عبدالعلی سے پوچھا۔ وہ چونک کر مسکرائے۔''بیٹھے بٹھائے تمہیں اُس کی شادی کا خیال کیسے آ گیا؟'' ''بس دادا جی جب 24 گھنٹے پارٹیاں ہوں اور لڑکیاں آئیں تو پھر شادی کا مشورہ ہی دے گا نا کوئی بھی شریف آدمی۔'' شکور قمیض کی کریز بناتے ہوئے بولا اور پھر اچانک اُسے احساس ہوا عبدالعلی چپ ہو گئے تھے۔ اُسے اچانک احساس ہوا وہ کچھ غلط بات کر گیا تھا۔''ویسے مومن بھائی ہیں بڑے شریف آدمی......لیکن لڑکیاں نہیں ناں

اچھی آج کل کی۔'' اُس نے فوراً ہی کچھ گڑبڑائے انداز میں تصحیح کی۔ ''شریفوں کو بھی خراب کر دیتی ہیں......اب مومن بھائی کو نہ بتائیے گا یہ ساری باتیں......ان کو پہلے ہی شبہ رہتا ہے کہ میں اُن کی باتیں لوگوں کو بتاتا ہوں حالانکہ آپ خود دیکھ لیں آپ کتنے دنوں سے یہاں ہیں میں نے کوئی ایک بھی بات بتائی ہے آپ کو مومن بھائی کی۔'' شکور نے بڑے فخریہ انداز میں جیسے اُن سے تصدیق چاہی تھی۔ عبدالعلی گنگ تھے۔ ''نہیں تم نے تو کچھ بھی نہیں بتایا۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بڑبڑائے جیسے بہت پریشان ہوئے تھے۔ شکور اُن کے تصدیقی جملے پر بے اختیار خوش ہوا۔

''یہی باتیں تو اچھی لگتی ہیں مجھے آپ کی دادا جی......آپ بڑے سچے آدمی ہیں......ویسے آپ کو ایک بات بتاؤں مومن بھائی آپ سے ڈرتے بڑا ہیں۔'' اُس نے جیسے کوئی انکشاف کیا۔

''مجھ سے ڈرتا ہے؟'' عبدالعلی حیران ہوئے۔ ''وہ تو کبھی بچپن میں بھی مجھ سے نہیں ڈرا۔'' انہیں پتا نہیں کیا یاد آیا تھا۔

''نہیں نہیں سچ میں......آپ سے بہت ڈرتے ہیں۔ اسی لئے تو ساری ایسی ویسی تصویریں اور مجسمے سٹور میں رکھوا دیئے ہیں انہوں نے...... بلکہ فریج میں سے اُس چیز کی بوتلیں بھی ہٹوا دیئے ہیں انہوں نے......اور کین بھی...... وہ ''اُس چیز'' کے دادا جی......آپ سمجھ تو گئے ہوں گے نا دادا جی۔'' شکور نے شراب کا نام لئے بغیر اپنے لفظوں پر معنی خیز انداز میں زور دیتے ہوئے عبدالعلی کے جسم میں سے جیسے جان نکالی تھی۔ قلبِ مومن بھٹک رہا تھا اور وہ بے بس تھے کس کو پکارتے کس سے کہتے......قلبِ مومن کے سامنے بیٹھ کر سوال جواب کئے تو عرصہ ہو گیا تھا اُنہیں۔

''تم مومن کے لئے دعا کیا کرو شکور۔'' عبدالعلی کے لہجے میں رنجیدگی تھی۔ ''کیا دعا سارا کچھ تو ہے ان کے پاس دادا جی۔'' شکور نے حیرانگی سے کہا۔ عبدالعلی چاہتے ہوئے بھی زبان پر وہ دُعا نہیں لا سکے جو وہ مومن کے لئے چاہتے تھے۔ قلبِ مومن کا پردہ کہاں کھولنے والے تھے وہ.....کھولتے بھی تو بس ایک ہی شخص کے سامنے کھول سکتے تھے۔

☆......☆......☆

ماسٹر ابراہیم کے ہاتھ جوتے مرمت کرنے والے لوہے کے اُس سٹینڈ پر دھرے ایک بے حد قیمتی نازک اور بے حد فینسی ہیل والے جوتے پر اپنے اوزار کے ساتھ مشینی انداز میں چل رہے تھے۔ وہ فرش پر بیٹھے تھے اور اُن سے کچھ فاصلے پر ان کی جوتوں کی مرمت کی اُس دکان میں دھرے ایک بینچ پر جینز میں ملبوس ایک نوجوان لڑکی اپنے مہندی رچے ہاتھوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور بے حد بے چین انداز

میں بولتی جارہی تھی۔ ماسٹر ابراہیم اُس کی باتیں خاموشی سے سنتے ہوئے اپنے کام میں مشغول تھے۔

''ہوجائے گا نا ٹھیک......؟ جوتے کو کچھ ہوگیا نا تو میری ویڈنگ خراب ہوجانی ہے۔اب دو دن میں ایسا جوتا کہاں سے ڈھونڈوں گی میں......کہا بھی تھا گیتی کو کہ میرے سائز کا مسئلہ نہ ہوجائے مگر وہ کہہ رہی تھی نہیں پرفیکٹ ہے ایسا جوتا لاؤں گی کہ لوگ سنڈریلا کے سینڈلز کو بھول جائیں گے اور اب دیکھیں ......'' وہ شاید اسی سپیڈ سے بولتی جاتی مگر ماسٹر ابراہیم نے اُس کے جوتے کو اُس کے پیروں کے پاس رکھتے ہوئے اپنے اوزار سمیٹتے ہوئے کہا۔

''ہوگیا......آپ دیکھ لیں۔'' لڑکی نے جیسے کچھ بے یقینی سے اُنہیں دیکھا اور پھر جوتے پہن کر وہ کھڑی ہوکر دو قدم چلی اور اُس نے بے اختیار دونوں ہاتھ خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے اپنے منہ پر رکھے۔

''My goodness یہ تو بالکل fit ہوگیا...... آپ نے کیسے کردیا...... یہ تو اٹلی سے آیا ہے......کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا رہا تھا......کہ بہت مہنگا ہے ہم ذمہ داری لے کر نہیں کرسکتے۔'' وہ لڑکی اب جوتا اُتارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں اس کمپنی میں کام کرتا تھا۔'' ماسٹر ابراہیم نے سر جھکائے مدھم آواز میں کہا۔ وہ اب اُس لڑکی کے پیروں سے اُتارے ہوئے جوتے کو اُس بیگ میں ڈال رہا تھا۔جن میں ڈال کر وہ اُسے لائی تھی۔

''کس کمپنی میں؟'' لڑکی کو جیسے سمجھ نہیں آئی۔ ''جس کمپنی کے یہ سینڈلز ہیں۔ Sergio Rossi۔'' ماسٹر ابراہیم نے بے حد عام سے لہجے میں کہا تھا۔

''اٹلی میں؟'' لڑکی کو جیسے کرنٹ لگا تھا سن کر۔ ''میلان میں۔'' ماسٹر ابراہیم نے جیسے مزید تصحیح کی۔ ''.I don't believe it'' لڑکی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''1800 روپے۔'' ماسٹر ابراہیم نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ''کس چیز کے۔'' لڑکی نے بے ساختہ کہا۔ ''اس کی مرمت کے......سائز ٹھیک کرنے کے۔'' ''پانچ سو دوں گی۔'' اُس لڑکی نے پانچ سو کا نوٹ بیگ سے نکال کر ماسٹر ابراہیم کو تھمایا تھا اور وہ ہنس پڑے تھے۔ کچھ کہے بغیر انہوں نے خاموشی سے 500 کا وہ نوٹ پکڑ لیا اور تبھی اُس لڑکی کے عقب میں کھڑے عبدالعلی کو انہوں نے دیکھا تھا۔ وہ بے اختیار پانچ سو کا نوٹ چھوڑ کر کھڑے ہوئے تھے۔ ''عبدالعلی صاحب۔'' اُن کے منہ سے نکلا تھا۔اُس لڑکی نے فرش پر گرے پانچ سو کے نوٹ اور اُس ترکش بوڑھے سے ملتے اُس جوتے مرمت کرنے والے ماسٹر ابراہیم کو دیکھا جو چند لمحے پہلے میلان میں

Sergio Rossi کی کمپنی میں کام کرنے کا دعویٰ کررہا تھا اور جس نے اُس کے لاکھوں عیمالیت کے اُس جوتے کو واقعی کمال مہارت سے ٹھیک کیا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ یہ ماننے پر تیار نہیں تھی کہ وہ Sergio Rossi میں کام کرچکا ہوگا...... دکان سے نکلتے ہوئے اُس نے سوچا تھا پوچھوں گی اُس سے جس نے یہاں بھیجا تھا۔ اُسے اپنی اُس ماڈل دوست کا خیال آیا جس کے ریفرنس سے وہ یہاں آئی تھی۔

☆......☆......☆

’’آپ نے تو اس بار حیران ہی کردیا مجھے...... آنے سے پہلے بتایا ہی نہیں مجھے۔‘‘ اپنی حویلی کا دروازہ کھول کر عبدالعلی کو اندر لاتے ہوئے ماسٹر ابراہیم نے اُن سے کہا تھا۔ وہ اب اُن کے ساتھ حویلی کے صحن میں دانہ چگتے ہوئے کبوتروں کے درمیان سے گزر رہے تھے اور وہ کبوتر ڈر کر اُڑنے کی بجائے وہیں بیٹھے بیٹھے اِدھر اُدھر سرک رہے تھے۔

’’میں نے سوچا اس بار تمہیں اپنے پاس بلانے کی بجائے تمہارے گھر جا کر ملوں تم سے۔‘‘ عبدالعلی نے مسکراتے ہوئے حویلی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اب برآمدے میں داخل ہوچکے تھے۔ ’’تو یہ ہے تمہارا ٹھکانہ۔‘‘ ماسٹر ابراہیم نے ایک کرسی اُنہیں بیٹھنے کے لئے دیتے ہوئے کہا۔ ’’میری کٹیا، بیٹھیں آپ۔‘‘ ’’بڑی مشکل سے ملی تمہاری دکان...... کوئی تمہیں جانتا ہی نہیں۔‘‘ عبدالعلی نے بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ ’’آپ نے موچی نہیں کہا ہوگا ورنہ فوراً مل جاتا۔‘‘ ماسٹر ابراہیم نے ہنس کر کہا تھا۔ ’’ہاں یہ غلطی ہوگئی مجھ سے میں ماسٹر ابراہیم کہہ کر اٹلی کا حوالہ دیتا رہا۔‘‘ انہوں نے پانی کا وہ گلاس پکڑا جو ماسٹر ابراہیم اُنہیں دے رہے تھے۔ ماسٹر ابراہیم اُن کی بات پر مسکرائے تھے۔ ’’آپ کو اس لئے بار بار اس حویلی لانا چاہتا تھا تاکہ اسے بھی آپ کے آنے کی سعادت نصیب ہو۔‘‘ ماسٹر ابراہیم نے اُن سے کہا وہ اب برآمدے کی الماری کا ایک دراز کھول رہے تھے۔ ’’میرے آئے بغیر بھی یہ حویلی بے حد برکت اور سعادت والی ہے۔ یہاں مجھ سے بہتر لوگ رہتے ہیں...... میرے کام سے بڑا کام ہورہا ہے۔‘‘ عبدالعلی نے پانی کا ایک گھونٹ پیا پھر کہا۔ ’’گناہ گار نہ کریں عبدالعلی صاحب آپ سے بہتر کیا ہوں گے ہم...... ہاں کام شاید اللہ ہماری اوقات سے بڑھ کر ہم سے کروا رہا ہے مگر یہ بھی میری بیوی کا کمال تھا میرا نہیں اُسی پر عنایت تھی اللہ کی...... میں تو صرف وسیلہ بنا۔‘‘ ماسٹر ابراہیم عجیب سی کیفیت میں کہہ رہے تھے اور عبدالعلی کی آنکھوں میں نمی جھلکی تھی۔ ’’یہ دیکھیں آپ کا تحفہ۔‘‘ عبدالعلی کے سامنے یک دم وہ کیس لے کر آئے جو انہوں نے اُس الماری سے نکالا تھا۔ عبدالعلی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ وہ اُس کیس کو کھول کر اُس میں اپنے ہاتھ سے خطاطی کیا ہوا وہ قرآن پاک دیکھ رہے تھے جو انہوں نے کئی دہائیوں پہلے ماسٹر ابراہیم کو دیا

تھا۔

''ماشاء اللہ تم نے خوب سنبھال رکھا ہے۔'' انہوں نے اُس کے اوراق پلٹتے ہوئے کہا۔

''سنبھالتی تو اِس کو میری بیوی تھی، وہ تلاوت کیا کرتی تھی روز اس سے اب اُس کے جانے کے بعد یہ ذمہ داری میں نے سنبھال لی اور ایک بچی آتی ہے میرے پاس مومنہ وہ تلاوت کرتی ہے اس سے...... جو چھوٹی موٹی مرمت ہے اُسی نے کی ہے اس کی جلد پر......'' وہ عبدالعلی کو چمڑے کی جلد پر کئے ہوئے وہ خطاطی کے نقش ونگار دکھا رہے تھے جو مومنہ سلطان کے ہاتھ کے بنائے ہوئے تھے۔ عبدالعلی کو پتہ نہیں کیا یاد آیا تھا انہوں نے جیب سے رومال نکال کر اپنے آنسو خشک کئے تھے۔

''آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اس نُسخے نے زندگی بدل دی تھی میری...... کیسے سنبھال کر نہ رکھتا اسے۔'' ماسٹر ابراہیم اب اُس قرآن پاک کو اُن کے ہاتھوں سے واپس لیتے ہوئے اُسے دیکھ کر جیسے خود ماضی میں جا رہے تھے۔ ''پہلی بار جب کسی نے یہ نسخہ مجھے دے کر کہا تھا کہ ہاتھ سے لکھا ہوا ہے تو میں نے ...... ماسٹر ابراہیم تو نے ساری عمر ریمپ پر چلتی عورتوں کے جوتے بنا بنا کر زندگی گنوا دی...... ملا کیا...... پیسہ...... بس...... اور ایک یہ شخص ہے جس نے زندگی کے سال لگا کر جنت کما لی...... بس دماغ ہی اُلٹ گیا میرا...... آپ کو یاد ہے کیسے ڈھونڈتا ہوا پہنچا تھا میں آپ کو ترکی میں۔'' انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا اپنی بھرآئی ہوئی آواز کو ٹھیک کرنے کے لئے۔

''ہاں اور میرے لئے لائے تھے...... اٹلی کے جوتے پیرس کے پرفیومز اور میلان کے سوٹ۔'' عبدالعلی جیسے کچھ یاد کر کے ہنسے۔ ''جو میری اوقات تھی میں تو وہی لاسکتا تھا نا۔ حیران ہو گیا تھا اُس وقت آپ کو اُردو بولتے دیکھ کر۔''

''اپنے پوتے کے لئے سیکھ رہا تھا تب۔'' وہ دونوں جیسے ماضی میں پہنچے ہوئے تھے۔

''قلبِ مومن کیسا ہے؟'' ماسٹر ابراہیم نے یک دم پوچھا۔ عبدالعلی نے ایک نظر ماسٹر ابراہیم کو دیکھا پھر جیسے کوئی دُھند اُن کی آنکھوں میں آئی تھی۔ ''جیسے کبھی تم تھے۔'' اُن کی آواز میں عجیب ندامت تھی۔ ماسٹر ابراہیم بے اختیار ہنسے۔ ''یعنی منجھدار میں ہے...... نکل آئے گا باہر۔'' عبدالعلی بڑا گناہ گار انسان ہے ماسٹر ابراہیم ...... یہ آزمائشیں اسی لئے آتی ہیں مجھ پر...... اللہ کا نام لکھتے ہوئے کوئی کوتاہی کوئی بے ادبی ہو گئی ہو گی مجھ سے......'' اُن کے گالوں پر آنسو بہنے لگے۔ ماسٹر ابراہیم نے بے قرار ہو کر کہا۔

''آپ ایسا نہ کہیں عبدالعلی صاحب...... سارے راستے ہیں...... ہر راستے سے گزرنا ہوتا ہے انسان نے...... صرف سیدھے راستے سے چل کر کیسے پہنچے گا رب تک؟'' وہ اُنہیں تسلی دے رہے تھے۔

''میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اب...... کام کرتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہیں میرے...... یہ کام میرے ساتھ ختم ہو جائے گا...... وہ خاندان جو اتنی نسلوں سے مسجدِ قرطبہ اور الحمرا میں خطاطی کرتے کرتے ترکی کی مسجدوں اور محلوں میں خطاطی کرتا آیا ہے وہ میرے بعد محقق خطاطوں کا خاندان نہیں کہلائے گا...... میرے خاندان میں کوئی اللہ کا نام لکھنے والا نہیں رہے گا۔ یہ غم بہت بڑا ہے میرے لئے...... طٰحہٰ کی موت سے بھی بڑا......'' ماسٹر ابراہیم نے اُن کا کندھا تھپکتے ہوئے اُنہیں تسلی دی۔ ''چائے بناتا ہوں آپ کے لئے لیکن آپ روئیں نہیں...... اُستادوں کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہوتے......'' عبدالعلی نے رومال سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ ''بس دل بھر آیا۔''

''وہ کہیں نہیں جاتا...... ادھر ہی آئے گا...... میرے ماں باپ بھی بڑے پریشان ہوئے تھے......سیّدوں کا بیٹا جوتے بنانے لگ گیا وہ بھی عورتوں کے فیشن شوز...... ریمپ...... وہ کیا سرکل تھا جس میں میں اُٹھتا بیٹھتا تھا...... نہ خاندان کی پرواتھی نہ دین کی...... بس دُنیا کا ہی ہو کر رہ گیا تھا......اور دیکھ لیں اللہ نے کہاں سے کھینچ کر کہاں لا بٹھایا ہے مجھے...... میلان، پیرس، نیویارک...... کس کی نائٹ لائف روک سکی ہے مجھے۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''بس ایک وقت ہوتا ہے...... اور وقت سے پہلے کچھ نہیں ہوتا...... آپ دُعا کریں اللہ قلبِ مومن کا وہ وقت پہلے لے آئے آنا تو اِدھر ہی ہے اُس نے۔'' وہ اُنہیں تسلی دیتے ہوئے گئے تھے اور عبدالعلی اُن کا چہرہ دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

سفید چادر پر اپنے ہاتھ سے گرنے والی گٹھلیوں کو وہ کسی میکانیکی انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اپنے ایک گھٹنے کو بچھائے اور دوسرے پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے وہ ایک بازو اُسی گھٹنے کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ اُس کے گھر کے چھوٹے سے صحن میں بچھی سفید چادر کے گرد عورتیں بیٹھی ہوئی گپ شپ میں مصروف گٹھلیاں پھینکتی جا رہی تھیں۔ گٹھلیوں کا وہ ڈھیر جو چادر کے درمیان میں تھا اب وہاں سے تحلیل ہوتے ہوئے سب کے سامنے چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں کی شکل اختیار کر چکا تھا اور سب عورتوں کی گٹھلیاں پھینکنے کی رفتار میں بھی اس کے ساتھ ہی بے حد تیزی آ گئی تھی۔ وہ آیت کریمہ کا آخری دور تھا اور اُس کے بعد ختم دلوایا جاتا اور پھر کھانا بٹنا شروع ہوتا۔ وہ جہانگیر کا سوئم تھا۔

سفید چادر کے درمیان گٹھلیوں کا ڈھیر غائب ہوتے ہی یک دم چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ محلے سے اب انہیں عورتوں کے بچے بھی وہیں آنا جانا شروع ہو گئے تھے۔ اُس کے برابر بیٹھی اقصیٰ نے

چادر پر اُس کے برابر پڑے اُس فون کی طرف اُس کی توجہ مبذول کروائی جو بار بار تھرتھرا رہا تھا اُس پر کاسٹنگ ایجنٹ کا نام چمک رہا تھا۔ مومنہ نے فون کو نہیں چھوا۔ آنکھیں بند کرلیں۔

''اندر عورتوں کو بھی بھیج دو کھانا......ارے شرفو پانی کے دو جگ تو پکڑ......اب وہ بھی کیا جھومر ہی لائے گا۔'' باہر گلی میں جھومر بلند آواز میں ختم کے بعد بول رہی تھی۔

جھومر باہر گلی سے پرات میں چاول ڈالے پھرتی سے بار بار اندر باہر آ جا رہا تھا۔ سفید چادر اب چاولوں کے پلیٹوں سے باہر گرنے والے دانوں سے بھر رہی تھی......اُس میں بے شمار سلوٹیں پڑ گئی تھیں کچھ چھوٹے بچوں کے مٹی سے بھرے پیروں کے نشان بھی نظر آ رہے تھے اور جگہ جگہ گلاسوں سے چھلکنے والا پانی بھی۔ مومنہ سلطان کا گھر اس وقت شور سے گونج رہا تھا۔ پرات میں بریانی کے اندر پڑی بوٹیوں کو چھیننے کے لئے ایک کھینچا تانی ہو رہی تھی۔ صرف مومنہ سلطان اور اقصیٰ تھیں جو چپ چاپ ایک طرف بیٹھی تھیں......اور ثریا جو چادر کے دوسرے کنارے پر کچھ عورتوں کے بیچ بیٹھی تھی۔

''تو بھی کھانا کھا لے جھومر۔'' کسی نے گزرتے ہوئے جھومر سے کہا تھا۔ ''جھومر شادی والے گھر سے کھاتی ہے، ماتم والے گھر سے نہیں...... بے شرم ہے جھومر بے حس نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر اُسی طرح گزر گئی تھی۔ ''لو نخرا دیکھو ہیجڑے کا۔'' کسی اور نے تبصرہ کیا تھا اور عورتوں نے چاول کے نوالے منہ میں ڈالتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

آدھ گھنٹے بعد وہاں کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ بس وہی تین لوگ اُس چادر پر بیٹھے ہوئے تھے اُسی طرح گم سم جو پہلے بیٹھے تھے اور سفید چادر جواب پوری طرح داغدار اور برتنوں، ہڈیوں اور چاولوں سے اٹی ہوئی تھی۔

مومنہ نے اقصیٰ کے ساتھ مل کر وہ چادر اُٹھائی تھی پھر صحن کی صفائی کی تھی۔ سلطان اب بھی کہیں باہر تھا۔ ثریا اندر کمرے میں۔

''کل سے شوٹ ہے میری......دو تین دن نہیں آ پاؤں گی پھر چکر لگاؤں گی۔'' اقصیٰ نے داؤد کے آنے پر مومنہ سے کہا۔ ''تم نے پہلے بھی بہت وقت دیا اب بھی......'' اقصیٰ نے اُس کی بات کاٹی۔ ''اب شکریہ ادا مت کرنا...... یہ وقت نہیں ہے شکریہ کا۔'' ''نہیں شکریہ ادا نہیں کروں گی......کروں گی بھی تو کس کس چیز کے لئے کروں گی۔'' مومنہ بڑبڑائی تھی۔ اقصیٰ نے بات بدل دی۔ ''میں نکلتی ہوں پھر۔'' وہ اُس سے گلے ملی اور پھر باہر نکل گئی۔ جھومر کھلے دروازے سے اُسی وقت اندر آیا تھا اور اُس نے مومنہ کو ایک کرسی اُٹھانے سے روکا۔

''چھوڑ دیں باجی جھومر اُٹھاتی ہے......آپ کا کام نہیں ہے۔'' اُس نے پُھرتی سے اُس کے ہاتھ سے کرسی پکڑی۔

''بڑی مشکل میں کام آئے ہمارے......کھانا لانا تمہاری ذمہ داری نہیں تھی جھومر۔'' مومنہ نے اُس سے کہا۔

''مجھے شرمندہ نہ کریں باجی...... مجھے بس ایک فکر تھی کھانا لاتے ہوئے۔'' ''کیا؟'' مومنہ نے پوچھا۔ جھومر نے کچھ نادم انداز میں سر جھکا کر نظر ملائے بغیر کہا۔ ''حرام کے پیسوں سے لائی تھی۔ قبول ہوجائے گی نا۔'' مومنہ اُس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی تھی پھر اُس نے مدھم آواز میں کہا۔ ''پتہ نہیں جھومر......'' جھومر کرسی اُٹھا کر مزید کچھ کہے بغیر گھر سے نکل گیا۔

مومنہ صحن میں رُکے بغیر جہانگیر کے کمرے میں آئی۔ ثریا وہاں نہیں تھی۔ جہانگیر کا کمرہ ویسے ہی تھا اُس کا بستر ویسے ہی سلوٹ زدہ تھا۔ بستر کے سرہانے پڑی ہوئی دوائیوں کا ڈھیر بھی وہیں کا وہیں تھا۔ اُس کے سارے ایوارڈز، فریمڈ تصاویر، اخباری تراشے سب کچھ وہیں کا وہیں تھا۔ صرف وہ نہیں تھا۔

وہ سیدھا اُس کے بستر پر گئی اور چت لیٹ گئی۔ اُس کی چادر اُس نے سر پر تان لی تھی۔ کسی نے اُس کی چادر کھینچ کر کہا۔

''آپا......آپا......'' وہ جھنجھلا کر بولی۔ ''کیا ہے تمہیں سونے بھی نہیں دیتے۔'' ''میرے بستر پر کیوں سو رہی ہو؟'' وہ خفا ہوا تھا۔ ''سو رہی ہوں بس اور اب میرا دماغ مت کھانا...... گھنٹے بعد آنا...... بازار چلیں گے؟'' ''جو چیز تمہارے پاس ہے ہی نہیں وہ کیسے کھاؤں گا میں البتہ میرے پاس ہے دماغ......جواب اماں، ابا اور تم نے چاٹ لیا ہے۔'' جہانگیر نے جواباً کہا تھا۔ ''جہانگیر اب اگر میں اُٹھی نا تو سیدھا چپل ماروں گی تمہیں۔'' مومنہ نے چادر اُسی طرح تانے اُس سے کہا تھا۔ ''چپل تو میں پہلے ہی پھینک آیا باہر......اتنا بےوقوف تو نہیں کہ چپل تمہارے پاس ہو تو میں پاس آؤں اور ایسی باتیں کروں۔'' مومنہ تب تک غنودگی میں جا چکی تھی۔ کسی نے اُس کی چادر کو زور سے کھینچا۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھی۔ وہ ثریا تھی جو اُس کی چادر کھینچ رہی تھی۔

''کیا ہوا اماں۔'' مومنہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''ایسے مت چادر لے کر لیٹ۔'' ثریا نے اتنے دنوں میں پہلی بار جہانگیر سے ہٹ کر کوئی جملہ کہا تھا اُس سے اور پھر رُکے بغیر چلی گئی تھی۔ مومنہ اُس خواب سے باہر آ گئی تھی جس میں جہانگیر بھی اُس کے ساتھ تھا۔ فون پھر تھرتھرانے لگا تھا اور مومنہ سلطان اُس دنیا سے بھاگنا چاہتی تھی جو اُس فون کے ذریعہ اُس تک آنا چاہتی تھی کسی آکٹوپس کی طرح اُس کو

اپنے شکنجے میں لینا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

قلبِ مومن کو نیند میں کسی آواز نے جگایا تھا۔ بستر میں لیٹے لیٹے آنکھیں کھولے وہ نیم تاریکی میں آواز کے ماخذ کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ رات کا پچھلا پہر تھا اور اُ کے کمرے میں مکمل خاموشی تھی اور اُس خاموشی میں ہلکے ہلکے وقفے سے جیسے کوئی سسکی اُبھرتی پھر خاموشی چھا جاتی۔ غنودگی کے عالم میں وہ اُن سسکیوں کو پہچاننے کی کوشش کرتا رہا اور پھر یک دم وہ پہچان گیا تھا اور پہچاننے کے ساتھ ہی وہ جیسے کرنٹ کھا کر اُٹھا تھا۔ وہ دادا کی آواز تھی۔ کمبل پھینکتے ہوئے بستر سے نکل کر ننگے پاؤں وہ اپنے کمرے سے نکلا تھا۔ تقریباً بھاگتے ہوئے اُس نے دستک دیئے بغیر دادا کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ دروازہ کھلا تھا کمرے میں صرف ایک بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ آن تھا اور اس زرد روشنی میں عبدالعلی کمرے کے فرش پر بچھے مصلّے پر سربسجود ہچکیوں سے رو رہے تھے۔ قلبِ مومن کا خیال تھا اُن کی طبیعت خراب تھی۔ مگر وہ ٹھیک تھے۔ صرف رو رہے تھے...... با آواز ہچکیوں سے...... دیوار پر ٹنگے کلاک پر قلبِ مومن نے پہلی بار وقت دیکھا۔ وہاں پر 3:35 ہو رہے تھے۔ وہ یقیناً تہجد پڑھنے کے لئے جاگے تھے اور اب تہجد پڑھنے کے دوران کسی بات پر روئے تھے۔ لحظہ بھر کے لئے مومن کو خیال آیا وہ اسی خاموشی سے وہاں سے چلا جائے۔ وہ عبدالعلی اور اُن کے رب کا معاملہ تھا وہ اس رازداری میں شریک ہونا نہیں چاہتا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنا تا اُس نے دادا کی زبان پر اپنا نام سنا تھا۔ قلبِ مومن کو لگا اُسے غلطی لگی ہے۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے وہ اُنہیں دیکھتا رہا۔ وہ دوبارہ اُسی کا نام لے رہے تھے کچھ کہہ رہے تھے اور جو کچھ کہہ رہے تھے وہ قلبِ مومن نے سن لیا تھا۔

''اے اللہ میرے مومن کو سیدھا راستہ دکھا۔ اُسے ہدایت دے۔'' وہ روتے ہوئے بار بار یہ جملہ ادا کر رہے تھے۔ قلبِ مومن دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے پہلے پانی ہوا تھا پھر آگ...... دادا پر ایسا غصہ اُسے سالوں بعد آیا تھا۔ وہ اللہ سے اُس کی شکایت کر رہے تھے دُعا نہیں...... اُن کو کیا حق تھا یہ کرنے کا...... وہ وہیں کھڑا بے حد خفگی سے انہیں دیکھا رہا...... بے حد خفگی سے...... پھر وہ پلٹ کر دیوار کے ساتھ پڑے اُس صوفہ پر بیٹھ گیا تھا جو دادا کی پشت پر تھا۔

''میرے مومن کو صراطِ مستقیم پر چلا...... اُن لوگوں کے راستے پر جن سے تو راضی ہوا نہ کہ اُن لوگوں کے راستے پر جن پر تیرا عذاب نازل ہوا'' وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ زمین پر سجدے میں اُن کا وجود لرز رہا تھا اور قلبِ مومن کا سینہ جیسے اُن کے الفاظ نے چیر دیا تھا اُس کی انا پر کاری ضرب لگی تھی۔

دادا کو یہ حق نہیں تھا وہ اُسے رات کے اس پہر اللہ کی عدالت میں کھڑا کر دیتے۔

اُن کے سجدے میں گڑگڑاتے وجود کو دیکھ کر صوفے پر ٹانگیں پھیلائے بیٹھے پڑے قلبِ مومن کو سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی......شراب کی......یا کسی ڈرنک کی جو چند لمحوں کے اندر اُسے اس احساس سے مبرّا کر دیتی جس کا شکار وہ اس وقت ہو رہا تھا۔

عبدالعلی بڑی دیر گڑگڑاتے رہے تھے اور پھر اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔انہوں نے اُس وقت کمرے میں قلبِ مومن کی موجودگی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ دعا کر رہے تھے اور جب انہوں نے دعا ختم کی تو وہ قلبِ مومن کی بھاری آواز سے جیسے ہڑبڑا کر چونکے تھے۔

''دادا آپ کے نزدیک سیدھا راستہ ہے کیا جس پر میں نہیں ہوں؟'' اس کا لہجہ ٹھنڈا آواز سنجیدہ تھی۔عبدالعلی کچھ دیر وہیں چپ چاپ بیٹھے رہے پھر وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور تب انہوں نے قلبِ مومن کو پہلی بار دیکھا وہ اب صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا اور اُس نے اُن کے کھڑا ہونے پر صوفہ کے ساتھ سائیڈ ٹیبل لیمپ کو آن کر دیا تھا۔کمرے کی روشنی میں یک دم اضافہ ہوا۔

عبدالعلی نے اُس روشنی میں قلبِ مومن کا چہرہ دیکھا وہ مومن نہیں طٰحہٰ تھا اور اُن سے کہہ رہا تھا۔

''بابا......آپ کے نزدیک سیدھا راستہ ہے کیا؟'' عبدالعلی بے اختیار آگے بڑھے تھے اور انہوں نے کسی معمول سحر زدہ انداز میں اُس کا چہرہ چھوتے ہوئے کہا۔''طٰحہٰ'' مومن نے حیرانی سے اپنے چہرے کو چھوتا اُن کا ہاتھ اور اُس کی انگلیاں دیکھیں اور پھر اُس نے عبدالعلی سے کہا۔

''دادا میں قلبِ مومن ہوں۔'' عبدالعلی یک دم ہڑبڑائے یوں جیسے کسی طلسم سے باہر آئے تھے۔

''کیا ہوتا ہے سیدھا راستہ؟'' مومن نے دوبارہ اُن سے پوچھا تھا۔ وہ اُسے دیکھتے رہے پھر مدھم آواز میں بولے۔

''فلاح کا راستہ۔'' قلبِ مومن یک دم اُٹھ کر کھڑا ہوا۔اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اُس نے پوچھا۔''کیا ہوتی ہے فلاح؟ کامیابی نا؟ میں آپ کو دکھاتا ہوں کیا ہوتی ہے فلاح......کیا ہوتی ہے کامیابی۔'' اُس نے یک دم اُن کا ہاتھ پکڑا اور وہ اُنہیں ساتھ لیتے ہوئے لاؤنج میں آ گیا۔

دیوار پر لگے اپنی ٹرافیوں اور ایوارڈز سے بھرے ریکس کے سامنے کھڑے ہو کر اُس نے دادا سے کہا۔''یہ ہے فلاح۔'' پھر وہ سینٹر ٹیبل پر پڑے اُن میگزینز اور نیوز پیپرز کو باری باری کر کے انہیں دکھاتے ہوئے پھینکنے لگا۔''یہ ہے فلاح دادا۔'' آخری میگزین ٹیبل پر واپس پھینکتے ہوئے اُس نے دادا سے

کہا۔''یہ گھر دیکھ رہے ہیں......گلاس پینٹ ہاؤس......شہر کا مہنگا ترین علاقہ ہے یہ...... چند سالوں میں بنایا ہے میں نے...... چند سالوں میں...... یہ پورا ملک مجھے جانتا اور پہچانتا ہے......ایکٹرز، ایکٹریسز میرے ساتھ کام کرنے کے لئے منتیں کرتی ہیں...... برانڈز میرے ایک اشارے پر آنکھیں بند کر کے میرے پراجیکٹس پر پیسہ پھینک دیتے ہیں...... یہ فلاح ہے...... یہ سیدھا راستہ ہے۔'' وہ دیوار پر لگے سپر سٹارز کے ساتھ فریم تصویروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یوں جیسے اُس پر پاگل پن کا دورہ پڑا تھا اور دادا وہاں کھڑے یوں اُسے دیکھ رہے تھے جیسے سرکس میں مداری اُس سدھائے ہوئے جانور کو دیکھ رہا ہو جو یک دم ہتّھے سے اُکھڑ گیا ہو۔

''جو تم کر رہے ہو......وہ بے حیائی ہے...... بے حیائی میں سب ملتا ہے......سب......ایسے ہی گھر......وہی گاڑیاں جو تم چلاتے ہو۔'' وہ مدھم آواز میں کوڑے برسا رہے تھے۔ ٹھنڈی میٹھی آواز قلبِ مومن کے نظریہ کامیابی کے پرخچے اُڑا رہی تھی۔

''وہ برانڈز جو تم پر پیسہ لگا رہے ہیں وہ تم پر پیسہ نہیں لگا رہے اُس بے حیائی پر لگا رہے ہیں جسے تم پروموٹ کرتے ہو......تم جسم دکھاتے ہو اور جسم کی پرستش کرواتے ہو...... دُنیا تمہارا طواف کیوں نہ کرے مومن...... کیوں نہ سر پر بٹھائے تمہیں۔'' قلبِ مومن کا چہرہ کس رنگ کا ہوا تھا وہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا......سرخ......زرد......سفید......وہ جو بھی رنگت تھی نارمل رنگت نہیں رہی تھی۔

''آپ بہت زیادتی کر رہے ہیں دادا...... میرے کام کو حقیر اور چھوٹا کہہ کر......آپ دراصل مجھ سے حسد کرتے ہیں......آپ نے آخر کیا کمایا کیلی گرافی کو اپنی زندگی کے 70 سال دے کر...... میں آپ سے آدھی عمر کا بھی نہیں ہوں مگر میری کامیابی کا سکیل دیکھیں...... دُنیا کی ہر آسائش ہے میرے پاس...... ناموری ہے......لاکھوں کروڑوں لوگ فین ہیں میرے...... جان قربان کرنے والے دوست ہیں......آپ کے پاس کیا ہے؟'' وہ بدتمیزی کی حد تک صاف گوئی پر اُترا ہوا تھا۔ وہ قلبِ مومن کا وہ رُخ اور رنگ دکھا رہا تھا عبدالعلی کو جو اس سے پہلے صرف دنیا نے دیکھا تھا۔

''میرے پاس کچھ نہیں ہے......تم یہی سننا چاہتے ہو نا مجھ سے؟ میرے پاس تمہاری طرح کریڈٹ کارڈز سے بھرا ہوا والٹ نہیں ہے...... یہ سمارٹ فون بھی نہیں ہے جو تمہارے پاس ہے...... دُنیاوی اثاثے صفر ہیں......کروڑوں لوگوں کی چاہت بھی نہیں ہے میرے پاس...... نہ مجھے تمہاری دُنیا کے نامور لوگ جانتے ہیں مگر قلبِ مومن مجھے اللہ جانتا اور پہچانتا ہے......کیا تمہیں جانتا ہے اللہ۔'' قلبِ مومن کو بت بنا دیا تھا انہوں نے آگ کے گولے سے......وہ ساکت کھڑا اُن کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اُس نے

کہا۔

''یہ آپ کا غرور ہے۔'' ''یہ میرا ایمان ہے۔'' انہوں نے جواباً کہا۔ ''16,16 گھنٹے اللہ کا نام لکھوں اور یہ خوش گمانی بھی نہ رکھوں کہ وہ مجھے پہچانتا ہے...... تم کو غرور لگتا ہے غرور سہی۔'' انہوں نے جیسے اُسے چیلنج کرتے ہوئے چپ کیا تھا۔

''میں آپ سے بات نہیں کرسکتا...... آپ واپس چلے جائیں...... میں اپنی زندگی اپنی دُنیا سے خوش ہوں...... میں کبھی آپ کی دُنیا میں نہیں آؤں گا۔'' وہ بڑی خفگی سے کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تھا۔ عبدالعلی کھڑے رہے تھے اُنہیں طٰحہٰ یاد آیا تھا۔ اُس نے بھی ایک بار ایسے ہی ضد کی تھی اُن سے...... بس ایک ہی بار اور ایسے ہی پلٹ کر گیا تھا پھر دوبارہ نہیں آیا تھا۔

☆......☆......☆

برآمدے میں پڑا سلطان کا وینٹی باکس زندگی میں پہلی بار گرد آلود دیکھا تھا مومنہ نے۔ اُس نے دوپٹے کے پلو سے اُس مٹی کو پونچھنے کی کوشش کی پھر اُسے اُٹھا کر اندر کمرے میں لے آئی۔ سلطان اپنے بستر میں منہ سر لپیٹے پڑا تھا۔

''ابا...... ابا......'' اُس کے پاس کھڑے ہو کر وینٹی باکس ہاتھ میں لئے مومنہ نے اُسے پکارا تھا۔ سلطان نے چادر ہٹا کر اُسے دیکھا۔ اُس کا شیو بڑھا ہوا تھا بال بے ہنگم آنکھیں سرخ۔ وہ مٹی جو اُس وینٹی باکس پر پڑی ہوئی تھی مومنہ کو اپنے باپ کے چہرے پر بھی دِکھی...... وہ دنوں میں بوڑھا ہوا تھا۔

''آپ کا وینٹی باکس لائی ہوں۔'' اُس نے لہجہ حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب گھر میں موجود باقی دونوں وجود کو جیسے فرسٹ ایڈ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ سلطان نے اُس کے ہاتھ سے وینٹی باکس چپ چاپ لے لیا۔ ''مٹی پڑی ہوئی تھی ابا۔'' مومنہ نے جیسے اُس سے باتیں کرنے کی کوشش کی۔ ''مٹی تو پتہ نہیں کس کس چیز پر پڑ گئی ہے۔'' وہ بڑبڑایا تھا اور اُس کی بڑبڑاہٹ نے مومنہ کو چپ کرا دیا۔

''اتنے دن ہو گئے آپ نے حسنِ جہاں کی بات نہیں کی۔'' اُس کو یک دم وہ موضوع یاد آیا جس پر وہ باپ سے بات کرسکتی تھی۔

''حسنِ جہاں۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''حسنِ جہاں بھی تو مر گئی تھی۔'' وہ یک دم کہہ کر رونے لگا۔ مومنہ کی ساری کوششوں پر پانی پھیرتے ہوئے وہ وہاں رُک نہیں پائی باپ کو اس طرح روتے دیکھنا بڑا مشکل کام تھا۔

باہر برآمدے میں ثریا اپنے کندھے کو ہاتھ سے دباتی تھکی ہوئی چلی آرہی تھی۔ ''کندھے کو کیا ہوا اماں؟'' مومنہ کو تشویش ہوئی۔ ''دُکھ رہا ہے۔'' ثریا نے کہا۔ ''میں دبا دوں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں؟'' مومنہ نے اُس کے کندھے کو ہلکا سا دباتے ہوئے کہا۔ ''نہیں خود ٹھیک ہوجائے گا...... یہ ٹھیک ہوجائے گا تو کچھ اور دُکھنا شروع ہوجائے گا۔ کس کس چیز کو دبواتی پھروں......'' اُس نے عجیب سی بے زاری سے کہا پھر اُسی سانس میں اُس سے کہا۔ ''میں سوچ رہی تھی تم امریکہ نہ جاؤ۔'' اُس کا اشارہ فلم کی طرف تھا۔ ''کیوں اماں؟'' اُس نے پوچھا۔ ''بس دل گھبراتا ہے۔'' ''ایک مہینے کی تو بات ہے۔'' مومنہ نے تسلی دی۔ ''فلم رہنے دیتی...... اب تو ضرورت بھی نہیں...... دال، روٹی تو TV سے بھی چل جاتی۔'' اُس نے مدھم آواز میں کہا۔ ''قرضہ ہے سر پر اماں۔'' مومنہ نے جیسے اُسے یاد دلایا۔ ''ہاں...... پر...... پتہ نہیں......کوئی کام ڈھونڈتی ہوں میں...... جہانگیر کے ابا سے کہتی ہوں میں۔'' اُس نے گڑبڑائے ہوئے انداز میں کہا اور پھر یک دم جیسے اندر سے سلطان کے رونے کی آواز سنی۔ ''ان کو کیا ہوا؟'' وہ بے چین ہوئی۔ ''ایک ہی تو وجہ ہے اماں۔'' مومنہ نے مدھم آواز میں کہا۔ ثریا نے اُس کا چہرہ دیکھا پھر پانی اُس کی آنکھوں میں اُمڈا۔ دوپٹے سے چہرہ ڈھانپتے ہوئے اُس نے کہا۔ ''میں دیکھوں ذرا۔'' وہ کہہ کر اندر چلی گئی تھی۔ مومنہ وہیں کھڑی رہی۔

''پتہ نہیں میں اتنی بے حس کیسے ہوگئی ہوں میرے حصے کے آنسو بھی اماں اور ابا ہی بہائیں گے۔'' باہر صحن میں پڑے اُس کے فون نے جیسے اُس کو چونکایا۔

''یار فون تو اٹینڈ کرلو اُس ایجنٹ کا...... داؤد کو پریشان کرنا شروع کردیا ہے اُس نے کالز کر کر کے۔'' فون پر اقصیٰ تھی اور اُس نے اُس کی آواز سنتے ہی کہا تھا۔

''ہاں بس لے رہی ہوں کال۔'' اُس نے اقصیٰ کو ٹالا۔ ''پاسپورٹ چاہیے اُنہیں تمہارا فوراً...... ویزہ اپلائی کرنا ہے۔'' اقصیٰ نے اُس سے کہا۔ ''وہ بنوانا ہے ابھی۔'' مومنہ نے جواباً کہا۔ ''کل چلو میرے ساتھ یہ کام تو نپٹاتے ہیں۔'' اقصیٰ نے حل پیش کیا پھر یک دم کہا۔ ''تم فلم چھوڑنے کا تو نہیں سوچ رہی نا؟'' ''یہ آپشن نہیں ہے میرے پاس...... چاہوں بھی تو ایڈوانس کی رقم استعمال ہوگئی ہے۔'' مومنہ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ایسے مت کہو یار...... لائف ٹائم opportunity ہے...... تمہیں یاد ہے کتنی خواہش تھی تمہاری کہ یہ فلم تمہیں مل جائے۔'' اقصیٰ نے جیسے اُسے motivate کرنے کی کوشش کی۔ ''جہانگیر وجہ تھی ''تب''۔''

اُس نے مدھم آواز میں کہا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے مومنہ؟'' اقصیٰ نے تشویش سے کہا تھا۔ ''میں سو نہیں پا رہی......دل چاہتا ہے کئی دن کے لئے سو جاؤں مگر جب سونے کے لئے لیٹتی ہوں تو اُن سب کے چہرے آنکھوں کے سامنے آنے شروع ہو جاتے ہیں جن سے قرض لیا ہے۔'' اُس نے بالآخر جیسے اُس سے دل کی بات شیئر کی۔ ''اس گلی کے ہر گھر سے قرض لے رکھا ہے ہم نے......کچھ پہلے لیا تھا......کچھ اب......اور پھر جہانگیر کو ہاسپٹل سے لانے کے لئے......وہ جو کہتے ہیں نا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے مجھے آج پتہ چلا ہے وہ کیسے ہوتا ہے۔'' وہ رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''دماغ پر مت سوار کرو یہ سب کچھ......اُتر جائے گا سارا قرض......کون سا ابھی کوئی مانگ رہا ہے۔'' اقصیٰ نے تسلی دی۔ ''مانگ رہے ہیں...... یہ غریبوں کا محلّہ ہے اقصیٰ ان سب کو ضرورت ہے اپنے پیسوں کی......ابھی ہمدردی میں نرمی سے تقاضہ کر رہے ہیں اور پھر سختی سے کریں گے۔'' مومنہ نے کہا۔

''تم حساس مت ہوا تنی......رولو......غبار نکالو اپنے اندر سے۔'' وہ اسے اس کے علاوہ اور کوئی حل پیش نہیں کر سکی تھی۔ جانتی تھی مومنہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

''مجھے رونا نہیں آتا اقصیٰ......میرے گھر میں دو لوگ پہلے ہی دن رات روتے ہیں......میں کیسے روؤں......میرے سامنے ضرورتوں کا پہاڑ کھڑا ہے اور میرے ہاتھ پیر کام نہیں کر رہے......اس کو سر کروں تو کیسے کروں۔'' وہ اُسے کہہ رہی تھی۔ صرف اُسی سے یہ سب کہہ سکتی تھی۔

''یہ فلم کر لو مومنہ......بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے۔'' اقصیٰ نے اُسے جواباً کہا۔ وہ چپ چاپ اُس کی باتیں سنتی رہی۔

☆......☆......☆

وہ رات دیر سے گھر آیا تھا۔ اُس کا خیال تھا دادا سو چکے ہوں گے۔ شکور نے دروازہ کھولا۔

''کھانا دے دو مجھے۔'' وہ اتفاقاً اُس رات کھانا نہیں کھا سکا تھا ورنہ اتنی رات کو ہمیشہ کھانا کھا کر گھر آتا تھا۔

''ہاہ......آپ کھانا کھائیں گے......وہ تو میں نے بنایا ہی نہیں۔'' شکور نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''کیوں دادا کو نہیں دیا؟'' مومن نے پوچھا تھا۔ ''دادا تو چلے گئے۔'' شکور نے اُسی سانس میں کہا۔ مومن اندر جاتے جاتے ٹھٹھک گیا۔ ''کیا مطلب کہاں چلے گئے؟'' ''واپس ترکی......اُن کی فلائٹ تھی آج......آپ کو یہ بھی نہیں پتہ؟'' شکور نے اُس کے چہرے سے جیسے اندازہ لگایا۔

''تم نے مجھے نہیں بتایا۔'' مومن کو اس کے سوا کوئی جواب نہیں سوجھ پایا تھا ایک عجیب سی پشیمانی

نے اُسے آن گھیرا تھا۔

''مجھے لگا آپ کو خود پتہ ہوگا۔ مجھے کہا ٹیکسی منگوا دوں...... میں نے فٹ سے کریم منگوائی App ڈاؤن لوڈ کیا ہوا تھا...... کرولا پر بھیجا ہے دادا جی کو۔'' شکور نے فخریہ مومن کو بتایا۔ مومن کھڑا اُسے دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بغیر اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

''اب بھی کھانا کھائیں گے؟'' شکور نے پیچھے سے آواز دی۔ ''نہیں۔'' مومن نے کہا۔

''شکر ہے کھانے کے چکر میں شوربہ جانا تھا میرا۔'' شکور کے سر سے جیسے بلا ٹلی تھی۔

☆......☆......☆

وہ اپنے کمرے میں جا کر بیٹھا رہا پھر اُٹھ کر دادا کے کمرے میں آ گیا تھا۔ دروازہ بند کر کے اُس نے لائٹ آن کی تھی۔ کمرہ یک دم روشن ہوا تھا۔ وہاں ایک عجیب سا سکون تھا۔ فرش پر وہ مصلّے ویسے ہی بچھا ہوا تھا بس اُس کا ایک کونہ مڑا ہوا تھا۔ اُس کی سالگرہ پر دی جانے والی کیلی گرافی دیوار پر لٹکی ہوئی تھی۔

وَ اَنَّ اللہَ مَعَ الْمُؤمِنِین۔

وہ پچھلے چھ سالوں سے ہر سالگرہ پر اُسے کوئی نہ کوئی آیت خطاطی کر کے دے رہے تھے۔ وہ انہیں ایک نظر دیکھ کر رکھ دیتا تھا۔ سوائے اُس پہلی کیلی گرافی کے جو اُس نے لاؤنج میں لگا رکھی تھی۔ بہت دیر وہاں کھڑا وہ اُس آیت کو دیکھتا رہا پھر اُس کی آنکھوں کے سامنے وہی سین چلنے لگا تھا۔ رات کے اُس پچھلے پہر دادا کا اُس مصلّے پر سجدے میں رونا۔

''اے اللہ میرے مومن کو سیدھا راستہ دکھا...... اسے صراطِ مستقیم پر چلا۔''

قلبِ مومن دیوار پر لگے اُس فریم کے سامنے سے ہٹا یوں جیسے وہ سر سے یہ سب جھٹکنا چاہتا تھا۔ کان بند کر لینا چاہتا تھا۔ مگر اس کمرے میں آتے ہی دادا کی ساری باتیں گونج بن کر اُس کے گرد پھرنے لگی تھیں۔

''تم خوش ہو؟''

''بہت بہت زیادہ...... بے تحاشہ۔''

''لگتے کیوں نہیں۔''

قلبِ مومن نے لائٹ آف کر دی وہ اس آواز کی بازگشت سے فرار چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اُس رات ٹھیک سے سو نہیں سکا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اُس سے ناراض ہو کر گئے تھے یا شاید

پہلی بار اُس نے اُن سے اتنے سخت لفظ بولے تھے۔

ناشتہ کی میز پر بھی اُس کا دھیان بار بار اُن کی طرف جاتا رہا۔ وہ اخبار دیکھ رہا تھا اور شکور سٹور روم سے وہ سارے مجسمے نکال نکال کر دوبارہ لاؤنج میں اُنہیں ان کی جگہوں پر رکھتے ہوئے جھاڑ پونچ رہا تھا۔

''دادا جی تھے تو صفائی کا کام کتنا کم ہو گیا تھا۔ ساری چیزیں سٹور میں پڑی رہتی تھیں۔ اب پھر جھاڑ پونچھ ہوگی۔'' شکور ایک مجسمہ console پر رکھتے ہوئے کچھ بے زاری سے بڑبڑایا اور پھر اسی بڑبڑاہٹ میں مومن نے اُسے کہتے سنا۔ ''پتہ نہیں کیا پڑھ پڑھ کر پھونکتے رہتے تھے۔'' مومن متوجہ ہوا۔ ''کون۔'' ''دادا جی...... کونوں دیواروں میں...... اور آپ پر بھی تو پھونکتے تھے۔'' شکور نے فوراً بتایا۔ ''مجھ پر؟'' مومن چونکا۔ ''ہاں...... دو بار تو میں نے خود اُنہیں دیکھا...... آپ کو جگانے جاتے تھے اور جگائے بغیر آ جاتے تھے۔ دادا جی بڑا پیار کرتے تھے آپ سے...... مومن ہیں بالکل...... مطلب اصلی والے...... آپ کا تو صرف نام ہے۔'' شکور نے روانی میں جو کہا تھا اُسے شاید خود بھی اپنے جملے کی گہرائی اور اثر کا اندازہ نہیں تھا مگر مومن کو اُس کے آخری جملے نے جیسے کچھ چبھویا تھا مگر شکور سے وہ کیا بحث کرتا۔

''تم سے میرے بارے میں کچھ پوچھتے تھے؟'' ''کیا۔'' مومن کے سوال پر شکور چونکا۔ ''کچھ بھی؟'' مومن کو بھی سمجھ نہیں آئی کہ وہ کس چیز کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا۔

''ہاں پوچھتے تھے کہ آپ کب آئیں گے جب آپ رات کو لیٹ ہوتے تھے تو۔'' شکور نے روانی سے کہا۔ مومن کو جیسے تسلی نہیں ہوئی۔

''کسی اور چیز کی بات کر رہا ہوں میں...... میرے بارے میں کچھ اور پوچھتے تھے؟ لڑکیوں سے دوستی وغیرہ کے بارے میں؟ یا میرے دوستوں کے بارے میں؟'' مومن نے بالآخر کھل کر کہا۔

''نہیں جی دادا جی کو تو سوال کرنے کی عادت ہی نہیں تھی...... یہ سب سے اچھی عادت ہے اُن کی...... بس میری ہی باتیں سنتے رہتے تھے ہر وقت اور آپ کو تو پتہ ہے میں آپ کے بارے میں کبھی بات ہی نہیں کرتا۔'' شکور نے بے حد محتاط انداز میں اُس سے کہا تھا وہ اُس کے سوالوں سے کچھ ڈرا تھا۔

مومن نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ چپ چاپ چائے کے اُس کپ کو دیکھتا رہا جس میں وہ چائے پی رہا تھا اور جو ابھی آدھا بھرا ہوا تھا۔ پھر وہ اُسی طرح اُٹھ کر چلا گیا۔ اُسے جاتے دیکھ کر شکور نے معنی خیز انداز میں تبصرہ کیا۔

''لگتا ہے پچھتا رہے ہیں۔''

☆......☆......☆

''ہیلو ٹینا۔'' نیہا اُس وقت ضوفی کے ساتھ اُس کی گاڑی میں تھی جب اُس کے فون پر ٹینا کا نام چمکا تھا۔

''ہائے ضوفی......آپ کا invitation card تھا میرے پاس......قلبِ مومن کی اگلی فلم کی اناؤنسمنٹ کی تقریب ہے۔'' ضوفی نے دھڑکتے دل کے ساتھ ٹینا کو سپیکر پر لیا تاکہ نیہا بھی اُس کی بات سن سکے۔

''اچھا تو کاسٹ فائنل ہوگئی؟ کیا کاسٹ ہے؟'' ضوفی نے لہجہ بے حد نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے لئے سرپرائز ہے۔ مومن خود ہی آپ سے بات کریں گے لیکن آپ کا آنا must ہے۔'' ٹینا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ضوفی نے بے یقینی سے نیہا کو دیکھا۔ اُس نے مکا ہوا میں جوش میں لہرایا تھا۔

''Sure......Sure......آپ whatsapp بھی کر دیں invite...... I will be there۔''

''میں ابھی کر رہی ہوں کنفرم کر کے او کے کر دیں۔'' ٹینا نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

''Oh my God....... He gave in.''

اُس نے بے اختیار نیہا سے کہا تھا۔ ''میں نے کیا کہا تھا تم سے۔'' نیہا نے فخریہ انداز میں اُس سے کہا۔ ''وہ مجھے انکار نہیں کر سکتا۔'' وہ ہنس رہی تھی۔ ''I am so excited. You are gonna be a star. I would do your wardrobe.'' نیہا نے اُسے ہلکے سے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''Yes my love. It's all because of you......اپنا پہلا ایوارڈ تمہارے نام کروں گا میں۔'' ضوفی نے بھی جواباً اُس کے گال پر بوسہ ثبت کیا تھا۔

''اور دوسرا؟'' نیہا نے بڑے ناز سے پوچھا۔ ''دوسرا تیسرا......سارے۔'' ضوفی نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ ''اب ٹینا مجھے کال کر رہی ہے invite کے لئے......اور مجھے اتنے دنوں سے ٹینشن تھی کہ پتہ نہیں کیا ہوگا کہیں بغیر invite کئے ہی اناؤنسمنٹ نہ ہو جائے۔'' اُس نے ضوفی سے بات کرتے ہوئے ٹینا کی کال لی تھی اور بڑے میٹھے لہجے میں اُس سے کہا۔ ''ہائے ٹینا۔''

☆......☆......☆

قلبِ مومن کہیں جانے کے لئے اپنے بیڈروم میں تیار ہورہا تھا۔ جب اُس کا سیل فون بجا۔ نیہا کا نام دیکھ کر اُس نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو۔'' اُس کی ہیلو کا جواب نیہا نے بے حد رومانٹک انداز میں دیا۔

''I love you Jaano'' وہ جواباً مسکرایا۔

''I love you too......''

''You are the best.'' نیہا نے اپنی آواز کو مزید میٹھا کرتے ہوئے کہا۔

''Yes I know.'' مومن نے جواباً اُسی انداز میں کہا تھا۔ نیہا ہنسی۔ ''مجھے پتہ تھا تم میرے لئے کچھ بھی کر سکتے ہو۔''

''تمہاری expectations پر پورا اُترنا میرے لئے اعزاز ہے۔'' مومن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''Oh Momin I love you.'' نیہا نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔ ''تم آ رہی ہونا کل؟'' مومن نے اس بار موضوع بدلا۔

''ظاہر ہے اپنی جان کا ایونٹ کیسے miss کر سکتی ہوں۔'' ''کون جان؟'' مومن نے عجیب معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''تم ......اور کون؟'' نیہا نے اُس کے انداز کو مذاق سمجھا۔ ''تمہارے بغیر تو یہ ایونٹ ہو ہی نہیں سکتا نیہا نہ تمہارے بغیر نہ ضوفی کے بغیر۔'' مومن کچھ سنجیدہ ہوا تھا۔ ''مجھے پتہ ہے سرپرائز دینا چاہتے ہو مگر......I love surprises......ضوفی تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔''

''اور میں تم دونوں کو مایوس نہیں کروں گا۔'' مومن نے جواباً کہا۔ ''Let's meet۔'' نیہا نے اس بار بڑے رومانٹک انداز میں اُس سے کہا۔ ''اتنے دن ہو گئے تم کو miss کر رہی ہوں۔''

مومن نے جواباً اُسی انداز میں کہا۔ ''کل ہی مل لیتے ہیں۔ آج میں کہیں جا رہا ہوں۔''

نیہا چونکی۔'' ''کہاں؟''

''ایک نئی گرل فرینڈ کے ساتھ۔''

نیہا نے قہقہہ لگایا۔ ''ہو ہی نہیں سکتا۔''

''مومن پر اتنا اعتماد اچھا نہیں۔'' مومن نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

''اعتماد نہیں پیار ہے۔'' اُس نے بہت لاڈ سے کہا۔

''وہ بھی نا قابلِ اعتبار ہے۔''

''اچھا آج جو چاہے کہہ لو سب معاف ہے تمہیں تم نے اتنی بڑی خوش خبری دی ہے مجھے۔''

نیہا نے اُس سے کہا تھا۔

''کل اس سے بھی بڑی دوں گا۔Bye۔'' یہ پہلی بار تھا کہ فون مومن نے رکھا تھا اس طرح بات کرتے ہوئے۔ نیہا کو کچھ کھٹکا تھا۔ ناراض ہے میں منا لوں گی۔ اب اتنا نخرہ تو بنتا ہے اُس کا۔ اُس نے مطمئن انداز میں سوچا تھا۔ وہ مومن کو اچھی طرح جانتی تھی اور یہی اُس کی سب سے بڑی غلط فہمی تھی۔

☆......☆......☆

رات کی تاریکی میں ترکی کے اُس علاقے میں آس پاس کے گھنے سبزے میں وہ چھوٹا سا بے حد پرانا لکڑی کا دومنزلہ گھر کسی جگنو کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ اُس علاقے کے سب سے پرانے گھروں میں سے ایک تھا۔

عبدالعلی اُس رات کینوس پر ایک نئی آیت پینٹ کرنے والے تھے اور اس وقت وہ وضو کر رہے تھے بے حد ٹھہر ٹھہر کر۔ یہ بھی اُن کی ایک روٹین تھی۔ وہ خطاطی ہمیشہ باوضو حالت میں کرتے تھے۔ فون کی پہلی گھنٹی پر اُنہیں جیسے پتہ چل گیا تھا۔ فون کرنے والے کون تھا۔

''السلام علیکم۔'' قلبِ مومن کے لہجے میں عجیب سی ندامت تھی۔ ''وعلیکم السلام۔'' عبدالعلی نے بے حد محبت سے کہا۔ ''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا۔'' ''بالکل بھی نہیں۔'' ''کیسے ہو تم؟'' انہوں نے مومن سے پوچھا۔ ''ویسے کا ویسا ہوں یعنی بُرا......آپ کیسے ہیں؟'' اُس نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔ ''الحمدللہ۔'' عبدالعلی نے اُس کے جملے پر تبصرہ نہیں کیا۔ ''آپ ناراض تو نہیں۔'' مومن نے فوراً ہی پوچھ لیا تھا۔ ''نہیں۔'' عبدالعلی مسکرائے۔ ''جانے سے پہلے مل کر نہیں گئے۔'' مومن نے گلہ کیا۔ ''تم مصروف تھے۔'' ''آپ کے لئے تو نہیں تھا۔ مجھے لگا آپ ناراض ہو کر گئے ہیں۔'' وہ مدھم آواز میں کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''ناراض ہو کر کیوں جاتا۔'' عبدالعلی کا لہجہ ویسا ہی ملائم تھا۔

''میرا اور آپ کا arguement ہوا تھا......شاید میں نے کچھ ایسا بھی کہہ دیا تھا جو میرا مطلب نہیں تھا......اس لئے بس...... بعد میں سوچا تو......خیر۔'' قلبِ مومن اٹکتے ہوئے وضاحت کر رہا تھا۔ ساری زندگی اُس نے کبھی کسی سے اپنے رویے کی وضاحت نہیں کی تھی اور معذرت تو سوچنا بھی درکنار تو اٹکتا نہ تو کیا کرتا۔

''مجھے خوشی ہے آپ ناراض نہیں ہیں۔'' اُس نے جیسے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔

''تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی کہ مجھے غصہ آتا۔ غصہ دلانے والی ساری باتیں تو میں نے کی تھیں۔''
عبدالعلی اپنے کمرے میں ایزل اور کینوس رکھتے ہوئے ساتھ اُس سے بات کر رہے تھے۔

''یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... باتیں تو ساری غصہ دلانے والی ہی ہیں آپ کی اور زندگی میں پہلی بار کی ہیں آپ نے ایسی باتیں۔'' مومن نے فوراً سے شیئر کیا۔ ''پھر تم نے سوچا اُن باتوں کے بارے میں؟'' انہوں نے پوچھا تھا۔ ''بالکل بھی نہیں......سوچنے والی کوئی بات تھی ہی نہیں اُن میں...... دادا میں کوئی غلط کام نہیں کر رہا۔ I am very proud of my life, my work, my achievements.'' وہ یک دم سنجیدہ ہوا۔ ''کام غلط نہیں ہے سمت غلط ہے۔'' اُس نے عبدالعلی کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔ ''دادا میں آپ سے کہوں آپ اپنا کام چھوڑ دیں......آپ چھوڑیں گے؟......میں آپ سے کیوں آپ کا کام بُرا ہے آپ مانیں گے؟ میرا اور آپ کا نظریاتی اختلاف ہے دادا۔ آپ زندگی کے بارے میں میرا نظریہ نہیں بدل سکتے۔'' وہ کہہ رہا تھا دوٹوک انداز میں۔

''میں نہیں بدل سکتا مومن......اللہ تو بدل سکتا ہے۔'' انہوں نے مدھم آواز میں کہہ کر جیسے اُس کی طنابیں کھینچی تھیں۔ ''آپ مجھے پریشان کر رہے ہیں دادا......'' وہ زچ ہوا، اُکھڑا، خفگی کے عالم میں اُس نے فون بند کر دیا تھا۔ عبدالعلی ایسے نہیں تھے جیسے اب ہو رہے تھے۔ دادا کو کیا ہو گیا ہے......اُس نے پریشانی میں سوچا تھا۔ مگر وہ اُن کی کسی بات پر غور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انسان عمر کے اس حصے میں آکر ایسا ہی ہو جاتا ہے...... مذہب، مذہب، نصیحتیں، نصیحتیں، اپنی آستینوں کے بٹن کھولتے ہوئے اُس نے اُس بے قرار سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے جیسے خود سے کہا۔ جو دادا کے کچھ جملوں نے اُسے دی تھی۔

☆......☆......☆

''ماسٹر صاحب میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔'' اُس نوجوان لڑکے نے وہ ڈبہ کھولتے ہوئے ماسٹر ابراہیم سے کہا۔ وہ اُن کے پاس آنے والے بہت سے لڑکے لڑکیوں میں سے تھا۔

''کیا؟'' برآمدے میں بیٹھے اپنے کام میں مصروف ماسٹر ابراہیم نے کہا۔ ''اگر یہ کام ہم نہ کر رہے ہوتے تو کیا ہوتا؟''

''تو پھر کوئی اور ہماری جگہ بیٹھا ہوتا یہ کام کرنے کے لئے......اللہ کا کام ہے اور اللہ کے پاس اپنے کام کروانے کے لئے بندے بہت......'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھے بغیر کہا۔ ''یہ تو ٹھیک کہا آپ نے......'' اُس لڑکے نے بے اختیار تائید کی۔ ''لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ لوگوں کو پتہ کیسے چلتا ہے اس جگہ کا اور آپ کا؟ کہاں کہاں سے پرانے اور بوسیدہ قرآن پاک کے نسخے آرہے ہیں......آج جو

ڈبہ آیا ہے یہ چارسدہ سے آیا ہے۔'' وہ اُس کارٹن پر لگے ایڈریس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا جسے اُس نے ابھی کھولا تھا۔

''اللہ خبر دیتا ہے......اب لا کر بٹھایا ہے اس کام کے لئے تو کام بھی تو بھیجے گا نا۔'' ماسٹر ابراہیم ہنسے تھے۔''میں چلتا ہوں اب آج ویزہ کے لئے اپلائی کرنا تھا دُعا کریں ویزہ لگ جائے۔'' وہ لڑکا اپنا کام سمیٹ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ماسٹر ابراہیم نے اُسے دیکھے بغیر کہا۔

''اس سال نہیں لگے گا......اس لئے پیسے ضائع نہ کرو......اگلے سال جانا......تب تک کوئی آجائے گا میرے پاس تمہاری جگہ۔'' لڑکا اُن کی بات پر گڑ بڑا کر ہنسا۔''چلو آپ نے تو بات ہی ختم کردی۔ خدا حافظ۔'' ''خدا حافظ۔'' ماسٹر ابراہیم نے اُسے جاتے ہوئے اور مومنہ کو آتے ہوئے دیکھا اور بے اختیار کہا۔''تم کہاں غائب ہو جاتی ہو مومنہ۔'' مومنہ نے جواباً مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اُنہیں سلام کیا۔ انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔''لاہور سے کب آئی واپس؟'' وہ اب برآمدے میں بیٹھ رہی تھی۔''بڑے دن ہو گئے۔'' اُس نے کہا پھر اُٹھ کر اپنی شیلف سے اپنا قرآن اور کام نکال لائی۔

''سب ٹھیک رہا۔'' ماسٹر ابراہیم کو وہ بہت کمزور لگی۔''ہاں مجھے فلم مل گئی۔'' اُس نے دوبارہ فرش پر بیٹھتے ہوئے قرآن پاک کے وہ صفحے نکال لئے جن کی وہ مرمت کے لئے خطاطی کر رہی تھی۔''بہت مبارک ہو۔ بڑی خوشی کی خبر ہے یہ تو۔'' مومنہ نے جھک کر خالی کاغذ پر ایک لکیر کھینچی جیسے قلم کی نوک چیک کر رہی ہو۔''پتہ نہیں۔'' وہ ایک لحظہ کے لئے رُکی۔''جہانگیر کیسا ہے؟'' ماسٹر ابراہیم نے چند لمحوں بعد پوچھا۔''وہ مر گیا۔'' اُس نے سر جھکائے جھکائے اُن کا چہرہ دیکھے بغیر کہا۔''تم نے بتایا ہی نہیں میں اُس کا جنازہ پڑھنے آتا مجھے بڑا افسوس ہوا ہے مومنہ بیٹی۔'' ماسٹر ابراہیم کو واقعی صدمہ ہوا تھا۔ وہ اُسی طرح بے تاثر چہرے کے ساتھ سر جھکائے کام کر رہی تھی۔

''چپ کیوں ہو؟'' انہوں نے اُس سے پوچھا۔ اُس کی خاموشی اُنہیں تکلیف دہ لگ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے بہت دیر کچھ لکھتی رہی پھر اُس نے سر اُٹھایا''آپ سے آزمائش ختم ہونے کی دُعا کی تھی جہانگیر کے ختم ہونے کی خواہش تو نہیں کی تھی۔'' اُس کی آواز بھر آئی آنسو اُس کے گالو پر بہنے لگے۔ اُس نے رگڑنے کی کوشش کی یوں جیسے اُنہیں چھپانا چاہتی ہو۔''رولو......روئی نہیں ہونا۔'' ماسٹر ابراہیم نے مرہم جیسے لہجے میں اُس سے کہا۔

''جہانگیر ختم ہو گیا......آزمائش ختم نہیں ہوئی......بال بال قرض میں ہے میرا......میں نے کیا

رونا ہے ماسٹر صاحب...... درد میرے سارے آنسو پی گیا ہے۔'' اُس نے گہرا سانس لیا یوں جیسے رُکے ہوئے سانس کو بحال کرنے کی کوشش کررہی ہو۔ ''میں صبح اُٹھتی ہوں تو لگتا ہے مجھے اُس کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔ پھر یاد آتا ہے وہ تو ہے ہی نہیں...... ابا اور اماں کی کمر ٹوٹ گئی ہے وہ ہر وقت روتے رہتے ہیں۔ اور میں...... میں ڈھیٹ ہوگئی ہوں...... کھانا کھاتی ہوں...... پانی پیتی ہوں...... سوتی ہوں سارے کام کرتی ہوں بس روتی نہیں۔ میں کتنی ڈھیٹ ہوں۔'' اُس نے عجیب انداز میں ماسٹر ابراہیم کو دیکھا۔ اُس کے آنسو واقعی لمحوں میں خشک ہوئے تھے۔

''اللہ نے تمہیں صبر دیا ہے۔'' ماسٹر ابراہیم نے کہا۔ ''بہت زیادہ دے دیا ہے۔'' مومنہ نے کہا۔ ''مومنین پر آزمائشیں آتی ہیں اجر بھی بڑا ہے۔'' ''میں گناہ گار ہوں...... کہاں کی مومن...... کہاں کا اجر؟'' ''مومنہ نام ہے تمہارا...... گناہ گار کیسے ہوسکتی ہو تم؟ اور اجر کا تو اللہ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے...... اللہ اپنے وعدے رکھتا ہے۔ زبان کا بڑا اپکا ہے میرا رب۔'' انہوں نے اُسے دلاسہ دینے کی کوشش کی تھی۔ ''میں نے آج تک کبھی کوئی کام اجر کے لئے کیا ہی نہیں۔ نیکی بھی کی ہے تو اپنے آپ کو گناہ گار سمجھ کر کی ہے۔'' وہ جیسے ماسٹر ابراہیم سے متفق نہیں ہوئی تھی۔ ''اجر پھر بھی ملتا ہے مومنہ۔'' ماسٹر ابراہیم نے اپنا جملہ دہرایا۔

''اجر کیا ہوگا اب میرے لئے ماسٹر صاحب...... جہانگیر کے بعد...... دُنیا کی کوئی شے نہیں جو میرا دل آباد کردے میرے ماں باپ کا غم ختم کردے...... کوئی اجر تھا بھی نا میرے لئے تو میرے گناہ کھا گئے اُسے۔'' اُس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''تم بہت اچھی روح والی لڑکی ہو مومنہ سلطان۔''

''اچھی روح؟'' وہ نم آنکھوں کے ساتھ ہنسی۔ ''آپ مجھے نہیں جانتے ماسٹر صاحب...... آپ شرمندہ کررہے ہیں مجھے۔'' ''ہم میں سے کوئی کسی کو نہیں جانتا مگر رب خوب جانتا ہے...... آؤ جہانگیر کے لئے فاتحہ پڑھیں۔'' انہوں نے اپنے ہاتھ اُٹھائے تھے۔ مومنہ اُنہیں دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

ماسٹر ابراہیم کے گھر سے واپسی کے پورے راستے وہ اُن کے جملوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ ''اجر تو اللہ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے رکھتا ہے۔ زبان کا بڑا اپکا ہے میرا رب۔'' اُن کے جملے اُس کے کانوں میں گونجتے رہے اور سفر کرتے ہوئے اُس نے سوچا وہ کون سی چیز تھی جو اُسے ملتی تو وہ اُسے اپنا اجر سمجھتی...... اُس کے ذہن کی سکرین پر ایک ہی نام اور چہرہ آیا تھا۔ اور اُس نے

اُسے اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ وہ ناممکنات پر یقین نہیں رکھتی تھی۔

اپنے گھر کے صحن میں داخل ہوتے ہوئے اُس نے اندر سے آتی ایک آواز سنی تھی اور اُسے ناممکنات پر یقین آ گیا تھا وہ جسے اپنا اجر سمجھتی وہ اُس کے گھر پر موجود تھا۔

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 5
/RAMZEBEKHUDI
/RAMZEBEKHUDI

الف

قسط نمبر:5

میرے پیارے اللہ

آج میں نے بابا کو پھر خواب میں ستارہ بنتے دیکھا۔ جیسے ترکی میں دیکھا تھا۔ تب میں نے اُنہیں ستارہ بنتے دیکھا تھا پھر وہ آگ کا گولہ بن گئے اور پھر وہ بہت دور چلے گئے۔ آج پھر میں نے اُنہیں دور جاتے دیکھا اور میری آنکھ کھل گئی۔ بابا کہیں بھی نہیں تھے۔ میں بہت اُداس ہوں۔ بہت زیادہ۔

میں نے آپ کو اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ پہلے اپنے بارے میں بتانا چاہیے تھا۔ میرا نام قلبِ مومن ہے۔ آپ کو یاد ہے کئی مہینے پہلے میں آپ کو خط لکھا کرتا تھا۔ تب میں ترکی میں رہتا تھا، اب پاکستان میں رہتا ہوں۔

آپ نے میرے خطوں کے جواب میرے دادا کو بھیجے تھے مگر دادا نے وہ مجھے نہیں دیئے۔ آپ کو میں یاد آ گیا نا؟ مجھے پتہ تھا میں آپ کو یاد آ جاؤں گا کیونکہ ممی کہتی ہیں آپ کبھی کوئی چیز بھول ہی نہیں سکتے خاص طور پر اُن کو جو آپ سے پیار کرتے ہوں اور میں تو آپ سے بہت پیار کرتا ہوں۔۔۔ دیکھیں میں نے آپ کے لئے hearts بھی بنائے ہیں۔ اور ہمیشہ کی طرح اس خط پر پھول اور ستارے بھی بنائے ہیں۔ رنگین pencils سے۔۔۔

آپ سوچتے ہوں گے اگر میں آپ سے اتنا پیار کرتا ہوں تو پھر آپ کو اتنے مہینوں سے خط کیوں نہیں لکھتا رہا۔ میں آپ کو بھولا نہیں ہوں بس پاکستان آ گیا ہوں لیکن آپ سے روز باتیں کرتا ہوں رات کو بستر پر لیٹ کر سونے سے پہلے۔ جب سپارہ پڑھتا ہوں تب بھی آپ کو یاد کرتا ہوں اور جب نماز پڑھتا ہوں تب بھی۔۔۔ نماز ساری نہیں پڑھتا اور روز بھی نہیں پڑھتا، لیکن سیکھ رہا ہوں آپ ناراض مت ہونا مجھے پتہ ہے آپ ناراض نہیں ہوں گے کیونکہ میں بچہ ہوں اور آپ بچوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔

ہم اب بہت بڑے گھر میں رہتے ہیں لیکن میں یہاں خوش نہیں ہوں۔ مجھے اپنا سکول یاد آتا ہے۔ اپنے دوست بھی اور وہ جنگل بھی جہاں میں آپ کے لئے خط چھوڑ کر آتا تھا۔ میں نے یہاں بھی ایک جگہ ڈھونڈ ھ لی ہے جہاں میں آپ کے لئے خط چھوڑ سکتا ہوں۔

میرے پیارے اللہ میرا دل پاکستان میں نہیں لگتا یہاں اب ہمارے پاس وہ سب کچھ ہے جو

میں آپ سے مانگتا تھا۔ بڑا سا گھر، گاڑی اور وہ ساری چیزیں جو میں آپ سے مانگتا تھا۔ وہ ممی مجھے بازار سے لے دیتی ہیں۔ سب کچھ مل گیا ہے مجھے لیکن ممی کھوگئی ہیں۔ یہ میری والی ممی نہیں ہیں۔ وہ الگ کمرے میں رہتی ہیں اور میں الگ کمرے میں اور کبھی کبھی وہ کئی کئی دن گھر بھی نہیں آتیں۔ مجھے لگتا ہے اُنہیں اب میری اور بابا کی پروا نہیں ہے۔ وہ اب بابا کو miss نہیں کرتیں۔ اُن کے لئے پہلے کی طرح روتی بھی نہیں ہیں۔ اب بہت اچھے اور مہنگے کپڑے پہنتی ہیں۔ زیور بھی، میک اپ بھی۔۔۔۔ اور وہ بہت ہنستی ہیں۔۔۔۔ بہت بہت زیادہ۔۔۔۔ کبھی کبھی وہ اتنا ہنستی ہیں کہ مجھے اُن پر غصہ آتا ہے۔

مجھے اُن کے بارے میں بہت ساری خراب باتوں کا بھی پتہ چل گیا ہے لیکن وہ میری ممی ہیں اس لئے میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ اس کے لئے Sorry۔

مجھے اب بابا بہت یاد آتے ہیں اور دادا بھی۔

میرے پیارے اللہ کیا آپ مجھے اُن دونوں کے پاس ترکی نہیں بھیج سکتے۔ میرا دل ممی کے پاس نہیں لگتا۔ وہ مجھے ایک چڑیل لگتی ہیں۔ مجھے پتہ ہے مجھے ممی کو یہ نہیں کہنا چاہیے لیکن مجھے اُن پر غصہ آتا ہے۔ مجھے لگتا ہے انہوں نے میرے بابا کو جان بوجھ کر ناراض کیا ہے۔ اگر وہ ترکی میں رہتیں تو بابا مل جاتے۔ میں خود ڈھونڈھ لیتا اُن کو۔ مجھے ہر کھو جانے والی چیز کو ڈھونڈنا آتا ہے۔

میرے پیارے اللہ میں نے آپ سے کہا تھا آپ میری ممی اور بابا کی صلح کروادیں اور ہم سب اکٹھے رہیں لیکن آپ نے مجھے جو جواب بھیجا تھا وہ دادا نے مجھے نہیں دیا۔ اور اب دادا بھی کہیں گم ہو گئے ہیں۔

میں بہت اُداس ہوں یہاں پاکستان میں۔ آپ کو خط اس لئے لکھ رہا ہوں تا کہ آپ میرے لئے کچھ کریں۔

کیا آپ میرے پر اُگا سکتے ہیں تا کہ میں اُڑ کر ترکی چلا جاؤں اور ممی مجھے ڈھونڈتی رہ جائیں؟ مجھے پتہ ہے آپ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ آپ کب مجھے اپنے بابا اور دادا سے ملوائیں گے۔۔۔۔؟ جلدی ملوادیں۔۔۔۔ میں بڑا ہو گیا تو وہ مجھے نہیں پہچانیں گے۔ اب میں سونے لگا ہوں۔ آپ بھی سو جائیں۔

آپ کا

قلبِ مومن

☆......☆......☆

بستر پر لیٹے رات کے اُس پچھلے پہر اُس کا جسم کچھ دیر جھٹکے کھاتا رہا تھا یوں جیسے وہ نیند میں کسی چیز سے ڈر رہا تھا اور پھر یک دم اُس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ یک دم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی تھی اور بہت دور سے کسی میوزک کی آواز آرہی تھی۔ کچھ عورتوں اور مردوں کے قہقہوں کی بھی۔

قلبِ مومن بستر سے نکل آیا۔ اُس نے کمرے کی لائٹ آن کرلی تھی۔ باہر سے آنے والی میوزک کی اور اُن قہقہوں کی آوازوں کا اب وہ عادی ہوچکا تھا۔ وہ اُن کی وجہ سے نہیں جاگا تھا اور نہ ہی وہ آوازیں کبھی اُس کی نیند کو روک سکتی تھیں۔

وہ بہت بڑا اور آرام دہ کمرہ تھا جس میں وہ اس وقت موجود تھا۔ وہاں بہترین فرنیچر تھا اور کوئی بھی بچہ اُس کمرے میں رہ کر خوش ہوتا۔ اپنے بستر سے اُٹھ کر وہ کمرے میں دیوار کے ساتھ پڑی ایک سٹڈی ٹیبل پر جا بیٹھا تھا۔ دراز کھول کر اُس نے ایک رائٹنگ پیڈ نکالا اور پھر لیمپ آن کرلیا۔ کاغذ پر وہ کچھ لکھنے لگا تھا۔ وہی سب کچھ جو وہ رات کے اس پہر اس طرح خواب میں ڈر جانے پر لکھتا تھا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے نام ایک اور خط۔۔۔ وہ خط شاید اُس کی روح میں کہیں بہت پہلے لکھے گئے تھے جواب اُس پر اُتر رہے تھے۔۔۔ قلبِ مومن کو ہر بات پر صرف اللہ یاد آتا تھا۔۔۔۔ خوش ہونے پر بھی، خفا ہونے پر بھی، کوئی چیز مل جانے پر، اور کچھ کھودینے پر کسی چیز کی طلب ہونے پر اور کسی چیز کو پا نہ سکنے پر۔۔۔

اُس کا خاندان کئی نسلوں سے اللہ کے ناموں کی خطاطی کرتا آیا تھا، پر قلبِ مومن کو خطاطی نہیں کرنی تھی خط لکھنے تھے۔۔۔ اللہ کے ناموں اور اُس کی آیات کی خوبصورتی نہیں بیان کرنی تھی۔۔۔ اُس سے باتیں کرنی تھیں اور باتوں کا وہ سلسلہ ترکی سے پاکستان آکر رُک گیا تھا۔۔۔ کئی مہینے رُکا رہا تھا اور پھر دوبارہ شروع ہوگیا تھا۔۔۔۔ وہ تنہا رہ گیا تھا۔۔۔ اور اُداس بھی۔۔۔ اور ناخوش بھی۔۔ اور ناراض بھی۔۔۔ اور اُس کے پاس اللہ کو لکھنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ پہلے اُس کے خطوں میں شکوے اور شکایتیں نہیں ہوتی تھیں صرف ضرورتیں ہوتی تھیں۔۔۔ اب ضرورتیں پوری ہوگئی تھیں تو اُن کی جگہ شکووں اور شکایتوں نے لی تھیں۔ مگر مومن کو اللہ سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ اُس کے سارے شکوے حسنِ جہاں سے تھے۔ اُس کی ممی سے۔

☆......☆......☆

وہ بڑی احتیاط سے گھر کے مین دروازے سے عقبی لان میں نکلا تھا۔ وہاں ایک درخت پر اُس نے وہ لیٹر باکس کچھ ہفتوں پہلے ہی اسی طرح رات کو لٹکایا تھا تاکہ کسی کو اُس کے بارے میں پتہ نہ چل

سکے۔ عقبی لان کی باڑھ کے پار سوئمنگ پول کے گرد اس وقت وہ پارٹی جاری تھی جس کا شور اُس کے کمرے تک آرہا تھا اور باہر لان میں وہ شور بہت بڑھ گیا تھا۔

قلبِ مومن کو اُس باڑھ کے سامنے سے گزر کر لان کے آخر میں آم کے اُس درخت تک جانا تھا جس پر اُس نے وہ لیٹر باکس لٹکایا ہوا تھا۔ اُس قد آدم باڑھ کے سامنے سے گزرتے ہوئے مومن نے باڑھ کے درمیان جگہ جگہ چھوٹے بڑے سوراخوں سے پول کے اردگرد موجود مردوں اور عورتوں کو شراب کے گلاسز، کپڑے، جھومتے دیکھا وہ وہاں رُکا نہیں۔

آم کے درخت کے نیچے اندھیرا تھا۔ اُس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ اپنے دانتوں میں دبا لیا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ اُس درخت پر چڑھ چڑھ کر اُسے اُس پر چڑھنے کی اچھی خاصی پریکٹس ہوگئی تھی۔ وہ چند ہی منٹوں میں درخت کی ایک اونچی والی شاخ پر تھا اور اُس شاخ پر بیٹھ کر اُس نے سوئمنگ پول کے دوسری جانب دیکھا۔ وہاں بہت سارے مرد اور عورتیں جھوم رہی تھیں لیکن ناچنے والی عورت صرف ایک تھی اور وہ حسنِ جہاں تھی۔ تیز بے ہنگم موسیقی کے ساتھ ناچتے ہوئے وہ مومن کو بہت بُری لگی اور اُس نے اُس سے نظریں چرائیں اور اپنے سر پر موجود ایک دوسری شاخ کے ساتھ بندھے لیٹر باکس میں اپنے منہ میں دبا لفافہ نکال کر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اُس کا پاؤں یک دم سلپ ہوا۔ اُس نے شاخ پکڑ کر سنبھلنے کی کوشش کی۔ وہ ناکام ہوا اور پھر خوف کے عالم میں اُس نے اپنے آپ کو اُس اوپر کی شاخ سے نیچے گرتے پایا۔ اُس نے بے اختیار ایک چیخ ماری تھی۔ زمین پر گرتے ہوئے اُس نے ہوا میں اُڑتے اُس لفافے کو دیکھا جو ایک لمحہ کے لئے باہر گیٹ پر لگی روشنیوں میں آسمان سے نیچے گرتا نظر آیا تھا اور پھر قلبِ مومن کو ہوش نہیں رہا تھا۔

☆......☆......☆

اُس کی آنکھ جب دوبارہ کھلی تھی تو وہ اپنے بستر میں تھا اور اُس کا بازو ایک پلاسٹر میں لپٹا ہوا تھا۔ درد کی ایک لہر اُس کے بازو میں اُٹھی تھی مگر اُس سے زیادہ گہری وہ شرمندگی تھی جو اُسے حسنِ جہاں کو اپنے سٹڈی ٹیبل پر بیٹھے اُن خطوں کو پڑھتے دیکھ کر ہوئی تھی۔

''آپ نے میرے لیٹرز کیوں پڑھے؟ یہ آپ کے لئے نہیں تھے۔'' وہ بے اختیار ماں پر خفا ہوا تھا اور اُس کی آواز پر کرسی پر بیٹھی حسنِ جہاں نے پلٹ کر اُسے دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر تھا جس نے قلبِ مومن کے غصے اور خفگی کو پل بھر میں غائب کیا تھا۔

''تم دادا کے پاس جانا چاہتے ہو؟'' وہ کرسی سے اُٹھ کر اُس کے بستر پر اُس کے پاس آکر بیٹھ

گئی تھی۔

''نہیں۔۔۔۔میں بابا کے پاس جانا چاہتا ہوں۔'' اُس نے لیٹے لیٹے ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ اُسے دیکھتی رہی پھر اُس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ''تم اُن کے پاس نہیں جاسکتے۔'' ''وہ تو آسکتے ہیں۔'' قلبِ مومن نے بے ساختہ کہا تھا۔ ''وہ بھی نہیں آسکتے۔'' اُسے وہم ہوا اُس نے حسنِ جہاں کی آنکھوں میں پانی دیکھا تھا۔ پانی ہی ہوسکتا تھا آنسو تو نہیں ہو سکتے تھے۔

''کیوں نہیں آسکتے؟'' وہ بے چین ہوا۔ ''اس لئے نہیں آسکتے کیونکہ آپ سے ایک غلطی ہوئی ہے اور وہ آپ کو معاف نہیں کرسکتے۔'' مومن کو جیسے کئی بار دہرائی بات یاد آئی۔ حسنِ جہاں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''تمہارے بابا اللہ کے پاس چلے گئے ہیں۔'' ''مجھے پتہ ہے اسی لئے میں نے اللہ کو لیٹرز لکھے ہیں۔'' قلبِ مومن نے بھی اُسی اطمینان سے کہا تھا۔ وہ اُس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اُس نے مومن کا وہ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا جو پلاسٹر میں جکڑا ہوا نہیں تھا۔

''تم بابا کو ستارہ بنتے دیکھتے تھے نا؟ تمہارے بابا واقعی ستارہ بن گئے ہیں۔۔۔ آنہیں سکتے وہ اب ہمارے پاس۔'' قلبِ مومن نے اُس کی آواز بڑی دِقّت سے سنی تھی۔ وہ بہت مدھم آواز میں بول رہی تھی یوں جیسے وہ یہ سب کہنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ دہرانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''ہم بھی نہیں جاسکتے؟'' قلبِ مومن اُلجھا۔ ''تم نہیں۔۔۔۔شاید میں چلی جاؤں۔'' اُس نے ماں کو کہتے سنا وہ یک دم خوف کے عالم میں اُٹھ کر ماں سے لپٹا تھا۔ حسنِ جہاں سے نفرت کرنے کے باوجود ناراض اور خفا ہونے کے باوجود۔

''میں آپ کو کبھی جانے نہیں دوں گا۔'' وہ حسنِ جہاں سے لپٹ کر کہتا جارہا تھا۔ ''تم دادا کے پاس چلے جاؤ مومن۔'' وہ اُس سے کہہ رہی تھی۔ مومن اُس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اندازہ کرسکتا تھا۔ وہ اس بار آنسو بہا رہی تھی پانی نہیں۔

''نہیں میں دادا کے پاس نہیں جاؤں گا، آپ کے ساتھ رہوں گا۔'' اُس نے ماں سے وعدہ کیا تھا یا شاید اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا۔

☆......☆......☆

''کوئی جواب آیا؟'' ''نہیں۔'' ''میں نے پہلے ہی کہا تھا۔'' ''تم کو یقین ہے وہ خط اللہ کو مل گئے ہوں گے؟'' ''ہاں مل تو گئے ہوں گے اللہ کو سب مل جاتا ہے۔'' ''کتنے خط بھیجے ہیں تم نے اللہ کو؟'' ''30'' ''یہ تو بہت سارے ہیں۔'' ''اللہ کو جواب تو دینا چاہیے۔'' ''ہاں ٹیچر کہتا تھا۔ اللہ سب کی سنتا ہے

اور سب کو جواب بھی دیتا ہے۔'' مومن نے اس بارے بے حد یقین سے کہا تھا۔ وہ اُس دن سکول کے گراؤنڈ میں اپنے دو قریبی دوستوں کے ساتھ بیٹھا اپنا یہ راز شیئر کر رہا تھا جو وہ عام طور پر نہیں کرتا تھا اور وہ دونوں بچے بے حد پر جوش اور Fascinated اُن خطوں کے بارے میں سُن رہے تھے جو مومن نے اللہ کو بھیجے تھے۔

''تم لوگ کسی کو بتانا مت۔'' اُن سے بات کرتے کرتے مومن کو ہر بار کی طرح اُنہیں خبردار کرنا یاد تھا۔ دونوں نے بیک وقت نفی میں سر ہلا کر اُس سے راز نہ کھولنے کا وعدہ کیا تھا۔

''مومن اگر اللہ نے کبھی بھی answer نہ کیا تو۔'' اُن دونوں بچوں میں سے ایک ردا نے اُس سے پوچھا تھا۔ ''وہ ضرور کریں گے۔'' مومن نے بے حد یقین اور اعتماد سے کہا تھا۔ ''ہاں مومن لیکن اگر جواب نہ آیا تو؟'' اس بار دوسرے بچے بلال نے بھی جیسے اُس بچی کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''پھر میں اللہ سے خفا ہو جاؤں گا۔'' مومن نے یک دم اپنا پلاسٹر میں لپٹا بازو گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''اور خفا ہو کر پھر تم کیا کرو گے؟'' ردا کو پھر تجسس ہوا۔ قلبِ مومن اُن کے لئے پر اسرار چیز تھا۔

''میں دوبارہ اللہ کو کبھی خط نہیں لکھوں گا۔'' اُس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ دونوں بچوں کو جیسے تسلی نہیں ہوئی۔ ''بس؟'' ردا نے دوبارہ پوچھا۔ ''ہاں اور میں نماز بھی نہیں پڑھوں گا۔ دُعا بھی نہیں کروں گا۔'' مومن نے جیسے مزید بتایا۔ ''بس؟'' اُن بچوں کی جیسے ابھی بھی تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔ ''اور ہمیشہ جھوٹ بولوں گا اور بُرے کام کروں گا۔'' مومن نے اس بار پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی سے کہا۔

ردا اور بلال نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ردا نے بڑی ہمدردی سے اپنے لنچ باکس میں سے لنچ کھاتے ہوئے اُس سے کہا۔

''میں دُعا کروں گی تمہیں اپنے لیٹر کا جواب ضرور ملے۔''

ردا نہ بھی کہتی تو بھی مومن کو یقین تھا اُسے اللہ تعالیٰ خط کا جواب ضرور دیں گے۔ وہ دیر کر سکتے ہیں لیکن اُسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

☆......☆......☆

''آپ نے پہلے کبھی میری برتھ ڈے اس طرح سیلیبریٹ نہیں کی۔'' غبارے پکڑے مومن ہنستا کھلکھلاتا حسنِ جہاں کے پاس آیا تھا جو پول سائیڈ پر ہونے والی مومن کی اُس برتھ ڈے پارٹی کے سارے انتظامات کو خود دیکھ رہی تھی اور مومن حیران تھا لیکن حیران سے زیادہ خوش تھا۔

درخت سے گرنے والے حادثے کے بعد اچانک ہی حسنِ جہاں اُسے زیادہ توجہ دینے لگی تھی

اور مومن کو لگتا تھا جیسے اُس کی ممی واپس مل گئی ہیں۔ وہی والی ممی جو ترکی میں تھیں۔

’’ہاں بس اس بار دل چاہا تمہاری برتھ ڈے بڑی دھوم دھام سے مناؤں تا کہ تمہاری مجھ سے ناراضگی ختم ہو جائے۔‘‘ حسنِ جہاں نے اُسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا تھا۔ مومن نے پرفیوم کی تیز خوشبو محسوس کی۔ اُس کا دل چاہا وہ حسنِ جہاں سے کہے اُسے اپنی ماں کی خوشبو سونگھنی تھی جب وہ ترکی میں پرفیوم نہیں لگاتی تھی اور وہ اُس کو اپنے ساتھ لپٹاتی تھی تو مومن کو حسنِ جہاں کے وجود سے اُٹھنے والی خوشبو عجیب انداز میں محسور کرتی تھی۔ اُس کے نرم گرم وجود سے پھوٹتی ہوئی حسنِ جہاں کی اپنی خوشبو جسے مومن لاکھوں خوشبوؤں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

’’تمہارے دوست کب آ رہے ہیں؟‘‘ حسنِ جہاں نے اُسے ساتھ لپٹاتے ہوئے پوچھا۔

’’پتہ نہیں میں wait کر رہا ہوں۔‘‘ مومن نے اسی طرح اُس سے لپٹے لپٹے کہا۔ بڑے عرصہ کے بعد وہ اس طرح اُس کے ساتھ تھی اور کوئی نہیں تھا۔ سلطان بھی نہیں جو ہر وقت حسنِ جہاں کا سایہ بنا رہتا تھا۔

’’سنو مومن۔‘‘ وہ اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ’’اپنے دوستوں کے سامنے میرا نام۔۔۔‘‘ مومن نے روانی میں اُس کی بات کاٹی۔ ’’جی نام لوں گا آپ کو حسنِ جہاں کہوں گا ممی نہیں کہوں گا مجھے یاد ہے نانی نے جو بھی کہا تھا۔‘‘ اُس نے ممتاز کا پڑھایا ہوا سبق دہرایا تھا۔ ’’نہیں مومن میرا نام مت لینا مجھے ممی کہنا۔‘‘ مومن نے یک دم حیران ہو کر اُس سے لپٹے لپٹے سر اُٹھا کر حسنِ جہاں کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ پہلی بار مومن کو اُس کا میک اپ بھی اچھا لگا تھا۔ وہ اُس میک اپ زدہ چہرے میں بھی اپنی ماں کو پہچان پا رہا تھا۔

’’مومن۔‘‘ وہ ردا کی آواز پر یک دم پلٹا تھا۔ وہ اپنے پیرنٹس کے ساتھ پول کی دوسری سائیڈ پر کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ مومن نے یک دم حسنِ جہاں کا بازو کھینچتے ہوئے کہا۔ ’’میرے دوست آ گئے آئیں میں آپ کو ملواؤں۔‘‘ وہ حسنِ جہاں کو جیسے بے حد خوشی اور جوش کے عالم میں کھینچتے ہوئے پول کی دوسری سائیڈ پر لے گیا تھا جہاں ردا اپنے ماں باپ کے ساتھ کھڑی تھی اور اُس کے ماں باپ کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ حسنِ جہاں کو دیکھتے ہی غائب ہوئی تھی۔

’’ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ قلبِ مومن آپ کا بیٹا ہے۔‘‘ انہوں نے ابتدائی علیک سلیک کے بعد کھڑے کھڑے حسنِ جہاں سے کہا۔ ’’مومن کے پاپا سے بھی ملوائیں۔‘‘ مومن نے ردا کی ممی کو کہتے سنا اور اُس نے حسنِ جہاں کا چہرہ دیکھا جس پر بادل آئے تھے۔ گہرے، کالے بادل اور اُن بادلوں نے اُس خوشی اور حسنِ جہاں کی مسکراہٹ کو سب سے پہلے نگلا تھا۔ مومن نے پلٹ کر ردا کی ممی اور بابا کو دیکھا وہ

اُنہیں اپنے بابا کے بارے میں بتانا چاہتا تھا سب کچھ۔۔۔اُن کی کیلی گرافی کے بارے میں اُن کے رقص کے بارے میں اور اُس محبت کے بارے میں جو وہ مومن سے کرتے تھے اور مومن کی ممی سے بھی۔۔۔۔ لیکن وہ بتا نہیں سکا۔ ردا کی ممی اور بابا اُس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ وہ بچہ تھا۔اُن کو بڑوں سے جواب چاہیے تھا اور بڑوں کے پاس اس وقت جو بھی جواب تھا وہ اُنہیں جھوٹ لگا تھا۔

☆......☆......☆

وہ مومن کی زندگی کی سب سے یادگار سالگرہ تھی۔ اُس سالگرہ پر اُس کے سب دوست آئے تھے اور اُسے بہت سارے تحفے ملے تھے۔ اتنے تحفے کہ اُس کا کمرہ بھر گیا تھا اور ان میں سے بہت سارے تحفے وہ تھے جو حسنِ جہاں نے اُسے دیئے تھے۔اور ممی اُس شام سارا وقت مومن کے ساتھ رہی تھی۔ اُس کے دوستوں کے ساتھ کھیلتی رہی تھی۔ وہ قلبِ مومن کے لئے ایک خوابوں جیسا دن تھا۔ خوبصورت خوابوں جیسا۔وہ زندگی ویسی ہی گزارنا چاہتا تھا جیسی وہ ایک شام تھی۔

اگلا دن اُس کی زندگی کے بھیانک دنوں میں سے ایک تھا۔سکول میں اُسے اپنے کلاس فیلوز اور دوستوں کے رویے میں کچھ عجیب تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔ اُن کے انداز میں ایک عجیب سی ٹھنڈک تھی یا شاید حقارت۔ وہ بچہ تھا لہجے پہچان سکتا تھا۔لیبل نہیں لگا سکتا تھا۔ کیونکہ اُس کے پاس اس عمر میں وہ لیبل نہیں تھے جو صرف بڑوں کو تجربہ اور زندگی دیتی ہے اور جس کے بل بوتے پر وہ کسی کی زندگی بھی داغدار کر سکتے تھے۔

''میں کب سے تم دونوں کو ڈھونڈ رہا ہوں مجھے چھوڑ کر یہاں لنچ کرنے آ گئے تم۔'' وہ لنچ بریک میں ردا اور بلال دونوں کو ڈھونڈتا رہا تھا اور بالآخر اُس نے اُنہیں گراؤنڈ کی ایک بینچ پر دیکھ ہی لیا تھا۔وہ اُن دونوں کے درمیان بینچ پر بڑے گھمنڈ سے آ کر بیٹھا تھا اور اُس نے اپنا لنچ باکس کھولا تھا اور تبھی اُس نے دائیں بائیں بیٹھے بلال اور ردا کو بینچ سے کھڑے ہوتے دیکھا۔مومن نے حیرانی سے اُنہیں دیکھا۔

''اب ہم کبھی تمہارے ساتھ لنچ نہیں کریں گے۔'' ردا نے کچھ خفگی سے اُس سے کہا تھا۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔''بلکہ بات بھی نہیں کریں گے۔''''ساتھ بھی نہیں بیٹھیں گے۔'' اُس کے سوال کا جواب نہیں ملا تھا البتہ اُن دونوں نے کسی میکانیکی انداز میں جملے دہرانے شروع کئے تھے۔وہ اُن کا منہ دیکھنے لگا تھا۔لنچ کرنا وہ بھول گیا تھا۔''کیوں؟''

''کیونکہ تم جھوٹ بولتے ہو۔تمہارے کوئی بابا نہیں ہیں۔'' ردا نے اُسی انداز میں کہا تھا۔

بلال نے بے حد حقارت سے کہا۔مومن "And your mom is a bad woman." کا چہرہ سرخ ہوا۔ "No she is not....."''

"Yes she is..." بلال نے اُسی انداز میں کہا۔''میری ممی نے بتایا ہے کہ تمہاری ممی ڈانسر ہے اور بُری عورت ہے۔'' ردا نے اُس کے سامنے کھڑے کھڑے ہاتھ کے اشارے سے اُسے بے حد غصے سے بتایا تھا۔قلبِ مومن کو یک دم لگا وہ اُن دونوں کے سامنے چیونٹی بن گیا تھا۔کل شام کا ہاتھی نہیں رہا تھا۔حقیر،معمولی ہوگیا تھا۔اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔اُس کے حلق سے آواز نہیں نکلی۔

''اللہ تو کبھی تمہارے خطوں کے جواب نہیں دے گا کیونکہ تمہاری ممی ایک بُری عورت ہے۔'' ردا نے جاتے جاتے اُس سے کہا تھا۔قلبِ مومن کانپنے لگا تھا یوں جیسے اُسے بخار ہوگیا تھا یا اُس نے کوئی بھوت دیکھ لیا تھا۔اُس کے دوست اب اُسے چھوڑ کر جارہے تھے اور اُسے لگ رہا تھا اُسے ساری دُنیا نے چھوڑ دیا تھا اور یہ سب اُس کی ممی کی وجہ سے ہوا تھا۔حسنِ جہاں کی وجہ سے۔۔اُس کے ڈانس کرنے کی وجہ سے۔۔۔اُسے حسنِ جہاں سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔۔

☆......☆......☆

''مجھے دادا کے پاس جانا ہے مجھے آپ کے پاس نہیں رہنا۔مجھے آپ کے گفٹس بھی نہیں چاہیے۔آپ بھی نہیں چاہیے۔"I hate you Mummy... You are a bad woman.

اُس دن گھر آکر وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔اُس نے کمرے میں پڑا ہوا اپنا ہر تحفہ ہر کھلونا توڑ دیا تھا۔حسنِ جہاں نے اُسے سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔وہ مکے اور لاتیں چلانے لگا تھا یوں جیسے وہ اپنا سارا غصہ سارا زہر ماں کو دے دینا چاہتا تھا۔حسنِ جہاں نے بالآخر اُسے چھوڑ دیا تھا۔وہ عدالت میں کھڑی کسی مجرم کی طرح قلبِ مومن کی عدالت میں کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔

Mummy I hate you.

Mummy I hate you.

وہ روتا بلکتا کہتا جارہا تھا۔

''مجھے دادا کے پاس جانا ہے۔مجھے ترکی جانا ہے۔''

حسنِ جہاں نے اُس کے سامنے سر جھکا لیا تھا۔پیار اُس کی قسمت میں ہی نہیں تھا نہ ہی اُس کے ہاتھ کی لکیروں میں، طٰحہٰ کا تھا تو کیسے مل جاتا قلبِ مومن کا تھا تو کیسے رہ جاتا۔

☆......☆......☆

کیا غمگسار آواز تھی! کیا مہربان وجود تھا! کیا وہم وگمان سے پہرے کا معجزہ تھا۔۔۔فیصل تھا وہ جو ثریا کے ساتھ اندر کمرے میں بیٹھا باتیں کررہا تھا اور اُس کی آواز تھی جس کو سچ ماننے پر وہ تیار نہیں تھی اور اب دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی اُسے ہونقوں کی طرح دیکھتی وہ جیسے اُسی کالج گراؤنڈ میں آن کھڑی ہوئی تھی جہاں وہ دونوں روز ملتے تھے اور اُس کے آنے پر وہ روز اسی طرح کھڑا ہوتا تھا جس طرح اس وقت کھڑا ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' مومنہ کو اچانک یاد آیا یہ فیصل کی بجائے اُسے کہنا چاہیے تھا۔ باہر سے وہ اندر آئی تھی۔ ''وعلیکم السلام۔'' مدھم آواز میں اُس پر نظریں جمائے وہ بولی تھی۔ ''میں نے کہا تھا نا مومنہ تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائے گی۔۔ بیٹا بیٹھو ذرا میں فیصل کے لئے چائے لے آؤں۔'' ثریا نے اُس کا چہرہ دیکھا پھر فیصل کا اور پھر وہ اُس سین میں سے نکل گئی تھی۔ سٹیج کی ایک سمجھدار اداکارہ کی طرح۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو خاموشی کے عالم میں اور بے وقوفی کی کیفیت میں دیکھتے رہے۔۔۔ جذباتی ہوئے بغیر۔۔۔ پرانے دوستوں کی طرح۔۔۔ جو لفظوں سے زیادہ خاموشی کو پڑھتے ہیں اور لفظوں کے درمیان آنے والے خاموشی کے وقفوں کا انتظار کرتے ہیں کیونکہ جو اُن میں کہا جاتا ہے وہ لفظوں میں کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

''اقصیٰ سے پتہ چلا مجھے جہانگیر کے بارے میں۔۔۔ اتفاقاً بات ہوئی تو۔۔۔ بڑا افسوس ہوا مجھے۔۔ میں سمجھتا تھا وہ ٹھیک ہو رہا تھا۔'' وہ بالآخر بولا تھا۔ ٹراؤزرز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ نظریں اُس پر جمائے۔

''ہاں ہم بھی یہی سمجھ رہے تھے بیٹھو۔'' مومنہ کو یقین نہیں آیا وہ اُس سے جذباتی ہوئے بغیر کیسے بات کر پا رہی تھی۔ وہ واپس مڑ کر اُسی کرسی پر بیٹھ گیا تھا جہاں پہلے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر اُس کرسی پر بیٹھ گئی تھی جہاں ثریا بیٹھی ہوئی تھی۔

خاموشی کا ایک اور لمبا وقفہ آیا پھر اُس نے کہا۔ ''مجھے یقین نہیں تھا تم آؤ گے۔''

''اتنا کمزور تعلق تو نہیں تھا ہمارا کہ دُکھ سکھ میں بھی نہ مل پاتے۔'' اُس نے بغیر تامّل کئے کہا تھا۔

مومنہ نے سر جھکا لیا۔

اُس کی آواز کی ملاوٹ اُسے توڑنے لگی تھی۔ ہمیشہ کی طرح۔۔۔ اور مہربانی اُسے پگھلانے لگی تھی۔۔

اُس کا دل چاہا تھا وہ اُس کے وجود میں چھپ جائے۔۔۔ ہمیشہ، ہمیشہ کے لئے۔

''بہت بدل گئی ہو تم۔۔۔۔ چار ساڑھے چار سال بعد دیکھ رہا ہوں تمہیں۔''

وہ پتہ نہیں کیا پڑھ رہا تھا اُس کے چہرے پر آنکھیں تو اُس نے جھکا لی تھیں۔

''ہاں بہت بدل گئی ہوں۔۔۔۔ کیونکہ زندگی بدل گئی ہے۔۔۔تم سناؤ۔'' مومنہ نے ہنسنے کی کوشش کی پھر ترک کردی۔ اُسے یاد آیا تھا وہ اُس کا چہرہ پڑھ لیتا تھا اور اُس کے ماسک کے پیچھے بھی جو دِکھتا تھا وہ بھی۔

''امریکہ سے آگیا ہوں میں۔۔۔۔ ڈگری مکمل ہوگئی ہے۔۔۔۔ اب یہاں بابا کے ساتھ اُن کی فیکٹری سنبھالنا شروع کی ہے۔۔۔۔ اور تم۔۔۔۔ آنٹی نے بتایا تم ایکٹنگ چھوڑ رہی ہو۔'' وہ اُس کی باتیں سنتے ہوئے آخری جملے پر چونکی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی۔ ایک ٹرے میں چائے کے کپ رکھے ثریا اندر آئی تھی۔

''ہاں بیٹا پہلے تو جہانگیر کی وجہ سے مجبوری تھی لیکن اب تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔ اب اسے اپنے گھر کا کریں گے اور کام ختم۔۔۔۔ تم چائے پیئو۔'' ثریا نے اُسے کچھ کہنے نہیں دیا تھا۔ فیصل کی بات کا جواب خود ہی دیا تھا اور ساتھ چائے کا کپ بھی اُس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ مومنہ اُلجھی نظروں سے ماں کا چہرہ دیکھتی رہی پتہ نہیں وہ کیا تھا جو وہ چھپانا چاہ رہی تھیں اور کیا تھا جو وہ اُسے جتا رہی تھیں۔ وہ پہلی بار اُن کے گھر آیا تھا مگر وہ غائبانہ طور پر اس گھر میں کئی سالوں سے موجود تھا اور مومنہ اور فیصل کے تعلق کی نوعیت بھی اس گھر کے سب لوگوں کو پتہ تھی۔ وہ چائے پیتے ہوئے فیصل کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ یوں ثریا سے باتوں میں مشغول تھا جیسے ہمیشہ سے اُن سے ملتا رہا ہو۔ وہ اُسے جہانگیر کے قصے سُنا رہی تھی۔ اور وہ بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ مومنہ سلطان اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اُس سے وہ سوال کرنا چاہتی تھی جو کرنے کی ہمت نہیں تھی۔۔۔۔ اُس کی منگنی ہو چکی تھی اور وہ اُس سے اُس کی منگیتر کا حال پوچھنا چاہتی تھی۔

''میں اب چلتا ہوں کافی دیر ہوگئی۔'' فیصل نے یک دم اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے جیسے چونک کر کہا تھا۔ ''بیٹا دوبارہ ضرور آنا۔'' ثریا نے کھڑے ہوتے ہوئے اُس سے کہا۔ ''دوبارہ آؤں گا اور جلدی آؤں گا۔'' اُس نے ثریا کے اصرار کا جواب مومنہ کو دیکھتے ہوئے دیا تھا۔ مومنہ مسکرا دی تھی۔ اُسے اب انتظار کرنے کی عادت نہیں رہی تھی اور وہ یہ عادت دوبارہ سیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ نہ انتظار، نہ خوش فہم امیدیں۔ نہ جھوٹے خواب۔ وہ ان میں سے کسی کا بوجھ اُٹھانے میں اب دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔

''آپ نے اس سے یہ کیوں کہا کہ میں ایکٹنگ چھوڑ رہی ہوں۔'' فیصل کے گھر سے نکلتے ہی اُس نے دروازہ بند کر کے ثریا سے پوچھا تھا اُس کا جھوٹ جیسے اُس کے ذہن میں اٹکا ہوا تھا۔

''تمہارا دل تو کبھی بھی نہیں تھا ایکٹنگ میں، ہمیشہ تو کہتی تھی کہ نہیں کرنا چاہتی یہ کام۔۔۔اور اب تو جہانگیر بھی نہیں ہے تو مجبوری بھی نہیں ہے۔'' ثریا نے ایسے عجیب سے انداز میں اپنے جھوٹ کی توجیہہ دی تھی کہ وہ اُن کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔ ''اماں قرضہ ہے ہمارے سر پر۔۔۔اور مجھے کوئی اور کام نہیں آتا۔'' اُس نے جیسے ماں کو یاد دلایا وہ اُس کے پیچھے چلتی ہوئی برآمدے میں آئی تھی اور ثریا کمرے میں داخل ہونے سے پہلے یک دم پلٹی تھی۔ ''شاید فیصل رشتہ لے آئے۔'' ثریا کے لہجے کی آس مومنہ کو کانچ کی طرح چبھی۔

''اماں۔۔۔'' وہ اُس آس کو توڑنے کے لئے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ثریا نے اُس سے پہلے ہی کہا۔ ''میں نے بات کی ہے اُس سے۔'' مومنہ دنگ رہ گئی۔ ''آپ نے کیا بات کی ہے اُس سے؟ وہ کیا سمجھ رہا ہوگا۔۔۔اماں اُس کی منگنی ہو چکی ہے۔'' بہت سی کیفیات سے وہ بیک وقت گزری تھی۔ شرم، افسوس، خفگی اور اپنے دیر سے گھر پہنچنے کا پچھتاوا۔ وقت پر آتی تو ثریا کے فیصل کے ساتھ یہ سوال و جواب روک لیتی۔

''منگنی ٹوٹ گئی ہے اُس کی۔۔۔لڑکی امریکہ سے پاکستان سیٹل ہونا نہیں چاہتی۔۔۔اُس نے بتایا تھا مجھے۔۔۔ماں کو تو تب بھی بھیجا تھا اُس نے۔۔۔لیکن ہم خود غرض بن گئے تھے جہانگیر کی وجہ سے، ورنہ تم اپنے گھر کی ہوتی۔'' ثریا کو چند سال پہلے فیصل کی ماں کا گھر آنا یاد آیا تھا۔

''ہاں لایا تھا ماں کو۔۔۔لیکن انہوں نے ہمارے خاندان کے بارے میں جان کر انکار کر دیا تھا۔۔۔میرے اور اُس کے درمیان جہانگیر اور آپ کی خود غرضی نہیں آیا تھا، نصیب آیا تھا اماں۔'' مومنہ کو چھے سال پہلے فیصل کی ماں کا اُن کے گھر آنا یاد آیا تھا۔ تب وہ اسی محلے کے ایک دوسرے گھر میں رہتے تھے لیکن اس سے بہتر گھر میں اور تب فیصل صرف اپنی ماں کو دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا تھا اندر نہیں آیا تھا اور اُس کی ماں نے ایک گھنٹہ میں صرف مومنہ نہیں ثریا اور سلطان کے خاندان کی جڑیں تک کھنگال لی تھیں۔ وہ بہت اچھی، ملنسار، خوش گفتار اور خوش اخلاق خاتون تھیں مگر ''خاندانی'' تھیں اور خاندانی ہونے ہی کو اہمیت دیتی تھیں۔ وہ اچھی طرح سے اُن سے مل کر گئی تھیں اور اُن کے جانے کے بعد ثریا اور سلطان کو بیک وقت فکر لاحق ہوئی تھی کہ یہ رشتہ اگر ہو گیا تو پھر جہانگیر کے علاج کا کیا ہوگا اور انہوں نے مومنہ کو یہ بتا بھی دیا تھا کہ جہانگیر کو اس حالت میں چھوڑ کر وہ اگر اپنا گھر بسانے کا سوچے گی تو یہ خود غرضی ہوگی۔ مومنہ اُنہیں یہ نہیں کہہ سکی کہ پرپوزل بھیجنا فیصل کی خواہش تھی اُس کی نہیں۔ وہ اُسے جہانگیر یاد نہ بھی دلائے تو بھی وہ اُسے یاد تھا۔ وہ اُسے چھوڑ کر اپنی زندگی کا مر کے بھی نہیں سوچتی۔ مگر فیصل کی والدہ کے

اُس وزٹ نے جیسے سب کچھ خود ہی آسان کر دیا تھا۔ فیصل نے ہچکچاتے ہوئے اُسے اپنی ماں کے اعتراضات بتائے تھے اور مومنہ نے اُس کی بات کاٹ کر بڑی ہمت سے اُسے اپنے ماں باپ کا انکار سنا دیا تھا۔ محبت کا پردہ رکھنے سے زیادہ اُس پر پردہ ڈالنا ضروری تھا اور وہ اُس نے ڈال دیا تھا۔ دونوں اُس کے بعد کبھی نہیں ملے تھے۔ اور آج اتنے سالوں بعد ملے تھے تو ثریا جیسے اُس کہانی کو وہیں سے شروع کرنا چاہتی تھی اور مومنہ ماں کو بتانا چاہتی تھی کہ زندگی میں فلیش بیک آ بھی جائے تو کہانی وہیں سے شروع نہیں ہوتی جہاں فلم میں چھوڑی جاتی ہے۔۔۔ زندگی میں وقت ہوتا ہے جس کو کوئی ڈائریکٹر باندھ نہیں سکتا۔

''نصیب کا کیا ہے مومنہ۔۔۔ وہ تو بدلا جا سکتا ہے۔'' ثریا نے اُس سے آہ بھر کے کہا تھا۔ اُس نے فلم میں یہ لائن بولی ہوتی تو سینما میں Clap ملتی اُسے۔ مومنہ نے اعتراف کیا تھا دل میں۔

''میں نے بات کی ہے اُس سے۔۔۔ تم بھی بات کرو اُس سے۔'' ثریا نے اُس سے کہا تھا۔

''نہیں اماں میں بات نہیں کروں گی اُس سے۔ آپ کو بھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' ''وہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔۔ محبت میں توانا نہیں ہوتی۔'' ثریا نے اُس سے کہا تھا۔

''محبت میں انا نہیں ہوتی لیکن خودداری ہوتی ہے۔ میرے اور اُس کے درمیان سات سمندر ہیں۔ میں وہ سوہنی ہوں جس کا گھڑا کچا نہیں ٹوٹا ہوا ہے۔ وہ وہ مہیوال ہے جو مجھے بچانے کے لئے خود کو نہیں ڈبوئے گا۔ ہمارا پیار بس اتنا ہی ہے۔۔۔ داستان کبھی نہیں بنے گا۔'' مومنہ سلطان نے ثریا سے کہا تھا اور پھر آنکھیں چراتی دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ثریا کے سامنے روتی تو وہ پھر جھوٹی آس دلاتی اور مومنہ سلطان کو اب پیار کی آس بھی نہیں رکھنی تھی بس اپنی زندگی کا کچھ کرنا تھا۔

☆......☆......☆

تمہیں یقین ہے ناوہ مجھے لیڈ میں کاسٹ کرنے والا ہے؟'' مومن کے سٹوڈیو میں ہونے والی پریس کانفرنس میں شرکت سے چند منٹ پہلے اپنی گاڑی سے اُتر کر سٹوڈیو کے ہال کی طرف جاتے ہوئے ضوفی نے نیہا سے پوچھا تھا۔ وہ جیسے کسی عجیب سے خدشے کا شکار ہو گیا تھا۔ ''100 فی صد یقین ہے۔'' نیہا نے اپنے ایوننگ گاؤن پر نمایاں ہونے والی ایک سلوٹ کو جیسے ہاتھ سے سیدھا کیا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ہال کے دروازے تک آئے تھے جہاں کھڑے ایک ملازم نے بڑی مستعدی سے دروازہ کھولا تھا

ہال میں موجود تمام نشستیں تقریباً بھر چکی تھیں۔ میڈیا سے تعلق رکھنے والے لوگ اور اس ایونٹ کو کور کرنے والے میڈیا ٹیمز اپنے اپنے کیمرہ مینوں اور فوٹوگرافرز کے ساتھ اندر ٹولیوں میں کھڑی تھیں اور جرنلسٹس وہاں نظر آنے والے سٹارز سے گپ شپ میں مصروف تھے۔ وہ تقریباً 100-75 لوگوں کا

اجتماع تھا اور قلبِ مومن فی الحال وہاں موجود نہیں تھا۔ ہال کے ایک سرے پر ایک کم اونچائی کے سٹیج پر ایک لمبا کاؤنٹر اور اُس کے پیچھے دس بارہ کرسیاں تھیں جو اس وقت خالی تھیں اور اُس کاؤنٹر نما میز پر رکھے کچھ مائیکس کو چند technicians سیٹ کرنے میں مصروف تھے۔

نیہا بے حد انداز اور ادا سے ضوفی کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی اور اندر داخل ہوتے ہی ٹینا اور داؤد نے اُسے دیکھ لیا تھا جو بیک وقت اُن دونوں کی طرف لپکے تھے اور اُن کے اس انداز پر نیہا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور اُس نے جتانے والے انداز میں ضوفی کے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''دیکھ لو۔۔۔'' ضوفی کا چہرہ بھی چہک اُٹھا تھا۔ وہ چند ہی لمحوں میں اس تقریب کا ''دولہا'' بننے والا تھا۔ اُس نے اپنے خون کو جیسے پارہ بنتے محسوس کیا تھا۔

''آپ لوگوں کی فرنٹ سیٹس ہیں۔۔۔ ہم انتظار کررہے تھے آپ دونوں کا۔'' ٹینا نے پاس آتے ہی رسمی ہیلو ہائے کے بعد نیہا سے کہا تھا اور پھر وہ دونوں اُن دونوں کو ساتھ لیتے ہوئے فرنٹ سیٹ کی طرف جانے لگے تھے اور بالکل اُسی وقت نیہا نے ہال کے ایک کونے میں کھڑی صوفیہ دُرانی کو دیکھا اور اُسے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ وہ سگریٹ پیتے ہوئے ایک جرنلسٹ کے ساتھ گپ شپ کررہی تھی۔ نیہا نے ہال میں نظر دوڑائی۔ اُسے قلبِ مومن نظر نہیں آیا۔ ''مومن کہاں ہے؟'' اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اُس نے ٹینا سے پوچھا۔ ''وہ بس آنے والے ہیں۔ برانڈز کے کچھ لوگوں کے ساتھ اندر آفس میں ہیں۔'' ٹینا اور داؤد اُن دونوں کو بٹھا کر سیکنڈز میں غائب ہوئے تھے۔

''تمہارا موڈ کیوں آف ہوگیا ہے؟'' ضوفی نے نیہا کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھ لیا تھا۔ ''اُس نے صوفیہ درانی کو کیوں بلا رکھا ہے یہاں۔'' نیہا مدھم آواز میں کاٹ کھانے والے انداز میں بولی تھی۔ ضوفی نے چونک کر اس طرف دیکھا جہاں وہ دیکھ رہی تھی۔ وہ صوفیہ کے لئے اُس کی ناپسندیدگی سے واقف تھا۔ ''کرلیا ہوگا انوائیٹ دوسروں کے ساتھ!'' ضوفی نے کسی خاص تاثر کے بغیر کہا تھا۔ ''اس کو پتہ ہے مجھے زہر لگتی ہے وہ پھر بھی انوائیٹ کرلیا اُسے۔'' نیہا کی خفگی عروج پر تھی اور وہ اب متلاشی نظروں سے مومن کو ڈھونڈ رہی تھی اور ضوفی بار بار اُس کوٹ کو ٹھیک کرنے میں مصروف تھا جسے پہن کر وہ آیا ہوا تھا۔ وہ نروس تھا ایکسائیٹڈ ہونے کے ساتھ اور اُس کے انداز میں وہ نروس نیس جھلک رہی تھی۔ اُس کی توجہ اس وقت برابر بیٹھی نیہا کے گلے شکوں پر نہیں تھی۔

''بعد میں بُرا بھلا کہہ لینا یار اُسے۔۔۔ ابھی تو انجوائے کرو اس ایونٹ کو۔'' ضوفی نے اُس کے کان میں سرگوشی کی اور تبھی اُن دونوں نے ہال کے عقب میں یک دم سرگوشیوں کا ایک طوفان سا اُٹھتا

سُنا۔ قلبِ مومن اب اندر داخل ہو رہا تھا اور اُس کی آمد کے ساتھ ہی ہر طرف سے کیمروں کے flashes چمکنے لگی تھیں۔ وہ چلتا ہوا ہال کے اگلے حصے میں فرنٹ سیٹس کے سامنے سے گزرنے لگا اور گزرتے ہوئے اُس نے نیہا اور ضوفی کو دیکھا اور بالکل اُن کے سامنے آکر مسکراتے ہوئے رُکا۔ وہ دونوں کھڑے ہو کر اُس سے ملے تھے۔ نیہا نے اُس سے گلے لگتے ہوئے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"Thank you & congratulations." مومن نے بھی جواباً سرگوشی کی۔

"Pleasure is always mine." اُس سے الگ ہوتے ہوئے وہ ضوفی سے ملا اور اُس سے کہا۔

"You are star of today's show." ضوفی کا چہرہ چمک اُٹھا اور کیمروں کے کچھ شٹر اُس پر فوکس ہوئے۔ مومن دونوں سے ہاتھ ملاتا اوپر سٹیج پر چلا گیا تھا اور وہاں جا کر اُس نے اپنی سیٹ سنبھال لی اور اُس کے سیٹ سنبھالتے ہی سب نے اپنی سیٹس سنبھال لی تھیں۔

''آپ سب کا آج یہاں آنے کے لئے بہت شکریہ۔'' اُس نے مائیک سنبھالتے ہی کہنا شروع کیا۔ ''صنم میری چوتھی فلم ہے جسے میں اگلے دو مہینوں میں شوٹ پر لے جاؤں گا۔ اپنی پچھلی فلمز کی طرح اس بار بھی میں نے صرف ایک Change کیا ہے پچھلی فلم کی کاسٹ میں۔'' وہ کہتے ہوئے رُکا اور اُس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی نیہا اور ضوفی کو دیکھا جن کے دلوں کی دھڑکن بے اختیار تیز ہوئی تھی۔ ضوفی نے اپنا کوٹ ایک آخری بار ٹھیک کیا۔ عقبی نشستوں میں سے کسی جرنلسٹ نے کہا تھا۔ ''ہمیشہ کی طرح ہیروئن بدلیں گے اس بار بھی۔'' مومن نے اُس جملے پر مسکرایا اور اُس نے کہا۔ ''نہیں وارڈ روب ڈیزائنر۔۔۔ اس بار میری فلم کی وارڈ روب صوفیہ دُرانی کریں گی اور کاسٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ میں اب کاسٹ کو سٹیج پر بلا رہا ہوں۔'' نیہا اور ضوفی نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ وہ ویسے وہاں بیٹھے بیٹھے برف بنے تھے۔ وہ کمرہ اب تالیوں سے گونج رہا تھا اور سٹیج کے پیچھے سے باری باری فلم کی کاسٹ آکر سٹیج پر رکھی کرسیوں پر بیٹھ رہی تھی۔ نیہا نے مومن کو دیکھا۔ وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ یوں جیسے وہ اُس کے لئے کوئی وجود ہی نہیں رکھتی تھی۔ وہ قلبِ مومن تھا معاف نہیں کرتا تھا۔۔۔ لیکن بھول جاتا تھا۔ وہ اُسے بھول گیا تھا۔

☆......☆......☆

''تمہارا صاحب گھر پر ہے؟'' بیل بجنے پر شکور نے دروازہ کھولا تھا اور نیہا نے بڑی بدتمیزی سے اُس سے پوچھا تھا۔ شکور کو اُس کے انداز پر جیسے دھچکہ لگا تھا۔

''مومن بھائی کا پوچھ رہی ہیں؟'' شکور کو ایک لمحہ کے لئے لگا وہ دادا کا پوچھ رہی تھی کیونکہ مومن

کو ''صاحب'' کہتے تو اُس نے نیہا کو کبھی نہیں سنا تھا۔ ''اور کس کا پوچھوں گی؟'' وہ کچھ اور بگڑی تھی۔

''جی جی وہ تو ہیں۔۔۔'' شکور نے بے ساختہ کہا اور دروازے سے ہٹ گیا۔ نیہا بجلی کی طرح اندر گئی تھی۔ شکور کو بے اختیار گدگدی ہوئی۔ وہ اس گھر میں اسی چیز کو miss کرتا تھا جواب ہونے جا رہی تھی۔۔۔۔۔لڑائی۔۔

مومن لاؤنج میں ٹہلتے ہوئے فون پر کسی سے ہنستے ہوئے بات کر رہا تھا۔ جب اُس نے نیہا کو اس انداز میں اندر آتے دیکھا تھا۔

''میں تمہیں دس منٹ تک کال کرتا ہوں۔'' اُس نے فون پر اپنے مخاطب سے کہا اور پھر دوسری طرف کی بات سننے کے بعد کہا۔ ''نہیں دس منٹ ہی لگیں گے۔۔۔ایک مہمان ہے۔۔۔۔دس منٹ میں چلا جائے گا۔۔۔اوکے بائے۔'' اُس نے فون پر کسی دوسرے سے بات کرتے ہوئے بھی نیہا کو جیسے اُس کی اوقات جتائی تھی۔

''تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟'' اُس کے فون بند کرتے ہی وہ اُس پر دھاڑی تھی۔ وہ جواباً tease کرنے والے انداز میں مسکرایا تھا۔ ''مومن۔'' ''کیا بگاڑ لیا تم نے مجھے فلم کے crew سے نکال کر میرا۔۔۔۔ مجھے فرق نہیں پڑا۔'' اُس نے مومن کی مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''پھر تو بہت اچھا ہے اس کا مطلب ہے ہماری دوستی اسی طرح قائم رہے گی۔'' مومن نے جیسے اُسے اور تپایا تھا۔

''تم ضوفی سے جیلس ہوئے ہو۔۔۔تم سے برداشت نہیں ہوا کہ میں اُس کے اتنا قریب ہوں۔ اُس کے لئے یہ سب کر رہی ہوں۔۔۔تم بے حد mean اور insecure انسان ہو۔'' وہ اب الزام تراشی پر اُتر آئی تھی۔ ''کچھ اور؟'' مومن اُسی طرح برف بنا ہوا تھا۔ ''بڑا غرور ہے نا تمہیں اپنے آپ پر۔۔۔۔میں تمہارے زوال میں تمہیں دیکھنے آؤں گی۔'' اُس نے تلخی سے کہا۔ مومن ہنسا۔ ''بڑے لمبے انتظار کے بعد ملاقات ہوگی پھر تو۔'' ''میں کوشش کروں گی اتنا لمبا انتظار نہ کرنا پڑے۔'' نیہا نے اُسے پتہ نہیں کیا جتایا تھا۔ اپنے ہاتھ کی انگلی سے اُس نے انگوٹھی نکالی اور اُسے پوری قوت سے اُس کے منہ پر دے مارا۔ مومن بے اختیار پیچھے ہٹا تھا۔ انگوٹھی فرش کے ٹائلز پر گری۔ اُچھلی پھر گری اور پھر چکر کاٹنے لگی۔ مومن نے باہر جاتی ہوئی نیہا کو دیکھا جس کا وجود بھی اُس وقت اسی طرح بھنور بنا ہوا تھا مگر اُسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ بھنور قلبِ مومن کے لئے گرداب بننے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

''کہانی پہاڑوں پر رات کے ایک خوبصورت سین سے شروع ہوتی ہے۔ چاندنی رات ہے۔

درخت ٹھنڈی ہوا میں جھوم رہے ہیں اور۔'' مومن نے اختر کو سکرین پلے کی narration کے درمیان ٹوکا تھا۔ ''عباس نے چھے بجے آنے کو کہا تھا اور اب ساڑھے چھے ہوگئے ہیں۔'' مومن نے دیوار پر لگے وال کلاک پر نظر دوڑاتے ہوئے بلند آواز میں داؤد سے کہا تھا۔ اختر صاحب جو اس فلم کے رائٹر تھے اور اس وقت جب وہ سب لوگ ریڈنگ سیشن میں بیٹھے ہوئے تھے وہ ''سماں باندھنے'' کی کوشش میں مصروف تھے اور اُس کوشش کو مومن نے ضائع کر دیا تھا۔

''سگنل پر کہیں پھنسا ہوا ہے ٹریفک میں۔ میری کچھ دیر پہلے بات ہوئی ہے۔'' ٹینا نے جلدی سے بیچ میں مداخلت کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ کہانی سنانا شروع کریں۔ وہ آتا ہے تو اُس کو دوبارہ وہ حصہ سنا دیں گے جو اُس نے نہیں سنا۔'' مومن نے اختر صاحب کو اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''جی بہتر تو میں دوبارہ وہیں سے شروع کرتا ہوں۔'' اختر صاحب نے لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا وہ 45-40 سال کی عمر کا ہونے کے باوجود اپنی گفتگو اور رکھ رکھاؤ سے ہمیشہ اپنے آپ کو کچھ زیادہ ہی بڑی عمر کا ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

''ہیروئن چاندنی رات میں ایک پہاڑ پر رقص کر رہی ہے۔۔۔ سفید گاؤن میں پریوں کی طرح ۔۔۔ آسمان پر چاند ستارے ہیں اُس پہاڑ پر پھیلا سبزہ چاند کی روشنی میں مخمل کی طرح چمک رہا ہے اور اُس مخمل پر ہیروئن کے خوبصورت دودھیا رنگت کے سبز پاؤں تھرک رہے ہیں۔'' اختر منظر کشی کرنے کی کوشش میں جیسے ایک ایک لفظ کی عکاسی اپنے ہاتھوں اور جسم کی حرکات سے کر رہے تھے اور انتہائی مضحکہ خیز نظر آرہے تھے اور ہر جملے کے بعد وہ داد و تحسین کے لئے مومن کی طرف دیکھتے تھے جس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ خاموشی سے کہانی سن رہا تھا۔

''اف کیا اوپننگ ہے اختر۔۔۔ تباہی سین ہے۔۔۔ میں تو ابھی سے وہ گاؤن، رقص، رات اور اپنے پیروں کی moments کو visualize کر رہی ہوں۔'' قلبِ مومن سے کچھ فاصلے پر بیٹھی شیلی نے جیسے کچھ بے اختیار ہو کر اختر کو داد دی تھی اور اختر کا چہرہ چہک اُٹھا تھا۔ اپنے گلاسز ٹھیک کرتے ہوئے اُس نے ایک بار پھر مومن کو دیکھا اُس کی طرف سے کسی ستائشی جملہ کے انتظار میں وہ اب بھی ویسے ہی سنجیدہ بیٹھا ہوا تھا۔ شیلی کی داد پر بھی اُس نے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

''یہاں ہمارا ٹائٹل سونگ آرہا ہوگا اور ساتھ کریڈٹس چل رہے ہوں گے۔۔۔ ہیروئن کے قدموں کی ہر حرکت پر اور ہر beat پر۔'' اختر پھر اپنے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

’’میوزک کون کررہا ہے اس بار؟‘‘شیلی کو یک دم پوچھنے کا خیال آیا۔’’شجاع حیدر سے ہی کروا رہے ہیں۔‘‘ مومن نے اُسے جواب دیا اور پھر ساتھ ہی اختر سے پوچھا۔’’تو یہ ہے ہمارا Opening sequence؟‘‘اختر نے بڑے خوشی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔’’جی مومن صاحب۔‘‘’’بکواس ہے۔‘‘ دولفظوں میں مومن نے جیسے اختر صاحب کے مہینوں کی محنت پر پانی پھیرا۔’’ہیں؟‘‘اختر کو جیسے یقین نہیں آیا۔اُس نے اپنی گلاسز کو ایک بار پھر ٹھیک کیا اور اپنے رائٹنگ پیڈ پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔’’اچھا؟‘‘

’’Exactly۔۔۔میرا بھی یہی پوائنٹ تھا کوئی نیا پن ہی نہیں ہے۔‘‘شیلی نے گرگٹ بننے میں لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔اختر صاحب کا درد کچھ اور بڑھا۔

’’مجھے کہانی کو شہر میں کھولنا ہے۔۔۔۔یہ پہاڑوں میں کہاں لے گئے آپ ہیروئن کو؟‘‘ مومن نے اختر سے کہا اور شیلی نے لقمہ دیا۔

’’That's the point۔۔۔۔شہر تو relevant ہے پہاڑ تو relevant ہی نہیں اور پھر چاندنی رات گاؤن،ڈانس۔۔۔۔so cliched۔‘‘شیلی کے جملوں نے اختر صاحب کی حالت کچھ اور غیر کی۔

’’ڈانسر ہے ہیروئن تو میں نے بالکل فیری ٹیل والے انداز میں اوپننگ دی ہے۔‘‘ مومن نے اختر صاحب کی بات کاٹی۔’’اور مجھے فیری ٹیلز سے نفرت ہے۔‘‘’’بالکل اختر صاحب فیری ٹیلز میں کہاں چلے گئے آپ۔۔۔ Youth کو دکھانی ہے فلم۔۔۔بچوں کو تھوڑی دکھانی ہے۔‘‘شیلی مومن کے ہر جملے کی تائید عادتاً کررہی تھی۔فلم انڈسٹری میں ڈائریکٹر ہمیشہ ’’صحیح‘‘ہوتا ہے اور رائٹر ہمیشہ کم عقل۔

’’کلب میں کھولیں سین کو۔۔۔۔روشنی ڈانس فلور پر دو لڑکوں کے ساتھ ڈانس کررہی ہے اور اُس میں سے ایک لڑکا اُسے گلے لگانے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا لڑکا پہلے کو تھپڑ مارتا ہے۔‘‘ مومن نے چند سیکنڈز میں اوپننگ sequence اُن کے سامنے رکھ دیا تھا۔

’’Fantastic۔۔۔۔Brilliant۔۔۔۔یہ ہوتی ہے اوپننگ اختر صاحب۔۔۔تو مومن روشنی تو ڈانس کرتی رہے گی نا؟‘‘شیلی نے ایک ہی سانس میں مومن کو داد دی اور پھر پوچھا۔

’’ہاں۔۔۔۔پہلا لڑکا دوسرے کو جواباً مکا مارے گا اور پھر یکدم پسٹل نکال لے گا۔‘‘ مومن نے اپنی بات جاری رکھی۔شیلی نے اُسے ایک بار پھر ٹوکا۔’’اور دوسرے کو گولی ماردے گا؟‘‘ وہ اب داد طلب نظروں سے مومن کو دیکھ رہی تھی۔’’نہیں روشنی کو گولی ماردے گا۔‘‘ مومن نے اُسی انداز میں کہا۔ شیلی بھونچکا رہ گئی۔وہ اوپننگ سین میں ہی ہیروئن کو گولی مروا رہا تھا اور بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ ہیروئن وہ

خود تھی۔

''Lights out۔۔۔کلب میں ہنگامہ۔۔۔ credits چلنا شروع۔۔۔ ٹائٹل سونگ۔''
مومن نے ایک ہی جملے میں اوپننگ sequence نپٹایا۔ شیلی اب تک خود کو سنبھال چکی تھی۔

''Super impressive۔۔۔ کمال کردیا۔۔۔ پہلے ہی سین میں ایکشن ، ایڈونچر، تھرل۔۔۔۔ مومن کی signature opening۔'' شیلی نے جھوم جھوم کر اُس کو داد دی۔ مومن اب اُسے سن بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ہیروئنز اور ایکٹرز کی اس طرح کی لفاظی اور خوشامد کو پہچانتا تھا اور اُن سے بہت کم متاثر ہوتا تھا۔

''سمجھ آ گئی مجھے۔'' اختر نے کچھ بجھے بجھے انداز میں کہا۔'' روشنی کوئی اپسرا ٹائپ کی ڈانسر نہیں ہے اختر۔۔۔۔ کلب میں ماڈرن ہپ ہاپ ڈانس کرنے والی لڑکی ہے تو دیوی مت بنائیں اُسے۔۔۔ ڈانس کرواتے ہوئے اُس کے ہر سین میں مجھے thrill چاہیے۔۔۔ کلب ڈانسر والی thrill۔۔۔ وہ جب جب سکرین پر آئے سکرین کو آگ لگادے۔۔۔ سیٹیاں بجوادے۔۔۔۔'' مومن روشنی کا کردار اور رول وضاحت سے پیش کررہا تھا اور اختر رائٹنگ پیڈ پر نوٹس لینے میں مصروف تھا۔

''اب سمجھ گیا سر۔۔۔۔ میرے ذہن میں اپنی انڈسٹری کی پرانی ہیروئنز کی طرح کا image تھا روشنی کا۔۔۔ بالکل حسنِ جہاں کی طرح کا کردار بنانا چاہتا تھا میں۔۔۔ مگر اب بدلتا ہوں اُسے۔'' روانی سے بات کرتے ہوئے اختر کے اُس ایک جملے میں لئے جانے والے نام پر قلبِ مومن جیسے کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا تھا۔

''کون حسنِ جہاں؟'' شیلی پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ وہاں کوئی بھی اس وقت قلبِ مومن کی طرف متوجہ نہیں تھا ورنہ اُس کے چہرے کا پھیکا پڑتا رنگ اُن سب کی نظروں میں آجاتا۔

''پاکستان فلم انڈسٹری کی سب سے بڑی ڈانسر ہیروئن۔'' اختر نے اُسی روانی میں جواب دیا۔
''میں نے کبھی نام نہیں سُنا۔'' شیلی نے کچھ سوچ کر کہا۔ اس سے پہلے کہ اختر کچھ کہتا۔ قلبِ مومن یک دم صوفہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے تقریباً چلاتے ہوئے اختر سے کہا۔ ''حسنِ جہاں نہیں دکھانی مجھے اپنی فلم اور اس رول میں!! سمجھے؟'' کمرے میں یک دم خاموشی چھائی تھی۔ مومن نے میز پر پڑا سگریٹ لائٹر اور سگریٹ کی ڈبیا اُٹھائی اور وہ باتھ روم میں چلا گیا۔ اُس کے وہاں سے جاتے ہی سب سے پہلے جیسے شیلی کے حواس بحال ہوئے تھے۔ آواز کو حتیٰ المقدور ہلکی رکھتے ہوئے اُس نے ٹینا اور داؤد سے کہا۔ ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''میرا خیال ہے عباس نہیں پہنچا ابھی تک تو اُسی کی وجہ سے اپ سیٹ ہو رہے ہیں۔'' ٹینا نے جیسے صورت حال سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

اندر باتھ روم میں قلبِ مومن اب لائٹر سے سگریٹ جلا رہا تھا اور سگریٹ جلاتے ہوئے اُس نے اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ دیکھی۔ وہ غصہ کے اثرات تھے جواب بھی اُس کے وجود کے اندر کسی جوار بھاٹا کی طرح گزر رہا تھا۔ سنک کا پانی کھولے اُس کے شور میں اپنے اندر کے شور کو دبانے کی کوشش میں بے حال وہ اب بھی اندر کمرے میں ہونے والی گفتگو سن پا رہا تھا۔

''اختر صاحب یہ حسنِ جہاں ہے کون؟ ذرا دکھائیں تو مجھے۔'' اُس نے شیلی کو کہتے سنا اور مومن کا غصہ بڑھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا اُن میں سے کوئی بھی حسنِ جہاں کا نام لیتا۔ کوئی بھی حسنِ جہاں کو دیکھتا۔

''داؤد ذرا google پر search کر کے دکھاؤ اُنہیں۔۔۔ Diva۔۔۔ Diva تھی وہ۔۔۔ پاکستان فلم انڈسٹری پر حکومت کرنے والی Diva۔۔۔'' اُس نے اختر کو کہتے سُنا۔

مومن نے ہونٹوں میں پھنسے سگریٹ کو انگلیوں سے پکڑ کر اضطراب کے عالم میں تین چار گہرے گہرے کش لئے۔ دھواں اندر گیا مگر غم باہر نہیں نکلا۔ نہ ہی غصہ۔۔۔ دونوں اندر کہیں چھپ کر بیٹھ گئے تھے یوں جیسے اُس کے سامنے آنے سے ڈرتے ہوں۔

"Oh my God what a beauty." اُس نے شیلی کی حیرت زدہ تحسین آمیز آواز سنی۔ ''کہاں ہوتی ہیں یہ آج کل؟'' وہ یقیناً داؤد یا ٹینا کے laptop کی سکرین پر حسنِ جہاں کو دیکھ رہی تھی اور پوچھ رہی تھی اور مومن جل رہا تھا ہاتھ میں پکڑے سگریٹ کی طرح۔۔۔ وہ حسنِ جہاں کو اُن کی آنکھوں سے دور کر دینا چاہتا تھا۔

''ان کے ساتھ ٹریجڈی ہو گئی تھی ایک بہت بڑی۔'' اُس نے اختر کو ایک آہ بھر کے کہتے سنا۔ قلبِ مومن کی کنپٹیاں اب تھرتھرانے لگی تھیں۔ اُس کی ساری نسیں جیسے اُس کے وجود سے باہر آنا چاہ رہی تھیں۔ سگریٹ اب انگلیوں کی پوروں کو جلا رہا تھا۔

''کیا ٹریجڈی؟'' شیلی نے کہا تھا اور قلبِ مومن دھڑاک سے باتھ روم کا دروازہ کھول کر واپس کمرے میں آیا تھا۔

''یہ عباس ابھی تک نہیں آیا۔۔۔۔ یہ پروفیشنلزم ہے اس کا۔۔۔ ایک فلم ہٹ ہو گئی تو خود کو سٹار سمجھ بیٹھا ہے۔'' وہ باہر آتے ہی دھاڑا تھا اور وہاں داؤد کے لیپ ٹاپ کے گرد اکٹھے ہوئے لوگوں کو ایک بار پھر سانپ سونگھ گیا تھا۔

''باس میں ابھی فون کرتا ہوں اُسے۔'' داؤد نے گھبرا کر فون نکالتے ہوئے کہا تھا۔ باقی بھیڑ بھی بوکھلائے انداز میں چھٹی تھی۔

''اب وہ آئے تو بیٹھا رہے۔۔۔۔ میں اس کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔۔۔۔ جا رہا ہوں میں۔'' مومن رُکے بغیر اپنی میز سے اپنا لیپ ٹاپ اور فون اُٹھاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تھا اُن سب کو اسی ہکا بکا انداز میں چھوڑ کر۔

☆......☆......☆

''کھانا لگاؤں؟'' شکور نے مومن کو دیکھتے ہی کہا تھا۔ ''نہیں۔'' وہ بغیر رُکے اندر آیا تھا۔ ''کچھ اور چاہیے؟'' شکور اُس کے پیچھے لاؤنج میں آیا۔ ''کچھ نہیں چاہیے۔'' اُس نے اُس روکھے انداز میں اُس سے کہا تھا۔ وہ اُس وقت صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ وہاں سے غائب ہو جائے اور شکور کو غائب ہونے کا موقع مل گیا تھا۔

قلبِ مومن اُس کے جانے کے انتظار میں بیٹھا رہا اور پھر جب وہ چلا گیا تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

سٹور روم کی لائٹ آن کرتے ہوئے بھی وہ جانتا تھا وہاں اُسے کس چیز کی تلاش تھی۔ سٹور روم میں دیواروں کے ساتھ ہر سال دادا کی اُسے تحفے میں دی ہوئی خطّاطی اُسی طرح پیکڈ ایک کے ساتھ ایک ٹکی پڑی ہوئی تھیں۔ وہ چند لمحے وہاں پڑے سامان کو دیکھتا رہا پھر اُس نے وہاں پڑی ایک درازوں والی میز کا سب سے اوپر والا دراز کھولا تھا اور اُس میں سے وہ فائل نکالی تھی جو سب سے اوپر پڑی ہوئی تھی۔

واپس لاؤنج کے صوفہ پر بیٹھ کر اُس نے اُس فائل کو سامنے میز پر رکھ لیا تھا۔ فائل کا کور کھولنے سے بھی پہلے اُسے پتہ تھا وہ کیا دیکھنے جا رہا تھا۔ وہ رنگین اُردو اخبار کا تراشہ جس میں حسنِ جہاں کی موت پر ایک فیچر تھا اور اُس فیچر کی ہیڈ لائن تھی۔

''قتل یا خودکشی؟ حسنِ جہاں کی موت کا معمہ آج تک حل نہیں ہو سکا۔ یا پھر حسنِ جہاں آج بھی زندہ ہے اور زندہ ہے تو کہاں ہے؟''

مومن ایک بار پھر اُس اخباری تراشے کو لے کر بیٹھا رہا تھا۔ اُس فائل میں وہ کئی سالوں سے حسنِ جہاں کے بارے میں ملنے والی ہر خبر اکٹھی کر رہا تھا اور کس لئے کر رہا تھا وہ یہ نہیں جانتا تھا۔ پر ہر دفعہ درد سے بے حال ہونے پر کسی کسی رات کو وہ ان سب اخباری تراشوں کو اپنے سامنے بچھا کر بیٹھ جاتا تھا یوں جیسے اُن خبروں کی بھول بھلیوں میں وہ کوئی راستہ کوئی پتہ ڈھونڈ رہا تھا۔۔ نہ راستہ نظر آ رہا تھا۔ نہ کوئی

پتہ وہاں تھا۔

☆......☆......☆

''نہیں پر نکالنے کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے ایسے کیسے نکال سکتے ہیں وہ؟ کام سے مطمئن نہیں تو دس بار لکھ کر دینے کو تیار ہوں میں۔'' اختر صاحب کے طوطے کبوتر سب اُڑ چکے تھے اور وہ داؤد کے سامنے بیٹھے بے حد بے چارگی میں وضاحتیں کرتے اور مانگتے جا رہے تھے۔ داؤد نے اُنہیں کچھ دیر پہلے فلم کے سکرپٹ سے علیحدگی کا بتایا تھا۔ اور اب ٹینا اور داؤد دونوں کو اُن پر ترس آ رہا تھا کیونکہ اُنہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اختر کو قلبِ مومن کے اس فیصلے کی کیا توجیہہ پیش کرتے۔

''اختر بھائی مومن بھائی سے ملاقات کرواتا ہوں میں آپ کی وہ ترکی سے واپس آتے ہیں تو۔۔۔ ابھی تو ہم دونوں بھی کل ترکی جا رہے ہیں۔'' داؤد کی بات پر اختر کے غم میں جیسے اور اضافہ ہوا۔ ترکی تو اُس نے بھی جانا تھا ساتھ ریکی کرنے کے لئے۔

''آپ قسم کھا کر کہیں کسی اور رائٹر کو نہیں لے جا رہے ساتھ۔'' اختر نے روکھے انداز میں کہا اور داؤد نے لمحہ برابر بھی انتظار کئے بغیر قسم کھائی۔ اختر صاحب کو جیسے کچھ قرار آیا تھا۔ وہ بمشکل آفس سے گئے تھے اور اُن کے رخصت ہوتے ہی ٹینا نے داؤد سے کہا۔ ''کیوں ہٹایا اُن کو فلم سے؟ آخر ہوا کیا ہے۔۔۔؟ اختلافات تو پہلے بھی ہوتے رہتے ہیں سکرپٹ وغیرہ پر۔۔۔ پھر اس بار مومن کو کیا ہوا؟'' وہ ایک کے بعد ایک سوال کر رہی تھی۔ ''مجھے صرف ایک چیز پریشان کر رہی ہے۔ اس بار فلم لکھے گا کون؟'' داؤد نے اپنی پریشانی بتائی تھی۔

☆......☆......☆

''مجھے بھی لے جائیں ساتھ۔۔۔ ترکی ہی گھوم آتا۔'' شکور کی حسرت اپنے عروج پر تھی۔ وہ مومن کا بیگ پیک کر رہا تھا اور مومن وارڈروب سے اپنے کپڑے نکال نکال کر اُسے دے رہا تھا۔

''تمہیں تو کہا تھا میں نے مستقل چلے جاؤ دادا کے پاس۔۔۔ اُنہیں بھی سہولت ہو جائے گی۔ تمہارا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔'' مومن نے ایک بلیزر ہینگر سے اُتارتے ہوئے بیڈ پر رکھا۔

''مستقل جانے کو تو نہیں کہا میں نے۔۔۔ آپ کے پاس تو دل لگا رہتا ہے میرا۔۔۔ دادا جی کے پاس دل کہاں لگتا ہے میرا۔۔۔ وہاں نہ پارٹیاں نہ لڑکیاں، نہ چغلیاں۔'' اُس نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا پھر مومن کو اپنے آپ کو گھورتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔ ''سامان پیک کر دیا وزن کر لوں ذرا۔'' وہ اُس کا بیگ گھسیٹتے ہوئے باہر لے گیا۔ مومن نے وارڈروب بند کی ہی تھی کہ اُس کا سیل فون بجنے لگا وہ ایک

جرنلسٹ تھی۔

''اوہ ہائے مومن تم مل گئے ورنہ ٹینا تو کہہ رہی تھی تم ترکی کے لئے نکل رہے ہو فلم کی ریکی کے لئے آج رات۔'' کال ریسیو کرتے ہی صدف نے تیزی سے کہا۔''ہاں بس دو گھنٹے کے بعد نکل جاؤں گا۔''

''بس پھر زیادہ وقت نہیں لوں گی تمہارا۔comments دے دو اپنے۔'' اُس جرنلسٹ نے جلدی سے کہا۔

''کس چیز پر؟'' وہ اُلجھا۔

''نیہا نے ضوفی کے ساتھ اپنی منگنی اناؤنس کی ہے۔۔۔پکچرز شیئر کی ہیں فیس بک پر کچھ دیر پہلے تو بس اسی کے بارے میں۔''

"Best of luck to them, they deserved each other."

ایک لمحہ کے تامل کے بغیر مومن نے کہا تھا۔

''یہی لکھ دوں؟'' جرنلسٹ نے کُریدا۔''ہاں۔''

''تمہارے ساتھ بھی تو کوئی چکر تھا نیہا کا۔اُس کا کیا ہوا؟'' جرنلسٹ بالآخر اُس سوال پر آ گئی جس کے لئے وہ کال کر رہی تھی۔''وہ بس چکر ہی تھا اور میں اب چکروں سے الرجک ہو گیا ہوں۔''

اُس نے بے ساختگی سے کہا تھا۔جرنلسٹ ہنسی۔

"Ok have safe flight." اُس نے فون بند کر دیا۔مومن چند لمحے بند فون کو دیکھتا رہا، وہ اگر محبت تھی تو اُسے کچھ ہوا کیوں نہیں تھا، دُکھ نہ ہوتا غصہ ہی آتا۔لیکن اس سرد مہری کی کیفیت کو وہ بوجھ نہیں پایا تھا۔قلبِ مومن کو اپنے دل سے خوف آیا تھا اُس لمحہ وہ واقعی بڑا ظالم تھا کسی کو نکالتا تھا تو ٹھوکر مار کر ہی نکال دیتا تھا۔

☆......☆......☆

''کب جا رہی ہو امریکہ؟'' اقصیٰ نے کھانا کھاتے ہوئے اُس سے پوچھا تھا۔مومنہ ایک ہفتہ لاہور میں فلم کی شوٹنگ کا پہلا سپیل کروا کر ایک دن ہی پہلے واپس آئی تھی۔اور اب دونوں اُس ریسٹورنٹ میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔

''چھ تاریخ کو۔'' مومنہ نے کھانا کھاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اُسے یاد دلایا۔''بل میں دوں گی آج۔'' اقصیٰ بے اختیار مسکرائی۔''میرے پاس تھے بھی نہیں پیسے۔۔۔تم ویسے بھی اب ہالی ووڈ سٹار ہو

تمہیں ہی دینے چاہیے۔''

اُس نے مومنہ کو چھیڑا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ ''چند سینز ہیں میرے فلم میں۔۔۔ وہ کسی کو یاد بھی نہیں رہنے، ہاں مگر فلم کی fees سے میرا بہت سا قرضہ اُتر جائے گا۔'' اُس نے کھانا کھاتے ہوئے اقصیٰ سے کہا تھا۔ اقصیٰ نے تبصرہ نہیں کیا۔

''فیصل کی کوئی خبر؟'' اُس نے یک دم پوچھا۔ مومنہ حیران رہ گئی۔ ''فیصل کہاں سے یاد آ گیا تمہیں؟''

''بس آ گیا یاد...... دوبارہ نہیں آیا؟...... کوئی فون...... کوئی بات چیت...... آنٹی نے بتایا تھا اُس کی منگنی ختم ہو گئی۔'' مومنہ نے اُس کی زبان کی چلتی ہوئی ٹرین کو روکا۔ ''نہیں دوبارہ نہیں آیا...... کوئی فون نہیں...... کوئی بات نہیں...... ایک منگنی ٹوٹی ہے پھر ہو جائے گی۔'' اقصیٰ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''شاید تمہارے ساتھ......'' مومنہ نے اُسے دیکھا پھر مسکرائی۔ ''مجھے معجزوں پر یقین نہیں رہا اور پیار میں تو بالکل بھی نہیں۔'' ''حالانکہ معجزے صرف پیار ہی میں ہوتے ہیں۔'' اُس نے اقصیٰ کو کہتے سنا تھا۔ ''جہانگیر کی قبر پر جاؤں گی آج...... اتنے دن سے موقع ہی نہیں ملا آگے بھی مصروف ہوں۔'' اُس نے بات بدل دی تھی جیسے اقصیٰ کو بتایا تھا کہ اُسے اس موضوع پر بات نہیں کرنی۔

☆......☆......☆

اُس نے سوندھی ہوا میں گہرا سانس لیتے ہوئے جیسے اُس ہوا کو اپنے اندر اُتارنے کی کوشش کی۔۔۔ وہاں کچھ دیر پہلے جیسے بارش ہوئی تھی جو اب تھم گئی تھی لیکن راستے کی مٹی نم تھی اور اُس پر پڑے پتے بھی اور لکڑی کا وہ کاٹیج بھی جس کی طرف وہ جا رہا تھا۔

اُس خالی راستے پر وہ اپنا ٹرالی بیگ کھینچتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اپنی جیکٹ بازو پر ڈالے جیسے اپنے ماضی کو یاد کر رہا تھا۔ وہاں گزارے ہوئے کئی سال۔

وہ اس بار وہاں لمبے عرصہ کے بعد آیا تھا۔ لکڑی کے اُس کاٹیج کے سامنے جا کر وہ رُکا تھا جو اس ڈھلوانی راستہ کے ایک کونے میں ہمیشہ کی طرح خاموش اور اکیلا کھڑا تھا۔ بارش کے قطرے اب بھی کاٹیج کی چھتوں کے کونوں سے پھسلتے نیچے ٹپک رہے تھے۔ اپنا بیگ اُٹھائے وہ برآمدے کی لکڑی کی سیڑھیوں پر چڑھا تھا جو اُس کے قدموں کے بوجھ کے نیچے چُرمرائی تھیں۔ بالکل سامنے لکڑی کے دروازے پر لوہے کا وہ کنڈہ اب بھی ویسے ہی موجود تھا جسے بجانے پر دروازہ کھلتا تھا مگر قلبِ مومن جانتا تھا وہ دروازہ ویسے ہی کھلا ہوا تھا۔ عبدالعلی کو عادت نہیں تھی دروازہ بند کرنے کی۔ دروازے پر ہاتھ رکھے وہ دروازے کو دھکیلتے

دھکیلتے رُکا۔ پھر دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر اپنا بیگ لے کر آ گیا۔ اندر سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا شاید کئی دہائیوں سے تھا۔ Calligraphies سے بھرے ہوئے در و دیوار، جگہ جگہ پڑے ہوئے چھوٹے بڑے ایزل۔ وہ شاید وہ کمرہ تھا جہاں پر عبدالعلی اپنے پاس آنے والے نوجوان طلبہ کو Calligraphy سکھاتے تھے۔ محقق سٹائل آف کیلی گرافی اور وہیں ایک دیوار پر لگی بہت ساری calligraphies اُس نے پہچانی تھیں وہ اُس کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں۔ اُس کے بچپن کی ناپختہ خطاطی کے نمونے اور پھر نوجوانی کی پختہ لکریں۔۔۔ قلبِ مومن نے بے اختیار اُس دیوار سے نظریں چرائیں۔ وہ دیوار ہمیشہ اسی طرح اُسے اپنی طرف کھینچتی تھی اور وہ اسی طرح اپنے آپ کو اُس سے دور کرتا تھا۔

کمروں میں ہوتا ہوا دبے قدموں وہ گھر کے عقبی حصہ میں آ گیا تھا۔ وہاں لان میں اُس نے عبدالعلی کو کیاریوں سے جڑی بوٹیاں نکالتے دیکھا۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھے کام کر رہے تھے اور وہ برآمدہ جہاں مومن کھڑا تھا اُس طرف اُن کی پشت تھی۔ مومن اسی بے آواز طریقے سے چلتے ہوئے اُن کے عقب میں آیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اُس نے عبدالعلی کو کہتے سُنا۔ ''سوچا تمہارے آنے سے پہلے یہ کام بھی نپٹا لوں ورنہ تم کہو گے مجھے تمہارے لئے وقت نہیں ملتا۔'' وہ کہتے ہوئے کھڑے ہو کر پلٹے تھے اور مومن ہنس پڑا تھا۔ عبدالعلی کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُس نے کہا۔ ''آپ کو ہر بار میرے آنے کا پتہ کیسے چل جاتا ہے؟'' اُن نے گلے لگتے ہوئے اُس نے پوچھا۔ ''تمہاری خوشبو سے۔'' اُسے ساتھ لگاتے اُسے چومتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔ ''یہ پرفیوم کی خوشبو ہے دادا۔'' اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تمہارے وجود کی بھی ہے...... خیریت سے پہنچ گئے؟'' عبدالعلی کہتے ہوئے اُس سے الگ ہوئے۔ ''ہاں پہنچ گیا، ٹیم تو کل استنبول پہنچے گی...... میں نے سوچا میں ایک دو دن آپ کے ساتھ گزار آؤں...... بہت عرصہ ہو گیا یہاں آئے۔'' مومن نے اُن کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ وہ اب اندر برآمدے کی طرف جا رہے تھے۔

''سامان رکھ لو پھر کھانا کھاتے ہیں۔ بھوک لگی ہو گی تمہیں۔'' انہوں نے اندرونی کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو انتظار تھا میرا؟'' مومن کُریدے بغیر نہیں رہ سکا۔ ''وہ تو ہمیشہ ہی رہتا ہے۔'' وہ مسکرائے اور اندر چلے گئے وہ اُن کے پیچھے گیا۔ وہ اُس کا کمرہ تھا اب بھی ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ ایک دیوار پر اُس کے باپ کی ایک بہت بڑی تصویر جس میں وہ Whirling Darvesh کے سفید لباس میں رقص کی حالت میں بازو پھیلائے ہوئے تھا اور وجد میں نظر آ رہا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر اُس کی اور طحہٰ کی اور بھی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ چھوٹے بڑے پرانے فریمز میں۔

''بالکل تمہارا چہرہ ہے۔'' عبدالعلی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے طحٰہ کی تصویر دیکھتے ہوئے کہا تھا ایک ہلکی بڑبڑاہٹ میں پھر پلٹ کر مومن سے کہا۔ ''ہے نا؟'' وہ اُن کی بات کا جواب دینے کی بجائے دیوار پر اُس تصویر کے برابر کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا۔ ''آپ بتائیں۔'' عبدالعلی آگے بڑھے اور اُس کا چہرہ اپنی نرم انگلیوں سے ٹٹولتے ہوئے بڑبڑانے لگے۔ ''ہاں سب کچھ ویسا ہی ہے۔'' ''سب کچھ کیا؟'' مومن نے کُریدا۔ ''آنکھیں، ناک، ہونٹ اور ضد۔'' وہ اُن کی بات پر بے اختیار ہنسا۔ ''اچھا اُن میں بھی تھی ضد؟'' اُس نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔ عبدالعلی مسکراتے ہوئے زمین پر پڑا اُس کا بیگ اُٹھا کر باتھ روم کے دروازے کے پاس پڑی ایک میز پر رکھتے ہوئے بولے۔ ''مجھ میں بھی تھی ضد۔''

''آپ میں...... میں نہیں مانتا دادا۔'' مومن نے بے اختیار کہا۔ وہ اب کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا اُنہیں دیکھ رہا تھا۔ عبدالعلی نے اُسے دیکھا اُنہیں اُس پر طحٰہ کا شائبہ ہوا۔ انہوں نے نظریں چرائیں۔ ''تمہارا باپ بھی بڑے سوال کیا کرتا تھا مجھ سے۔'' پتہ نہیں کیا یاد آیا تھا عبدالعلی کو۔ ''اچھا کیا پوچھتے تھے؟'' مومن نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''وہی سوال کرتا تھا جو تمہارے تھے۔'' عبدالعلی نے مسکرا کر اُس سے کہا تھا۔

''آپ اُنہیں ڈانس سے منع کرتے ہوں گے یہ نہیں چاہتے ہوں گے کہ whirling Darvesh بنیں اور وہ ضد کرتے ہوں گے۔'' مومن نے خود ہی اندازہ لگایا۔

''نہیں اس رقص سے تو منع کیا ہی نہیں تھا میں نے اُسے۔ وہ کیلی گرافی کرتا تھا ہاتھ سے رنگ بکھیرتا تھا کینوس پر تو بھی اللہ کا نام لکھتا تھا رقص کرتا تھا تو بھی عشقِ الٰہی میں...... اس سے کیا روکتا میں...... کیوں روکتا میں......؟ روکا تو بس کسی اور چیز سے تھا میں نے۔'' اُن کی آنکھوں اور آواز میں اُداسی اکٹھی جھلکی تھی۔ ''کس چیز سے؟'' مومن سوال کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ ''تم معاف نہیں کرو گے مجھے مومن...... نہ سوال کرو یہ۔'' اُس نے جیسے عبدالعلی کا کوئی کھرنڈ کُریدا تھا۔ ''وہاں رات کو کیلی گرافی کرتے کرتے جھومنے لگتا...... پھر وہاں ناچتا رہتا...... مولانا رومی کے مصرعے پڑھتا...... کبھی اللہ کے ناموں کی تسبیح شروع کر دیتا میں پوچھتا تمہیں کیا ہو رہا ہے...... کہتا تھا پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے...... کوئی مجھے بلا رہا ہے...... کوئی ہے جسے میں بیان نہیں کر پاتا...... لیکن اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرا وجود جھومنے لگتا ہے......'' وہ جیسے مومن سے بات کرتے ہوئے اُس کمرے میں طحٰہ کو ناچتے دیکھ رہے تھے۔ فرش پر چکر کاٹتے اُس کے پیر...... یہاں سے وہاں جاتے ہوئے۔ مومن کو سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہہ رہے تھے کس کی بات کر رہے تھے۔ ''انسان کی محبت نچوا سکتی ہے دادا...... اللہ کی محبت کیسے نچوا سکتی ہے...... یہ سمجھ نہیں

آ تا۔'' اُس نے کہا تھا اور عبدالعلی ہنسنے لگے تھے۔ پھر ہنستے ہی چلے گئے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔ ''پھر تم انتظار کرو قلبِ مومن...... یہ راز بھی کھلے گا تم پر۔'' انہوں نے بڑے عجیب سے لہجے میں اُس سے کہا تھا۔ وہ اُن کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اُس نے مدھم آواز میں کہا۔ ''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا دادا۔''

''کس سوال کا؟'' عبدالعلی نے پوچھا تھا۔ ''آپ نے اُنہیں کس کام سے روکا تھا؟'' ایک لمبی خاموشی آئی تھی۔ قلبِ مومن اور عبدالعلی ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے پھر قلبِ مومن نے عبدالعلی کو بڑبڑاتے سُنا۔ ''حسنِ جہاں سے شادی سے۔'' اس بار قلبِ مومن کے پاس کوئی سوال باقی نہیں بچا تھا۔

☆......☆......☆

''فیصل آیا ہے اپنی امی کے ساتھ۔'' ثریا کی آواز میں ایسی خوشی اُس نے جہانگیر کے بعد پہلی بار سنی تھی وہ اُس وقت فون پر اپنے ایجنٹ سے اپنی ٹکٹ کی بکنگ کی تفصیلات سنتے ہوئے کمرے میں ٹہل رہی تھی جب ثریا لپکتی جھپکتی کمرے میں اُسے یہ خبر سُنا کر یہ کہہ کر چلی گئی تھی۔ ''جلدی سے کپڑے بدل کر آ جانا...... تمہارے ابا بھی ہیں۔ مجھے لگتا ہے خوش خبری لے کر آئے ہیں۔ مٹھائی لائے ہیں۔''

مومنہ کو نہ اُن کی بات ٹھیک سے سمجھ میں آئی تھی نہ ہی دوسری طرف ایجنٹ کی بات۔

''آپ مجھے کچھ دیر میں کال کریں۔'' مومنہ نے ایجنٹ سے کچھ معذرت کرتے ہوئے کال بند کی تھی اور پھر جیسے فون بند کر کے اُس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ ثریا کیا کہہ کر گئی تھی۔

''بڑا افسوس ہوا مجھے بھی جہانگیر کا سن کر، اللہ اُس کی بخشش فرمائے اور آپ سب کو صبر عطا فرمائے...... یہ موقع تو نہیں تھا کہ میں ایسی بات کروں لیکن فیصل کی بڑی خواہش تھی کہ ہم آپ سے مومنہ کے لئے بات کرتے۔'' دروازے میں داخل ہونے سے بہت پہلے مومنہ نے فیصل کی امی کی آواز سن لی تھی اور وہ عجیب بے یقینی کی کیفیت میں وہاں ٹھٹکی تھی۔

''ہماری بڑی خوش قسمتی ہوگی اگر ہمیں فیصل جیسا بیٹا مل جائے...... یوں لگے گا جیسے جہانگیر کی کمی پوری ہو جائے گی۔'' خوشی سے کھنکتی یہ آواز سلطان کی تھی۔ مومنہ عجیب سی کیفیت میں اندر آئی تھی۔ اندر کمرے میں فیصل کی والدہ پسینے میں شرابور بیٹھی تھیں اور ثریا اُنہیں پنکھا جھلنے میں مصروف تھی کیونکہ لائٹ گئی ہوئی تھی۔ فیصل کی سفید ڈریس شرٹ بھی اس وقت پسینے سے نچڑی اُس کے جسم سے چپکی ہوئی تھی۔

''یہ لیں مومنہ بھی آ گئی۔'' ثریا نے اُسے دیکھتے ہی چہکتے ہوئے کہا۔ ''السلام علیکم۔'' اُس نے گڑبڑا کر سلام کیا تھا۔ فیصل کی امی اُٹھ کر اُس سے ملیں۔ اُس کو گلے لگایا، گال پر پیار کیا۔

''فیصل نے مجھے آپ کے آنے کا بتایا ہی نہیں۔'' مومنہ نے مسکرا کر اُن کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا...... کیوں فیصل؟'' فیصل کی والدہ کو اُس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا لیکن انہوں نے یہی ظاہر کیا تھا کہ اُنہیں یقین آ گیا تھا۔

''بس میں نے سرپرائز دینا تھا تمہیں۔'' فیصل نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ اُسے مسکرا کر دیکھا۔

''میں بوتلیں لے کر آتا ہوں...... اتنی دیر کر دی جھومر نے۔'' سلطان کو یک دم خیال آیا تھا مہمان ابھی تک پانی کے بغیر بیٹھے تھے۔

''کولڈ ڈرنکس کی کوئی ضرورت نہیں...... آپ انہیں منع کر دیں۔'' فیصل کی امی نے جاتے ہوئے سلطان کو دیکھ کر ثریا سے کہا۔ وہ اب ساتھ اپنے دوپٹے کے پلو سے خود کو ہوا دینے لگی تھیں۔

''نہیں نہیں لانے دیں اُنہیں...... اتنی گرمی میں آئے بیٹھے ہیں آپ لوگ...... بس یہ بیڑا غرق ہو K-Electric والوں کا...... وقت بے وقت بجلی غائب کر دیتے ہیں۔'' ثریا نے سلطان کو نہیں روکا تھا۔

''عادت ہی نہیں رہی اب ائیر کنڈیشنز کے بغیر کہیں بیٹھنے کی۔'' فیصل کی امی کے انداز میں نخوت نہیں تھی وہ کچھ جتا بھی نہیں رہی تھیں اور مومنہ کو کوئی توہین بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اُن کے گھر اپنی مرضی سے آئے تھے اور مومنہ سلطان کو کوئی طلب تھی نہ توقع اور وہ جیسے عجیب سکون میں تھی۔ زندگی میں ایسی قناعت کبھی کبھی عطا ہوتی ہے۔

''تم کیا کر رہی ہو آج کل۔'' اُنہیں اچانک مومنہ سے پوچھنا یاد آیا۔ مومنہ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر اُس سے پہلے ثریا بول اُٹھی۔ ''آج کل تو کچھ بھی نہیں...... فلم کی آفر تھی مگر چھوڑ دی اُس نے۔'' ثریا جیسے کسی مجرم کی صفائیاں دے رہی تھی مومنہ نے حیران ہو کر ماں کو دیکھا۔

''فلمیں تو ہوتی ہی واہیات ہیں یہاں...... اچھا کیا چھوڑ دیا...... اُن میں کام کر کے کیا کرنا۔'' فیصل کی امی نے بے اختیار کہا۔ ''ہالی ووڈ کی فلم تھی۔'' ثریا چھپاتے چھپاتے بھی بیٹی کی achievement جتا گئی۔

''پھر تو اور بھی واہیات ہوگی۔'' فیصل کی والدہ کے جواب نے سب پر جیسے خاموشی طاری کر دی تھی۔

''ممی یہ دیکھیں یہ خطاطی مومنہ کی ہے۔'' فیصل نے دیوار پر لگی ایک خطاطی دیکھ کر ماں کو اُس کی طرف متوجہ کیا۔

''اچھا یہ بھی کر لیتی ہے۔'' اُس کی ماں کو جیسے پہلی اچھی چیز نظر آئی مومنہ سلطان کے فائن آرٹس کے پروفائل میں۔

''جب چھوٹی تھی نا تو اپنے ابا کا میک اپ باکس کھول کر لپ اسٹک نکال کر گھر کی ساری دیواروں پر یہی بناتی رہتی تھی۔ اسے بڑا شوق تھا آرٹسٹ بننے کا۔'' ثریا نے فخریہ انداز میں مومنہ سلطان کی ایک اور خصوصیت گنوائی۔ فیصل کی والدہ اسی طرح دوپٹے کے پلو سے اپنے آپ کو ہوا دیتی رہیں۔ کراچی کی گرمی نے اُن کے سارے سوال و جواب بلا کر رکھ دیئے تھے۔

باہر گلی میں دروازے پر کھڑے سلطان نے بڑی خفگی سے جھومر سے وہ پلاسٹک کا شاپر پکڑا تھا جس میں وہ چار کولڈ ڈرنکس ڈالے شاپر جھلاتا ہلاتا تیزی سے آیا تھا۔

''کب سے بھیجا ہوا ہے تجھے جھومر اور تو گھنٹہ لگا کر آئی ہے۔'' سلطان کہے بغیر نہیں رہ سکا۔

''گھنٹہ کہاں...... 45 منٹ ہوئے ہوں گے زیادہ سے زیادہ۔'' جھومر کو اس دروغ گوئی پر غصہ آیا تھا۔ ''وہ کریم کریانے والا تو دے ہی نہیں رہا تھا کیونکہ تیرا لمبا اُدھار ہے وہاں...... پر جب میں نے مومنہ باجی کے رشتے کا بتایا تو دے دیں اُس نے بوتلیں مگر گرم آگ...... فریزر خراب تھا اُس کا...... میں آگے برف پکڑنے چلا گیا کہ تو نے اگلا کام یہ بتانا تھا...... اور تو میرا گھنٹہ گن رہا ہے۔'' جھومر نے کلائی میں چڑھایا برف والا دوسرا شاپر بھی سلطان کو تھمایا۔

''چل بڑی مہربانی تیری۔'' سلطان نے شاپر پکڑتے تیزی سے اندر جاتے ہوئے کہا۔

''فنکشن میں نے ہی کرنا ہے مومنہ باجی کا...... ابھی سے بتا رہی ہوں...... اور ولیمہ پر بھی جاؤں گی ساتھ لڑکے والوں کے گھر تمہارے ساتھ۔'' جھومر نے جاتے جاتے بالوں اور دوپٹے کو جھٹک کر آواز دی تھی۔

''ہاں ہاں...... تجھے کیسے پیچھے چھوڑ کر جائیں گے۔'' سلطان نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور سلطان اور جھومر کے درمیان ہونے والی یہ ساری گفتگو اندر کمرے میں بیٹھی فیصل کی امی نے پنکھا جھلتے ہوئے اپنے پسینہ خشک کرنے کی کوششوں کے دوران سنی تھی۔

''میں بس ذرا رسم کرنا چاہ رہی تھی...... اگلی بار انگوٹھی لائیں گے تو ساتھ ہی طے کر لیں گے

شادی کی تاریخ۔'' انہوں نے پرس کھول کر اُس کے اندر کچھ ڈھونڈنا شروع کیا۔ وہ بازار کی برف کے ساتھ اُس کولڈ ڈرنک کو پینے کا رسک نہیں لے سکتی تھیں جو شاید وہاں جعلی ہی ہوتی۔ بیٹے کی شادی وہاں کر کے جتنا بڑا رسک انہوں نے لینا تھا لے لیا اب دوسرا رسک لینے پر وہ تیار نہیں تھیں۔ سلطان تب تک ٹرے میں بوتلیں اور گلاسوں میں برف ڈالے لنگڑاتا ہوا اندر آ گیا تھا۔ ٹرے اُس کے ہاتھ سے فیصل نے پکڑ کر میز پر رکھی تھی اور اس سے پہلے کہ سلطان یا ثریا فیصل اور اُس کی ماں کو بوتلیں آفر کرتے فیصل کی امی نے پانچ پانچ ہزار کے دو نوٹ مومنہ کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے اُس کی ہتھیلی بند کی تھی۔

''یہ لو بیٹا بہت مبارک ہو...... اکلوتا بیٹا ہے میرا فیصل...... اُسے انکار نہیں کر سکتی تھی...... اس لئے میں ہی جھک گئی اب اللہ کرے سب اچھا رہے۔'' انہوں نے مومنہ کے ماتھے پر پیار کیا اور ساتھ ہی اپنے رنج اور افسوس کا اظہار بھی۔

''آپ کو مبارک ہو بہت بہت...... سب اچھا ہی رہے گا انشاء اللہ۔'' اپنی آنکھوں میں آئی نمی دوپٹے سے رگڑتے ہوئے ثریا نے کہا۔ وہ ضرورت مند تھے ضرورت مند لفظ اور لہجے نہیں پکڑے تھے۔

''ارے منہ تو میٹھا کرواؤں میں سب کا ذرا باہر سے مٹھائی لا کر...... میں بھی کسی بے وقوف ہوں آرام سے بیٹھی ہوں۔'' ثریا یک دم اُٹھ کر باہر گئی تھی اور مومنہ ہونقوں کے انداز میں وہ دس ہزار ہاتھ میں پکڑے بیٹھی رہی۔

☆......☆......☆

برآمدے میں آ کر ثریا رُکی تھی۔ دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر اُس نے جیسے ایک سسکی بھری اور بڑبڑائی۔

''جہانگیر کچھ دن اور ٹھہر جانا۔'' آنسو بے قابو ہو کر اُس کی آنکھوں سے چھلکے مگر اُس نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑتے ہوئے مٹھائی کا ٹوکرا کھولنا شروع کر دیا۔ جہانگیر کے لئے بہت رو چکی تھی۔ وہ اب مومنہ کے لئے ہنسنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

پیاز چھیلتی مومنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور زندگی میں پہلی بار اُسے پیاز کی قدر و قیمت معلوم ہوئی تھی۔ وہ اُس کی آنکھوں کے سوکھے دہانوں کو نم کر گئے تھے۔

''کیا ضرورت ہے خوامخواہ میں پیاز چھیلنے بیٹھنے کی...... بس بند کر یہ ہانڈی چولہا...... میں خود کر لوں گی آج سے سب کچھ۔'' ثریا نے آ کر اُس سے سبزی کاٹنے کی چھری اور برتن لیا تھا۔ فیصل اور اُس

کی والدہ کو گھر سے نکلے کچھ دیر ہی ہوئی تھی اور وہ کھانا بنانے کے لئے باورچی خانہ نما اُس چھوٹی سی جگہ میں آ گئی تھی جو انہوں نے برآمدے کے ایک کونے میں ہی چولہا رکھ کر بنائی ہوئی تھی۔

''اماں ابھی سے مایوں بٹھائیں گی کیا......ابھی تو ہاں کر کے گئے ہیں وہ لوگ۔'' اُس نے ماں کا مذاق اُڑایا تھا۔''ہاں ہاں ابھی سے مایوں بٹھاؤں گی۔ جا کر آنکھیں صاف کر...... کیسے سرخ ہو رہی ہیں۔'' ثریا سے اُس کی آنکھوں کا پانی جیسے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ مومنہ نے چوکی پر بیٹھے بیٹھے دوپٹہ سے آنکھیں رگڑ لیں۔ جو کچھ ابھی کچھ دیر پہلے ہوا تھا وہ اب بھی اُسے کسی خواب کی مانند ہی لگ رہا تھا۔ مٹھائی کا آدھ کھلا ٹوکرا جو آدھا تقریباً خالی تھا اور اُس کے قریب پڑی وہ مٹھائی کی پلیٹ جس میں سے فیصل کی امی نے اُس کو مٹھائی کھلائی تھی۔ وہ سب کچھ برآمدے میں ہی باورچی خانہ کے چولہے کے پاس پڑے تھے۔ کولڈ ڈرنکس بھی اُسی ٹرے میں رکھی ہوئی تھیں اور گلاسوں میں پڑی ہوئی برف اب پانی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اور ان سب چیزوں کے بیچوں بیچ مومنہ سلطان اُس چوکی پر اپنے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے یوں بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ ابھی ابھی ان سب چیزوں کے ساتھ پتھر سے گوشت پوست کے جیسے جاگتے وجود میں تبدیل ہوئی ہو۔ وہ سناٹا جو جہانگیر نے اُس گھر پر طاری کیا تھا۔ وہ فیصل نے جیسے توڑ دیا تھا۔

''معجزے صرف پیار میں ہوتے ہیں۔'' مومنہ کو اقصیٰ کی بات یاد آئی اور وہ بات سے بھی زیادہ۔

''اقصیٰ کو تو بتا دے فون پر۔'' ثریا کو بھی اقصیٰ اُسی لمحے یاد آئی تھی جیسے کوئی ٹیلی پیتھی ہوئی تھی۔

''فون بند تھا اُس کا اماں۔ شوٹ پر ہے وہ۔'' مومنہ نے جواباً کہا۔ تبھی سلطان ایک خالی ٹرے پکڑے بیرونی دروازہ سے اندر داخل ہوا تھا۔''یہ پکڑ پورے محلے میں بانٹ آیا مٹھائی مبارکیں دے رہے تھے سب۔'' مومنہ نے سلطان کے کھلے ہوئے چہرے کو دیکھا۔''خیر مبارک۔'' ثریا نے ہنستے ہوئے جواباً کہا تھا۔''وہ جھومر کے لئے رس گلے اور گلاب جامن الگ سے نکال دینا......لڈو پتیا لینے سے صاف انکار کر دیا اُس نے......شام کو آئے گی وہ اپنا حصہ لینے۔'' سلطان نے اُسی طرح ہنستے ہنستے بتایا۔''ہاں ہاں لے لے سارے رس گلے......اُس سے رس گلے اچھے ہیں کیا؟'' ثریا ہنسی تھی۔

''اتنی لمبی گاڑی تھی ان لوگوں کی...... محلے والوں کو تو پہلے ہی کُریہ لگ گئی تھی۔ پہلے تو سمجھ رہے تھے کوئی پروڈیوسر آیا ہے۔'' سلطان کرسی کھینچ کر برآمدے میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ماشاءاللہ اللہ نے کیسا نصیب کھولا ہے میری مومنہ کا......شہزادہ بیاہ لے جائے گا یہ لمبی گاڑی میں...... بڑے سے گھر میں رہے گی......نظر نہ لگے۔'' ثریا نے اُس کی بلائیں لے کر اپنا سر چھوا۔ مومنہ

مسکرا دی تھی۔ اُس کے خوابوں کی ریل گاڑی اتنی لمبی نہیں تھی جتنی سلطان اور ثریا کی تھی۔ اُس نے اُنہیں ٹوکا نہیں تھا۔ اُس گھر میں اتنے عرصہ بعد ایسی خوشی آئی تھی۔

''بیگم صاحبہ بن کر آیا کرے گی اب تو اپنی گاڑی میں ہم سے ملنے۔'' سلطان نے بھی بڑے فخر یہ انداز میں اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ابا میں بس سے ہی آ جایا کروں گی۔'' مومنہ نے یک دم کہا۔ ''نہ نہ گاڑی میں ہی آنا...... بہت کھا لئے بسوں اور ویگنوں کے دھکے...... اب اللہ دے رہا ہے تو ناقدری کیوں کرے گی؟'' ثریا نے فوراً اُسے ٹوکا تھا۔

''اور پیدل آئے گی اور کوئی پرس چھین کر بھاگ گیا تو...... اور دیکھ زیور وغیرہ پہن کر بالکل مت آنا یہاں۔'' سلطان کو ایک اور خدشہ ہوا۔ مومنہ بے اختیار ہنسی۔ ''کیا خیالی پلاؤ چل رہے ہیں ابا...... میں مومنہ سلطان ہوں...... ساری عمر گزاری ہے اس محلے میں...... کون چھینے گا میرا پرس؟''

''مومنہ سلطان سے نہیں چھینتے تھے۔ مومنہ فیصل سے چھین لیں گے...... بتا رہا ہوں تجھے اپنی برادری کا پتہ ہے مجھے۔'' سلطان نے اُسی سنجیدگی سے کہا اور تبھی مومنہ کا فون بجنے لگا تھا۔ ''فیصل کا فون آ رہا ہے۔'' وہ فون لے کر یک دم اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ہاں ہاں جا سن لے۔'' ثریا نے فوراً کہا۔ مومنہ فون لئے اندر کمرے میں چلی گئی۔ ''کیسے چہرہ کھل گیا ہے پل بھر میں۔'' ثریا مسکرائی۔ ''ماشاء اللہ بول۔'' سلطان نے ٹوکا۔ ''دل میں بولا ہے میں نے۔'' ثریا نے بے ساختہ کہا۔ ''دن پھرنے لگے ہیں ہمارے ثریا...... دیکھ۔'' سلطان نے اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے آہ بھری تھی۔ ''اس کے انتظار میں ہی عمر گزاری تھی ہم نے...... اچھا وقت آ گیا ہے۔'' سلطان بڑبڑایا مگر جو اُس کے لبوں پر نہیں آیا تھا۔ وہ ثریا کے کانوں تک پہنچ گیا تھا۔ اُس نے بھی جہانگیر کو یاد کیا تھا۔

☆......☆......☆

''تم سے کہا تھا نا میں پھر آؤں گا۔'' فیصل نے اُس کی آواز سنتے ہی کہا تھا۔ مومنہ ہنس پڑی۔ ''یہ سب کیسے ہوا؟'' اس کے پاس آج سوال کے لئے بھی صحیح لفظ نہیں تھے۔ ''بس دیکھو ہو گیا...... میری محبت کی صداقت۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یقین آیا؟'' ''کر رہی ہوں۔'' ''کل ملیں؟ لنچ یا ڈنر؟'' اُس نے فوراً کہا تھا۔ ''لنچ۔'' ''چلو ٹھیک ہے۔ بس پھر کل ہی ملتے ہیں۔ تم سے کچھ بہت ضروری باتیں بھی کرنی ہیں اور تمہاری رنگ کا سائز بھی چاہیے مجھے...... ممی آج بھول گئی تھیں۔'' فیصل ایسا ہی تھا اُسے بہت کچھ اکٹھا یاد آ رہا تھا۔

''چڑیل کمینی...... بیٹھے بٹھائے اتنا بڑا کارنامہ اور مجھ سے رازداریاں۔'' اُس نے فون ابھی

بند ہی کیا تھا جب اقصیٰ اُسی طرح شور مچاتی اندر داخل ہوئی تھی اور آ کر اُس سے لپٹی تھی۔ ''تمہیں پتہ کیسے چلا؟'' مومنہ ہنسنے لگی تھی۔ ''انکل کا فون آیا تھا مجھے......شوٹ چھوڑ کر آ گئی ہوں...... I am so happy for you۔'' وہ پرجوش انداز میں اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ذرا دیکھو اپنا چہرہ کیسے چمک رہا ہے۔'' وہ اُسے کھینچتے ہوئے کمرے میں لگے آئینے کے سامنے لے گئی تھی۔ ''دیکھو دیکھو کیا یہ تم ہو؟'' وہ اُسے چھیڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مومنہ نے اُس سے بازو چھڑایا اور ہنستے ہوئے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ ''بس کر دو اب۔'' وہ اب بلش ہو رہی تھی۔ ''شادی وغیرہ کا کیا سلسلہ ہے؟'' اقصیٰ نے فوراً پوچھا تھا۔ ''جلد ہی کرنا چاہتے ہیں وہ شاید ایک آدھ مہینے میں۔'' اُس نے جواباً بتایا۔ ''مگر ابھی تو تمہیں امریکہ جا کر اپنی فلم کی شوٹنگ مکمل کروانی ہے۔'' اقصیٰ کو فوراً یاد آیا۔ ''ہاں ظاہر ہے فلم کے تو بعد میں ہی ہوگا...... میں ویسے بھی مل رہی ہوں فیصل سے کل......تو پتہ چل جائے گا کہ کب شیڈول ہوگی۔'' مومنہ نے بتایا۔ ''اوہ ہو ملاقاتیں بھی شروع۔'' اقصیٰ نے چھیڑا۔ ''اچھا اچھا تنگ مت کرو مجھے......داؤد کیسا ہے؟ اُس کو بتایا؟'' مومنہ نے بات بدلنے کی کوشش کی۔ ''وہ تو ترکی چلا گیا ہے مومن کی فلم کی ریکی کرنے......رات کو فون کروں گی تو بتاؤں گی۔'' اقصیٰ نے فوراً کہا۔

''آج مومن کا نام مت لو میرے سامنے۔'' مومنہ نے بے اختیار کہا۔ ''میں داؤد کا بُرا نہیں چاہتی مگر تم دیکھ لینا اقصیٰ یہ فلم نہیں بنے گی...... بنے گی تو فلاپ ہوگی......اُسے اتنا نقصان ہوگا کہ اُس نے جو کمایا سب گنوائے گا......میں نے زندگی میں کسی کو بددعا نہیں دی لیکن قلبِ مومن کے لئے میرے دل سے آج بھی بددعاؤں کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔''

اقصیٰ اُس کے سامنے کچھ کہہ نہیں سکی۔ وہ خوشی کے اس لمحے میں کیا سوچ کر آتش فشاں بنی تھی۔ وہ جانتی تھی۔

''سب بھول جاؤ......سب پیچھے رہ گیا۔'' اقصیٰ نے اُسے بہلایا تھا۔ ''یہ ایک فلم میں وقت پر سائن کر لیتی تو آج جہانگیر......'' وہ کہتے کہتے رُکی تھی......آگے کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خاندان جہانگیر کو مکمل بھول جانے میں ابھی کئی دہائیاں لیتا۔

☆......☆......☆

''مومن بھائی ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔'' وہ رات کو سونے کے لئے لیٹنے لگا تھا جب اچانک داؤد کا فون آیا تھا۔ قلبِ مومن کو پہلا خیال فلم کی ریکی سے متعلق آیا تھا۔ ''کیا ہوا؟'' اُس نے کچھ متفکر ہو کر پوچھا۔ ''آپ نے سوشل میڈیا پر جا کر اپنی تصویریں دیکھیں؟'' داؤد نے کچھ جھجکتے جھجکتے کہا۔ ''کون سی

تصویریں؟‘‘ وہ اُلجھا۔’’وہ کسی نے آپ کی کچھ پکچرز leak کر دی ہیں سوشل میڈیا پر...... کچھ پرسنل قسم کی......تو وہ وائرل ہوگئی ہیں۔‘‘ مومن ہکا بکا ہو گیا تھا۔’’میں دیکھتا ہوں......بس یہی مسئلہ تھا؟‘‘ ’’نہیں وہ اختر بھائی نے لیگل نوٹس بھیجا ہے آفس کے ایڈریس پر۔‘‘ داؤد نے بالا آخر وہ مسئلہ بتایا جس کے لئے اُس نے فون کیا تھا۔’’لیگل نوٹس کس لئے؟‘‘ وہ حیران ہوا۔’’ایک کروڑ مانگ رہے ہیں damages میں صنم کے سکرپٹ سے علیحدہ کئے جانے پر۔‘‘ مومن نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔’’اُس کا دماغ خراب ہو گیا ہے......ایک کروڑ اُس نے کبھی خواب میں بھی دیکھا ہے؟‘‘ وہ بے ساختہ خفا ہوا تھا۔ ’’مجھے لگتا ہے اس سب کے پیچھے کوئی ہے......مجھے یہ ڈر ہے اختر بھائی بھی سوشل میڈیا پر نہ چلے جائیں۔‘‘ داؤد نے نیہا کا نام لئے بغیر جیسے اُسے خبر دار کیا۔’’میں جانتا ہوں کون ہے اس سب کے پیچھے۔ اور جو ہے اُس کو بھی دیکھ لوں گا۔‘‘ مومن نے کہتے ہوئے فون بند کیا اور لیپ ٹاپ پر اُس نے وہ لنکس کھول لئے جو داؤد نے اُسے بھیجے تھے۔ تصویروں پر نظر پڑتے ہی جیسے اُس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔ وہ اُس کی کچھ beaches پر کچھ ماڈلز کے ساتھ تصویریں تھیں اور وہ تصویریں نیہا کے علاوہ کوئی اور اُس کے فون سے نہیں نکال سکتا تھا۔ وہ تصویریں فیس بک اور twitter پر مختلف فلم اور TV کے پیجز نے share کر رکھی تھیں اور اُن تصویروں کے نیچے comments کے thread میں قلبِ مومن اور اُن ماڈلز کو ہر طرح کی گالیاں دی جا رہی تھیں۔ قلبِ مومن نے چند comments پڑھنے کے بعد مزید comments پڑھنے بند کر دیئے تھے۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس وقت اگر وہ پاکستان میں ہوتا تو اُس کی ان ساتھی ماڈلز کی طرف سے آنے والی کالز نے بھی اُس کی زندگی اجیرن کر دی ہوتی کیونکہ وہ پرسنل تصویریں تھیں اور اُن میں سے ہر ایک یقیناً یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ تصویریں قلبِ مومن نے شیئر کی تھیں اور اپنی ان گرل فرینڈز کے سامنے قلبِ مومن کو اب جس طرح کی صفائیاں اور وضاحتیں دینی پڑنی تھیں۔ قلبِ مومن کو اُن کی سنگینی اور نزاکت کا اندازہ تھا، نیہا کے علاوہ یہ کام کوئی اور نہیں کر سکتا تاھ کیونکہ اُس کے فون تک صرف نیہا ہی کو access تھی۔

اُس نے اگلی کال نیہا کو کی تھی مگر نیہا نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔ قلبِ مومن جلتا بھنتا اُس کو بار بار کالز کرتا رہا۔ اُس کی کوئی کال اٹینڈ نہیں ہوئی تھی۔ اُس کے چھوڑے ہوئے کسی msg کا جواب نہیں آیا تھا اس کے باوجود کہ وہ دیکھ لئے گئے تھے۔

☆......☆......☆

’’تم کیا رات کو سوئے نہیں؟‘‘ وہ اگلی صبح دادا کے کمرے میں آیا تھا تو انہوں نے اس کا چہرہ

دیکھتے ہی کہا تھا۔ ''ہاں بس نیند نہیں آئی مجھے...... نئی جگہ پر نیند نہیں آتی مجھے۔'' مومن نے جیسے گول مول انداز میں جواب دیا تھا۔ اُس کا ذہن مسلسل اُلجھا ہوا تھا۔ ''یہ نئی نہیں یہ تو پرانی جگہ ہے۔'' دادا نے جیسے اُسے یاد دلایا۔ وہ جواب دینے کی بجائے اُس ایزل کے سامنے کھڑا ہو گیا جس پر رکھے کینوس پر وہ کچھ paint کر رہے تھے۔ ''اسے پہچانتے ہو؟'' دادا نے یک دم دیوار پر لگی ایک کیلی گرافی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُس سے کہا۔ مومن نے گردن موڑ کر اُس کیلی گرافی کو دیکھا۔ ایک چھوٹے سے کینوس پر صرف اللہ کا لفظ لکھا ہوا تھا...... بہت خوبصورت رنگوں لیکن بے حد غیر ہموار لکیروں میں۔ وہ اُس کی اپنی خطاطی تھی۔ اُس کی پہلی خطاطی جب وہ دادا کے پاس آ گیا تھا۔ اُسے یاد آیا۔ اس گھر میں گزارا ہوا پہلا دن۔

''میں نے لکھ لیا۔'' قلبِ مومن نے فخریہ انداز میں عبدالعلی سے کہا تھا۔ ''بہت خوبصورت لکھا۔'' انہوں نے اُسے داد دی تھی۔ ''لیکن بس اللہ کا الف تھوڑا ٹیڑھا ہو گیا...... ہے نا دادا؟'' قلبِ مومن نے الف پر انگلی پھیرتے ہوئے جیسے کچھ تشویش سے اپنے دادا سے کہا تھا۔ ''جب بار بار اللہ کا نام لکھتے رہو گے تو سب کچھ سیدھا ہو جائے گا...... الف بھی۔'' عبدالعلی نے اُس کے ہاتھ سے برش لے کر اُس کے الف پر پھیرتے ہوئے اُسے جیسا سیدھا کرنے کی کوشش کی تھی مگر کیا نہیں تھا۔

ایک جھماکے کے ساتھ وہ سین ذہن پر لہرایا تھا اور اُسی طرح غائب ہو گیا تھا۔ قلبِ مومن نے انگلی الف پر پھیرتے ہوئے دادا سے کہا۔ ''الف آج بھی ٹیڑھا ہے میرا۔'' ''تم نے اللہ کا نام لکھنا بھی تو چھوڑ دیا ہے اب۔'' اُسے اپنے عقب میں عبدالعلی کی آواز آئی۔ ''ہاں شاید میں مومن ہوں نا...... ساری غلطی ہمیشہ مومن ہی کی ہوتی ہے...... آئیں ناشتہ کرتے ہیں۔'' اُس نے عجیب سے انداز میں کہہ کر جیسے اپنی احساس ندامت اور احساس جرم کو جھٹکا تھا اور کمرے سے چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ پہلی بار کسی ڈرامہ کی شوٹنگ کے لئے نہیں آج اپنے لئے تیار ہوئی تھی اور بار بار اُسے لگ رہا تھا جیسے بہت تیز میک اپ کر لیا تھا۔ کچھ زیادہ ہی بلو ڈرائی کر لئے تھے بال۔

ریسٹورنٹ میں لنچ کے لئے فیصل کے بالمقابل بیٹھی وہ پہلی بار نروس ہو رہی تھی۔ اُس کی مسکراہٹ اور نظروں سے۔ اپنے ہاتھ میں پہنی ایک imitation انگوٹھی اُس نے چند لمحے پہلے فیصل کو تھمائی تھی اور وہ انگوٹھی ابھی تک فیصل کے ہاتھ میں تھی جو وہ غائب الذہنی میں اپنی انگلیوں میں گھما رہا تھا۔

''سب باتیں کر رہے ہوں گے آج...... سیٹ سے آئی ہوں اور پہلی بار اس طرح کسی مرد کے

ساتھ سیٹ سے کہیں گئی ہوں۔'' مومنہ نے ہنستے ہوئے اُسے بتایا تھا۔ وہ ایک سیریل کے سیٹ پر اپنا کام وائنڈ اپ کروا رہی تھی جہاں سے فیصل نے اُسے پک کیا تھا۔

''اندازہ ہے مجھے اس لئے تو نہیں چاہتا کہ تم اس انڈسٹری میں کام کرو۔'' فیصل یک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ ''میں سمجھی نہیں۔'' اُس کی مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی تھی۔ ''کیا؟'' فیصل اُس کے سوال پر حیران ہوا تھا۔ ''کام نہ کرنے والی بات۔'' مومنہ نے کہا۔ ''آنٹی نے کہا تھا تم انڈسٹری چھوڑ رہی ہو اور اب کام نہیں کرو گی اسی لئے تو میں اپنے پیرنٹس کو منا پایا۔ آنٹی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اور انکل بھی اس فیلڈ کو چھوڑ دیں گے۔'' فیصل نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ مومنہ اُس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''انہوں نے کہا تھا کہ وہ اپنا کام چھوڑ دیں گے؟'' اُسے یقین نہیں آیا۔ ''ہاں کیا تم سے بات نہیں ہوئی اُن کی؟''

''نہیں۔'' مومنہ نے جواباً کہا۔ ''کوئی بات نہیں اب کر لیتے ہیں آج میں اسی مسئلے پر بات کرنا چاہتا تھا تم سے تا کہ clarity ہو جائے سب باتوں پر۔'' فیصل نے اطمینان سے کہا تھا۔

''آنٹی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اب گانا گانا چھوڑنا چاہتی ہیں اور انکل بھی اب میک اپ آرٹسٹ کے طور پر فلمز میں کام نہیں کریں گے۔'' مومنہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا تو اُس کے ماں باپ نے اپنا فن پہلی بار بیچ دیا تھا اُس کے مستقبل کے لئے۔ اُسے تکلیف ہوئی۔ ''اور پھر وہ کیا کریں گے؟...... کہاں سے کھائیں گے؟'' اس نے فیصل سے پوچھا۔ ''میں سپورٹ کروں گا اُنہیں...... مجھے اندازہ تھا کہ وہ کام چھوڑیں گے تو اُنہیں مشکلات آئیں گی۔ جہانگیر کے علاج کی بات اور تھی لیکن گھر کا خرچ تو میں چلا سکتا ہوں اُن دونوں کا۔'' اُسے فیصل کی اعلیٰ ظرفی اور نیت پر شبہ نہیں تھا پھر بھی وہ شرمسار ہوئی تھی۔ ''فیصل یہ سب آسان نہیں ہے۔'' اُس نے اُسے ٹوکا۔ ''میں بنا دوں گا۔'' وہ جواباً بولا۔ ''تمہیں اندازہ نہیں ہے پچھلے کئی سالوں سے جہانگیر کی وجہ سے ہم پر کتنا قرضہ جمع ہو گیا ہے۔''

''کتنا قرضہ ہے؟'' فیصل نے اُس کی بات کاٹ دی تھی۔ ''آٹھ دس لاکھ شاید اس سے بھی زیادہ...... چھوٹی چھوٹی رقمیں ہیں مگر بہت لوگوں کو پیسے واپس کرنے ہیں ہم نے۔'' ...... ''میں ادا کروں گا وہ سارا قرضہ...... آٹھ لاکھ...... دس لاکھ جتنا بھی ہے...... تم بس یہ کام چھوڑ دو۔'' فیصل نے دوٹوک انداز میں اُس سے کہا۔

''تم کیوں دو فیصل؟...... آخر تم کیوں دو؟'' وہ جذباتی ہوئی تھی۔ ''میرا بھائی تھا وہ میں نے لوگوں کے سامنے اُس کے لئے ہاتھ پھیلایا تھا۔ پھر اب دوسروں کا احسان اور خیرات لے کر اُس کا قرض کیوں اُتاروں میں؟'' فیصل اُس کے جملے پر جیسے hurt ہوا۔ ''میں تمہیں خیرات دوں گا؟'' ''مجھے

خیرات ہی لگ رہی ہے۔'' ''نہیں ہے خیرات...... نہ ہی احسان ہے......'' ''میرے ہاتھ دیکھو......کیا تمہیں لگتا ہے یہ ہاتھ کما نہیں سکتے؟......قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے؟ پھر میں تم سے کیوں لوں؟'' مومنہ نے اسے اپنے ہاتھ دکھائے تھے اُس نے ایک نظر اُس کے ہاتھوں پر ڈالی پھر بے ساختہ کہا۔ ''لیکن تم ہاتھوں سے نہیں کماتی مومنہ۔'' مومنہ کو جھٹکا لگا۔ ''پھر کیسے کماتی ہوں میں؟'' ''چہرہ اور جسم دکھا کر۔'' فیصل نے روانی میں کہا اور بات کہنے کے بعد اُسے جیسے پچھتاوا ہوا مومنہ کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ فیصل نے یک دم اپنی آواز کو نرم کیا۔ ''ابھی تم TV کر رہی ہو پھر تم فلم کرو گی......مرد کیسے دیکھتا ہے سکرین پر نظر آنے والی ایکٹریس کو...... تمہیں مجھ سے بہتر پتہ ہے...... میں اتنا لبرل نہیں ہوں کہ کبوتر بن کر آنکھیں بند کر لوں۔ میں تمہاری اور تمہارے ماں باپ کی ذمہ داری اُٹھا سکتا ہوں......دل و جان سے اُٹھاؤں گا...... پیار میں احسان نہیں ہوتا۔ حق ہوتا ہے......مومنہ کچھ تو بولو۔'' اُس نے بات کرتے کرتے مومنہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر جیسے اُسے متوجہ کیا تھا۔ ''کیا بولوں؟......تم نے کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا مجھے......'' اُس نے ہاتھ کھینچتے ہوئے رنج سے کہا تھا۔ ''میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ سب کچھ صرف میں نہیں ساری دُنیا کہتی ہے اور کہتی رہے گی...... تمہیں یاد نہیں تم تو خود ایکٹنگ کو حرام سمجھتی تھی خود کہتی تھی کہ مجبوری میں کر رہی ہو۔ اب تو کوئی مجبور نہیں ہے۔'' ''تمہارے پاؤں میرے جوتے میں نہیں ہیں اس لئے تم کو میرے حالات کا اندازہ اور احساس نہیں ہے۔'' وہ رنجیدگی سے بولی تھی۔ ''لیکن مجھے ایک موقع دو میں یہ سارا قرض ادا کر دوں گی......تمہارے پاس آجاؤں گی پھر اُس کے بعد۔''

''فلم نہیں مومنہ...... میں تمہارا فلم میں کام کرنا قبول نہیں کر سکتا۔'' فیصل نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''اور TV میں کئی سال چھوٹے موٹے رول کر کے بھی یہ قرض ادا نہیں کر پاؤں گی...... یہ ایک فلم میرا سارا قرض اُتار دے گی۔'' فیصل کچھ جھنجھلایا۔ ''جب میں تیار ہوں تمہارے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تو تم کیوں نہیں مان رہی میری بات؟...... یا میں یہ سمجھ لوں کہ تمہیں بھی شہرت کا چسکہ لگ گیا ہے...... میرے پیرنٹس پہلے ہی کہتے ہیں کہ ایک بار TV پر آجانے والی گھر میں بیٹھ کر گھر داری نہیں کرے گی۔'' وہ اُس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔ فیری ٹیل کا شہزادہ اپنی زہر آلود باتیں تو نہیں کہتا۔ اُس نے سوچا تھا اور شہرت کا چسکہ کیا تھا جس کا طعنہ وہ اُسے دے رہا تھا۔ اُس نے سوچا تھا۔ ''اس شہرت سے میں نے کچھ نہیں کمایا...... جہانگیر کے علاج کے پیسوں کے علاوہ تم مجھے جانتے ہو پھر بھی یہ کہہ رہے ہو۔''

''میں نہیں کہتا یار......میرے ماں باپ کہتے ہیں......انہیں منا تو لیا ہے میں نے......لیکن بڑا مشکل کام ہے یہ یار......اس لئے کہہ رہا ہوں تم ہی بات مان لو میری......ممی تمہاری فلم کا سن کر پھر بگڑی

ہوئی ہیں...... پلیز مومنہ......''فیصل نے اُس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ وہ چپ بیٹھی رہی تھی۔ وہ مشکل میں تھی اور فیصل کو یہ لگ رہا تھا وہ اُس سے بڑی مشکل میں تھا۔

''کھانا آ گیا......کھانا کھاتے ہیں......بس۔''فیصل کو یک دم خیال آیا تھا وہ اُس سے مستقبل کی اور بھی اچھی اچھی باتیں کرنے کے لئے اُسے باہر لایا تھا۔

مومنہ خاموش ہو گئی تھی۔ فیصل نے اُس مہنگے ریسٹورنٹ کی سب سے مہنگی ڈشز اُس کے لئے منگوائی تھیں اور کچھ دیر پہلے کہے گئے تلخ جملوں کی تلخی کو مٹانے کے لئے جیسے اب اُسے خود سرو کرنے لگا تھا۔ ساتھ اُس سے ہلکی پھلکی گپ شپ کرنے لگا تھا۔ وہ اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اُس کی باتیں سنتی رہی۔

''مجھے تمہاری یہ عادت ہمیشہ سے پسند ہے۔''فیصل نے یک دم کہا۔''کیا؟'' وہ چونکی۔''تم بہت توجہ سے بات سنتی ہو۔ دوسری لڑکیوں کی طرح اپنی بات نہیں کہتی۔'' وہ اُسے خوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا یا واقعی سراہ رہا تھا مومنہ کو اندازہ نہیں ہوا۔ اُس نے اپنی پلیٹ سے اگلا لقمہ لیا تھا۔ پھر ایک اور...... پھر ایک اور......کبھی کبھار بھوک مر جانے پر بھی انسان زبردستی اُسے کھلانے اور جگانے کی کوشش کرتا ہے بس اپنی عزت نفس اور خودداری کے لئے۔ پریوں کی کہانی میں شہزادی کو شہزادے کے لئے اور کیا کیا سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ اُس نے steak کے اُس ٹکڑے کو چند مشرومز کے ساتھ اپنے کانٹے میں پروتے ہوئے سوچا تھا۔

☆......☆......☆

وہ ایک شاندار لمبی سی گاڑی میں اپنے گھر کے دروازے سے کچھ فاصلے پر اُترنے لگی تو فیصل نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اُس کا ہاتھ تھاما۔ "Thank You." مومنہ نے اُس کا چہرہ دیکھا۔''کس لئے۔''''اس فیصلے کے لئے...... میں سوچ رہا ہوں رنگ کا سائز لینے کی بجائے تمہیں ساتھ لے کر تمہاری مرضی کی رنگ دلواؤں۔'' اُس نے کہتے ہوئے اُس کی imitation رنگ واپس کر دی تھی۔ مومنہ نے اُس رنگ کو اپنی اُسی انگلی میں پہن لیا جس سے اُتار کر اُس نے اُسے فیصل کو دیا تھا۔''پھر ویک اینڈ پر لینے آتا ہوں تمہیں رنگ پسند کروانے کے لئے۔''فیصل نے اُسے کہا۔ مومنہ نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ وہ محبت کا چہرہ تھا اُس کی زندگی کی پہلی محبت کا...... ساری پاکیزگی ساری معصومیت ساری جذباتیت والی محبت...... جیسے پوسٹ کارڈ پر ایک پرفیکٹ پکچر والی محبت...... وہ اُس محبت کو ویسے ہی رکھنا چاہتی تھی۔ وہ مسکرائی تھی۔

''خدا حافظ۔'' وہ کہتے ہوئے اُس کا ہاتھ تھپک کر گاڑی سے اُتر گئی۔ فیصل اُسے جاتا دیکھتا

رہا......ویسی ہی محبت سے......محبت کا المیہ یہ ہوتا ہے کہ اُسے ایک دوسرے کا چہرہ پہچاننا آتا ہے، پڑھنا نہیں۔

☆......☆......☆

''پہلے تو میں نے اُسے صرف فلم سے نکالا ہے۔اب میں اُسے سڑک پر لے آؤں گا......دو ٹکے کا رائٹر ہے وہ......اوقات کیا ہے اُس کی؟......میں نے بریک نہ دی ہوتی تو آج بھی دھکے کھا رہا ہوتا......احسان فراموش گھٹیا آدمی۔'' قلبِ مومن فون پر پوری قوت سے دھاڑ رہا تھا اور فون پکڑے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں ٹہلتے ہوئے اُسے یہ اندازہ ہی نہیں ہوا تھا کہ ٹینا کے ساتھ ہونے والی وہ فون کال عبدالعلی بھی سن رہے ہوں گے۔

''سارا پرابلم نیہا کی وجہ سے ہو رہا ہے ورنہ اختر کی اتنی جرأت نہیں تھی۔اسے وکیل بھی نیہا نے کر کے دیا ہے۔ورنہ اختر تو اب بھی بہت ڈرا ہوا ہے اور patch up کی بات کریں فوراً تیار ہو جائے گا۔''''نیہا کو تو دیکھ لوں گا میں......پبلسٹی کی بھوکی عورت......50 بوائے فرینڈز ہوں گے اُس کے مجھ سے پہلے......مجھے بھی بہت کچھ پتہ ہے اُس کے بارے میں۔'' وہ اُسی تلخ لہجے میں کہہ رہا تھا اور ساتھ ٹہل رہا تھا۔

''احسن کی فلم کا پریمیر ہو گیا بہت بُرے reviews ملے ہیں اُسے......آپ نے سوشل میڈیا پر دیکھے......flop ہو گی وہ۔'' ٹینا نے یک دم اُسے ضروری update دی۔

غصے میں بھی مومن قہقہہ لگانا نہیں بھولا تھا۔''زبردست بڑی اچھی خبر دی تم نے اپنی سوشل میڈیا ٹیم کو کہو وہ بھی بُرے review لکھے اُس کی فلم کے بارے میں......دھجیاں اُڑا دے اُس کی فلم کی تھرڈ کلاس ڈائریکٹر اپنے آپ کو قلبِ مومن کا اُستاد کہتا ہے۔''

مومن شاید اسی تضحیک آمیز انداز میں بات کرتا رہتا اگر وہ یک دم دادا کو نہ دیکھ لیتا جو اچانک اُس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

''مجھے ای میلز کر دو میں جواب دیتا ہوں اُن کا۔'' مومن نے ٹینا کو خدا حافظ کرتے ہوئے کہا۔ عبدالعلی کے دیکھنے کا انداز اُسے کھلا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟'' فون بند کرتے ہی اُس نے دادا سے کہا۔ ''تمہیں۔''

''کیوں؟'' وہ اُلجھا۔ ''پہچان نہیں پا رہا۔''

''کیا؟'' وہ حیران ہوا۔ ''تمہیں......یہ جو فون پر بات کر رہا تھا کیا یہ وہ قلبِ مومن تھا جو؟؟؟

چڑیا کو گود میں لئے ساری رات بیٹھا رہتا تھا۔'' مومن چند لمحے بول نہیں سکا۔'' وہ بچپن تھا دادا۔'' مومن نے نظریں چرائیں۔'' اور جو اپنی ماں کے آنسو دیکھ کر اللہ کو خط لکھنے لگتا تھا کہ وہ اُس کی ماں کو بھیج دے۔'' انہوں نے بات جاری رکھی تھی۔'' وہ میرے خونی رشتے تھے دادا'' وہ کہے بغیر نہیں رہ سکا۔'' اور جو راستے میں پڑے ہر پتھر کو اس لئے اُٹھاتا تھا کہ کسی دوسرے کو ٹھوکر نہ لگے۔''

'' آپ کو کرتے دیکھتا تھا اس لئے کرتا تھا۔'' وہ اب اُن سے نظریں چرانے لگا تھا۔'' وہ مومن جہاں بھی جاتا تھا لوگوں کی آنکھوں کا تارہ بن جاتا تھا۔'' دادا پتہ نہیں اُسے کس کا چہرہ دکھانے لگے تھے۔

''لوگ آج بھی مجھ سے پیار کرتے ہیں دادا......لاکھوں لوگ twitter پر مجھے follow کرتے ہیں۔ میری برتھ ڈے پر مجھے کارڈز، پھول، تحفے بھیجتے ہیں۔ میں آج بھی اُن کی آنکھوں کا تارہ ہوں۔ اُن کے دلوں میں بستا ہوں۔'' اُس نے دادا کو چیلنج کیا۔

'' وہ جو لوگوں کے دلوں میں بستا تھا اُس سے میں پوچھتا تھا کہ وہ اُن سب لوگوں کے نام لکھے جو اُس کے دشمن ہیں تو اُس کا صفحہ خالی رہ جاتا تھا۔'' مومن گم صم ہوا۔'' آپ مجھ سے کیا سننا چاہتے ہیں دادا؟'' اُس نے بالا آخر زچ ہو کر کہا۔'' تم بدل گئے ہو مومن......تم وہ قلبِ مومن نہیں رہے۔'' '' غلط ......میں ایک بہترین انسان ہوں آپ میرے سوشل سرکل میں آ کر میرے بارے میں پوچھیں اس ایک فون کال سے مجھے judge نہ کریں۔'' وہ مدافعانہ انداز میں بولا تھا۔

'' تم لوگوں کا رزق چھین سکتے ہو مومن؟ انہیں سڑکوں پر لانے کی طاقت رکھتے ہو؟'' عبدالعلی نے جیسے اُس کے الفاظ دہرائے۔

'' جس کے بارے میں یہ بات کہی ہے وہ احسان فراموش ہے۔ میں نے اُسے عزت دی اور وہ......'' دادا نے اُس کی بات کاٹ دی۔'' عزت اور ذلت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے قلبِ مومن تمہارے ہاتھ میں نہیں۔'' '' آپ اس فلم انڈسٹری کو نہیں جانتے دادا یہاں سب ایک دوسرے کے بارے میں یہی کہتے ہیں ایسے ہی بات کرتے ہیں ایسے ہی گالیاں دیتے ہیں یہاں سب چلتا ہے۔'' مومن نے اب جیسے اُنہیں تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

'' تو پھر اُس حمام سے نکل آؤ جس میں تم سب بے لباس ہو۔'' اُن کے اگلے جملے نے مومن کو مشتعل کر دیا تھا۔'' میرا حمام میرے پروفیشن کو کہہ رہے ہیں نا آپ؟'' '' نہیں اُس جسم کو کہہ رہا ہوں جس کی پرستش کروانے کے لئے تم اپنی زندگی ضائع کر رہے ہو۔'' اور مل کیا رہا ہے؟......حسد، رقابت؟ بے عزتی، بے سکونی ایوارڈز اور آسائشات کے ساتھ۔''

''آپ تو روح کا کام کرتے ہیں نا دادا آپ سے تو کوئی حسد نہیں کرتا کوئی دشمن نہیں ہے آپ کا۔'' وہ عبدالعلی پر اب طنز کرنے لگا تھا۔

''میرے کام میں روح ہوتی ہے مومن اور روح ماورا ہے اُن چیزوں سے جن میں تم اُلجھے پڑے ہو۔'' وہ اس بار آگ بگولہ ہوا۔

''میرے کام میں روح نہیں ہوتی وہ صرف آپ کے کام میں ہوتی ہے۔آپ سمجھتے ہیں میں روح کو نہیں سمجھتا؟......کاغذ پر لکھے بے جان کرداروں کو سکرین پر پیش کر کے لوگوں کے دلوں میں اُتار دیتا ہوں اور میں روح کو نہیں سمجھتا۔'' ''تمہارے ان بے جان کرداروں میں سے کس نے کس کی روح کو چھوا؟......نہیں مومن جو بھی کردار تم پیش کرتے ہو سب جسم ہیں۔ سب لمس مانگتے ہیں......سب مادّی......طلب ہے نفس کی......اور اُن کا قصور نہیں ہے تمہارا قصور ہے کیونکہ یہ کردار تمہارے ہاتھوں میں گھڑ رہے ہیں اور تمہیں صرف جسم کا پتہ ہے......روح کا تو پتہ ہی نہیں ہے۔'' جوتا نہیں جوتے مارے تھے اُن کی نرم، میٹھی، مدھم آواز میں اور کوڑوں کی طرح اُس کی انا کو زخمی کر گئے تھے۔

''آپ کہتے ہیں نا دادا میں روح کو نہیں سمجھتا صرف جسم کو جانتا ہوں اُسی کی پرستش کرواسکتا ہوں......تو دادا اب میں آپ کو ایک ایسی فلم بنا کر دوں گا جو جسم کا لمس نہیں مانگے گی۔ روح کو چھوئے گی......اللہ کی عبادت کروائے گی۔'' عبدالعلی بے اختیار ہنسے تھے۔ یوں جیسے کوئی بڑا کسی بچے کی بچکانہ بات پر ہنستا ہو۔

''ٹھیک ہے مومن اس بار تم ایک فلم بناؤ روح میں اُتر جانے والے کرداروں کی......اللہ کی عبادت پر مجبور کر دینے والی......روح کو چھونے والی......اور جس دن تم اپنی فلم میں روح کی بات کرنے لگو گے یہ لاکھوں، کروڑوں کا مجمع جنہیں تم fan اور followers کہتے ہو یہ چھٹ جائے گا......یہ سب جنہیں تم دوست کہتے ہو پرندوں کی طرح اُڑ جائیں گے۔'' عبدالعلی کی آواز میں عجیب سی کیفیت تھی۔

''ایسا نہیں ہوگا۔'' مومن نے کہا۔ ''تم آزما لو......پھر جب تم اپنے آپ کو اکیلا پاؤ تو یہاں آجانا۔''

''میں آپ کے پاس صرف روح اور روحانیت پر ایک hit فلم لے کر آؤں گا۔'' قلبِ مومن نے جواباً کہا۔ ''وہ فلم جو آپ کی خطاطی سے زیادہ قریب کرے گی لوگوں کو اللہ کے۔'' قلبِ مومن نے چیلنج کیا۔

''تم جیت گئے تو میں کیلی گرافی چھوڑ دوں گا۔ میں جیت گیا تو تم آجانا میرے پاس اپنا اثاثہ سنبھالنے۔'' عبدالعلی نے مسکراتے ہوئے اُس کا چیلنج قبول کیا تھا۔ وہ اپنی اپنی فیلڈ کے دو پہلوان تھے اور

اب دنگل کے لئے اکھاڑے میں اُتر آئے تھے۔

☆......☆......☆

دروازہ بجانے پر ثریا باہر نکلی تھی اور فیصل کو دیکھ کر اُس کا چہرہ کھل گیا تھا۔ ''ارے بیٹا آؤ......آؤ ......اندر آؤ'' اُس نے دروازے سے ہٹتے ہوئے ساتھ اُس کے سلام کا جواب دیا۔ ''نہیں آنٹی بس مومنہ کو لینے آیا ہوں اُسے بھیج دیں۔'' ثریا کے چہرے پر اُلجھن آئی۔

''مومنہ......وہ تو کل امریکہ چلی گئی......کیا تمہیں نہیں بتایا اُس نے۔'' فیصل فریز ہوا تھا۔

''نہیں......'' اُس نے بمشکل کہا۔ ''پر مجھے تو کہہ رہی تھی کہ تم آؤ گے ویک اینڈ پر تو تمہیں وہ لفافہ دے دوں۔'' ثریا کچھ اور اُلجھی تھی۔ ''کون سا لفافہ؟'' فیصل بھی اُلجھا۔ ''ایک منٹ۔'' ثریا کہتے ہوئے برق رفتاری سے اندر گئی پھر اُسی رفتار سے واپس آ گئی اور اُس نے ایک لفافہ فیصل کو تھما دیا۔

''ٹھیک ہے آنٹی......میں چلتا ہوں۔'' فیصل کو بات کرنے میں دقت ہو رہی تھی۔ ''بیٹا اندر تو آتے......کچھ چائے وغیرہ......'' ثریا نے کہا۔ ''نہیں آنٹی پھر کبھی......ابھی ممی کو کلینک پر بھی چھوڑنا ہے میں نے......خدا حافظ۔''

وہ رُکے بغیر کہتا ہوا وہاں سے چل پڑا تھا۔ اپنی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی اُس نے مومنہ کے خط کا جواب بھی سوچتے ہوئے لفافہ کھول لیا تھا۔ اُسے یقین تھا اُس نے اپنے خط میں وضاحتیں دی ہوں گی اور فیصل کو کوئی وضاحت قبول نہیں کرنی تھی۔ لفافے کے اندر کوئی خط نہیں تھا۔ اُس کے اندر پانچ پانچ ہزار کے دو نوٹ تھے۔

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 6
/RAMZEBEKHUDI
/RAMZEBEKHUDI

قسط نمبر:06

میری پیاری حسنِ جہاں جی،

آپ کا خط ملا اور دل کٹ گیا۔ وہ بے وفا نکلا نا، میں نے پہلے ہی کہا تھا آپ سے طٰحہ عبدالعلی پر بھروسہ نہ کریں۔ سلطان کی محبت کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کریں۔ مگر آپ نے ہمیشہ طٰحہ کے نام کی تسبیح کی۔ سلطان کو آزمایا ہی نہیں۔ میں آپ کا خط پڑھ کر روتا رہا ہوں۔ پرندہ ہوتا تو اُڑ کر آجا آپ کے پاس، لیکن انسان ہوں اور انسانوں کو جانے میں لمحہ لگتا ہے، آنے میں وقت لگتا ہے۔ پھر بھی سلطان آئے گا آپ کے پاس بس چند مہینوں یا ہفتوں کا انتظار کرلیں، اپنی آپ کی اور قلبِ مومن کی ٹکٹوں کے لئے پیسے جمع کرلوں تو آتا ہوں آپ کے پاس۔

پر میرے آنے تک طٰحہ کے جانے کا غم نہ کریں آپ، نہ اُس کے لئے آنسو بہائیں، اپنی دنیا میں واپس آجائیں۔ فلم انڈسٹری آج بھی آپ کو ڈھونڈ رہی ہے۔ لوگ آج بھی آپ کو یاد کرتے ہیں، سنیما کی سکرین پر آج بھی کوئی اداکارہ حسنِ جہاں کی طرح دلوں پر راج نہیں کرتی۔ طٰحہ عبدالعلی نے قدر نہیں کی آپ کی، آپ نے اُس کے لئے اپنی ''سلطنت'' چھوڑ دی تھی۔ اُس نے پروا نہیں کی تو آپ کب تک پروا کرتی رہیں گی اُس کی۔ جانتا ہوں دل سے کسی کو بُھلانا آسان ہوتا ہے، مٹانا نہیں لیکن میں آپ سے کہتا ہوں آپ نہ اُس کو بھولیں نہ اُس کو مٹائیں، بس اپنی دُنیا میں لوٹ آئیں۔

حسنِ جہاں جی، یہ جو ہم جیسے ہوتے ہیں نا یہ ہمیشہ مٹّی کے ہی رہتے ہیں۔ ہمیشہ جسم ہی عروج دیتا ہے ہمیں اور یہی زوال...... ہم روح اور روحانیت کے لئے بنے ہی نہیں ہوتے اُس راستے پر چلنے والے اور ہوتے ہیں اُن کا خمیر بھی اور جگہ سے اُٹھا ہوتا ہے، میں اور آپ زیادہ سے زیادہ نیک ہو سکتے ہیں، اپنی اولادوں کا نام قلبِ مومن اور مومنہ رکھ سکتے ہیں مگر بس اتنا ہی...... اس سے آگے جائیں تو پر جلنے لگتے ہیں ہمارے اور تپش سہہ نہیں پاتے ہم۔ آپ کو روکا تھا میں نے بہت...... اسی لئے روکا تھا کیونکہ وہاں آگے آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آنا تھا اور جس دُنیا میں آپ تھیں وہاں آپ کا سکّہ چلتا تھا۔ آپ نے سلطان کی بات نہیں سنی، سکّہ بدل گیا ہے اب آپ کے جانے کے بعد یہاں کا...... پر کوئی بات نہیں...... آپ چاہیں تو پھر آپ کا راج ہوگا یہاں اور میں سلطان آپ کے ساتھ ہوں...... اچھے اور بُرے سارے دنوں میں آپ کے ساتھ سایہ بن کر چلوں گا کیونکہ آپ سے پیار کرتا ہوں...... ویسا پاگلوں والا پیار جو

آپ طحہ سے کرتی ہیں۔ نہ آپ بدلیں گی نہ میں بدلوں گا۔

خط لکھ رہا ہوں تو دل کھول کر رکھ دیا ہے آپ کے سامنے، ورنہ اتنے سالوں میں ہر بار آپ سے بات کرتے ہوئے کبھی آپ نظریں چراتی تھیں کبھی میں۔ میں جانتا ہوں سلطان کو آپ بھی بھول نہیں سکتیں۔ طحہ کے بعد اگر کوئی یاد آتا ہوگا تو سلطان ہی یاد آتا ہوگا آپ کو، میری خوش فہمی دیکھیں کیا لکھ رہا ہوں آپ کو۔ نہ اپنی شکل دیکھ رہا ہوں نہ اپنی اوقات......لیکن پیار کا کیا کریں حسنِ جہاں جی، یہ میرے جیسوں کو بھی اوقات سے باہر کر دیتا ہے......سلطان ہی سمجھنے لگ گیا ہوں اپنے آپ کو......آپ نے بڑا ظلم کیا ہے مجھ پر......بیچ راستے میں مجھے چھوڑ کر......اتنے سالوں میں سلطان آسمان سے زمین پر آ گیا مگر نہیں بدلا تو اُس کے دل میں آپ کا مقام......آپ آج بھی سلطان کے دل کے تخت پر وہیں بیٹھی ہیں جہاں اُس نے پہلی بار آپ کو بٹھایا تھا......اور یہ مقام سلطان کبھی کسی کو نہیں دے گا۔ طحہ اور سلطان میں بس یہی فرق رہے گا ہمیشہ......وہ آپ کو چھوڑ سکتا ہے، سلطان نہیں۔

آپ کا سلطان

☆......☆......☆

''تم جا رہے ہو؟'' قلبِ مومن صبح سویرے اپنا سامان پیک کر رہا تھا جب عبدالعلی اُس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر آئے تھے اور اُسے سامان پیک کرتے دیکھ کر اُن کا دل کسی دیے کی طرح بُجھا تھا۔

''جانے کے لئے ہی آیا تھا دادا۔'' قلبِ مومن اُن کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کھلے بیگ میں اپنی چیزیں پھینکتا رہا۔

''ناراض ہو کر جا رہے ہو؟'' اُنہوں نے چند لمحوں کے بعد اُس سے کہا۔ قلبِ مومن ٹھٹھکا اور اُس نے سیدھا کھڑے ہوتے ہوئے اُن سے کہا، ''ناراض کس بات پر ہوں گا؟'' وہ سنجیدہ تھا۔ عبدالعلی نے اُس کا چہرہ دیکھا۔

''کل رات تمہارے اور میرے درمیان......'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا، قلبِ مومن نے بات کاٹ دی۔

''کل رات آپ کے اور میرے درمیان ایسا کچھ نہیں ہوا جس پر میں آپ سے خفا ہوتا، چیلنج تھا جو آپ نے دیا اور میں نے چیلنج قبول کر لیا، اس سب میں خفگی والی بات کہاں سے آ گئی؟'' وہ کہہ کر دوبارہ جُھک کر اپنے بیگ کی زپ بند کرنے لگا تھا۔ عبدالعلی کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اُس کی بات کے جواب میں کیا

کہتے، کچھ دیر کھڑے وہ جیسے کوئی الفاظ ڈھونڈتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

''قلبِ مومن میں تم سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں۔تمہارا دل کبھی بھی دکھانا نہیں چاہتا میں اور مجھے لگا شاید پچھلی رات میں تمہارا دل دُکھا بیٹھا ہوں۔''اُنہوں نے بالآخر وہ الفاظ ڈھونڈ لئے تھے جو وہ اُس سے کہنا چاہتے تھے۔قلبِ مومن نے اپنی پیکنگ ختم کر لی تھی۔اپنے بیگز کو ایک طرف اوپر نیچے رکھتے ہوئے اُس نے بے حد اطمینان سے عبدالعلی کی بات سُنی، اس کے انداز میں ایک عجیب سرد مہری تھی......indifference کا ایک عجیب سا عالم تھا۔

''آپ کو پتہ ہے دادا......آپ مجھے کیوں کمتر سمجھتے ہیں؟''اُس کے جملے نے عبدالعلی کو بچھو بن کر کاٹا تھا۔

''آپ مجھے اس لئے کمتر سمجھتے ہیں کیونکہ میں حسنِ جہاں کی اولاد ہوں جس کے پاس حسن اور جسم کے استعمال کے علاوہ کچھ اور تھا ہی نہیں......آپ اسی لئے اُن سے بابا کی شادی نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ ایک ڈانسر تھیں۔''قلبِ مومن کی آنکھوں اور چہرے پر جیسے ''میں سب جانتا ہوں'' لکھا تھا۔عبدالعلی نے تڑپ کر اُسے روکا تھا۔

''حسنِ جہاں سے شادی سے روکنے کی وجہ نہ اُس کا اداکارہ ہونا تھا، نہ رقاصہ ہونا۔تمہیں کس نے کہہ دیا کہ میں تمہیں اس لئے کمتر سمجھتا ہوں اور کس نے کہہ دیا کہ حسنِ جہاں کے پاس حُسن اور جسم کے علاوہ کچھ اور تھا ہی نہیں؟''عبدالعلی کے اندر میں اب عجیب سی برہمی تھی۔

''اُس کے پاس نیک روح تھی......جو تم نے کھو دی۔''قلبِ مومن اُن کے جملے پر ہنس پڑا۔''حسنِ جہاں کے پاس تھی......میں نے کھو دی......''اُس نے اُن کا جملہ استہزائیہ انداز میں دُہرایا تھا۔''آپ کے نزدیک نیک روح صرف اُن کے پاس ہوتی ہے جو یہ کام چھوڑ دیتے ہیں یا پھر اُن کے پاس جو آپ کی طرح خطاطی کرتے رہتے ہیں......دادا spirituality کسی کی میراث نہیں ہے۔''وہ ایک بار پھر اُن سے الجھ پڑا تھا۔پتہ نہیں کہاں چوٹ پڑی تھی مومن کو۔

''بے شک نہیں ہے......مگر اللہ کی عطا ہے اور اللہ اسے صرف اس کی قدر جاننے والوں کو عطا کرتا ہے۔''قلبِ مومن انہیں دیکھتا رہا ایک لاوا تھا جو اُن کے اس جملے پر اُس کے اندر سے باہر پھوٹ پڑنا چاہتا تھا۔اُس نے عبدالعلی سے نظریں چُرا لیں۔وہ اس بوڑھے شخص کا اتنا احترام کرتا تھا کہ وہ لاوا اُن پر اُلٹا دینا نہیں چاہتا تھا۔وہ اس کی وجہ نہیں تھے اور جسے وہ ''نیک روح'' کہہ رہے تھے،قلبِ مومن اُسے کبھی ''جسم'' کے علاوہ کچھ ماننے پر تیار ہی نہیں تھا چاہنے کے باوجود بھی۔

''میں چلتا ہوں......اور رُکوں گا تو اور بحث ہوگی ہماری......'' وہ آگے بڑھا اور اُس نے دادا کو گلے لگایا۔

''جب تم یوں گلے لگاتے ہو تو طحہ یاد آتا ہے مجھے۔''

وہ عبدالعلی کی آواز پر جیسے ٹھٹک گیا تھا، پھر الگ ہوتے ہوئے ہنسا، ''جانتا ہوں میں...... بابا ہی کے لئے اداس ہوتے ہیں آپ......میرے لئے کہاں ہوتے ہوں گے۔'' اُس نے اپنا بیگ اُٹھایا تھا اور جیسے وہ عبدالعلی کا جواب سُنے بغیر بھاگ گیا تھا۔ عبدالعلی کو رنج ہونا چاہیے تھا۔ وہ رنجیدہ ہونے کے بجائے مسکرائے تھے۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ برف کی طرح سرد نظر آتا تھا، مگر آگ کی طرح گرم تھا، سمندر کی طرح گہرا تھا مگر ریگستان کے سراب کی طرح اشتباہِ نظر کا شکار کرتا تھا۔ قلبِ مومن تھا، مگر مومن بننے کے راستے سے پرے۔

☆......☆......☆

''وہ جو لوکیشنز کہی تھیں آپ نے سب ہی مارک کرلی ہیں اور سب پر ہی کام ہوگیا ہے۔'' داؤد اور ٹینا اُسے استنبول میں گزارے پچھلے کچھ دنوں میں کئے جانے والے کام کے بارے میں update دے رہے تھے اور قلبِ مومن اُس ہوٹل کے لاؤنج میں پڑے ایک صوفہ پر بیٹھا اُن کی باتیں سنتا ہوا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

''استنبول کی night life کو capture کرنے کے لئے night clubs کی بھی ریکی کرلی ہے ہم نے۔'' اب ٹینا اپنے لیپ ٹاپ پر اُسے اُن جگہوں کی تصویریں دکھانے لگی تھی جو وہ اپنی فلم کی شوٹنگ کے لئے منتخب کر چکے تھے۔ قلبِ مومن آج ہی عبدالعلی کے پاس سے واپس استنبول آیا تھا اور اس وقت داؤد اور ٹینا کے ساتھ اُس کی پہلی ملاقات تھی۔

''Dates فائنل کر کے کل سے emails کا کام ختم کرلیں گے، shooting کے لئے...... پوسٹ پروڈکشن کا کام بھی یہاں ایک سٹوڈیو کے ساتھ coordination......'' قلبِ مومن نے داؤد کو پہلی بار ٹوکا۔

''میں اس فلم کی شوٹنگ کچھ عرصہ کے لئے postpone کر رہا ہوں۔'' اُس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا تھا۔ ٹینا اور داؤد بیک وقت چونکے تھے اور انہوں نے کچھ بے یقینی کے عالم میں اُسے دیکھا، قلبِ مومن مذاق یقیناً نہیں کر رہا تھا۔

''میں اس فلم سے پہلے ایک اور فلم بنانا چاہتا ہوں کیونکہ میرے پاس ایک بے حد unique

idea ہے۔''

قلبِ مومن کے اگلے جملے پر ٹینا بے حد ایکسائٹڈ ہوئی تھی۔''ایک سال میں دو فلمز۔Fantastic میں تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ سال میں ایک کے بجائے دو فلمز کرنی چاہیے آپ کو...... جب investors، انویسٹ کرنے کو تیار ہیں۔ برانڈنگ اور product placement کے لئے تیار ہیں تو پھر بے وقوفی ہی ہے بس ایک ہی فلم کرتے جانا...... کیا subject ہے دوسری فلم کا؟'' ٹینا جوش و خروش میں بات کرتے کرتے اب subject کو کریدنے لگی۔ داؤد اس ساری گفتگو کے دوران خاموش ہی رہا تھا۔قلبِ مومن نے میز پر پڑے گلاس سے پانی کا ایک گھونٹ بھرا اور کہا''Spirituality'' ٹینا کو چپ لگ گئی۔ داؤد کو پہلے ہی لگی ہوئی تھی۔ مگر وہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

''کیا کہتے ہیں اسے اُردو میں؟'' قلبِ مومن نے جیسے کچھ اُلجھ کر یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھول گیا تھا، داؤد نے کچھ کہنے کے بجائے لیپ ٹاپ پر google پر اُس لفظ کا اُردو ترجمہ ڈھونڈا اور پھر کہا''روحانیت۔''

''بس اسی کے بارے میں فلم بنانی ہے مجھے''قلبِ مومن نے بے ساختہ کہا۔

''یہ جس کے نام کا مطلب ابھی google سے ڈھونڈا ہے؟'' ٹینا نے بے یقینی سے قلبِ مومن سے کہا۔

اُس نے جواباً اثبات میں سر ہلایا۔''مگر اس میں دکھائیں گے کیا؟'' ٹینا نے بے ساختہ کہا اور اس بار تینوں کو بیک وقت چُپ لگی تھی۔ خاموشی کے ایک لمبے وقفے کے بعد قلبِ مومن نے جیسے اپنی خجالت مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''سوچو۔'' وہ کہتے ہوئے اُٹھ کر گیا۔

''باس یہ میرا آئیڈیا نہیں تھا۔'' داؤد نے جیسے کراہتے ہوئے اُسے پکارا تھا، مگر وہ تب تک کافی دور جا چکا تھا۔

☆......☆......☆

مومن کا سٹوڈیو ایک بار پھر شوبز کے لوگوں اور journalists سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مختلف چینلز کیمرہ مین اپنے کیمرے ایڈجسٹ کرنے میں مصروف تھے اور ان سب کے درمیان میں مومن کمرے میں داخل ہوا تھا اور سب سے پہلے اُس کی طرف لپک کر آنے والی شیلی تھی، جو آتے ہی اُس کے گلے لگی تھی۔

''اوہ مومن مجھے اتنی خوشی ہورہی ہے، اس دوسری فلم کا سُن کر......اس فلم میں ہی lead کروں گی نا۔'' اُس نے الگ ہوتے ہوئے بے حد اٹھلاتے ہوئے مومن سے کہا تھا۔

'' بالکل...... وقت کی کمی کی وجہ سے کوئی اور option ڈھونڈنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس۔'' قلبِ مومن نے بھی اسی انداز میں جواب دیا تھا، مگر شیلی بُرا ماننے کے بجائے ہنسی تھی اور وہ ایک بار پھر مومن کے گلے لگی اور تب ہی مومن کی نظریں عباس پر پڑی تھیں جو اُس کے قریب آچکا تھا۔

''بہت بہت مبارک ہو، مومن بھائی میرے لئے یہ بڑی فخر کی بات ہے کہ ایک ہی سال میں آپ کی دونوں فلموں میں ہیرو بننے کا موقع مل رہا ہے مجھے۔'' اُس نے شیلی کے ہٹتے ہی بے حد جذباتی انداز میں کہتے ہوئے مومن کے گلے لگنا ضروری سمجھا تھا۔

''تم نے سب لوگوں کو سب کچھ ہی بتا دیا ہے میرے اناؤنس کرنے کے لئے کیا رکھا ہے پھر؟'' اُس سے الگ ہوتے ہوئے مومن نے گردن موڑ کر ٹینا اور داؤد کو گھورتے ہوئے کہا تھا جو اُس کے ساتھ چل رہے تھے، وہ جواباً صرف مسکرا کر رہ گئے تھے۔

قلبِ مومن اب سٹیج پر اپنی کرسی سنبھال کر مائیک کو ہاتھ سے ٹھیک کرتے ہوئے بات چیت کا آغز کر چکا تھا۔

''اتنے short notice پر آپ سب کا یہاں آنے پر شکریہ......'' اُس نے ایک لمحہ کے لئے توقف کیا، سٹوڈیو میں سرگوشیاں ہوئیں۔ کیمروں کی تیز لائٹس میں قلبِ مومن نے بالآخر وہ سرپرائز دیا جسے دینے کے لئے اُس نے اس مجمع کو اکٹھا کیا تھا۔

''میری اب تک کی بنائی ہوئی فلمز سے یہ بالکل مختلف اور منفرد فلم ہوگی کیونکہ اس کا subject بے حد منفرد ہے......سب سے زیادہ high budgeted بھی ہوگی کیونکہ میں اسے یادگار بنانا چاہتا ہوں اور کوئی compromise نہیں کرنا چاہتا......میری اس فلم کا subject روحانیت ہے......Spirituality۔'' قلبِ مومن نے بے حد dramatic انداز میں کہا اور سٹوڈیو میں بیک وقت خاموشی چھائی تھی پھر سٹوڈیو میں سرگوشیاں گونجنے لگیں۔

''مجھے پتہ ہے آپ لوگوں کو ایسا لگا ہوگا جیسے آپ لوگوں نے کوئی غلط لفظ سن لیا ہے، مگر ایسا نہیں ہے میری یہ فلم واقعی ہی روحانیت کے بارے میں ہوگی۔'' قلبِ مومن نے جیسے وہاں ہونے والی سرگوشیوں اور چہروں کو پڑھا تھا اور بے حد سنجیدگی سے اُس نے جیسے اپنی بات کی وضاحت کرنا شروع کی۔ اُس سے دو نشستیں چھوڑ کر بیٹھی ہوئی شیلی نے ذرا سا جھک کر برابر بیٹھے ہوئے عباس کے کانوں میں

سرگوشی کی۔

''یہ نشے میں ہے نا؟''

''سو فیصد نشے میں ہے......لگتا ہے کوئی نئی ڈرگ start کی ہے مومن بھائی نے۔'' عباس نے بے حد فکرمند انداز میں جواباً شیلی کے کانوں میں کہا۔

وہ دونوں اس بات چیت کے دوران سامنے سٹوڈیو میں بیٹھے میڈیا انڈسٹری سے منسلک لوگوں کے تاثرات کو بھی دیکھ رہے تھے اور وہ تاثرات کوئی خوش کُن نہیں تھے۔

''آج تک مجھ پر ہمیشہ یہ الزام لگتا رہا ہے کہ میں عورت کو اپنی فلمز میں objectify کرتا ہوں، میری ہر فلم صرف گلیمر اور ہیروئن کے جسم پر شروع ہو کر وہیں پر ختم ہو جاتی ہے......میں اس لیبل کو ختم کردوں گا اپنی فلم میں اور میری ہیروئن نہ تو glamorous وارڈروب پہنے گی نہ ہی اُس کے کوئی آئٹم نمبرز ہوں گے......وہ soul searching کرے گی......کچھ بڑے ایشوز کو highlight کرے گی۔''

قلبِ مومن کہہ رہا تھا اور شیلی کی آنکھیں جیسے کُھلی کی کُھلی رہ گئی تھیں۔

''ہائے عباس میرا تو سر گھوم رہا ہے، یہ قلبِ مومن کیا کہہ رہا ہے......؟ میرا کوئی ڈانس نہیں ہوگا...... میں گلیمرس کپڑے نہیں پہنوں گی تو میں کروں گی کیا فلم میں؟'' اُس نے تقریباً روہانسا ہوئے عباس کے کانوں میں کہا۔

''Soul searching'' عباس نے جواباً مذاق اُڑانے والے انداز میں اُس کے کانوں میں کہا۔

سامنے کُرسیوں پر بیٹھی ہوئی audience اب کُرسیوں میں پہلو بدلنے لگی تھی، یوں جیسے مومن کی باتیں اُن کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں......اُنہیں بیزار کرنے کے علاوہ......وہ قلبِ مومن سے وہ سننے وہاں نہیں آئے تھے جو وہ سنا رہا تھا۔

''آپ میں سے کوئی بھی اگر اس حوالے سے مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہتا ہو تو کرسکتا ہے۔'' قلبِ مومن نے بالآخر اس مختصر سی تمہید کے بعد سوال و جواب کے سیشن کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھے بٹھائے spirituality کے موضوع پر فلم اور وہ بھی اُن سارے scandals کے بعد جو پچھلے چند ہفتوں سے سوشل میڈیا پر آپ کے حوالے سے آتے رہے ہیں، تو کیا یہ فلم اُن scandals کے بعد خراب ہوتے ہوئے آپ کے image کو بحال کرنے کی ایک کوشش سمجھی جائے؟'' پہلا سوال

ہی پرنٹ میڈیا میں شوبز کو کور کرنے والے ایک تیز وطرّار صحافی کی طرف سے آیا تھا اور پہلے سوال نے ہی قلبِ مومن کے سامنے بے یقینی اور بداعتمادی کے اُس ''K2'' کو دکھا دیا تھا جس کا سامنا اس فلم کی تکمیل کے مراحل میں اُسے ہونے والا تھا۔ وہ صحافی اختر کی طرف سے شروع کی جانے والی قانونی کاروائی اور نیہا کی طرف سے منظرِ عام پر آنے والی تصویروں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''مجھے scandals کی پروا نہیں ہے اور سوشل میڈیا پر آنے والے دو چار scandals کسی کو کروڑوں کی ایک فلم بنانے پر نہیں اُکساتے۔'' قلبِ مومن نے بے حد روکھے انداز میں کہا تھا۔

''لیکن spirituality کے بارے میں آخر فلم بنانا کیوں چاہتے ہیں آپ......کیا آپ بھی بہت سے دوسرے مسلمان نوجوانوں کی طرح born again والے مسلمان ہو گئے ہیں'' اگلا سوال پہلے سے بھی تند و تیز تھا۔ قلبِ مومن نے ہنس کر جیسے اُس سوال کی کاٹ کو کاٹا تھا۔ ''نہیں نہیں born again مسلمان والا کوئی چکر نہیں ہے...... میں آج بھی صرف نام کا مسلمان ہوں۔'' اُس کے جملے پر سٹوڈیوں میں ہلکے قہقہے اُبھرے تھے۔

''اور finance کون کرے گا اس فلم کو...... یہ ہے سب سے بڑا سوال؟'' ایک اور سوال آیا۔ قلبِ مومن نے بے حد اطمینان سے پہلی row میں بیٹھے ہوئے بہت سارے برانڈز کے برانڈز مینیجرز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ان میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے......Options بے شمار ہیں میرے پاس......میری پہلی فلمز میں میرے لئے سب سے بڑا چیلنج یہ رہا تھا کہ اتنے سارے برانڈز تھے کہ میرے لئے یہ مشکل ہو رہی تھی کہ میں کس برانڈ کو on board لوں اور کس کو نہیں اور یہی صورتِ حال ہر بار کی طرح اس بار بھی ہو گی۔'' اُس کی خود اعتمادی قابلِ رشک تھی اور اُن برانڈ مینیجرز کے مسکراتے ہوئے چہروں نے جیسے اُس کو تقویت دی تھی۔ اگلے کچھ سوال اُن leaked تصویروں کے حوالے سے تھے جن کا جواب دینے سے قلبِ مومن نے معذرت کر لی تھی۔

پریس کانفرنس ختم ہوتے ہی قلبِ مومن کا خیال تھا ہمیشہ کی طرح وہاں موجود جرنلسٹس اور میڈیا والے اُسے گھیر لیں گے کُرید کُرید کر اُس سے اُس فلم کے بارے میں پوچھیں گے......پہلی بار اُس کے پاس کوئی نہیں آیا تھا، وہاں موجود لوگ اُس hitea پر فوکس کئے ہوئے تھے جس کا انتظام کیا گیا تھا......وہ اُس کے سٹیج چھوڑنے سے بھی پہلے اپنی نشستوں سے اُٹھ چکے تھے۔

''کسی کے ذہن میں ''روحانیت'' کے بارے میں کوئی سوال ہی نہیں ہے؟'' قلبِ مومن کو جیسے

اُن کے رویّے سے ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ اُنہیں تجسس تھا تو یہ کہ وہ کیوں روحانیت پر فلم کر رہا تھا مگر کسی کو اس بات کی کُرید نہیں تھی کہ وہ بتانا کیا چاہ رہا تھا۔

قلبِ مومن کا خیال تھا جب وہ جرنلسٹس اور نیوز میڈیا کے نمائندوں کے گھیرے سے نکلے گا تو اُسے ان بڑے بڑے برانڈز کے نمائندے گھیر لیں گے جو اُس کی دوسری فلم کی announcement کا سنتے ہی شہد کی مکھیوں کی طرح وہاں آئے تھے، یہ بھی نہیں ہوا تھا۔ پریس کانفرنس کے فوراً بعد اُس کے لئے یہ ایک بڑا دھچکا تھا جب اُس نے باری باری اُن سب کو سٹوڈیو سے نکلتے دیکھا اور اُن میں سے زیادہ تر اُس سے ملے بغیر گئے تھے، یوں جیسے چپکے سے اُس کی نظروں سے اوجھل ہونا چاہتے تھے۔ قلبِ مومن نے پہلی بار خود ایک international brand کے برانڈ منیجر کو روک کر اس فلم کے حوالے سے financing کی بات شروع کی۔

''صنم کب شروع کریں گے آپ؟'' اُس برانڈ منیجر نے جواباً اُس سے کہا تھا۔

''اس فلم کے تقریباً آٹھ دس مہینے کے بعد۔'' قلبِ مومن نے اُسے بتایا۔

''Ohhh it's a long time I loved that story۔۔۔۔اور میرا برانڈ بھی بڑا keen تھا کہ وہ ذرا جلدی آجاتی۔''

سوفٹ ڈرنک کا گلاس ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے اُس نے قلبِ مومن پر اپنی مایوسی ظاہر کی۔

''ہاں وہ تو definitely آپ لوگ کریں گے لیکن اگر آپ لوگ چاہیں تو اس فلم میں بھی آجائیں ہمارے ساتھ۔'' قلبِ مومن نے کہا تھا۔ جواب سیدھا سیدھا آیا تھا۔

''We would have loved to do that Momin but the thing is......Spirituality کو میرا برانڈ کرے گا کیا؟ You know? ہم تو سیل فون بیچتے ہیں تو اس spirituality کی کوئی relatability نہیں ہے ہماری پروڈکٹ کے ساتھ......تو یہ فلم آپ خود کرلیں پھر صنم کے لئے تو we are all game......'' Corporate انداز کی صاف گوئی میں اُس برانڈ منیجر نے اُسے بتایا تھا۔ قلبِ مومن کو جیسے چند لمحے یقین نہیں آیا کہ یہ جواب اُسے دیا گیا تھا۔

''آپ مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ میرے پروجیکٹ میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں؟'' اُس نے بے ساختہ کہا تھا۔ ''نہیں نہیں یہ نہیں کہہ رہے ہم......صرف یہ بتا رہا ہوں کہ یہ فلم ہماری type کا پروجیکٹ نہیں ہے......صنم ہے......تو صنم کے لئے ہم کبھی بھی مل کر بات کر لیتے ہیں۔'' اُس نے مومن کا بازو ذرا

ساتھ پک کر اُسی پروفیشنل انداز میں کہا تھا۔

''Ok، لیکن ہوسکتا ہے اس پروجیکٹ کے لئے میں آپ کے بجائے کوئی دوسرا برانڈ دیکھ لوں...... مارکیٹ میں سیل فون بھی تو بڑے ہوتے ہیں......آپ کا مجھے شاید suit نہیں کرتا......Excuse me۔'' بڑے تیکھے لہجے میں کہتا ہوا وہ اُس کے پاس سے ہٹا تھا۔ اُس نے سٹوڈیو میں فلم کی کاسٹ کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ شیلی اور عباس دونوں ہی وہاں نہیں تھے۔

''شیلی اور عباس کہاں ہیں؟'' اُس نے اپنی طرف آتی ٹینا سے پوچھا تھا۔

''وہ چلے گئے ہیں دونوں کو کسی پارٹی میں جانا تھا۔'' ٹینا نے اُسے بتایا تھا۔ مومن کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا تھا، وہ رُکے بغیر بڑے اُلجھے انداز میں خالی ہوتے ہوئے سٹوڈیو میں سے نکل کر اپنے آفس میں آ گیا تھا اور چند ہی لمحوں میں داؤد اور ٹینا بھی وہاں آ گئے تھے۔

''تو کیسا رہا میڈیا اور برانڈز کا ریسپانس؟'' قلبِ مومن نے ہشاش بشاش نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''Hopeless۔'' ٹینا نے بے حد کُھلے الفاظ میں اُس سے کہا۔ قلبِ مومن کے ماتھے پر بل آئے۔

''میرا سوال یہ ہے باس کہ ہم یہ فلم کر ہی کیوں رہے ہیں جب ہم پہلے ہی ایک فلم کی تیاری کر چکے ہیں، وہ سب کچھ چھوڑ کر ہم یہ نئی فلم کیوں شروع کرنے جا رہے ہیں؟'' داؤد نے کچھ تحمّل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''میری مرضی میں جس بھی پروجیکٹ پر کام کرنا چاہوں اور کس کو پہلے کرتا ہوں، کس کو بعد میں...... یہ تم تو مجھے نہیں بتا سکتے۔'' وہ اُس پر برسا تھا، داؤد نادم ہوا۔

''اصل میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آج پریس کانفرنس کے بعد شیلی اور عباس بھی بڑے کنفیوزڈ تھے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ وہ ناخوش تھے تو غلط نہیں ہوگا۔ صوفیہ نے بھی مجھ سے کہا کہ وہ اس طرح کی فلم کے ساتھ اپنے لیبل کو منسلک نہیں کرنا چاہتی اس لئے وہ یہ وارڈروب نہیں کر سکے گی، اور برانڈز کا رویّہ تو آپ نے خود دیکھ لیا، کسی ایک نے بھی کوئی دل چسپی نہیں لی۔'' ٹینا نے کچھ دھیمے انداز میں قلبِ مومن کو سمجھانے کی کوشش کی، وہ کچھ اور بھڑکا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟ قلبِ مومن کے کیریئر کے سب سے بڑے پروجیکٹ میں کسی برانڈ کو دلچسپی نہیں ہے......ایکٹرز ناخوش ہیں......ڈیزائنر کام نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ بے حد تلخ ہوا تھا۔

''بکواس ہے یہ سب...... میں خود بات کرلوں گا سب سے......میڈیا کو خریدا جاسکتا ہے، برانڈز کو پروپوزلز اور presentations بنا کر پروجیکٹ کی value سمجھائی جاسکتی ہے اور کاسٹ کو فلم چاہیے، پیسہ چاہیے......کام مل جائے گا اُنہیں پھر اور کیا مسئلہ ہے؟'' وہ ہتک آمیز انداز میں جیسے اُن کی قابلیت پر سوال اُٹھا رہا تھا۔

''مسئلہ روحانیت ہے مومن......ان سب لوگوں کو آپ سے روحانیت نہیں چاہیے۔'' ٹینا نے اُسے کچھ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

''پھر کیا چاہیے مجھ سے؟'' مومن کا چہرہ سُرخ ہوا۔

''وہی چیز جس کے لئے آپ مشہور ہیں......گلیمر......entertainment......مختصر لفظوں میں مصالحہ......'' ٹینا نے کہا۔

''ان لوگوں کو ایک hit فلم چاہیے اور مومن کی ہر فلم hit ہوتی ہے اب تک......وہ جانتے نہیں کیا میرا calibre۔'' وہ دوبارہ ٹینا پر برسا تھا۔

''انہیں کسی بھی caliber کے ڈائریکٹر سے روحانیت پر بنائی جانے والی کسی فلم میں دلچسپی نہیں ہے کیونکہ جو crowd سینما فلم دیکھنے جاتا ہے، وہ تفریح چاہتا ہے، تھرکنا چاہتا ہے، اچھا وقت گزارنا چاہتا ہے......اُنہیں food for thought نہیں چاہیے......سات سو کی ٹکٹ خرید کر انہیں soul searching نہیں کرنی......آپ کیوں یہ بات نہیں سمجھ رہے کہ آپ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی کامیابیوں کے ٹریک ریکارڈ کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ فلم hit نہیں ہوگی......کوئی نہیں جائے گا اسے دیکھنے۔'' ٹینا بے حد جذباتی انداز میں کہتی چلی گئی تھی۔

''قلبِ مومن کی فلم فلاپ نہیں ہوسکتی......میں ہر ایک کو غلط ثابت کروں گا......جیسے ہمیشہ کرتا آیا ہوں۔'' اُس نے ٹینا کو مزید کچھ بولنے نہیں دیا تھا، وہ اُٹھ کر اپنے آفس سے نکل گیا تھا۔

''مومن بھائی کو کسی سائیکولوجسٹ سے ملنے کی ضرورت ہے......تمہیں نہیں لگتا؟'' داؤد نے اُس کے باہر نکلتے ہی ٹینا سے کہا تھا۔

''ہاں اور عنقریب یہ ضرورت ہمیں بھی پیش آئے گی۔'' ٹینا بڑبڑائی تھی۔

☆......☆......☆

قلبِ مومن تقریباً آدھی رات کو اپنے اپارٹمنٹ میں گھسا تھا۔ وہ ایک بُرا دن تھا ساری ہمت توڑ دینے والا دن لیکن ضد کو جیسے اور پکا کردینے والا دن۔ وہ جتنے اچھے موڈ میں گھر سے نکلا تھا، اُتنے ہی

خراب موڈ میں واپس آیا تھا۔ لاؤنج کا LCD آن کرتے ہوئے وہ بے مقصد چینل سرفنگ کرنے لگا اُس کی نظریں ہر چینل پر جیسے اپنی اُس پریس کانفرنس اور فلم کی announcement کی کوریج کا کوئی کلپ دیکھنا چاہتی تھی...... کوئی تبصرہ...... کوئی بریکنگ نیوز...... کسی بھی لوکل چینل پر قلبِ مومن کے حوالے سے کوئی خبر نہیں تھی۔ پرائم ٹائم نیوز ریوائنڈ کر کر کے دیکھنے کے باوجود بھی۔

قلبِ مومن نے پہلی بار اپنے آپ کو nobody محسوس کیا، یہ آسانے سے جانے والا احساس نہیں تھا۔ اُس نے زیرِ لب کچھ گالیاں بکیں اور کن کو بکیں تھیں وہ خود بھی نہیں جانتا تھا پھر وہ لوکل entertainment چینلز سے غیر ملکی چینلز پر آ گیا تھا اور تب ہی اُس نے ایک انڈین چینل پر انٹرٹینمنٹ نیوز میں سکرین پر مومنہ سلطان کا چہرہ دیکھا۔ نیوز اینکر اُس کی ایک تصویر دکھاتے ہوئے اُس کے حوالے سے خبر دے رہی تھی اور قلبِ مومن نے پلک جھپکتے میں مومنہ کا چہرہ پہچانا تھا۔

''ودیا بالن کی جگہ جس ایکٹریس کو Cliff Hector کی اگلی فلم The Lost Cause میں کاسٹ کیا گیا ہے وہ کوئی انڈین ایکٹریس نہیں ہے، بلکہ پاکستان سے تعلق رکھنے والی ایک اُبھرتی ہوئی اداکارہ ہیں، مگر پاکستانی میڈیا کو مومنہ سلطان کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں...... مگر جہاں بالکل آخری سمے میں ودیا بالن نے پاکستان جانے سے انکار کر کے اس فلم کو کھایا، وہاں مومنہ سلطان کو ملنے جا رہا ہے ہالی ووڈ میں اُن کا پہلا بڑا بریک۔ اب کیا وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھا پاتی ہیں یا نہیں، یہ چند مہینے میں ہی فلم کے پہلے ٹریلر لانچ میں سامنے آجائے گا۔'' قلبِ مومن چینل بدل نہیں سکا، presenter اب کوئی اور خبر پڑھ رہی تھی جبکہ وہ فون پر داؤد کو کال کر رہا تھا۔

''تم ایک ایکٹریس کو لائے تھے جس نے بہت بدتمیزی کی تھی میرے ساتھ...... مومنہ سلطان ہی نام تھا نا اُس کا......؟'' داؤد کی غنودگی بھری آواز سُنتے ہی اُس نے پوچھا تھا۔ ''جی مومن بھائی...... ہالی ووڈ فلم کرنے گئی ہوئی ہے وہ آج کل۔'' وہ غنودگی کی کیفیت میں بھی قلبِ مومن کو جتائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''یہاں پر تو دوپٹہ بھی اُتارنے پر تیار نہیں تھی۔ ہالی ووڈ کے لئے سارے اصول بدل گئے ہوں گے اُس کے۔'' قلبِ مومن نے مذاق اُڑانے والے انداز میں داؤد سے کہا تھا، یوں جیسے وہ متاثر نہیں ہوا تھا۔

''نہیں مومن بھائی ایک American born Pakistani کی گونگی بیوی کا رول کر رہی ہے جس کے شوہر پر دہشت گردی کا جھوٹا الزام لگتا ہے اور وہ خودکشی کر لیتا ہے، تو پھر اُس کی بیوی اُس کی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے قانونی جنگ لڑتی ہے۔'' داؤد نے بڑے مدافعانہ انداز میں اُسے فوراً رول

سنایایوں جیسے وہ اُسے defend کرنا چاہتا ہو۔

''کافی بکواس رول ہے۔'' وہ کہے بغیر نہیں رہ سکا اور اُس نے فون بند کر دیا۔ ریوائنڈ کر کے اُس نے ایک بار پھر اُسی چینل پر وہ خبر سُنی تھی، اور عجیب سی بے چینی اور جیلسی کا شکار ہوا تھا۔ شاید نہ ہوتا اگر آج اُس نے پہلے ہی یہ پریس کانفرنس نہ بھگتائی ہوتی۔ وہ بہت بڑے بینر کی فلم تھی جس کا حصہ بن کر وہ ہالی ووڈ میں موجود تھی اور قلبِ مومن اس شاک سے جیسے باہر نکلنا چاہتا تھا کہ شاید وہ واقعی ایک بڑے سٹار کو دریافت کرنے کا سہرا اپنے سر نہیں سجا سکا۔ وہ اُس وقت صرف یہی سوچنا چاہتا تھا کہ مومنہ سلطان ہالی ووڈ میں کام کرے گی ایک اتفاقی چانس ملنے پر......اور بس......اتفاقات روز روز نہیں ہوتے اور نہ ہی مومنہ سلطان کے لئے ہوں گے۔

☆......☆......☆

مگر قلبِ مومن کی خواہش، توقع اور اندازہ کم از کم مومنہ سلطان کے بارے میں بالکل غلط ثابت ہوئے تھے۔ وہ چند سینز کے لئے اُس فلم کا حصہ بنی تھی اور پھر وہ چند سینز ودیا بالن کے اُس رول میں تبدیل ہو گئے تھے جو فلم کے اہم کرداروں میں سے ایک تھا اگر مین لیڈ نہیں بھی تھا تو......اور یہ سب کچھ اُس کے امریکہ پہنچنے کے چند دنوں کے اندر اندر ہوا تھا۔ اُس سے فلم کی کاسٹنگ کے وقت دو رولز کے لئے آڈیشن کیا گیا تھا مگر اُسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اُسے اُس دوسرے اہم رول کے لئے reserve میں رکھ لیا گیا تھا، وہ فلم کے ڈائریکٹر کو آڈیشن میں بھی اس حد تک متاثر کر گئی تھی اور پھر ودیا بالن کے انکار نے جیسے اُس کے لئے سب کچھ بے حد آسان کر دیا تھا۔ وہ سارے perks اور previliges جو ودیا بالن کو ملنے والی تھیں، وہ مومنہ سلطان کے حصے میں بیٹھے بٹھائے آ گئی تھیں، خواہش کئے بغیر......سنوکر کی میز پر اُس گیند کی طرح جسے پلیئر pocket نہ کر سکنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے اور پھر بھی وہ ایک اتفاقی hit لگنے پر pocket ہو کر اُسے مقابلے کا فاتح بنا دیتی ہے۔

امریکہ میں اپنے نئے کانٹریکٹ پر دستخط کرتے ہوئے وہ اس بار جذباتی نہیں تھی۔ پچھلی بار اس کانٹریکٹ کو سائن کرتے ہوئے وہ ساتویں آسمان پر تھی کیونکہ اُسے جہانگیر کی زندگی دِکھنے لگی تھی، اب اُن پیپرز پر جو بھی لکھا ہوا تھا، وہ مومنہ سلطان کی اپنی زندگی کے لئے تھا......وہ سب کچھ خود اُسے چُن رہا تھا، وہ اُنہیں نہیں۔

وہ فور سٹار سے فائیو سٹار ہوٹل میں منتقل کر دی گئی تھی، اُس کے لئے گاڑی مختص ہو گئی تھی۔ شوٹنگ کے لئے اُسے الگ وینٹی وین دے دی گئی تھی اُس کے ساتھ اب ایک پوری ٹیم تھی جو اُس کی ایک ایک چیز

کو دیکھ رہی تھی۔ کھانے پینے سے وارڈ روب تک، میک اپ سے سکن کیئر اور فٹنیس تک......اور اس سب چکا چوند کے درمیان کبھی کبھار سین کرواتے ہوئے اُس کے کانوں میں فیصل کے جملے گونجتے اور اُسے پانی پانی کر دیتے۔ ''تم ہاتھوں سے تھوڑا کما رہی ہو، تم تو اپنے چہرے اور جسم سے کما رہی ہو۔''

وہ کیمرہ کے سامنے کھڑے کھڑے اپنی لائنز بھول جاتی......وہ لائنز جو اُسے سائن لینگوئج میں ادا کرنی تھیں، وہ بار باراُن سارے جملوں کو سر سے جھٹک کر بھول جانا چاہتی تھی۔ کچھ بھی یاد نہیں رکھنا چاہتی تھی اس گونج سے باہر نکلنا چاہتی تھی......

''کوئی بات نہیں......ایسے بھی سخت لفظ نہیں تھے۔'' وہ بار بار خود کو heal کرنے کے لئے دہراتی مگر ذہن ماننے پر تیار نہیں تھا۔ لفظ سخت نہیں تھے، ''کہنے والا'' دلیر تھا اُس کی زبان سے نکلنے پر وہ خنجر بنے تھے کوئی اور کہتی تو مومنہ دوسری تیسری بار سوچتی تک نہیں۔

اُسے رد کر دینے کی دلیری دکھا دینے کے باوجود جو ہمّت وہ اپنے اندر پیدا نہیں کر پائی تھی وہ ثریا اور سلطان کو اس رشتہ کے ختم کر دینے کا انکشاف تھا۔

''تم نے فیصل کو امریکہ کانے کا نہیں بتایا؟ وہ گھر آیا تھا۔'' ثریا نے اُس کے جانے کے دوسرے دن فیصل کے گھر آنے کی اطلاع امریکہ پہنچنے پر گھر کی جانے والی پہلی کال پر ہی دے دی تھی۔

''بتایا تھا اماں وہ بھول گیا ہوگا۔'' اُس نے ثریّا کو ٹالا۔

''ایسے کیسے بھول گیا؟'' ثریّا کو یقین نہیں آیا۔

''بھولتا ہے وہ بہت شروع سے ہی عادت ہے اُس کی......اچھا پھر بعد میں فون کروں گی۔'' اُس نے کہتے ہوئے لائن کاٹ دی تھی۔ ثریا ماں تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ دو جملے اور بول کر چوروں کی طرح پکڑی جائے۔ وہ یہ انکشاف اُن پر کرنے کے لئے چند دن انتظار کرنا چاہتی تھی مگر اب ہفتے گزر گئے تھے۔ وہ روز سلطان اور ثریا سے بات کرتی تھی۔ وہ روز فیصل کا ذکر کرتے اور وہ خاموشی سے سُنتی رہتی، اُس کے بھیجے ہوئے پیسوں سے اُس کے جہیز کی تیاری کی پر جوش انداز میں سُنائی جانی والی خبریں بھی اُس کے بار بار منع کرنے کے باوجود اور پھر یہ گلے بھی کہ اُس کے امریکہ جانے کے بعد سے فیصل نے کہ رابطہ کیا نہ وہ سلطان اور ثریا کا فون اُٹھاتا ہے۔ اور وہ ہر بار اُن دونوں سے جھوٹ بولتے ہوئے اُنہیں اُس کی مصروفیت اور tours کے قصے سنانے بیٹھ جاتی۔ وہ ہالی ووڈ میں اپنی اداکاری کی قابلیت پر کام کر رہی تھی، اتنی اداکاری تو وہ ماں باپ کے سامنے بھی کر ہی لیتی کہ وہ اُس کی بات پر یقین کرتے۔

''تم سے تو رابطہ کرتا ہے نا؟'' ثریا ہر ایسے موضوع کا اختتام ایک ہی سوال پر کرتی اور وہ بے حد

ڈھٹائی سے کہتی ''ہاں''اور ثریا کسی بچے کی طرح بہل کر مطمئن ہو جاتی۔

اور ایسی ہی کم ہمّتی وہ اقصیٰ کے ساتھ فون پر رابطے میں دکھاتی۔ وہ اُس سے بھی یہ کہہ نہیں پا رہی تھی کہ فیصل اور اُس کے درمیان اب کچھ نہیں رہا۔ اقصیٰ فون پر اُس کی exciting life کے بارے میں کُریدتے کُریدتے فیصل کا ذکر چھیڑتی اور مومنہ آئیں بائیں شائیں کرتے ہوئے سوال گول کرتی رہتی۔

کچھ دن کے لئے اس کی زندگی میں ایک پریوں کی کہانی آئی تھی اور وہ اُس سے نکل آنے کے بعد بھی خود سے جُڑے ان سب لوگوں کی زندگی کو ویسا ہی رکھنا چاہ رہی تھی...... کہ وہ یہ سمجھتے رہتے کہ اُس کی زندگی میں اب سب اچھا تھا۔ سب ٹھیک تھا۔

اور اس سب کے دوران اُسے براڈوے سے اپنی انڈین ایجنٹ کے ذریعہ پہلی آفر آئی تھی۔ وہ تھیٹر آرٹسٹ نہیں تھی، نہ براڈوے اُس کا خواب تھا، مگر مومنہ سلطان جیسے اب ہر موقع کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ اتنا کام کرنا چاہتی تھی کہ اُس کے پاس کچھ بھی سوچنے کے لئے وقت نہ ہوتا...... مشین کی طرح......

اُس نے براڈوے کا وہ play سائن کر لیا تھا جو امریکہ میں بسنے والے کچھ انڈینز کے بارے میں تھا اور جس دن اُس نے اُس play کے لئے کانٹریکٹ سائن کیا تھا اُس دن اُسی انڈین چینل پر جس پر قلبِ مومن نے مومنہ سلطان کی پہلی فلم کے بارے میں خبر سُنی تھی اُسے مومنہ سلطان کے براڈوے play کے بارے میں بھی خبر مل گئی تھی...... ہالی ووڈ کے ایک بڑے بینر کے ساتھ کی جانے والی فلم اتفاق ہو سکتی تھی، براڈوے اتفاق تھا تو مومنہ سلطان سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں تھا۔ قلبِ مومن نے LCD پر اُس خبر کو دیکھنے کے بعد مومنہ سلطان کو سوشل میڈیا پر ڈھونڈنا شروع کیا تھا۔ وہ اب لاشعوری انداز میں اُسے کھوج رہا تھا۔

☆......☆......☆

''ساری دُنیا کی لعنت پڑے گی اُس پر، ناس پیٹا مردود...... بالیاں لے کر بھاگ گیا میری...... کیسے پائی پائی جوڑ کر بنائی تھیں۔'' جھومر نے گلی کے تھڑے پر چوکڑی مارے بیٹھے زاروقطار روتے ہوئے کہا تھا۔ وہ تالیاں اور گالیاں بیک وقت دے رہا تھا۔ سلطان اُس کے سامنے خاموش بیٹھا آدھ گھنٹے سے اُس کے ساتھ ہونے والے دھوکے کے بارے میں سُن رہا تھا جو اُس کے کسی ''محبوب'' نے اُس کے ساتھ کیا تھا۔

''جھومر بڑی بدقسمت ہے محبت کے معاملے میں......اتنا حُسن اور جوانی دے کے بھی اللہ آزما رہا ہے......بس کر دے میرے مالک بس کر دے۔'' وہ اب گلے میں پڑا رسی نما دوپٹہ پھیلا کر اللہ سے دہائیاں دینے لگا تھا۔

''جھومر میرے لئے کوئی کام ڈھونڈ'' اُس کے رونے دھونے کے بیچ میں سلطان نے اُسے ٹوک کر کہا تھا۔ جھومر نے روتے روتے جیسے چند لمحوں کا توقف کیا اور اُس سے کہا۔

''ابھی تو کوئی فنکشن نہیں ہے میرے پاس سلطان بھائی، ملتا ہے کوئی فنکشن مجھے تو آتی ہوں تیرے پاس میک اپ کرانے...... ہائے میری بالیاں......ڈیڑھ تولے کی تھیں۔'' اُس نے سلطان کی بات کا جواب دینے کے بجائے پھر سے دہائیاں دے کر رونا شروع کر دیا تھا۔

''نہیں جھومر میک اپ کا کام نہیں......کوئی اور کام......سیلز مینی یا چوکیداری کا......'' سلطان نے اس بار کچھ جھجکتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''سیلز مینی میں کھڑا ہونا پڑتا ہے سلطان بھائی، چوکیداری کے لئے بھاگنا پڑتا ہے......تو دونوں کام نہیں کر سکتا اور وہ کام چھوڑنا کیوں چاہتا ہے جس سے اللہ تجھے رزق دے رہا ہے؟'' جھومر نے حسبِ معمول اپنے رونے دھونے کے بیچ میں توقف کر کے اُس سے سوال وجواب کئے۔

''وہ مومنہ کے سسرال والے بڑے امیر لوگ ہیں، اُن لوگوں کو پسند نہیں ہے یہ کام...... میں نے لڑکے سے وعدہ کیا تھا کہ یہ کام چھوڑ دوں گا......اب اتنے ہفتوں سے کوئی اور کام ڈھونڈ رہا ہوں اور کوئی کام نہیں مل رہا۔'' سلطان نے اپنا مسئلہ بتایا۔ جھومر اپنا رونا دھونا بھول کر یک دم تڑپ اُٹھا، تالی بجاتے ہوئے اُس نے کہا۔

''کیوں لڑکے کی ماں بہنیں میک اپ نہیں کراتیں...... پارلروں میں جا کر...... امیروں کی عورتیں......لڑکا نہیں جاتا پارلر......تو تُو کیوں وعدے کرتا پھر رہا ہے کام چھوڑنے کے......کام ہے تیرا سلطان بھائی کام۔'' جھومر نے کہا۔

''کر سکتا ہوں یہ ساری باتیں میں بھی جھومر پر مومنہ کے لئے کر رہا ہوں سب کچھ......ایک اولاد ہی رہ گئی ہے میری اب اُس کا مستقبل میری اُس قربانی سے سنورتا ہے تو سنور جائے......اُس نے پہلے ہی بڑی قربانیاں دی ہیں ہمارے لئے۔'' سلطان نے بے حد مدھم آواز میں اُس سے کہا۔ جھومر کے غبارے سے مومنہ کے نام پر جیسے ہوا نکل گئی۔

''مومنہ باجی کے لئے کر رہا ہے تو پھر تو ٹھیک ہی ہے، پر وہ تو خود امریکہ گئی ہوئی ہیں فلم

کرنے......وہ چھوڑیں گی فلم؟'' جھومر نے تجسس سے پوچھا تھا۔

''آخری فلم ہے یہ اُس کی بس پھر گھر بیٹھے گی ان شا اللہ'' سلطان نے عجیب سی خوشی کے ساتھ کہا تھا۔

''آگے پیچھے نوکر پھریں گے اُس کے، راج کرے گی۔'' سلطان نے فخریہ انداز میں کہا۔

''تیرے دل کو کچھ نہیں ہوگا وہ ڈبہ ہمیشہ کے لئے بند کرتے جس پر حسنِ جہاں کی تصویر لگا رکھی ہے تُو نے سالوں سے۔'' جھومر نے اُس کی بات سننے کے بعد اُس سے بڑا ٹیڑھا سوال کیا تھا۔ سلطان ایک لمحہ کے لئے چپ ہو گیا تھا۔

''دل کا کیا ہے جھومر......دل کو سمجھا لیتا ہے انسان......حسنِ جہاں گئی تو سمجھا لیا...... جہانگیر گیا تو سمجھا لیا۔'' سلطان نے عجیب سے انداز میں ہنستے ہوئے نم آنکھوں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

''ایک بُری خبر ہے۔'' دروازہ کھول کر اندر آتی ہوئی ٹینا نے کہا تھا۔ قلبِ مومن استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔''ابھی کوئی بُری خبر باقی رہ گئی ہے؟'' ٹینا کو اندازہ تھا اُس کا اشارہ اُن اخبارات اور میگزینز کی طرف تھا جنہوں نے یا تو اُس کی پریس کانفرنس کو کور کرنے کے باوجود کوریج نہیں دی تھی اور اگر دی تھی تو مذاق اڑانے والے انداز میں۔

''Telefine نے صنم کی Sponsorship سے معذرت کر لی ہے۔'' ٹینا نے جیسے اُس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

''What?'' قلبِ مومن کو جیسے کرنٹ ہی لگ گیا تھا۔

''احسن کے ساتھ اُس کی فلم کی Sponsorship کے لئے deal سائن کر لی ہے انہوں نے۔'' ٹینا نے جیسے ایک اور دھماکہ کیا۔''یہ کر کیسے سکتے ہیں وہ......میٹنگ کے لئے ٹائم لو اُن سے فوری طور پر۔'' قلبِ مومن شدید پریشان ہوا تھا۔

''انہیں اگلے چھ مہینے میں کوئی بڑا پراجیکٹ کرنا تھا اور آپ نے صنم کو Hold پر ڈال دیا تو برانڈ بیک آؤٹ کر گیا۔'' ٹینا نے جیسے اُسے برانڈ کی ناراضگی کی وجہ بتائی۔

''کر تو رہا ہوں بڑا پراجیکٹ اُسی ٹیم کے ساتھ...... اُس سے بڑی پروڈکشن۔'' وہ بے حد پریشانی کے عالم میں بولا تھا۔

''وہ مذہب سے related کچھ نہیں کرنا چاہتے۔'' ٹینا نے کہا۔

''مذہب......؟ یہ روحانیت ہے مذہب کی بات نہیں ہے اور روحانیت تو universal theme ہے۔'' وہ جیسے ٹینا کو ہی وہ وضاحتیں دینے لگا تھا، جو اُسے شائد برانڈ کو دینی چاہیے تھی۔

''باس اُن کے لئے مذہب اور روحانیت ایک ہی چیز ہے۔'' ٹینا نے دوٹوک انداز میں اُس سے کہا۔

''کیا ایک ہی چیز؟'' قلبِ مومن جھنجھلایا۔''fundamentalism...... بنیاد پرستی۔'' ٹینا نے صاف گوئی سے کہا۔قلبِ مومن اُس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔

''You are kidding me.''

''یہ سب میں نہیں کہہ رہی اُن کی ٹیم نے مجھ سے کہا ہے۔انہیں مذہب اور روحانیت کے پاس سے بھی نہیں گزرنا......اُن کے لئے untouchable subject ہے یہ taboo ہے اُن کے برانڈ کے لئے۔'' وہ اُسے پھر سمجھانے لگی تھی۔''آپ دس meetings کرلیں اُن کے ساتھ اُنہیں فرق نہیں پڑے گا۔ وہ بہت کلیئر ہیں اس معاملے میں۔ کارپوریٹ ورلڈ ہے یہ اور آپ کو پتہ ہے کیسے چلتی ہے یہ......اسی لئے آپ سے کہہ رہی تھی یہ رسک نہ لیں......بہت بڑا رسک ہے۔''

''قلبِ مومن لے سکتا ہے یہ رسک اور لے گا۔'' وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔کروڑوں کی ڈیل ڈوب جانے پر بھی اُسی طرح تھا۔

''میرے پاس سٹارز ہیں...... پاکستان کی فلم انڈسٹری کے سپر سٹارز......کوئی بھی برانڈ آجائے گا میرے ساتھ......Telefine جائے بھاڑ میں۔'' وہ اب غضبناک ہورہا تھا۔

ٹینا کچھ دیر خاموش رہی پھر اُس نے مدھم آواز میں اُس سے کہا۔''اُن سٹارز سے ایک بار بات کرلیں آپ۔'' قلبِ مومن نے نہ سمجھنے والے انداز میں اُس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا بات کرلوں؟'' وہ واقعی ہی نہیں سمجھا تھا۔

''کہ کیا وہ فلم کریں گے بھی یا نہیں؟'' ٹینا نے اپنے لہجے کو حتیٰ المقدور نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی اُسے اب قلبِ مومن پر ترس آنے لگا تھا۔ وہ ایک ہی دن میں اُس پر بُری خبروں کا انبار نہیں لادنا چاہتی تھی لیکن شاید قلبِ مومن کے ستارے گردش میں آگئے تھے یا پھر وہ خود گردش میں آگیا تھا۔

☆......☆......☆

''جان میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ پہلے صنم کو شوٹ کرلیتے ہیں جس پر اتنا کام کرکے رکھا ہے پھر اس فلم پر کام کرلیں گے۔ دیکھو نا ابھی تو preproduction ہونی ہے اس فلم کی اور پتہ نہیں کیا

ہونا ہے۔Spiritual فلم بنانا آسان تھوڑی ہے۔''شیلی نے اپنے لہجے کوحتیٰ المقدور شہد بناتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔ ٹینا نے شیلی کے اعتراضات قلبِ مومن کو پہنچا دیئے تھے اور اب وہ اُس سے مل رہا تھا۔

''ہوجائے گا سب کام......تم پریشان مت ہو......میں اُن ہی dates میں شوٹ کروں گا جن میں میں نے صنم کو شوٹ کرنا تھا۔ دیر ہوئی بھی تو چند ہفتوں کی ہوگی......مہینوں پر نہیں جائے گی بات۔'' قلبِ مومن نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

''لیکن صنم کو پہلے شوٹ کر لینے میں اعتراض کیا ہے تمہیں جان؟''شیلی اُس کی تسلی سے جیسے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

''میں نے تمہیں بتایا ہے شیلی مجھے یہ فلم صنم سے پہلے شوٹ کرنی ہے۔ تمہیں کیوں اعتراض ہے اس پر؟''اس نے جواباً شیلی سے کہا تھا۔

''مجھے نہیں سب ہی کو اعتراض ہے جان دیکھو بُرا مت منانا لیکن کسی کو بھی سمجھ نہیں آرہی کہ بیٹھے بٹھائے صنم کو hold پر کیوں ڈال دیا تم نے......اور پھر ایک Spiritual فلم کے لئے...... جان اتنا experimental کیوں ہو رہے ہو تم؟''قلبِ مومن اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا یہ وہ شیلی تھی جو اُس سے کسی فلم کے حوالے سے سوال تک نہیں کرتی تھی اعتراض تو دور کی بات تھی جو قلبِ مومن کی بنائی گئی ہر چیز میں مفت بھی کام کرنے پر تیار ہو جاتی تھی اور آج وہ اُسے کہہ رہی تھی کہ وہ experimental ہو رہا تھا۔

''یہ صرف میرے اعتراض نہیں ہیں۔ عباس کو بھی بڑی شکایتیں ہیں تم سے۔''شیلی اُس کی نظروں سے جیسے کچھ گڑبڑائی تھی اور اُس نے کہا تھا۔

''عباس کو کہہ دینا کہ اُسے زیادہ اعتراض ہے تو نہ کرے وہ کام اور تمہیں اعتراض ہے تو تم بھی سوچ لو۔''قلبِ مومن کی اب جیسے ہمت جواب دینے لگی تھی۔

''نہیں وہ سکرپٹ نہیں ہے اور کہانی کا کوئی آئیڈیا نہیں ہے تو اس لئے کنفیوژن ہے ورنہ یہ تو نہیں کہہ رہے کہ کام نہیں کریں گے جان۔''شیلی اُس کے اکھڑے انداز میں یک دم گڑبڑائی تھی اور اُس نے وضاحت دینے والے انداز میں ایک نیا جواز دینے کی کوشش کی۔ اُس کے سامنے جیسے آگے کنواں پیچھے کھائی والی صورتِ حال تھی۔ وہ قلبِ مومن کو خفا کرتی تو پھر صرف اس فلم سے نہیں قلبِ مومن کی آنے والی ہر فلم سے آؤٹ ہوتی۔

''سکرپٹ پر بیٹھ رہا ہوں اس ہفتے بغیر سکرپٹ کے فلم نہیں کرتا کوئی......اتنا الّو کا پٹھا نہیں ہوں میں۔''قلبِ مومن نے اُسی جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''اور جب تم روح کی بات کرو گے تو یہ سارے لوگ جنہیں تم دوست اور ساتھی کہتے ہو تمہیں چھوڑ جائیں گے۔'' عبدالعلی کے جملے اُسے پچھلے کئی دنوں سے haunt کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

''چل سلطان فیصل کی طرف چلنا ہے آج۔'' سلطان گھر میں داخل ہوا ہی تھا جب ثریا چادر لپیٹے ہوئے اندر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

''کس لئے؟'' سلطان حیران ہوا تھا۔

''اتنے ہفتے ہو گئے کوئی رابطہ نہیں ہوا میرا تو اب دل ہولنے لگا ہے۔'' ثریا اُسے اپنی پریشانی بتا رہی تھی۔ ''مومنہ کہتی ہے وہ ملک سے باہر ہے مگر آخر کتنی دیر باہر رہنا ہے اُس نے......آج جائیں گے اُس کے گھر اور اُس کی امی سے مل کر آئیں گے اگر فیصل نہ ملا تو بھی۔'' ثریا نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک کہا تو نے لیکن مومنہ سے مشورہ نہ کر لیں پہلے۔'' سلطان نے اُس کی بات سے ہاں میں ہاں ملائی لیکن پھر جیسے متامل ہوا۔

''کوئی ضرورت نہیں اس کی......ہم ماں باپ ہیں اس کے وہ ماں باپ نہیں ہے ہماری...... چل رکشہ پکڑ...... پتہ ہے نا تمہارے پاس؟'' ثریا نے اُس کی بات پر زیادہ توجہ دینے کی بھی زحمت نہیں کی تھی وہ بیرونی دروازے کی طرف چل دی تھی۔

''ہاں وہ جس دن اپنی ماں کو لایا تھا تو دے کر گیا تھا......میرے پاس رکھا ہے......اندر سے لاتا ہوں۔'' سلطان کو یک دم یاد آیا تو وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔''ہاں اور دیکھ پھل اور مٹھائی بھی لینے ہیں رستے میں پہلی بار اُن کے گھر جا رہے ہیں۔'' اُس نے جاتے ہوئے سلطان کو ٹوکا۔

''ہاں ہاں وہ تو لیں گے خالی ہاتھ تھوڑی جائیں گے بیٹی کے سسرال۔ سلطان نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور اندر کمرے میں چلا گیا چند منٹوں بعد وہ نمودار ہوا تو ایک دوسرے لباس میں ملبوس تھا اور بڑے فاتحانہ انداز میں اُس نے ایک کاغذ ہوا میں لہرایا تھا۔

''مل گیا اُس کا پتہ۔'' ثریا کا چہرہ بھی چمکا۔

''اور دیکھو چائے پینے نہ بیٹھ جانا...... وہ لوگ تو کھانے کے لئے بھی کہیں گے مگر ہم نے نہیں بیٹھنا......سمجھے۔'' ثریا اب اُس کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف جاتے ہوئے جیسے اُسے سمجھا نہیں رٹوا رہی تھی۔

''ہاں ہاں جانتا ہوں سب...... بیٹی کا سسرال ہے...... کہاں کچھ کھانے بیٹھوں گا اتنا بھی کم

عقل نہ سمجھ تو سلطان کو۔'' سلطان نے اُسے جیسے یقین دلایا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ اُسے وہاں کس طرح برتاؤ کرنا تھا۔

ایک رکشہ پکڑ کر ڈھیر ساری مٹھائی اور پھل لیتے ہوئے وہ ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت طے کرتے ہوئے شہر کے دوسرے کونے میں جب فیصل کے گھر پہنچے تھے تو شام ہو چکی تھی اور فیصل کا گھر برقی قمقموں سے روشن تھا۔ رکشے سے شاپر پکڑے اُترتے ہوئے ثریا اور سلطان نے بڑی حیرت سے اُس گھر کو دیکھا تھا جہاں یقیناً اس وقت کوئی فنکشن ہو رہا تھا۔

''ایڈریس تو یہی بتایا تھا اُس نے۔'' سلطان نے کاغذ کے اُس ٹکڑے پر ایڈریس دیکھا اور پھر نیم پلیٹ اور اُس کے برابر میں لکھے ہوئے نمبر کو۔

''یہ گھر پر بتیاں کیوں لگی ہوئی ہیں؟'' ثریا کچھ اُلجھی تھی۔

''کوئی پارٹی ہو رہی ہے شاید۔'' سلطان نے اندازہ لگایا۔

''غلط پتے پر نہ آ گئے ہوں پتہ دوبارہ دیکھ کوئی پارٹی ہوتی تو ہمیں کیوں نہ بُلاتے وہ...... رشتہ دار ہیں اب تو ہم۔'' ثریا جیسے بے چین ہوئی تھی۔

''پوچھتا ہوں چوکیدار سے۔'' سلطان نے آگے بڑھتے ہوئے گھر کے کھلے دروازے کے پاس کھڑے چوکیدار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ فیصل صاحب کا گھر ہے کیا؟'' سلطان نے چوکیدار سے سلام دعا کے بعد کہا۔

''ہاں جی۔ آپ اُن کی شادی میں شریک ہونے آئے ہیں؟'' چوکیدار نے جواباً اُن دونوں سے پوچھا۔ سلطان اور ثریا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اُنہیں لگا اُنہی سننے میں غلط فہمی ہوئی تھی۔

''فیصل کی شادی؟'' سلطان نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں جی آج مہندی ہے اُن کی...... آپ چلے جائیں اندر۔'' چوکیدار نے ہاتھ کا اشارہ اندر پورچ کی طرف کرتے ہوئے کہا تھا اور ثریا کے ہاتھ میں پکڑا سیبوں کا شاپر زمین پر گر گیا تھا۔ سلطان کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ فیصل کے گھر کے گیٹ کے باہر ماربل کے سفید فرش پر سرخ سیب ہر طرف لڑھک رہے تھے اور ثریا اور سلطان اُس بقعہ نور بنے ہوئے گھر کو حسرت سے دیکھ رہے تھے جو اُن کی بیٹی کا نصیب تھا اور اب کسی اور کا نصیب ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ٹینا اور داؤد نے آپ لوگوں کو بتا تو دیا ہوگا کہ مجھے کس طرح کی subject چاہیے اس فلم کے

لئے۔''قلبِ مومن نے اُن تین نوجوان سکرین پلے رائٹرز سے کہا تھا جو اس وقت اُس کے آفس میں اُس کی فلم کے سکرپٹ اور کہانی کے ون لائنرز ڈسکس کرنے کے لئے آئے بیٹھے تھے۔ وہ تینوں فلم انڈسٹری میں نئے نہیں تھے مختلف فلمز لکھ چکے تھے اور قلبِ مومن کا خیال تھا ٹینا اور داؤد کی بریفنگ کے بعد وہ جب اُس کے پاس اس سیشن کے لئے آئیں گے تو بہت سارے آئیڈیاز لے کر آئیں گے اور اب وہ اُن آئیڈیاز کو سننا چاہتا تھا۔

''مجھے اصل میں کوئی ریفرنس چاہیے تھا۔'' اُن تین رائٹرز میں سے واحد لڑکی نے تمہید باندھتے ہوئے اپنی وضاحت دی۔''کیسا ریفرنس؟''قلبِ مومن نے سنجیدگی سے پوچھا۔''یعنی کسی فلم کسی کتاب کا ریفرنس......جس طرح کی کہانی آپ کو چاہیے۔''اُس لڑکی نے مزید کہا۔

''بالکل یہ ہو جائے تو بڑی آسانی ہو جائے گی ہمیں۔''ایک دوسرے رائٹر نے بھی اُس لڑکی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''کچھ آئیڈیاز لائے تو ہیں ہم لیکن ریفرنس مل جائے تو زیادہ بہتر آئیڈیا آسکتے ہیں۔'' تیسرے رائٹر نے بھی پہلے دونوں رائٹرز کی بات کی تائید کی۔

''لیکن میں چاہوں گا کہ پہلے آپ لوگوں کے آئیڈیاز سنوں......سمجھ تو سکوں کہ آپ کس فارمیٹ پر سوچ رہے ہیں۔''مومن نے جواباً اُن سے کہا تھا۔ کمرے میں اس وقت اُن تینوں رائٹرز اور مومن کے ساتھ ٹینا اور داؤد بھی تھے جو اپنے لیپ ٹاپ کھولے اس Story telling session کے minutes لے رہے تھے۔ پہلے رائٹر نے مومن کی بات پر اپنا رائٹنگ پیڈ نکال لیا اور اُسے کھولتے ہوئے اُس نے اپنا آئیڈیا ڈسکس کرنا شروع کیا۔

''یہ ایک بڑی ہی spiritual کہانی ہے۔''اُس نے دادطلب انداز میں تمہید باندھتے ہوئے باری باری مومن ٹینا اور داؤد کو دادطلب انداز میں دیکھا۔ وہ تینوں بے تاثر چہرے کے ساتھ اُسے دیکھ رہے تھے۔

''ایک انتہائی spiritual اور اُتنی ہی کمرشل کہانی۔'' رائٹر نے اگلا ڈرامائی جملہ ادا کیا۔ ''طوائفوں کے ایک کوٹھے سے کہانی شروع ہوتی ہے۔ دو طوائفوں کا دل ایک سیّد گھرانے کے خوبرو گدّی نشین پر......''اس سے پہلے کہ وہ اپنا دوسرا جملہ مکمل کر پاتا قلبِ مومن نے بے حد سپاٹ لہجے میں اُس کی بات کاٹ دی۔

''Next idea please۔'' رائٹر نے کچھ شرمندہ سا ہو کر صفحہ پلٹتے ہوئے کہا۔''اچھا میرا

خیال تھا یہ آئیڈیا تو ضرور ہی پسند آئے گا آپ کو......لیکن چلیں دوسرا سناتا ہوں۔'' اُس نے کہتے ہوئے کاغذ پر نظر دوڑائی اور پھر کہنا شروع کیا۔ ''ایک مزار پر قوالی ہو رہی ہے اور وہاں ایک لڑکی اپنے محبوب کے لئے منت ماننے آتی ہے۔ اُس لڑکی کا محبوب......'' قلبِ مومن نے اُسے ایک بار پھر ٹوکا۔ ''مجھے روحانیت پر فلم چاہیے۔ یہ روایتی کہانی نہیں چاہیے......مزار، قوالی، محبوب......اس میں روحانیت کہاں ہے؟'' اُس نے جیسے چیلنج کرنے والے انداز میں رائٹر سے کہا اور رائٹر نے جیسے بُرا منایا۔

''سوری مومن صاحب اگر آپ بتا دیں کہ آپ کو precisely چاہیے کیا کہانی میں تو ہمیں بھی آسانی ہو جائے گی۔''

''بتا تو رہا ہوں کہ مجھے روحانیت چاہیے۔''

''اور روحانیت کیا ہے؟'' اس بار اُس رائٹر نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔ ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد مومن نے کہا۔ ''مجھے اللہ سے تعلق کی کوئی کہانی چاہیے۔''

''اللہ سے تعلق کی وضاحت کر دیں تو ہمیں اور بھی آسانی ہو جائے گی۔'' اس بار یہ بات کہنے والا دوسرا رائٹر تھا۔ ''اللہ سے تعلق......''

مومن کہتے ہوئے گڑبڑایا۔ ''ہاں مطلب اللہ سے تعلق ہے کیا اور وہ کیا روحانیت ہے جو آپ اس کہانی میں چاہتے ہیں۔'' اُس رائٹر لڑکی کا سوال بالکل واضح تھا اس کے باوجود مومن صرف اُس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔ ''میں رائٹر نہیں ہوں آپ رائٹر ہیں۔ آپ لوگوں کو پتہ ہونا چاہیے کہ ڈائریکٹر کیا ڈیمانڈ کر رہا ہے۔'' وہ جھنجھلایا تھا۔

''ڈائریکٹر کے پاس ہمیشہ ریفرنسز ہوتے ہیں جیسے آپ بھی ہمیں فلمز کا بتا کر سمجھاتے ہیں کہ مجھے فلاں فلم کا وہ والا کردار چاہیے، یا real life کا......تو ایسے ہی آپ ہمیں سمجھا دیں کہ روحانیت ہے کیا اور وہ کون سے کردار ہیں جن کی کہانی ہم بنیں مگر اُس سے بھی بڑا سوال ہے کہ اللہ سے تعلق ہے کیا۔'' اُسی رائٹر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

قلبِ مومن نے اُن سب کو دیکھا پھر بڑی روانی سے کہنے لگا۔ ''روحانیت......یعنی......اللہ سے تعلق......جیسے......جیسے......'' وہ بے ربط لفظوں کی گردان کرنے لگا۔ ذہن اور دل کی سلیٹ بیک وقت صاف تھی وہاں کہیں بھی کچھ لکھا ہی نہیں ہوا تھا جو زبان پر لفظ بن کر آ جاتا۔ اُس کے باوجود کے اندر گنبد کی بازگشت کی طرح وہ لفظ گونج رہے تھے۔ ''روحانیت......یعنی اللہ سے تعلق......جیسے۔''

روحانیت یعنی کیا اور اللہ سے تعلق کس جیسا......دو سوال تھے اور دونوں کے جواب اُس کی

ساری قابلیت دینے میں ناکام تھی۔ ''جسم'' اُن سوالوں کے جواب دے ہی نہیں سکتا تھا جب تک وہ روح سے خالی رہتا۔ اُس لمحے پہلی بار قلبِ مومن کو اپنے اندر کا وہ خالی پن محسوس ہوا تھا جو دادا بار بار اُس کو بتانے کی کوشش کرتے تھے تو اُسے غصہ آتا تھا۔

''تمہارے پاس روح نہیں ہے قلبِ مومن تم روحانیت کے بارے میں کیا فلم بناؤ گے۔'' دادا نے اُس سے کہا تھا۔ ''تمہاری روح کو وہ کامیابی کھا گئی ہے جس میں فلاح نہیں ہے...... دُنیا کو چنا ہوا ہے تم نے...... سب کچھ دُنیا کے لئے سب کچھ جسم کے لئے...... روح کیسے نہ مرتی تمہاری۔'' عجیب شاک کے عالم میں اُن پانچ لوگوں کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے قلبِ مومن نے سوچا تھا کیا وہ واقعی روح کے بغیر تھا اور دادا سچ کہتے تھے اور اگر ایسا تھا تو ایسا کب ہوا تھا کوئی تاریخ کوئی دن کوئی لمحہ جب وہ صرف جسم رہ گیا تھا۔ اندر سب کچھ خالی کوئی الجھن سلجھ نہیں رہی تھی کوئی آواز کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔

''آ...... ہم اس پر ایک دو دن تک دوبارہ سٹنگ کرتے ہیں دوبارہ ریفرنس ڈھونڈتا ہوں میں...... تا کہ...... آسانی ہو...... کردار...... کہانی۔'' اُس نے اُن سب سے نظریں چراتے ہوئے عجیب بے ربطگی سے کہا تھا۔ ٹینا جیسے اُس کی مدد کو آئی تھی۔ ''ہاں یہ بہتر رہے گا...... دوبارہ سٹنگ کرتے ہیں آج یہ تو کلیئر ہوگا کہ typical روایتی کہانی نہیں چاہیے کوئی نئی چیز چاہیے اگلی میٹنگ میں اور بھی clarity آجائے گی۔'' اُس نے صورت حال سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اُن رائٹرز سے کہا تھا اور اگلے کچھ منٹوں میں مومن کا آفس خالی ہوگیا تھا۔ وہ بھی زیادہ دیر وہاں نہیں رُکا تھا۔ اُس کا جی ہر چیز سے عجیب انداز میں اُچاٹ ہوا تھا۔

اُس کا اپارٹمنٹ بھی اُس ہی کی طرح خاموش اور خالی تھا اور یہ احساس قلبِ مومن کو آج پہلی بار گھر واپس آ کر ہوا تھا۔ وہ لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا تھا۔ اھدنا الصراط المستقیم کی اُسی کیلی گرافی کے نیچے مگر آج پہلی بار اُس کی پشت اُس کیلی گرافی کی طرف نہیں تھی وہ دوسرے صوفے پر تھا۔ اُس کیلی گرافی کے بالکل سامنے اور وہ آیت جیسے اُس کو چیلنج کر رہی تھی۔ اُسے دیکھتے ہوئے وہ عبدالعلی کی مہارت کو سراہ رہا تھا۔ اُس کا ہنر اُتنا بے عجیب تھا جتنا انسانی آنکھ ڈھونڈھ سکتی۔

''اللہ سے تعلق؟......'' وہ سوال پھر اُس کے اندر گونجنے لگا تھا۔ ایسا مشکل سوال تو نہیں تھا کہ اس طرح گونگا ہو جاتا میں...... یا شاید اس لئے مشکل ہوگیا کہ میرا اور اللہ کا تعلق ٹوٹ گیا ہے...... تعلق رہا ہی نہیں۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنی ذات کے سامنے اعتراف کر رہا تھا۔ وہ بات مان رہا تھا جو وہ دادا کے

سامنے ماننے سے انکاری تھا۔

''کیسے ٹوٹا؟''

''کب ٹوٹا؟''

''مجھے کیوں پتہ نہیں چلا؟'' عجیب شاک اور بے یقینی کے عالم میں وہ اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا اور جواب کہیں نہیں تھا۔

''مومن بھائی۔'' شکور وہاں آیا تھا اور مومن نے اُس کی آواز سنتے ہی بے حد درشتگی سے اُسے دیکھے بغیر مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

''کھانا نہیں کھانا مجھے اور تم اب مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔'' شکور کچھ نروس سا اُس کے سامنے آیا تھا۔

''میں تو بس یہ دینے آیا ہوں مومن بھائی۔'' اُس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا سا ڈبہ تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ جھنجھلایا تھا۔

''یہ دادا جی نے بھیجا ہے۔ آج ہی آیا ہے۔ کہہ رہے تھے آپ کو دے دوں۔'' شکور نے ڈرتے ڈرتے میز پر وہ ڈبہ رکھا تھا۔

''کھولوں؟'' اُس نے مومن سے کہا۔

''نہیں میں کھول لوں گا تم جاؤ۔'' مومن نے کہا۔ شکور برق رفتاری سے غائب ہوا۔

مومن کچھ دیر تک میز پر دھرے اُس ڈبے کو دیکھتا رہا۔ جس پر اُسی خوبصورت جانی پہچانی موتیوں جیسی لکھائی میں اُس کا پورا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا اور پھر بھیجنے والے کا نام اور پتہ...... وہ عبدالعلی کی کوئی خطاطی نہیں ہوسکتی تھی۔ اُس کی سالگرہ کے علاوہ وہ اُسے پچھلے سالوں میں کبھی کوئی خطاطی نہیں دیتے رہے تھے اور خطاطی اس شکل اور سائز کے ڈبے میں نہیں ہوسکتی تھی۔ قلبِ مومن نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ کیا وہ کچھ بھول گیا تھا دادا کے گھر پر جیسے انہوں نے لوٹایا تھا۔ کچھ یاد نہیں آیا۔ مگر اُسے یقین تھا وہ کوئی بھول کر رہ جانے والی چیز ہی تھی۔ اُس نے ڈبہ کی پیکنگ کھولنے کی کوشش کی۔ وہ بڑی احتیاط سے پیک کیا گیا تھا۔ پیکنگ کو باری باری ہٹا کر اُس نے ڈبہ کھول لیا۔ وہ اُس کا لیٹر باکس تھا۔ لکڑی سے ہاتھ سے بنا ہوا ایک بہت پرانا لیٹر باکس۔ قلبِ مومن ساکت رہ گیا تھا اُس لیٹر باکس کو ہاتھ میں پکڑے۔ وہ سرا جسے وہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا وہ مل گیا تھا۔ روح کو کب مارا تھا...... اللہ سے تعلق کب ٹوٹا تھا...... لیٹر باکس کا ڈھکنا کھولتے ہوئے اُس نے اندر دیکھا۔ وہ خطوں سے بھرا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ سے لکھے ہوئے چھوٹے

چھوٹے لفافوں والے خط۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر لیٹر باکس کے اندر سے سارے خط نکال کر میز پر ڈھیر کر دیئے تھے۔ اُس کے ہاتھ کی لکھائی میں ہر لفافے پر اللہ اور اُس کا نام لکھا ہوا تھا۔

''اللہ کے نام۔''

اللہ کا گھر

قلبِ مومن

قلب مومن نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے یوں جیسے وہ اُن کی کپکپاہٹ روکنا چاہتا تھا۔ یادوں کا ایک سیلاب تھا جو اُسے بہائے لے جا رہا تھا۔ جب وہ ترکی میں تھا تب بھی دادا نے اُسے یہ لیٹر باکس ایک رات دکھایا تھا اور اُسے دینے کی کوشش کی تھی۔ اور تب اُس نے نہ لیٹر باکس کو ہاتھ لگایا تھا نہ خطوں کو...... یوں جیسے وہ اُن کو چھوتا تو پتھر کا ہو جاتا۔

''تمہارے خط......اور تمہارا لیٹر باکس ہے قلبِ مومن۔'' دادا کو لگا تھا شاید اُسے یاد نہیں رہا۔

''جانتا ہوں دادا۔'' مومن نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اُن سے کہا تھا۔

''بے وقوف تھا تب میں...... سمجھتا تھا خط لکھوں گا تو اللہ جواب دے گا۔'' اُس نے دادا کے سامنے جیسے اپنا ہی مذاق اڑایا تھا۔

''کیا نہیں دیا اللہ نے جواب؟......ان خطوں کے بعد ہی تو میں تم سے مل پایا تھا۔'' دادا نے بے حد محبت سے اُسے ٹوکا تھا۔

''اور میں سمجھا تھا اللہ واقعی آپ کو کہہ رہا تھا کہ مجھے جواب دیں۔'' مومن نے گہرا سانس لے کر تب اُن سے کہا تھا جیسے خود پر افسوس کیا تھا۔

''تم بڑے معصوم تھے مومن...... پھر ساتھ کتنی بڑی نیکی کی تھی تم نے یہ خط لکھ کر......تمہیں اندازہ بھی نہیں ہوگا......تمہارے خط حسنِ جہاں نے مجھے بھیجے تو مجھے لگا اللہ نے تمہارے ہاتھوں سے میرے سوالوں کے جواب دے کر میرے دل کی گرہیں کھولی تھیں۔'' وہ رونا شروع ہو گئے تھے اور قلبِ مومن کو اُن کے ان آنسوؤں کی سمجھ آئی تھی نہ اُس احسان کی جو وہ اُس کو گنوا رہے تھے۔ ''آپ رو کیوں رہے ہیں؟'' لیکن وہ عبدالعلی کے آنسو دیکھ کر بے چین ضرور ہوا تھا۔

''یہ تمہارے لئے رکھا ہے میں نے......شاید تمہارے دل کی گرہیں بھی اسی طرح کھول دے جیسی میری کھول دیں۔'' انہوں نے اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے وہ لیٹر باکس اُسے تھمانے کی کوشش کی تھی مگر مومن نے اُن کے ہاتھ پرے کر دیئے تھے۔ ''اب کوئی سوال

نہیں ہیں میرے اللہ سے ......سب جواب زندگی اور دُنیا نے دے دیئے ہیں مجھے۔'' وہ اُن کے پاس سے کہہ کر اُٹھ کر چلا گیا تھا۔ مگر اب جب وہ اُس لیٹر باکس اور خطوں کو سامنے رکھے بیٹھا تھا تو اُسے لگا دادا نے ٹھیک کہا تھا اور وہ بالکل صحیح وقت پر اُس کے پاس آیا تھا۔ جو سوال اللہ ذہن میں ڈالتا ہے اُس کا جواب اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہوتا کسی دُنیا کسی زندگی کے لمحے کے پاس نہیں۔

قلبِ مومن نے پہلا خط اُٹھایا۔ اُس لفافے پر پھول اور ستارے بنے ہوئے تھے بہت سے رنگوں کی پینسلوں سے جن کا رنگ اب پھیکا پڑ گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں نمی آئی۔ وہ پھول اُس نے حسنِ جہاں سے بنانے سیکھے تھے اور ستارے طحہ سے......اور لفافے پر وہ ہمیشہ پھول ایک کونے میں بناتا تھا ستارے دوسرے کونے میں......اور درمیان میں ڈھیر سا فاصلہ......وہ جیسے اپنے ماں باپ کی تقدیر اور زندگی کاغذ پر کھینچ کر اللہ کے نام بھیجتا رہا تھا۔

میرے پیارے اللہ

''میرا نام قلبِ مومن ہے۔ میں آٹھ سال کا ہوں اور اپنی ممی کے ساتھ رہتا ہوں۔''

وہ اس سے آگے نہیں پڑھ پایا۔ اُس کی آنکھیں اب بھیگنے لگی تھیں......کوئی فلم تھی جو آنکھوں کے سامنے چلنے لگی تھی......اپنے ماں باپ کے ساتھ گزارا ہوا بچپن......وہ خوصورت زندگی اور پھر وہ سانحہ......

قلبِ مومن نے دوسرا خط اُٹھایا اُس میں اُس کی تصویر لگی ہوئی تھی جسے گوند کے ساتھ کاغذ پر چپکایا ہوا تھا۔ یہ وہ تصویر تھی جو اُس نے اللہ تعالیٰ کو بھیجی تھی تا کہ وہ اُسے پہچان لے۔ قلبِ مومن تصویر میں نظر آنے والے اُس آٹھ سالہ بچے کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے اُسے پہچان ہی نہ پا رہا ہو۔ کیا وہ وہی تھا......کیا وہ ایمان اُسی کا تھا کیا وہ تحریر اُس کی تھی......کیا وہ زندگی اُس نے گزاری تھی......کیا یہ سارے لفظ جملے باتیں وہی قلبِ مومن کی تھیں......کچھ ٹوٹ رہا تھا اُس کے اندر......جو بُت تھا......طلسم تھا......فریب تھا......اُس کی اپنی ذات، اپنی خودنمائی، خودستائشی، کامیابی کا......کچھ جڑ رہا تھا اُس کے اندر جو وہی ایمان تھا جو اُس کا خاصہ تھا اُس کا اثاثہ تھا......وہی تعلق تھا جسے وہ کھو جنے بیٹھا تھا......اللہ سے بندے کا تعلق......کیا تھا اللہ سے بندے کا تعلق......کیا تھا اللہ سے قلبِ مومن کا تعلق......؟......اور کیوں ٹوٹا تھا ؟......اُس کے پاس اُس سوال کا جواب تھا۔ وہ تعلق جس کی وجہ سے جڑا تھا اُسی کی وجہ سے ٹوٹا تھا......اُس کی ماں حسنِ جہاں کی وجہ سے......اُس کی پارسائی نے اُسے مومن کیا تھا اُس کے گناہ نے اُسے کافر......اور اُس کا وہ گناہ قلبِ مومن، اللہ اور حسنِ جہاں کے علاوہ اگر کسی چوتھے اور پانچویں شخص کو پتہ تھا تو وہ طحہٰ تھا یا سلطان یا پھر عبدالعلی۔

☆......☆......☆

عبدالعلی کیاری میں ایک چھوٹا پودا لگا رہے تھے۔ اتنے انہماک اور احتیاط سے کہ اُنہیں قلبِ مومن کے آنے کا پتہ نہیں چلا، وہ اُن کے عقب میں کھڑا اُن ننھے ننھے پودوں کو دیکھتا رہا جو انہوں نے کیاری میں لگائے ہوئے تھے۔ کیلی گرافی اُن کی پہلی محبت تھی، باغبانی دوسری۔

''اس بار آپ کو میرے آنے کا پتہ نہیں چلا۔'' بہت دیر خاموشی سے انہیں دیکھتے رہنے کے بعد قلبِ مومن نے مدھم آواز میں کہا تھا۔ وہ بُری طرح ہڑبڑا کر پلٹے تھے اور پھر جیسے اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

''دروازہ کُھلا تھا کیا؟'' وہ اب اُسے گلے لگاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''آپ کا دروازہ تو ہمیشہ ہی کُھلا رہتا ہے۔'' مومن نے جواباً مسکراتے ہوئے اُن سے الگ ہو کر کہا تھا۔ وہ عجیب سی خوشی سے ہنسے۔ ''ہاں اس بار تمہارے آنے کا علم نہیں ہو سکا، تم ترکی میں شوٹنگ کرنے آئے ہو؟'' انہوں نے اُس سے پوچھا تھا۔ وہ جیسے اُسے سامنے کھڑے دیکھ کر باغبانی بھول گئے تھے۔

''نہیں...... لیٹر باکس ملا تھا...... اپنے خط پڑھ کر آپ سے ملنے آیا ہوں۔'' اُس نے جواباً دادا سے کہا تھا۔ عبدالعلی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''میں اب سارا سامان سنبھالتے سنبھالتے تھکنے لگا ہوں......سوچا جو جس کا اثاثہ ہے، اُسے سونپ دوں۔ بہت کچھ اور بھی ہے جو تمہیں سونپنا ہے۔'' انہوں نے اُس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا تھا۔ قلبِ مومن کا چہرہ اُنہیں کچھ عجیب لگا تھا۔ کچھ بدلا ہوا تھا اُن نقش و نگار میں۔

''آپ سے جس فلم کا وعدہ کیا تھا، وہ فلم اناؤنس کر آیا ہوں۔'' مومن نے انہیں بتایا وہ حیران ہوئے۔

''مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔''

وہ دادا کے جملے پر خفا نہیں ہوا تھا، مسکرا دیا تھا۔

''مجھ سے آپ کی توقعات نہ ہونے کے برابر ہیں بس......آپ ٹھیک کہتے تھے دادا۔'' اُس نے عجیب اعترافی سے انداز میں کہا۔ ''کیا؟'' عبدالعلی حیران ہوئے۔

''مجھے اللہ اور اس کے تعلق کے بارے میں کچھ پتہ نہیں نہ ہی میں روحانیت کو سمجھتا ہوں...... کچھ مسئلہ ہو گیا ہے میرے ساتھ......آپ کی باتیں میرے ذہن سے نکلتی نہیں ہیں...... آپ نے کبھی مجھ سے

ایسی باتیں نہیں کی جیسی اب کرنے لگے تھے...... کیوں دادا؟'' وہ اب اُن سے پوچھ رہا تھا۔

''میری غلطی تھی۔'' عبدالعلی نے جیسے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔

''آپ کو پتہ ہے اللہ سے میرا تعلق کب ٹوٹا؟'' اُس نے رنج کے عالم میں دادا سے کہا تھا۔''جب مجھے یہ پتہ چلا کہ اللہ معاف نہیں کرتا، جواب نہیں دیتا...... میں اتنے خط لکھتا تھا اللہ کو...... اتنے خط......اتنے خط...... کچھ بدلا ہی نہیں میری زندگی میں......سب کچھ بُرے سے بُرا ہوتا گیا۔'' وہ رنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''وہ رب تھا اُسے قلبِ مومن کی کچھ تو پروا کرنی چاہیے تھی، ایک انسان کی غلطی تھی اور ہم سب تباہ ہوگئے۔'' وہ غم سے کہہ رہا تھا۔

''اللہ معاف کرتا ہے مومن، ہم انسان نہیں کرتے...... یہ سارے گڑھے جس میں ہم گرے ہوتے ہیں یہ اللہ نے نہیں کھودے ہمارے کھودے ہوئے ہیں۔ اللہ تو عیب پر پردہ ڈالنے والا ہے، بخشنے والا ہے......اُس کی سب سے بڑی صفت ہی بندے سے اُس کی محبت ہے۔'' عبدالعلی اُسے سمجھا رہے تھے۔

''پھر میری ماں کو کیوں معاف نہیں کیا اللہ نے......؟ میں نے تڑپتے ہوئے دیکھا اُنہیں......معافی مانگتے دیکھا کیوں اللہ نے میرے باپ کے دل میں رحم نہیں ڈالا میری ماں کے لئے......کتنا بڑا گناہ تھا وہ جس کی سزا ہم تینوں نے کاٹی۔'' وہ عجیب تکلیف کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

''جانتا ہوں میری ماں گناہ گار تھی مگر۔۔۔'' عبدالعلی نے مومن کی بات کاٹی۔

''نہیں مومن، حسنِ جہاں گناہ گار نہیں تھی۔۔۔ تمہیں پتہ ہے معاف کس نے نہیں کیا تھا......؟ میں نے......ضد باندھی تھی اور ضد میری ہی اولاد کھا گئی۔۔۔تم سب کی زندگیوں کو برباد کرنے والا میں تھا۔'' عبدالعلی نم آنکھوں کے ساتھ کہہ رہے تھے۔

''دادا۔'' مومن کو جیسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی وہ کیا کہہ رہے تھے......کس طرف اشارہ تھا اُن کا، عبدالعلی نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اُس کا ہاتھ تھامے وہ اُسے عقبی لان سے گھر کے اندر والے حصے میں لے گئے تھے۔ اپنے کمرے میں اُسے لے جا کر انہوں نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اپنی الماری کھول کر وہ لکڑی کی ایک مرصّع صندوقچی نکال کر لائے تھے اور اُسے ایک میز پر رکھ کر انہوں نے مومن سے کہا۔

''اسے کھولو۔'' مومن نے اُلجھے انداز میں اُن کا چہرہ دیکھا جس پر اب آنسو بہہ رہے تھے۔ آگے بڑھ کر اُس نے صندوقچی کا ڈھکن اُٹھایا۔ وہ خطوں سے بھری ہوئی تھی اور اُن لفافوں کے اوپر لکھا نام دیکھ

کر قلبِ مومن کے دل کی حرکت جیسے ایک لمحہ کے لئے رُکی تھی۔ وہ اُس کے باپ کی لکھائی تھی اور اُس کا نام تھی۔ وہ اتنے سالوں بعد بھی پہلی نظر میں اُسے پہچان گیا تھا۔ وہ عبدالعلی کے نام لکھے ہوئے طٰحہ کے خط تھے۔ ایک لفافہ اُٹھا کر اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اُس نے عبدالعلی کو دیکھا پھر کُھلے ہوئے اُس لفافے کے اندر سے وہ خط نکالا۔ ایک چھوٹے سے کاغذ پر اُس کے باپ کی لکھائی میں ایک مختصر سی تحریر تھی۔

بابا

آج قلبِ مومن پیدا ہوا ہے۔۔۔آپ کا پوتا، مجھے قلبِ مومن کے لئے معاف کر دیں۔

طٰحہ

☆......☆......☆

''اتنا بڑا دھوکہ کیا ہے فیصل نے ہمارے اور میری بیٹی کے ساتھ......اگر شادی نہیں کر سکتا تھا تو یہ سب ڈھونگ کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔'' ثریا روئی چلی جا رہی تھی مگر سلطان گم صم بیٹھا تھا۔ وہ دونوں فیصل کے گھر کے دروازے سے ہی لوٹ آئے تھے۔ غم سے نڈھال اور گھر میں داخل ہوتے ہی ثریا وہ دوپٹہ پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی جو وہ مومنہ کے نکاح کے لئے خود کاڑھ رہی تھی۔ سلمیٰ ستارہ اور گوٹا کناری کے ساتھ......

''ابھی تو اچھے دنوں کا سوچا ہی تھا اور میری بیٹی تو......'' سلطان نے مدھم آواز میں ثریا کی بات کاٹ دی تھی۔

''وہ جانتی ہے یہ سب ثریا......میرا دل کہتا ہے وہ جانتی ہے۔'' ثریا اُس کی بات پر جیسے روتے روتے چونک کر اُسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ کیسے ممکن ہے سلطان کہ وہ یہ سب جانتی ہو اور ہم سے جھوٹ بولے۔'' اُسے یقین نہیں آیا۔ ''اور ہم سے چھپائے گی کیوں؟......اتنا بڑا غم کیوں جھیلے گی اکیلے۔''

سلطان نے عجیب سے انداز میں اُس سے کہا۔ ''مومنہ ہے نا اس لئے۔''

☆......☆......☆

تھکن گہری تھی مگر نیند تھی کہ آنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور خاموشی تھی کہ جانے کا نام نہیں لے رہی تھی اور اس سب کے بیچوں بیچ رات کے اس پہلے پہر شوٹنگ سے واپسی پر مومنہ سلطان اپنے کمرے کے وسط میں کارپٹ پر چوکڑی مارے بیٹھی تھی اور اُس کے سامنے میک اپ کے سامان کا وہ پاؤچ تھا جس

میں lip pencils تھیں۔ہوٹل کے اُس کمرے میں پڑے ڈیسک پر موجود رائٹنگ پیڈ کے A4 کاغذ کو کارپٹ پر رکھے میک اپ کی اُن پینسلز کو بکھرائے وہ اُس کاغذ پر خطاطی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ایک نام لکھ رہی تھی اور اُس میں محو تھی۔امریکہ میں کام کے دباؤ، home sickness اور تنہائی کے اس احساس کو ختم کر دینے کے لئے اُس کے پاس یہ واحد تھراپی تھی جو وہ کر رہی تھی۔میک اپ کے سامان سے خطاطی اور ڈرائنگ کرنا اُس کی بچپن کی عادات میں شامل تھا اور وہ عادت اب تک چلی آ رہی تھی۔

آج تنہائی کچھ اور سوار تھی اور دماغ جسم کے تھک کر ٹوٹنے کے باوجود سونے پر تیار نہیں تھا اور یہ کیفیت امریکہ میں اُس کی روٹین بن گئی تھی اور پھر وہ اسی طرح رنگ اپنے گرد بکھرائے اللہ کا کوئی نام لکھنے لگتی۔آج اُس نے امریکہ میں ہی بالی ووڈ کی ایک اور فلم سائن کر لی تھی۔ایک ورلڈ سینما فلم......اپنی ایجنٹ کے ساتھ کانٹریکٹ کیا تھا۔ ساؤتھ ایسٹ ایشیا میں پبلک awareness کی ایک campaign کے لئے یونائیٹڈ نیشنز کی ایک ذیلی تنظیم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور یہ سب اُس کی پہلی فلم کی ریلیز اور شوٹنگ ختم ہونے سے پہلے ہو رہا تھا۔اُس کا اگلا پورا سال کام کے حوالے سے ٹائم لائنز میں بٹا ہوا تھا اور اُس کے پاس فی الحال کچھ نیا سائن کرنے اور dates دینے کے لئے وقت نہیں تھا۔اُس کے اکاؤنٹ میں اب پیسہ جتن کے بغیر آنے لگا تھا اور ٹھہرنے لگا تھا اور اس سب کے بیچوں بیچ مومنہ سلطان خوشی سے محروم تھی۔اُس رات کاغذ پر ایک لپ پینسل سے اللہ کا نام لکھتے ہوئے اُسے حسنِ جہاں یاد آئی تھی۔وہ کئی بار اُس کے پرس کے ساتھ کھیلتے ہوئے اُس کے میک اپ کا سامان بھی اسی طرح کھول کر بیٹھ جاتی تھی جب سلطان اُس کا میک اپ کر رہا ہوتا۔سلطان اُسے ٹوکتا اور حسنِ جہاں سلطان کو روک دیتی۔

اُسے یاد آیا تھا۔پہلی بار اُس کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کے نام کی خطاطی کروانے والی حسنِ جہاں ہی تھی۔وہ اسی کا شوق تھا جو مومنہ سلطان کے اندر پنپنے لگا تھا اور وہ اُس کے میک اپ کے سامان کے ساتھ خطاطی کرنا شروع ہوتی اور حسنِ جہاں ہنستی چلی جاتی۔سلطان سے کہتی

''تمہاری بیٹی کس چیز سے کیا لکھ رہی ہے کیا بنا رہی ہے۔''

''بے وقوف ہے۔'' سلطان مدافعانہ انداز میں کہتا اور اُسے ڈانٹتا۔

''بے وقوف نہیں ہے سلطان عقل مند ہے بس اللہ اسے نصیب والا کرے۔''

سلطان بے اختیار آمین کہتا۔''اور اسے کبھی اداکارہ نہ بنائے۔''

حسنِ جہاں کہتی اور سلطان اُس پر بھی آمین کہتا اور وہ اس کم عمری میں بھی حسنِ جہاں کا چہرہ دیکھتی اُسے جانچنے کی کوشش کرتی رہتی کہ وہ اُس کے بارے میں کیا کہہ رہی تھی۔اور اب وہ اداکارہ کا

نصیب لئے بیٹھی حسنِ جہاں کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کے ہر دوسرے جملے میں اُس نے زوال کا لفظ سنا تھا اور اُس نے ہمیشہ حیران ہو کر سوچا تھا کہ وہ زوال کیا چیز تھی جس سے اُس کا باپ ڈرتا تھا۔ اور جو حسنِ جہاں پر آ گیا تھا اور اب جب وہ عروج کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ رہی تھی تو بہت دیر اُسے پہلی بار کسی بازگشت کی طرح حسنِ جہاں کی کہی گئی بات یاد آئی تھی۔

''جھریاں نہیں زوال ہے سلطان...... چہرے سے پہلے لوگوں کے دلوں اور آنکھوں میں آتا ہے۔''

یک دم مومنہ سلطان کو باپ کی یاد آئی تھی۔ فون اُٹھا کر اُس نے سلطان کو کال کی تھی اس بات سے بے خبر کہ وہ اب وہ راز جانتے تھے جو وہ چھپائے پھر رہی تھی۔

''مومنہ کیسی ہو بیٹا......؟'' پہلی گھنٹی کے بعد ہی سلطان نے فون اٹھا لیا تھا اور اُس سے پوچھا تھا۔ کچھ دیر دونوں گھر، ثریا اور کام کے حوالے سے بات کرتے رہے۔ سلطان چاہنے کے باوجود اُس سے فیصل کی بات نہیں کر سکا مگر اُس کے لہجے میں اُس نے فیصل کے حوالے سے کچھ کھوجنے کی کوشش ضرور کی تھی۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔

''ابا آپ نے مجھے کبھی حسنِ جہاں کے بارے میں نہیں بتایا۔'' چند لمحوں کی گفتگو کے بعد جب سلطان اُس سے فیصل کے بارے میں پوچھنے کی ہمت پیدا کر رہا تھا اُس نے خلاف توقع حسنِ جہاں کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ وہ حیران ہوا تھا۔

''کیا نہیں بتایا مومنہ......سب کچھ تو بتایا ہے۔'' ......''صرف اُس کے عروج کا بتایا ہے زوال کا تو نہیں بتایا...... کیسے آیا تھا زوال اُس پر...... کیوں آیا تھا۔'' وہ کُریدر ہی تھی۔ ''پیار مار گیا تھا اُسے...... ورنہ حسنِ جہاں کے سامنے ٹھہرنے والا کوئی پیدا نہیں ہوا تھا۔'' سلطان نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''بے وفائی کی ہو گی جس سے اُس نے پیار کیا۔'' مومنہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''بے وفائی کرتا تو سہہ جاتی حسنِ جہاں...... اُس کی وفا نہیں سہہ سکی......بس غلطی کر بیٹھی ایک۔'' اُس نے آہ بھر کر کہا تھا۔ ''کیا غلطی ابا؟'' مومنہ نے پوچھا تھا۔

☆......☆......☆

(باقی آئندہ)


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 7
/RAMZEBEKHUDI
/RAMZEBEKHUDI

''الف''

قسط نمبر:07

جانِ طٰہٰ!

آج ایک لمبے عرصہ کے بعد تمہیں سوتے دیکھ کر میری نظر تمہارے چہرے پر ٹھہر گئی۔تم سو رہی ہواور کھڑکی سے آتی چاندنی تمہارے چہرے پر نور بن کر اُتری ہوئی ہے۔اُس کے ساتھ سہیلی بن کر آنے والی ہوا کے جھونکے تمہارے بالوں کو چھو کر جیسے چوم کر گزر رہے ہیں، انہیں بکھیر رہے ہیں، پھر سمیٹ رہے ہیں۔ہوا سے ہلتا یہ کھڑکی پہ پڑا اسفید جالی کا پردہ تم تک آنے کی کوشش کر رہا ہے یوں جیسے ایک بار تمہیں چھونا چاہتا ہواور ہر بار تمہیں چھونے میں ناکام ہو کر ہار مانتا واپس کھڑکی تک جاتا ہےاور ہوا اُسے پھر تمہارے پاس بھیج دیتی ہے۔

اور اِس سب کے درمیان کمرے کے اس کونے میں چھت سے لٹکے اس بلب کے نیچے کینوس رکھے میں کچھ paint کرنے بیٹھا ہوں اور میں paint نہیں کر پا رہا، بس تمہیں دیکھے جا رہا ہوں۔کئی بار اسی طرح رات کو بیٹھ کر تمہیں دیکھتا رہتا ہوں اسی محبت سے جس سے پہلی بار دیکھا تھا۔

تم حُسنِ جہاں ہو۔۔۔سارے جہاں کا حُسن تمہارے پاس ہےاور میں طٰہٰ عبدالعلی جس کے پاس اب وہ بھی نہیں ہے جو کبھی تھا۔۔

میں تمہارا مجرم ہوں حُسنِ جہاں اور یہ ہی احساس مجھے تم سے نظریں ملانے نہیں دیتا میں تم کو ساری دُنیا لا کر تھما دینا چاہتا تھااور میں نے تمہیں کہاں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

تم پچھتاتی تو ہوگی میں غلط انتخاب ثابت ہوا ہوں نا تمہارے لئے۔۔۔کیا کہہ کر لایا تھا تمہیں اور کیا دے پایا ہوں۔۔۔مال وزر کی تمہیں تمنّا نہیں پر اب میری زبان پر تمہارے لئے محبت کے وہ گلاب بھی نہیں کھلتے جنہیں دیکھ کر تم میرے لئے پاگل ہوئی تھی۔دل میں سب کچھ تمہارے لئے وہی ہے ویسا ہی ہے مگر زبان پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا ہے حُسنِ جہاں یہ تم سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہے کہہ نہیں پاتی اور جو نہیں کہہ پا رہی وہ مجھے اندر سے زخمی کئے چلا جا رہا ہے۔

مجھے ڈر لگتا ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی نہ جاؤ۔میں کیا کروں گا تمہارے بغیر جانِ طٰہٰ۔۔۔ایک اثاثہ گنوا آیا دوسرا گنواؤں گا تو مر جاؤں گا۔تمہارے نام پاکستان سے آنے والا ہر خط مجھے خوف زدہ کرتا ہے۔میں خودغرض ہوں چاہتا ہوں تم وہ شہزادی بن جاؤ جو واپسی کا راستہ یاد رکھنے کے لئے وہاں نشانیاں

چھوڑ کر نہ آئی ہو۔میں تمہارے قابل نہیں تھا حُسنِ جہاں۔

یہ جو ''میں'' ہوں نا اسے میں خود بھی نہیں جانتا اور یہ جو تم ہونا اسے شاید تم بھی نہیں پہچان پاتی ہو گی۔۔۔میں نے تمہیں کیا بنا دیا۔

یہ سارے اعتراف جو کاغذ کے اس ٹکڑے پر رات کے اس پہر کر رہا ہوں۔ یہ دن کے اُجالے میں تم سے کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔انا کا قیدی نہیں ہوں احساس جرم کا مارا ہوں۔تمہارے لئے چاہتے ہوئے بھی وہ چاند ستارے توڑ کر نہیں لا پا رہا جن کا تم سے وعدہ کیا تھا۔ جانتا ہوں تم چاند ستاروں کی خواہش اور چاہ میں میری زندگی کا حصہ نہیں بنی پھر بھی حُسنِ جہاں میں تمہارے لئے اپنے دل اپنی خواہشات کا کیا کروں۔

مجھے لگتا ہے تم ایک خوبصورت پرندہ ہو جسے میں قید کر بیٹھا ہوں۔ کھلے آسماں میں اُڑنے والا خوشنما پرندہ جو اپنی دُنیا اور زندگی میں ناچتا گیت گاتا ہوا مست تھا اور میں۔۔۔میں اُسے آسماں سے اس پنجرے میں لے آیا۔کئی بار تمہاری اُداس آنکھیں ایسی ہی کہانیاں کہتی ہیں مجھ سے اور میں اُن کہانیوں کو پڑھنے سے انکار کر دیتا ہوں۔کیا کروں حسنِ جہاں میں کیا کروں میرے بس میں کچھ نہیں۔وہ ہُنر میرے ہاتھ سے چلا گیا ہے جو اللہ کی عطا ہے اور رزق اُس کے لئے میں خوار ہو گیا ہوں اور ناموری اُس کا تو سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے میں نے۔

میں بیسویں صدی میں طٰہٰ عبدالعلی بن کر پیدا ہوا تھا اور طٰہٰ عبدالعلی ہی مر جاؤں گا۔میرا نام سُننے پر کسی کو کچھ یاد نہیں آئے گا کسی کا سر احترام سے نہیں جھکے گا۔ میں اُستادوں میں شمار نہیں ہوں گا۔وہ ہُما جو میرے سر پر بیٹھنے آیا تھا میں نے اُڑا دیا۔اب وہ دوبارہ نہیں آئے گا۔ مجھے ناموری کھونے کا رنج نہیں ہے دلوں کو توڑنے کا غم ہے۔ پہلے وہ دل بابا کا تھا اب تمہارا ہے میں جس سے محبت کرتا ہوں اُسے خوش رکھ نہیں پاتا کیا یہ صرف میرا المیہ ہے یا ہر محبت کرنے والے کا۔

تم نے کروٹ لے لی ہے، مجھ سے منہ پھیر لیا ہے۔اب میں تمہارا چہرہ دیکھ نہیں پا رہا۔چاندنی دلفریب نہیں رہی۔ ہوا اپنی مستی کھونے لگی ہے۔سفید جالی کا وہ پردہ اب تم تک پہنچنے کی جدوجہد میں تھکنے لگا ہے۔رات گزر گئی ہے۔۔۔اور میں طٰہٰ عبدالعلی آج بھی خالی کینوس لئے بیٹھا رہ گیا ہوں۔ یہ میری ہر رات کی کہانی ہے۔کوئی طٰہٰ عبدالعلی جیسی قسمت لے کر نہ آئے اور آئے تو اُس میں حُسنِ جہاں نہ آئے جو نہ اُس کے ساتھ جی سکے نہ اُس کے بغیر۔

تمہارا طٰہ

☆......☆......☆

قلبِ مومن نے سر اُٹھا کر عبدالعلی کو دیکھا تھا۔ وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ اُس صندوقچی کے اندر موجود خطوں کو نمناک آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

''یہ سارے خط وہ ہیں جن کا جواب نہیں دیا میں نے۔۔۔ کچھ پڑھ کے کچھ بغیر پڑھے رکھ دیئے۔ جن خطوں کے جواب نہیں ملتے وہ زندگیاں بدل دیتے ہیں لکھنے والے کی بھی اور اُس کی بھی جس کے نام لکھے گئے ہوں۔'' عبدالعلی اب لرزتے ہاتھوں سے اُن خطوں کو چھو رہے تھے۔ اتنی نرمی سے...... یوں جیسے اُنہیں ڈر ہو وہ اُن کے ہاتھوں میں تتلی کے پروں کی طرح بکھر جائیں گے۔

''آؤ قلبِ مومن تمہیں تمہارے باپ کی کہانی سُناتا ہوں۔۔۔ اپنی اور تمہارے باپ کی۔۔۔ میں تمہیں بتاتا ہوں غرور کے ایک لمحے نے میرے ساتھ کیا کیا تھا۔'' وہ اُس کے سامنے میز کے دوسری طرف ایک سٹول پر بیٹھ گئے تھے۔ کسی بُت کی طرح اُن کے چہرے کی جھریاں اُس لیمپ کی روشنی میں یک دم سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں میں تبدیل ہو گئی تھیں جو اُن کے سر پر اُس میز کے اوپر لٹک رہا تھا۔ ایک پرانے قصہ گو کی طرح وہ ماضی میں ڈوبے ہوئے سامنے والے کو بھی وہیں لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ قلبِ مومن اب اُن کے بالمقابل بیٹھا پلکیں جھپکائے بغیر اُس چہرے کو دیکھ رہا تھا جس سے وہ کبھی کسی غلطی کی توقع نہیں کرتا تھا، گناہ تو بہت دور کی بات تھی۔

☆......☆......☆

وہ رات کے پچھلے پہر اُن کے گھر کے صحن کے بیچوں بیچ اپنے سفید لباس، سیاہ لمبی ٹوپی اور سیاہ چوغہ نما چادر میں ملبوس گھومتا جا رہا تھا، گھومتا ہی چلا جا رہا تھا۔ نظر تھی کہ اُس پر ٹھہر ہی نہیں رہی تھی صرف چاندنی تھی جو اُس پر رات کے اس پچھلے پہر اُتر بھی رہی تھی اور ٹھہر بھی رہی تھی۔ اپنے بائیں پیر پر پھرکی کی طرح گھومتا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو زمین کی طرف جھکائے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی آسماں کی طرف اُٹھائے طٰہ عبدالعلی کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔ برآمدے میں کھڑے عبدالعلی نے اُسے دیکھا تھا اور مسکرا دیئے تھے۔ وہ رات کے اس پہر تہجد کے لئے اُٹھتے تھے اور وہ رات کے اس پہر سماع کر رہا ہوتا تھا۔ اُن کے خاندان میں وہ پہلا تھا جو مولانا جلال الدین رومی کے اُن مریدوں میں شامل ہوا تھا جو رقص کرتے ہوئے درویش

(Whirling Darvesh) کہلاتے تھے۔ وہ رقص اللہ سے اُن کی محبت کا اظہار تھا۔۔۔اللہ سے تعلق باندھنے کا اُن کا طریقہ۔ گول چکر کاٹتے ہوئے جیسے اُن پر حال آجاتا تھا اور اُس ''حال'' میں ہی وہ گھومتے جاتے، چکر کاٹتے رہتے یہاں تک کہ اُن کا وجود جیسے دُنیا کے جھمیلوں اور زمینی گردش سے کہیں نکل جاتا اور وہ کہیں اور پہنچ جاتے اور جب یہ سماع خوانی اور رقص ختم ہوتا تو وہ رقص کرنے والے درویش جیسے خود کو معرفت کی کسی اور منزل پر پاتے تھے۔

طٰہٰ عبدالعلی رومی کا مداح تھا اور مداح سے عقیدت مندی اور مُریدی کا وہ سفر اُس نے بڑی برق رفتاری سے طے کیا تھا اور عبدالعلی نے نہ اُسے روکا تھا اور نہ ہی اُنہیں کوئی خوف محسوس ہوا تھا کہ خطاطی سے اُس کا دھیان ہٹ جائے گا۔

وہ شروع شروع میں سماع خانہ انہیں رقص کرنے والے درویشوں کا رقص دیکھنے جایا کرتا تھا اور پھر وہ اُن میں شامل ہوگیا تھا۔ وہ رقص بھی اُتنا ہی مشقت طلب کام تھا جتنا محقق انداز میں کی جانے والی خطاطی جس میں اُن کا خاندان مشہور تھا۔

محقق خطاطی خطاطی کے چھے بنیادی، مشکل ترین اور خوبصورت ترین styles میں سے ایک تھا اور ایک زمانہ میں مملوک خاندان کے دورِ حکومت میں نہ صرف اس کا طوطی بولتا تھا بلکہ اسے قرآنِ پاک کے نسخے لکھنے کے لئے بار بار استعمال کیا جاتا تھا۔عبدالعلی کا خاندان شام سے تعلق رکھتا تھا اور اُن کے آباؤ اجداد محقق خطاطی کے لئے پورے عرب میں جانے جاتے تھے۔ محقق خطاطی میں ''اُستاد'' کا درجہ حاصل کرنے والے زیادہ تر لوگ اُنہیں کے خاندان کی مختلف نسلوں میں ایک کے بعد ایک آتے رہے تھے۔ عرب قومیت رکھتے ہوئے اُن کے آباؤ اجداد شام سے ہجرت کرتے ہوئے مملوک خاندان کے دورِ حکومت میں اُن بہت سے ملکوں میں ہجرت کرتے رہے جہاں جہاں 1205-1505 میں مملوک خاندان حکومت کرتا رہا اور اُن کے آباؤ اجداد میں سے ہی کچھ کو الحمرا کے محلات اور قرطبہ کی مساجد میں Moor سلطنت کے زمانہ میں خطاطی کرنے کا موقع ملا۔۔۔سپین میں مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد اُن کے آباؤ اجداد ترکی آ کر بسے تھے اور ترکی میں اُس وقت سلطنت عثمانیہ نے خطاطی کے نسخ اور تالوت styles کو فروغ دینا شروع کر دیا تھا۔

محقق آہستہ آہستہ اپنا مقام کھونے لگا اور اُس سے منسلک افراد اور خاندانوں میں ہونے والی کمی نے جیسے اُسے متروک کر دینے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا مگر عبدالعلی کے دادا اور باپ ان حالات میں بھی محقق خطاطی ہی کرتے رہے اور یہ پہچان اب کئی نسلوں سے عبدالعلی کے ساتھ چل رہی تھی۔ وہ محقق

خطاطی کے اب زندہ رہ جانے والے واحد ''استاذ'' تھے اور یہی اثاثہ اب وہ اپنے اکلوتے بیٹے طٰہٰ کو سونپ رہے تھے جو بچپن سے اُن کے ساتھ خطاطی کرتا آ رہا تھا اور اپنے کام میں اپنی عمر سے زیادہ مہارت اور کمال رکھتا تھا۔ اُس رقص نے بھی نہ اُس کی توجہ کو خطاطی سے ہٹایا تھا نہ بھٹکایا تھا۔

اُسے رقص کی حالت میں دیکھتے ہوئے عبدالعلی بہت دیر تک اسی طرح کھڑے رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ گھومتے گھومتے رُک گیا تھا اور جب وہ رُک گیا تو اُس نے سر اُٹھا کر عبدالعلی کو دیکھا۔ وہ پسینے سے شرابور تھا سر سے پیر تک۔ وہ عبدالعلی کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ وہ بھی جواباً مسکرائے۔

''آپ کل میری پرفارمنس دیکھنے آئیں گے؟'' اُس نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے عبدالعلی سے پوچھا۔ وہ اب وہاں پڑا ہوا وہ کیسٹ پلیئر بند کر رہا تھا جس میں چلنے والے میوزک پر وہ رقص کر رہا تھا۔

''دیکھ تو لی تمہاری پرفارمنس۔۔۔ بہت خوبصورت۔'' عبدالعلی نے دونوں ہاتھوں سے داد دینے والے انداز میں اُس کے لئے تالی بجائی۔

''آپ نے سٹیج پر بھی لوگوں کے سامنے میری پرفارمنس نہیں دیکھی۔۔۔ وہ بھی تو دیکھیں بابا۔'' طٰہٰ نے اُن کے پاس آتے ہوئے بڑے شوق سے کہا تھا۔ عبدالعلی نے اپنے دراز قد تیکھے نین نقش والے بیٹے کو دیکھا۔ اُنہیں اپنی بیوی کی یاد آئی۔

''لوگوں کے لئے تھوڑی ناچتے ہو تم طٰہٰ۔۔۔ تم تو اللہ کے لئے ناچتے ہو۔۔۔ اُس کی محبت اُس کے عشق میں۔۔۔ میں دیکھوں نہ دیکھوں لوگ دیکھیں نہ دیکھیں کیا فرق پڑتا ہے۔'' انہوں نے اُس سے کہا تھا۔ وہ دونوں اب ساتھ چلتے ہوئے گھر کے اندر والے حصے میں آ گئے تھے۔

''لوگوں کے لئے تو نہیں ناچ رہا بابا۔۔۔ میں تو اپنے ملک کی نمائندگی کر رہا ہوں فیسٹیول ہے دوسرے ملکوں سے بھی لوگ آ کر پرفارم کر رہے ہیں میں بھی اپنے ملک کے لئے پرفارم کر رہا ہوں۔۔۔ سب انتظار میں ہیں میری پرفارمنس دیکھنے کے لئے۔۔۔ نیوز پیپرز نے آج اتنی بڑی بڑی خبریں لگائی ہیں۔'' اُس نے بڑے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

''شہرت ہنر کو دیمک کی طرح کھانے لگتی ہے۔۔۔ پتہ بھی نہیں چلتا۔۔۔ کیا ضرورت ہے تمہیں اس سب کی۔'' عبدالعلی نے مدھم آواز میں جیسے اُسے اُس راستے کے نشیب و فراز سے ڈرایا تھا جہاں وہ پاؤں رکھ رہا تھا۔

''میری قسمت میں ہے شہرت بابا۔۔۔ آپ کی طرح خاموشی سے اس گھر میں بیٹھ کر خطاطی

کرنا میرا مقدر نہیں ہے۔ میں چاہوں بھی تو بچ نہیں سکتا۔'' وہ مسکراتے ہوئے باپ سے کہہ رہا تھا۔ وہ مسکرادیئے تھے۔ طٰہٰ سے بحث نہیں کرتے تھے وہ اُس کے سامنے کمزور پڑتے تھے وہ۔ اپنی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے اُسے اکیلے ہی پالا تھا اور اب اس عمر میں وہ اس کے لئے باپ سے زیادہ ماں بن کر رہ گئے تھے۔ نرم دل۔۔۔ متفق، مہربان۔۔ ڈرنے والے۔۔

''تمہاری نمائش سر پر کھڑی ہے اور تمہارا ''شاہکار'' ابھی بھی مکمل نہیں ہوا۔'' عبدالعلی نے اُس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہاں کینوس پر دھری اُس خطاطی کی طرف اُس کی توجہ مبذول کروائی جو نامکمل تھی۔

''اللہ نور السموت والارض۔'' اُس خاندان کا ہر خطاط اپنی پہلی نمائش میں خطاطی کر کے ضرور رکھتا تھا۔ اُس آیت کی خطاطی جیسے وہ ''اجازہ'' تھی جس کے بعد اُس خطاط کو اپنا کام نمائشوں کی شکل میں لوگوں کے سامنے لے آنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ طٰہٰ عبدالعلی بھی اُن دنوں اپنی پہلی نمائش کے لئے خطاطی کر رہا تھا اور اللہ نور السموت والارض اُس کی وہ آخری خطاطی تھی جس کے مکمل ہونے کے ساتھ ہی اُس کا کام پورا ہو جاتا۔

طٰہٰ نے ایزل پر دھرے اُس کینوس کو دیکھا۔ جہاں وہ آیت نامکمل حالت میں بھی خطاطی کرنے والے کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت بنی ہوئی تھی۔

''کل رات مکمل کر لوں گا اسے بابا۔۔۔ اور پرسوں آپ کو دکھاؤں گا لیکن آپ وعدہ کریں مجھ سے پوچھیں بغیر آپ اسے نہیں دیکھیں گے۔'' طٰہٰ نے باپ کا ہاتھ پکڑ کر اُن سے وعدہ لیا تھا اور عبدالعلی نے مسکرا کر اُس سے وعدہ کر لیا تھا۔

طٰہٰ عبدالعلی کو اندازہ نہیں تھا وہ اُس آخری خطاطی کو کبھی مکمل نہیں کرنے والا تھا۔۔۔ کیونکہ اگلی رات اُس کی دُنیا میں حسنِ جہاں کی آمد ہونے والی تھی۔

☆......☆......☆

ہال کے اُس سٹیج پر اس وقت سپاٹ لائٹس کی روشنی میں کتھک ڈانس کی جو پرفارمنس کر رہی تھی وہ رقاصہ نہیں قیامت تھی ایسی قیامت جو اپنی حشر سامانیوں سے خود واقف تھی۔ اُس کی آنکھیں، اُس کے ہونٹ، اُس کی ناک، اُس کے جسم کا لوچ، اُس کی ایک ایک ادا حشر ساماں تھی اور سٹیج پر کھنک کے نرت بھاؤ پیش کرتے ہوئے اُس نے سامنے ہال میں بیٹھے حاضرین کو جیسے باندھ کر رکھ دیا تھا۔ یوں جیسے وہ کسی ہپناٹسٹ کی ٹرانس میں آئے ہوئے سٹیج پر اُس کی ہر جنبش ہر حرکت کو Follow کر رہے تھے۔ وہ آگ

لگانے آئی تھی اور وہ آگ لگا رہی تھی اور وہ اسی کام کے لئے جانی جاتی تھی مگر اُس شام وہاں بیٹھے جلنے والے پروانوں میں طٰہٰ عبدالعلی بھی تھا۔ جو ارادتاً نہیں اتفاقاً اُس پرفارمنس کو دیکھنے وہاں آ بیٹھا تھا اور اُس ایک گھنٹہ کی پرفارمنس نے طٰہٰ عبدالعلی کا پورا وجود دل سمیت کسی ریشم کے کوکون کی طرح لپٹا لپٹا یا حسنِ جہاں کا کر دیا تھا۔ وہ اُس کی خوبصورتی، رقص، جسم پتہ نہیں کس چیز کی زد میں آ کر گردش میں آیا تھا۔

اور حسنِ جہاں کو سٹیج پر تھرکتے نہ طٰہٰ عبدالعلی کا پتہ تھا نہ پروا۔ وہ اسّی کی دہائی کی پاکستان کی سب سے بہترین رقاصہ اداکارہ تھی۔ حکومت پاکستان کے ایک ثقافتی طائفے کا حصہ بن کر اُس فیسٹیول میں آئی تھی اور سٹیج پرفارم کر کے میلہ لوٹنا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

بیک سٹیج پر کھڑا سلطان قربان جانے والی نظروں سے سٹیج پر اپنی ''ملکہ'' کا ''راج'' دیکھ رہا تھا اور اُس راج کے نتیجے میں سامنے بیٹھی audience ''غلامی'' بھی اور وہ سلطان کے لئے بھی روز کا معمول تھا۔ حسنِ جہاں یہ نہ کرتی تو کون کرتا۔ کوئی تھا ہی نہیں اُس کے سامنے ٹھہرنے والا۔

وہ رقص کرتے ہوئے رُکی تھی اور جیسے اُس نے کائنات کی جنبش کو لگام ڈال دی تھیں۔۔۔ ہال اب تالیوں سے گونج اُٹھا تھا۔۔۔ ایک، دو، تین، چار اور پھر تالیوں کا سیلاب۔۔ حسنِ جہاں اپنی دلنشین مسکراہٹ اور دلربا انداز کے ساتھ جھک کر اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اب بیک سٹیج آ رہی تھی اور تب سلطان سے اُس کی آنکھیں ملی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔

''سب کے چراغ بُجھا آئی ہیں آپ۔'' سلطان نے اُس کے قریب آتے ہی کہا۔ وہ جواباً ہنسی

۔

''مجھے لگا تم کہو گے کہ آگ لگا آئی ہیں۔۔۔ آگ بجھانے کا کام تو کیا ہی نہیں کبھی حسنِ جہاں نے۔'' اُس نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے بے حد معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

''کیا واروں میں؟'' سلطان نے بے اختیار اُس کی بلائیں لیں۔ اُس کا پھولے ہوئے سانس سے ہو جانے والا سرخ چہرہ اور سرخ لباس اس وقت ہم رنگ تھے۔ سر تا پا شعلہ جوالہ۔

''اپنا آپ۔'' حسنِ جہاں نے ساتھ چلتے ہوئے جیسے اُسے چھیڑا۔

''وہ تو کب کا وار دیا۔'' سلطان نے بے ساختہ اُس کے عقب میں چلتے ہوئے اناؤنسمنٹ کے اُس شور میں کہا جو اب اگلے پرفارمر کو متعارف کروانے کے لئے کی جا رہی تھی۔

وہ وہاں حسنِ جہاں کی پہلی پرفارمنس تھی اور اگلے دن اُسے دوسری پرفارمنس دینی تھی اور اُس کے بعد تین چار دن کے وقفے کے بعد تیسری پرفارمنس اور پھر وہ پاکستان لوٹ جاتے مگر اُس دن سلطان

کی پرفارمنس کے دوران آنکھ پھڑ کنے لگی تھی اور اُس کی آنکھ جب پھڑکتی تھی حسنِ جہاں کو نظر لگتی تھی اور کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور ہوتا اُس کی پرفارمنس کے درمیان مگر اُس دن سلطان کے متفکر ہونے اور آنکھ کے مسلسل پھڑکنے کے باوجود کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔اب وہ پرفارمنس ختم کرکے واپس آئی تھی تو جیسے سلطان کو قرار آیا تھا۔

''شاید وہم ہی کرتا رہتا ہوں میں ۔۔۔''حسنِ جہاں کے ساتھ میک اپ روم کی طرف جاتے ہوئے سلطان نے اپنے سارے اندیشوں کو جھٹک دیا۔نظر حسنِ جہاں کو بہت بار لگی تھی مگر ''نظر'' میں وہ پہلی بار آئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ رات کے پچھلے پہر اُس کے کمرے میں اُسے کافی دینے آئے تھے وہ اس پہر Paint کر رہا ہوتا تھا یا رقص اور یہی وقت عبدالعلی کے کام کا بھی تھا۔دروازہ بجا کر وہ اندر داخل ہوئے تھے۔طٰہ کمرے میں نہیں تھا مگر جو چیز انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دیکھی تھی اُس نے اُنہیں لرزا دیا تھا۔ایزل پر دھرے کینوس میں ایک ناچتی ہوئی عورت کا وجود۔۔۔اُس کا سُرخ ہوا میں لہراتا ہوا فراک اور اُس کے جسم کے نشیب وفراز۔۔۔وہ جیسے سٹیج سے پرفارم کرتے ہوئے سیدھا اُس کینوس پر اُتر آئی تھی۔عبدالعلی کو یقین نہیں آیا تھا کہ وہ طٰہ کا کینوس تھا اُنہیں لگا اُنہیں غلطی لگی ہوگی وہ کسی اور کا کینوس اُٹھا لایا ہوگا۔وہ کانپتے ہوئے آگے بڑھے تھے اور انہوں نے اُس کینوس کے بالمقابل وہ دوسرا کینوس بھی دیکھ لیا تھا جس پر اُس کی وہ ''اللہ نور السموت والارض'' والی خطاطی اب بھی نامکمل تھی۔وہیں تھی جہاں وہ دوراتیں پہلے تھی اور اس دوسرے کینوس پر بنے ہوئے وجود میں لگے ہوئے سارے رنگ ابھی گیلے اور تازہ تھے روشنی میں چمک رہے تھے یوں جیسے وہ ابھی ابھی ہی اُنہیں بناتا ہوا گیا تھا۔۔۔وہ طٰہ عبدالعلی ہی کا پیلٹ تھا اُسی کے سٹروک تھے اُسی کا کام تھا۔۔۔مگر اُس آیت کو Paint کرتے کرتے وہ اُس عورت کے جسم کو اُس کینوس پر کس طرح لے آیا تھا عبدالعلی کو یہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

''بابا'' کھنکے کی آواز پر وہ پلٹے تھے طٰحہ کمرے میں آیا تھا اور باپ کو وہاں کھڑے دیکھ کر یقیناً اُس کے پیروں کے نیچے سے زمین ویسے ہی سرکی ہوگی جیسے اُس تصویر کو دیکھ کر عبدالعلی کے پیروں کے نیچے سے۔

''تم اللہ کی صناعی کرتے ہوئے کس کا حسن Paint کرنے بیٹھ گئے طٰہ؟'' اُن کی آواز اور سوال میں جو جلال تھا وہ طٰہ عبدالعلی کے لئے نیا تھا۔باپ کا غصہ تو اُس نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا اور اب

دیکھا تھا تو گنگ ہو گیا تھا۔

''یہ تمہارا شاہکار ہوتا۔۔۔ اللہ نور السموات والارض۔۔۔ یہ نہیں۔'' انہوں نے باری باری دونوں کینوسوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ بے حد غضبناک انداز میں۔''تم اللہ کی آیت کی خطاطی کرتے کرتے اُسے ادھورا چھوڑ کر اس عورت کا جسم اور چہرہ بنانے بیٹھ گئے۔'' اُن کی آواز میں اب غم تھا۔ اُس خاندان میں پہلی بار ہوا تھا کہ کوئی خطاط کسی عورت کو Paint کرنے لگے اور وہ بھی انہیں کا بیٹا۔

''غلطی ہوگئی بابا۔'' طحٰہ نے بے ساختہ اُن سے کہا۔ عبدالعلی نے بات کاٹ دی۔''گناہ کہتے ہیں اسے۔ غلطی نہیں۔''

''آپ سے معافی مانگوں یا اللہ سے؟'' اُس نے جواباً کہا تھا۔''وہ اُس کی بات پر اُس کا چہرہ دیکھنے لگے۔''طٰہٰ ہم خطاطوں کے قبیلے سے ہیں وہ بھی اُس خطاطی سے جو قرآن پاک کے نسخے لکھنے کے لئے کی جاتی ہے۔ محقق والے ہیں ہم۔۔۔ ہمارے یہ ہاتھ اُن کا ہنر امانت ہے اللہ کی۔ اور اللہ اپنی امانت میں خیانت برداشت نہیں کرتا۔'' وہ اب نرم پڑتے ہوئے اُسے سمجھا رہے تھے۔

''کون ہے یہ؟'' انہوں نے اُس سے پوچھا۔

''حسنِ جہاں۔'' طٰہٰ نے بے اختیار کہا۔ عبدالعلی تضحیک آمیز انداز میں ہنسے۔

''کچھ بھی نہیں ہے حسنِ جہاں۔۔۔ چہرہ ہے چہرے بگڑ جاتے ہیں۔۔۔ جسم ہے۔۔۔ جسم ڈھل جاتے ہیں۔۔۔ جو فنا ہو جائے وہ کہاں کی حسنِ جہاں۔'' وہ اُس سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے تھے۔ بہت بڑی غلطی تھی جو اُن کے بیٹے نے کی تھی۔ مگر عبدالعلی کو یقین تھا وہ پہلی اور آخری غلطی تھی کیونکہ وہ پچھتا رہا تھا یا کم از کم اُنہیں یہی لگا تھا۔ اُن کا اندازہ غلط تھا کہ انہوں نے حسنِ جہاں کی حقیقت بتا دی تھی طٰہٰ کو۔ وہ حسنِ جہاں کا عشق تھا گمراہ کئے بغیر کیسے ختم ہوتا۔

☆......☆......☆

وہ ناشتے کی میز پر اخبار لئے بیٹھے تھے۔ صفحے پلٹتے اُن کی نظر اُس کلچرل فیسٹیول کے حوالے سے فیچر پر گئی تھی جس میں طٰہٰ پرفارم کر رہا تھا اور وہ خبر نہیں تھی جس پر وہ رُکے تھے۔ وہ طٰہٰ کے ساتھ ایک رقص کرتی لڑکی کی تصویر تھی جس پر وہ ٹھہر گئے تھے۔ اُن دونوں کی بہت بڑی بڑی تصاویر برابر میں لگی ہوئی تھیں اور عبدالعلی نے ایک نظر میں ہی حسنِ جہاں کا چہرہ پہچان لیا تھا۔ وہ وہی چہرہ تھا جو اُس کینوس پر پہلی بار اُن کے بیٹے نے بنایا تھا۔

''السلام علیکم بابا۔۔۔ اخبار میں میری پرفارمنس کے بارے میں خبر آئی۔'' طٰہٰ کمرے میں داخل

ہوتے ہوئے ناشتہ کرنے کے لئے بیٹھ رہا تھا اور ساتھ اُن سے پوچھ رہا تھا۔

عبدالعلی نے کچھ کہے بغیر اخبار کا وہ صفحہ اُس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ طٰہٰ نے اخبار کے اُس صفحے پر اُن تصویروں پر نظر ڈالی پھر باپ کو دیکھا۔

''یہی ہے حسنِ جہاں؟'' عبدالعلی چائے کپ میں اُنڈیلتے ہوئے اُس سے پوچھ رہے تھے۔

طٰہٰ نے سر ہلایا۔

''تم روز مل رہے ہو اُس سے؟'' عبدالعلی نے عجیب انداز میں پوچھا۔ وہ خاموش رہا۔ لمبی خاموشی کے بعد اُس نے باپ سے کہا۔

''بابا میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' انہیں لگا وہ اُن سے مذاق کر رہا تھا۔ سات دن کے اُس فیسٹیول کا یہ نتیجہ کیسے ہو سکتا تھا۔

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔'' اُس نے جیسے باپ کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

''اُس اچھی لڑکی کی وجہ سے پہلی بار تم نے کینوس پر عورت کا جسم Paint کیا۔۔۔ یہ اچھائی ہے اُس کی۔'' عبدالعلی کے لہجے میں تحقیر تھی۔

''آپ ایک بار حسنِ جہاں سے ملیں آپ کا دل بدل جائے گا۔'' عبدالعلی نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''نہیں بدلے گا۔ لیکن تم اگر اُس سے شادی کر لو گے تو تم بدل جاؤ گے۔ تم پہلے ہی بدل گئے ہو۔''

''نہیں بابا میں نہیں بدلا۔ میں آج بھی وہی طٰہٰ ہوں۔ وہی خطاط۔''

''وہی خطاط ہو گے نہیں طٰہٰ۔۔۔ اسے چھوڑ دو۔۔۔ تم اُس کے لئے نہیں بنے۔''

''بابا میں اُسے چھوڑ نہیں سکتا۔''

''میں کہوں تب بھی نہیں؟'' عبدالعلی کو جھٹکا لگا تھا۔

''مجھ سے یہ سوال نہ کریں۔۔۔ مشکل میں نہ ڈالیں مجھے۔'' وہ گڑگڑایا تھا۔

''مشکل ہے یا آسانی تمہیں باپ اور حسنِ جہاں میں سے کسی ایک کو چُننا ہے۔'' وہ ناشتہ چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''بابا۔'' طٰہٰ نے اُنہیں پکارا۔ وہ نہیں رُکے۔ دل پارہ پارہ کر دیا تھا اُس نے اُن کا۔ یہ آزمائش کیوں آن کھڑی ہوئی تھی اُن کے سامنے۔ عبدالعلی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اُس رات وہ اللہ کے سامنے گڑگڑا کر روتے رہے۔

''اے میرے رب مجھے اس آزمائش میں نہ ڈالنا۔صدیوں سے میرا خاندان تیری کبریائی بیان کرنے والوں میں سے رہا ہے۔یہی پہچان ہے ہماری۔اس سلسلے کو ختم نہ کرنا۔اے میرے رب طٰہٰ کے دل سے حسنِ جہاں کو نکال دے۔وہ سات دن میں اُس کے دل پر قابض ہوئی ہے تو چاہے تو سات سانسوں میں اُسے اُس کے دل سے نکال دے۔طٰہٰ عبدالعلی کے ہنر کو صرف اپنے لئے رکھ۔اُس کے دل سے دُنیا نکال دے۔حسنِ جہاں بھی نکال دے۔''

وہ روتے گڑگڑاتے رہے تھے۔اُنہیں لگ رہا تھا حسنِ جہاں اُن سے طٰہٰ نہیں چھینے گی وہ طٰہٰ سے وہ ہنر چھین لے گی جو اُن کے خاندان کا نسلوں سے اثاثہ تھا۔جو عورت اُسے آیات کی خطاطی سے اپنی تصویروں پر لے آئی تھی۔وہ اور کیا نہ کرتی حسنِ جہاں کے لئے اُس لمحہ اُن کے دل کا میل صرف اسی وجہ سے تھا۔بعد میں وہ اور وجہ سے بڑھا تھا۔

☆......☆......☆

سفید چادر میں سرتاپا چھپی طٰہٰ کے ساتھ اُس شام اُن کے گھر کی دہلیز پر کون کھڑا تھا وہ عبدالعلی بغیر بتائے بھی جان گئے تھے۔وہ جس آزمائش سے بچنے کے لئے رات بھر روتے رہے تھے۔وہ اگلے دن چل کر اُن کے گھر آ گئی تھی۔طٰہٰ اُن کے گھر اُسے یوں لایا تھا جیسے وہ گھر عبدالعلی کا نہیں حسنِ جہاں کا تھا۔ہاتھ پکڑ کر ملکہ کی طرح اور عبدالعلی اندر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔زندگی میں اُنہیں ایسا غصہ کبھی نہیں آیا تھا۔

''بابا یہ حسنِ جہاں ہے آپ سے ملنا چاہتی تھی۔'' طٰہٰ اُسے بڑے کمرے میں ہی چھوڑ کر اندر اُن کے کمرے میں آیا تھا۔

''تم کیوں لائے ہو اسے؟ یا تم مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ تم نے باپ اور حسنِ جہاں میں سے حسنِ جہاں کا انتخاب کر لیا؟''

وہ اُس پر برس پڑے تھے۔سفید چادر میں لپٹی حسنِ جہاں کا چہرہ بھی سفید پڑا تھا۔کھلے دروازے سے وہ اس کمرے میں کھڑے رہ کر بھی دوسرے کمرے میں موجود اُن دونوں کو دیکھ اور سن رہی تھی۔

''ساری زندگی آپ نے کبھی مجھ سے اس طرح بات نہیں کی......اب کیوں کر رہے ہیں بابا......؟ ایسا کیا کر بیٹھا ہوں میں؟'' طٰہٰ نے تڑپ کر باپ سے کہا تھا۔

''تم نے میرے خاندان کے اثاثے اور اگلی نسل کو داؤ پر لگا دیا ہے۔تمہارے ہاتھ اب اللہ کا نام نہیں لکھیں گے اس عورت کی خوبصورتی Paint کریں گے۔ وہ شیطان ہے تمہیں ورغلانے آئی ہے تمہیں گمراہ کر کے یہاں سے لے جائے گی۔'' عبدالعلی نے اُس کی طرف اشارہ کیا تھا۔حسنِ جہاں کھڑے کھڑے ریت بنی تھی۔

''وہ حسنِ جہاں ہے اُسے اللہ میری طرف لایا ہے۔اللہ نے اُسے یہاں بسایا ہے۔'' طٰہٰ نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے عبدالعلی سے کہا تھا۔

''یہاں نفس ہے اللہ نہیں ہے۔'' عبدالعلی نے اُس کے سینے پر ہاتھ لگاتے ہوئے تحقیر آمیز انداز میں کہا۔

''جو چاہے کہہ لیں۔'' وہ ویسا ہی کھڑا رہا تھا۔

''پتہ ہے کیا Paint کرتے تھے۔۔۔کیا بنانے لگے ہو۔۔۔ایک عورت کا چہرہ،جسم،آنکھیں ،ہونٹ۔۔۔ہمارے خاندان کی سات نسلوں میں اللہ کے جمال کے علاوہ کسی اور کے جمال کی بات نہیں کی کسی نے۔۔۔اور تم طٰہٰ تم کہاں سے کہاں آ گئے۔ابھی بھی وقت ہے پلٹ آؤ۔۔۔نہ جاؤ اُدھر گمراہی ہے۔''وہ اب اُسے سمجھانے کی آخری کوشش کر رہے تھے۔

''وہاں محبت ہے گمراہی نہیں۔''اُس نے اصرار کیا تھا۔

''فریب ہے۔''عبدالعلی نے کہا۔

''اس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا مجھے۔''

''تو پھر اندھا کر لو اپنے آپ کو۔'' وہ بے رحمی سے بولے تھے۔

''وہ آنکھوں سے جائے گی تو دل میں آ جائے گی دل سے جائے گی تو شہ رگ میں خون کے ساتھ دوڑنے لگے گی۔وہ یہاں یہاں ہر جگہ ہے بابا......میں کہاں کہاں سے ہٹاؤں اُسے۔'' وہ بے بسی سے اپنے دل،حلق کنپٹیوں کو چھوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہاں، یہاں، یہاں۔۔۔ہر جگہ صرف اللہ ہو سکتا ہے اور کوئی نہیں۔''عبدالعلی نے اُس کے سینے،حلق،سر کو چھوا تھا۔

''پیار ہو سکتا ہے۔'' طٰہٰ نے ضد کی تھی۔

''پیار کو زوال ہے۔''

''کمال بھی تو اس کو ہے۔'' وہ ضد پر اُترا ہوا تھا،اور حسنِ جہاں کمرے کے کھلے دروازے سے

باپ بیٹا کو ایک دوسرے کے مقابل دیکھ رہی تھی۔ایک نے اُسے خاک بنا کر اڑا دیا تھا دوسرا تاج بنا کر سجانے پر بضد تھا۔

''جو ہاتھ اللہ کے لئے چنے گئے ہیں اُن سے کسی انسان کا جمال تخلیق مت کرنا طٰہ۔اللہ یہ ہنر تمہارے ہاتھوں سے چھین لے گا۔''

''آپ غلط کہہ رہے ہیں اتنے سالوں سے خطاطی کر رہا ہوں میں۔۔۔اُس کا چہرہ بنا دیا تو کیا اللہ کا نام لکھنے کے قابل نہیں رہوں گا۔''وہ باپ سے بحث کر رہا تھا۔

''وہ واحد ہے شراکت قبول نہیں کرتا تمہارے ہاتھ کسی اور کا حسن سراہیں گے تو وہ اُس حسن کو ختم کر دے گا۔''

''جو بد دعا دینی ہے مجھے دیں بابا۔۔۔حسنِ جہاں کو نہیں۔۔۔اللہ نے اُس کی محبت ڈالی ہے میرے دل میں۔۔۔اللہ ہی نکال سکتا ہے۔آپ نہیں نکال سکتے۔''وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔

''میں آپ کا گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔مگر اُس کو چھوڑ نہیں سکتا۔''وہ کہتے ہوئے دوسرے کمرے میں جانے لگا تھا۔

''اللہ تو نکال سکتا ہے نا تمہارے دل سے اُس کی محبت میں اللہ سے دعا کروں گا۔وہ نکال دے اُسے تمہارے دل سے۔''عبدالعلی نے جاتے ہوئے طٰہ سے کہا تھا۔وہ رُکا پلٹا اُس نے عبدالعلی کو دیکھا پھر کچھ کہے بغیر چلا گیا۔عبدالعلی نے اُسے اور حسنِ جہاں کو اُس کمرے سے جاتے دیکھا تھا وہ حسنِ جہاں اُن کا آخری اثاثہ لے گئی تھی۔زندگی میں پہلی بار عبدالعلی نے کسی سے نفرت کی،کسی کو بد دعا دی۔وہ خطاط تھے اُن کی بد دعا حسنِ جہاں کو کیسے نہ لگتی۔

☆......☆......☆

رات کتنی ڈھلی تھی،کتنی رہ گئی تھی،وقت رُکا ہوا تھا یا تھما ہوا تھا۔قلبِ مومن کو اس کا اندازہ نہیں تھا اور اس کا اندازہ شاید عبدالعلی کو بھی نہیں تھا۔

''وہ آخری بار تھا جب میں نے طٰہ کو زندہ دیکھا پھر اس کے بعد اُس کو زندہ تو کیا مرا ہوا بھی نہیں دیکھا تھا میں نے۔''عبدالعلی کی آواز غم سے چیخ رہی تھی اتنے سالوں بعد بھی وہ شاید وہیں کھڑے تھے۔اس گھر میں آج بھی شاید وہی لمحہ تھا۔۔۔طٰہ کے چھوڑ جانے کا لمحہ۔

''ایک مہینے کے بعد اُس کا لکھا ہوا ایک خط ملا تھا مجھے جس میں بس ایک جملہ لکھا ہوا تھا۔بابا مجھے معاف کر دیں۔میں نے خط کو پھاڑ دیا تھا۔پھر ہر مہینے اُس کا خط آتا اسی ایک جملے کے ساتھ اب میں

خطوں کو پھاڑتا نہیں تھا اُنہیں بغیر پڑھے رکھتا جاتا تھا اور اگر کبھی کھول کر پڑھ بھی لیتا تو دوبارہ کبھی نہ پڑھتا۔

وہ اُسے اپنا پچھتاوا اپنا رنج لفظوں میں پرو کر سُنا رہے تھے۔ وہ اُن کا چہرہ دیکھتے ہوئے اُس داستان میں اُنہیں آج بھی منفی کردار ماننے پر تیار نہیں تھا اُن کے اس پچھتاوے کے باوجود اس اعتراف کے بعد بھی۔

''بس ایک تمہاری پیدائش کی خبر تھی جس خط کو میں کھول کر پھر رکھ نہیں سکا۔ دل موم ہونا شروع ہو گیا تھا میرا۔'' وہ عجیب دل گرفتہ انداز میں ہنسے۔

''خطاطوں کے خاندان میں اگلا خطاط آ گیا تھا چاہے وہ حسنِ جہاں کا بیٹا ہی تھا میں اب طٰہٰ کے خطوں کا انتظار بھی کرنے لگا تھا۔ تمہارے بارے میں جاننے کے لئے۔ اور اُسے معاف کرنے کے بارے میں سوچنا بھی شروع کر دیا تھا میں نے۔ ہر روز رات کو میں اُسے خط لکھنے کے لئے کاغذ لے کر بیٹھتا اور کاغذ پر حسن جہاں آ جاتی اور میرا دل پھر سے پتھر بن جاتا۔ سارے لفظ پھر سے غائب ہو جاتے۔ تین سال بعد طٰہٰ کے خط آنا بند ہو گئے۔ میں بے چین ہوا پھر کچھ مہینوں کے بعد میں نے اُسے خط لکھا۔ وہ خط ویسے ہی واپس آ گیا تھا۔ اُس پتے پر اب طٰہٰ نہیں رہتا تھا۔ مجھے لگا میں نے اُسے پھر سے کھو دیا۔ ساری ساری رات بیٹھ کر میں اللہ سے معافی مانگتا رہتا تھا اُس سے پوچھتا تھا کہ میرا دل پتھر کا کیوں ہوا؟...... اپنے خون سے ایسی بے اعتنائی برتنے کے قابل کیسے ہوا میں...... حسنِ جہاں کو ایسا حقیر سمجھنے کی جرأت کیسے ہوئی مجھے۔۔۔ میں صحیح تھا یا غلط۔۔۔ صحیح تھا تو سزا کیوں کاٹ رہا تھا۔۔۔ غلط تھا تو مجھے اپنی غلطی کا وقت پر احساس کیوں نہیں ہوا۔'' قلبِ مومن نے اُس بوڑھے خطاط کے گالوں پر آنسو پھسلتے دیکھے۔

''آٹھ سال اسی طرح گزر گئے تھے۔ پھر ایک دن حسنِ جہاں کی طرف سے بھیجا ہوا پارسل ملا۔ اللہ کے نام لکھے ہوئے تمہارے خط تھے اور اُن ہی خطوں کے ساتھ حسنِ جہاں کا بھی ایک خط تھا۔ طٰہٰ کے نام تھا وہ۔ وہ سمجھ رہی تھی وہ میرے پاس ہے۔ وہ اُسے بہت پہلے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اپنی انا، ضد، سب چھوڑ کر بھاگ گیا تھا میں تم لوگوں کے پاس۔۔۔ اللہ نے مجھے ایک موقع اور دیا تھا اپنی غلطی کو سُدھارنے کا۔ میں اس بار کھونا نہیں چاہتا تھا یہ موقع۔۔۔ مگر دیر ہو گئی تھی طٰہٰ تمہاری ماں سے ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر گیا تھا۔ ایک دوست کے پاس اور ایک ایکسیڈنٹ میں وہ مر گیا۔ نہ میرا پتہ اُس دوست کے پاس تھا نہ تم لوگوں کا۔ اُس نے دفن کر دیا تھا اُسے۔''

کوئی چیز مومن کی آنکھوں میں چبھی تھی اور پھر اُس کی آنکھیں دُھندلائی تھیں۔ وہ اپنے بچپن

کے اس لمحے کے بارے میں سننا نہیں چاہتا تھا۔ وہ قصہ خواں سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ وہیں رُک جائے مگر غم میں ڈوبے اُس بوڑھے شخص کو وہ کیا کہتا کس طرح کہتا۔

''تم نہ ہوتے قلبِ مومن تو میں طٰہٰ کے غم سے مر جاتا۔ تمہارے وجود نے زندہ رکھا مجھے تم کو تو طٰہٰ ہی سمجھ کر دوبارہ پالا میں نے۔ تم کو کیسے روکتا کسی چیز سے۔ جو تم نے کرنا چاہا میں نے کرنے دیا۔ تم بورڈنگ میں جانا چاہتے تھے، میں نے جانے دیا۔ فلم میکنگ پڑھنا چاہتے تھے، میں نے امریکہ بھیج دیا۔ تمہیں تو روکنے اور ٹوکنے کا حوصلہ ہی نہیں تھا عبدالعلی میں۔ لیکن اب جب عمر کی اس آخری سیڑھی پر آ کھڑا ہوں تو تم سے یہ سب کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں'' وہ رُک گئے تھے اپنے آنسو صاف کر رہے تھے۔ قلبِ مومن نے بھی اپنے آنسو صاف کئے تھے۔ وہ کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر بولتا تو اُس کی آواز لرزتی پھر وہ ٹوٹ جاتا۔ وہ ساری عمر دادا کے سامنے نہیں رویا تھا جو بھی آنسو تھے بچپن میں بہائے تھے اُس نے جوانی میں نہیں اور وہ اب اپنا بچپن اُن کے سامنے دہرانا نہیں چاہتا تھا۔

''میں ضد نہ کرتا تو شادی ہو جاتی دونوں کی۔ میرے پاس ہوتے دونوں۔۔۔ اچھی زندگی گزار رہے ہوتے۔ اُس کو شادی سے نہ روکتا بس حسنِ جہاں کی تصویریں بنانے سے روک دیتا۔۔۔ میں یہ کر لیتا یا وہ کر لیتا۔۔۔ بس کئی سال اسی میں گزار دیئے میں نے۔''

''کس بات پر بابا ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر گئے تھے؟ ممی نے بتایا تھا کبھی آپ کو؟'' وہ اُس کے سوال پر قلبِ مومن کا چہرہ دیکھنے لگے تھے۔

''تم تو تھے اُن کے ساتھ۔۔۔ تم کو یاد نہیں؟'' عبدالعلی نے جواباً اُس سے پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' وہ اُس کا چہرہ دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

''پھر رہنے دو۔۔۔ بعض چیزوں کا علم نہ ہونا بہتر ہوتا ہے۔'' انہوں نے مدھم آواز میں کہا تھا۔ پھر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''دادا۔'' اُس نے جیسے احتجاج کیا۔

''قلبِ مومن بوڑھا ہو گیا ہوں میں۔۔۔ بہت کچھ بھول گیا ہوں۔ بہت کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔'' وہ کمرے سے جاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ قلبِ مومن کو اُن کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اُسے بتانا نہیں چاہتے تھے بھولے نہیں تھے۔ اُسے یقین تھا۔ اُس نے اُس صندوقچی اور اُس میز پر بکھرے اُن معافی ناموں کو دیکھا۔ اُس کے باپ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے معافی نامے۔۔۔ پچھتاوا تھا جو اُن لفظوں سے جھلک رہا تھا۔ وہ حسنِ جہاں سے شادی کرنے پر پچھتایا تھا۔ کاغذ پر لکھے وہ سارے جملے قلبِ

مومن کو جیسے عجیب بھول بھلیوں میں لے گئے تھے۔

☆......☆......☆

''آپ کچھ نہیں بتائیں گے ابا؟ ہمیشہ خاموش ہی رہیں گے حسنِ جہاں کے بارے میں؟'' وہ فون پر سلطان کو کُریدرہی تھی۔

''کیا بتاؤں؟'' سلطان کو پتہ نہیں کیا یاد آیا تھا۔

''حسنِ جہاں کی زندگی کی کہانی۔۔۔اُس کے عروج کی کہانیاں سناتے رہے ہیں۔اُس کے زوال کی داستان بھی سنادیں مجھے۔۔۔ پیار زوال لایا تو کس کا پیار؟ محبوب نے بے وفائی کی تو کیوں۔۔۔وفا کی تو کیسے؟'' مومنہ اُسے کریدرہی تھی۔زندگی میں پہلی بار اُسے حسنِ جہاں کی داستان سننے میں دلچسپی ہوئی تھی۔ذکر تو اُس نے ساری زندگی سنا تھا۔

سلطان نے فون بند کردیا۔وہ جانتا تھا مومنہ دوبارہ کال کرے گی۔اُس نے کال نہیں کی تھی۔ وہ پردہ جو وہ رکھنا چاہتا تھا۔ایک بار پھر پڑارہ گیا تھا۔مگر مومنہ کے سوالوں نے سلطان کو بے کل کردیا تھا۔

اپنے کمرے میں پرانی لکڑی کی الماری سے وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر وہ ڈبہ نکال لایا تھا جسے اس بار کئی سالوں بعد نکالا تھا۔اس نے جہانگیر کی بیماری نے جیسے اُسے سب کچھ بھلا ہی دیا تھا اتنے سالوں میں اوران خطوں کو بھی جو اُس ڈبے میں تھے۔حسنِ جہاں کی ٹوٹی پھوٹی لکھائی میں سلطان کے نام لکھے ہوئے وہ خط جنہیں وہ اتنے سالوں سے سینے سے لگائے بلکہ چھپائے بیٹھا تھا۔

''کیا ہوا تھا ابا حسنِ جہاں کو......؟ کس کے پیار میں تخت چھوڑا تھا اُس نے اپنا؟''

مومنہ کی آواز اُس کے کانوں میں لہرائی تھی۔سلطان کاغذ کھولتے ہوئے عجیب سے انداز میں ہنسا اور بڑبڑایا۔

''تخت نہیں سلطان کو چھوڑا تھا حسنِ جہاں نے۔''

☆......☆......☆

کینوس پر چڑھا کاغذ ہٹاتے ہی وہ لمحہ بھر کے لئے منجمد ہوگئی تھی۔بازو ہوا میں پھیلائے رقصاں یہ اُس کا اپنا وجود تھا۔اُس کے سرخ کلیوں دار فراک کی ایک ایک سلوٹ اُس کینوس پر تھی۔وہ چھوتی تو اُس کا لباس جیسے اُس کے ہاتھ میں آجاتا۔پل بھر کے لئے حسنِ جہاں کو ایسا ہی لگا تھا۔

''کس نے بھیجا ہے یہ؟'' اس نے پلٹ کر سلطان سے کہا تھا۔وہ اس وقت اُسی تھیٹر کے میک اپ روم میں تھے۔دو گھنٹوں بعد اُس کی پرفارمنس تھی۔اور یہاں میک اپ روم میں داخل ہوتے ہی اُس

قدآدم کینوس نے اُس کا استقبال کیا تھا۔

''طٰہٰ عبدالعلی ہے کوئی۔۔۔ڈانسر اور خطاط ہے۔اُس نے بھیجی ہے آپ کے لئے۔'' سلطان نے اُسے بتایا۔

''اس نے مجھے کب دیکھا؟'' وہ ششدر اُس تصویر میں اپنے چہرے کے خدوخال دیکھ رہی تھی۔اپنی گندھی چٹیا کے بال اور اُس میں پرویا سفید موتیا۔گلے میں پڑا وہ تعویذ اور اُس کی سیاہ ڈور۔

''کل دیکھا ہوگا پرفارم کرتے۔'' سلطان کو سمجھ نہیں آئی وہ کس بات پر حیران ہو رہی تھی۔

''ایک رات میں بنا دی اُس نے یہ تصویر؟'' حسنِ جہاں کو یقین نہیں آیا تھا۔

''ایک رات میں تو نہیں بنائی ہوگی۔بن بھی کیسے سکتی ہے۔پہلے سے کام کر رہا ہوگا اس تصویر پر۔'' سلطان نے ہنس کر اُسے ٹالا تھا۔حسنِ جہاں نے اب پلٹ کر سلطان کو دیکھا اور کہا۔

''مگر یہ لباس میری کل رات کی پرفارمنس کا ہے۔یہ کہاں سے دیکھ لیا پہلے اُس نے۔'' سلطان لمحہ بھر کے لئے گنگ ہوا پھر ہنسا۔

''ایک رات میں تو نہیں بن سکتی یہ۔وہ پرفارم کر رہا ہے۔آپ کو invitation بھی بھیجا ہے اُس نے اپنی پرفارمنس دیکھنے کا۔۔۔دیکھ لیں مل لیں پوچھ لیں۔'' اُس آخری مشورہ پر سلطان ساری عمر پچھتایا تھا۔وہ کوئی کام تب تک اُس سے پوچھے بغیر نہیں کرتی تھی۔اُس نے طٰہٰ سے ملنے کا کہا تھا اور طٰہٰ سے ملنے کے بعد وہ جیسے سلطان کے مدار سے نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

طٰہٰ عبدالعلی سٹیج پر رقصاں تھا اور وہ بیک سٹیج کھڑی اُس کا رقص دیکھ رہی تھی۔ترکش موسیقی کی لے پر طٰہٰ عبدالعلی کے رقص کرتے وجود کو حسنِ جہاں پلک جھپکائے بغیر دیکھ رہی تھی۔وہ اُس گھومتے وجود کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی جو اُس لمبی ٹوپی میں چھپا ہوا تھا اور جو اُس کے وجود کی گردش اُس سے چھپائے ہوئے تھی۔اور اُس کے وجود کی اُس سرشار کر دینے والی گردش نے حسنِ جہاں کو عجیب انداز میں بے خود کیا تھا۔بیک سٹیج کھڑے اُس نے اپنے بازو پھیلاتے ہوئے آہستہ آہستہ چکر کاٹنا شروع کر دیا۔سلطان گھبرایا تھا۔

''حسنِ جہاں جی آپ کو کیا ہو رہا ہے؟'' اُس نے اُسے روکنا چاہا تھا۔وہ رُکی نہیں تھی۔سٹیج پر سامنے طحہٰ ناچ رہا تھا بیک سٹیج اُسی حالت میں حسنِ جہاں ناچ رہی تھی۔سلطان نے اُسے کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔وہ نشے میں نہیں تھی مگر تھی۔۔۔پاگل نہیں تھی مگر لگ رہی تھی۔۔۔ایک ہی ردھم ایک

ہی لے پر دو انسانی وجود بالکل ایک ہی رفتار اور بے خودی میں چکر کاٹتے جا رہے تھے۔ سٹیج پر سامنے طٰہٰ عبدالعلی۔۔۔اور وہاں بیک سٹیج پر حسنِ جہاں۔۔۔ پھر میوزک بند ہوا تھا اور سلطان نے حسنِ جہاں کو اُسی طرح چکرا کر گرتے دیکھا۔ وہ گھبرایا اور اُسے سنبھالنے کے لئے بھاگا۔ سٹیج پر اس وقت طٰہٰ audience کے سامنے جھکتے ہوئے اپنی فارمنس پر داد لے رہا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ جس کا عاشق تھا وہ اُس کا محبوب بن گیا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔''

''کیا ہو گیا تھا آپ کو؟''

''آپ بتائیں کیا کر دیا ہے آپ نے مجھے؟'' وہ میک اپ روم میں ہوش میں آنے کے بعد عجیب بے اختیاری اور بے قراری کے عالم میں سلطان کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی اور سلطان عجیب شاک کے عالم میں اُس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس سے بات کر رہی تھی مگر سلطان کو لگ رہا تھا جیسے اُس کی آنکھوں میں کسی اور کا عکس تھا۔ وہ اُس سے نہیں کسی اور سے بات کر رہی تھی۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے حسنِ جہاں جی؟'' سلطان نے اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ وہ گڑبڑائی اُس نے اپنا ہاتھ دیکھا پھر سلطان کا ہاتھ پھر سلطان کا چہرہ پھر جیسے وہ ہوش میں آئی تھی۔

''وہ کہاں ہے؟'' اُس نے سلطان سے پوچھا تھا۔

''وہ کون؟'' سلطان نے عجیب اُلجھ کر اُس سے پوچھا۔ حسنِ جہاں کے جواب نے اُس کے سینے میں ایک خنجر گھونپا تھا۔

''طٰہٰ۔'' یہ نام اُس کے ہونٹوں پر سانپ کی طرح لہرایا تھا سلطان کے لئے۔

''اُس نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا وہ میرا حال پوچھ رہا تھا۔'' وہ عجیب انداز میں اپنا ہاتھ دیکھتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔

''آپ کا ہاتھ میں نے پکڑا تھا میں پوچھ رہا تھا آپ کا حال۔'' سلطان نے بے قرار ہو کر اُس کا ہاتھ جیسے دوبارہ پکڑا۔ حسنِ جہاں نے بے یقینی سے اُس کو دیکھا پھر اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ پھر کاؤچ سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ کی پرفارمنس کا وقت ہو رہا ہے۔'' سلطان نے اُسے یاد دلایا۔ وہ کھڑی اُس تصویر کو دیکھ رہی تھی جس پر وہ رقصاں تھی پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اُس نے اپنا لباس درست کیا اور پھر

یک دم جیسے اُس نے آئینے میں کچھ دیکھا تھا۔

''تمہیں وہ نظر آ رہا ہے؟'' عجیب سرسراتی ہوئی آواز میں اُس نے سلطان سے پوچھا۔ سلطان نے اُس کی نظروں کے تعاقب میں آئینہ دیکھا۔

''کون؟''

''طٰہٰ۔'' ایک اور خنجر گھونپا تھا اُس نے سلطان کے سینے میں ایک اور سانپ لہرایا تھا اُس کے ہونٹوں پر۔

''اس آئینے میں کیسے نظر آئے گا وہ؟ اس آئینے میں تو صرف آپ ہیں۔'' اس نے پریشان ہو کر اُس سے کہا تھا۔ وہ اُسی طرح اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے کیوں نظر آ رہا ہے وہ؟ مجھے کیوں اپنا آپ نظر نہیں آ رہا۔'' وہ اُلجھی کہہ رہی تھی اور سلطان کو لگا اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ابھی تو چکرا کر گری تھی وہ اگر ایسی باتیں کر رہی تھی تو ایسی باتیں بنتی تھیں۔

''آپ آرام کریں۔ ہوٹل چلتے ہیں۔ ڈاکٹر سے چیک اپ کرواتا ہوں۔'' سلطان نے پریشانی سے کہنا شروع کیا۔

اُس نے درمیان میں بات کاٹ دی۔

''کس چیز کا چیک اپ؟'' سلطان اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ میں آپ کی پرفارمنس کینسل کرواتا ہوں۔'' وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا اُس نے ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ میں پرفارم کروں گی۔'' وہ پھر آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

سٹیج پر یہ وہ رقص کرنے والی حسنِ جہاں نہیں تھی جو پچھلی رات یہاں رقص کر کے گئی تھی۔ کتھک ڈانس کا آغاز کرتے ہوئے وہ audience کے سامنے جھکی تھی اور جب وہ سیدھی ہوئی تھی تو اُس audience میں اس نے طٰہٰ کو دیکھا تھا وہ پہلی قطار میں بیٹھا تھا۔ اُس کی نظر اُس سے پچھلی قطار پر گئی۔ وہ وہاں بھی تھا۔ اُس سے پچھلی قطار میں بھی تھا۔ وہ تھا کہاں؟ ہر جگہ کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ رقص شروع کرنا بھول گئی۔ سٹیج کے پیچھے کھڑے سلطان کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونا شروع ہوئیں۔ وہ audience کو دیکھے جا رہی تھی اور audience میں اب چہ مگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ وہ اپنی نشستوں میں پہلو بدلنے لگے

تھے۔اُس نے بالآخر ناچنا شروع کیا تھا۔

سلطان پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھتا رہا۔شاک اور غم کے عالم میں ۔اُس کے رقص میں ردھم نہیں تھا۔وہ کس لے پر رقص کر رہی تھی ۔وہ ہی جانتی تھی لیکن کم از کم وہ وہ طبلہ نہیں تھا۔وہ موسیقی نہیں تھی جو اُس کے لئے بج رہی تھی ۔جنہوں نے پچھلی رات اُس کا رقص دیکھ کر ہوش کھویا تھا وہ بھی ویسے ہی بے یقینی سے اُسے دوبارہ دیکھ رہے تھے ۔وہ اس حسنِ جہاں کو دیکھنے نہیں آئے تھے ۔

پانچ سال سے سلطان اُس کے ساتھ تھا اُسے یاد نہیں پڑتا تھا اُس نے کبھی اس طرح اُسے سٹیج پر رقص بھولتے دیکھا ہو اور وہ اتنا صاف پتہ چل رہا ہو۔

''کیا اُسے پھر طٰہٰ نظر آنے لگا تھا؟'' سلطان نے عجیب بے بسی سے سوچا تھا کیا اُس کی آنکھ جو پھڑکتی رہی تھی ۔وہ ٹھیک پھڑکی تھی ۔حسنِ جہاں کو نظر لگ گئی تھی ۔

☆......☆......☆

''زندگی میں پہلی بار آپ ناچنا ہی بھول گئیں ۔کیوں دیکھا میں نے ایسا دن؟'' اُس کے رقص والے لباس کو تہہ کرتے ہوئے ہوٹل کے کمرے میں سلطان عجیب دل گرفتہ سا کہہ رہا تھا۔وہ اب کپڑے تبدیل کیئے صوفے پر لیٹی ہوئی تھی ۔

''طٰہٰ میرے دماغ سے چمٹ گیا ہے۔میں ناچنا شروع کرتی ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے وہ ناچنا شروع کر دیتا ہے۔۔۔اور وہ ناچنے لگتا ہے تو بس وہ مجھے کہیں لے جاتا ہے۔'' وہ بڑبڑانے لگی تھی ۔سلطان نے اُس کا لباس تہہ کرتے کرتے عجیب تڑپ کر اُس سے کہا۔

''کہاں لے جاتا ہے؟''

''کسی اور دُنیا میں ۔۔۔اس جسم سے باہر۔۔۔وہاں میں پرندے کے ایک پر کی طرح ہوا میں اُڑتی ہوں ۔۔۔وہاں میں ۔۔۔ اور وہ۔۔۔ اور وہ سب رقص کرتے ہیں ۔'' وہ عجیب سی کیفیت میں بات کر رہی تھی ۔

''وہ سب کون؟'' سلطان نے پھر بے چینی سے پوچھا۔

''وہ سب جو وہاں ہیں ۔۔۔طٰہٰ جیسے کپڑوں والے۔۔۔وہاں زمین نہیں ہے۔۔۔آسمان ہے مگر پیروں کے نیچے۔'' وہ گنگ اُسے دیکھ رہا تھا۔

''ایسی باتیں آپ نے کبھی نہیں کیں ۔ایسی باتیں تو۔۔۔'' حسنِ جہاں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

''مجھے طٰہٰ سے ملنا ہے۔'' سلطان انکار کرنا چاہتا تھا اور اُسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اب مر کر بھی طٰہٰ اور اُس کا سامنا نہیں کروائے گا۔ مگر تب ہی ہوٹل کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تھی اور سلطان بے اختیار خوش ہوا تھا حسنِ جہاں کا ذہن بٹ جاتا۔ شاید وہ اُس سے ملاقات کی ضد بھول جاتی۔

سلطان نے دروازہ کھول دیا تھا اور دروازہ کھولنے پر پہلی بار سلطان نے اپنے آپ کو بے بس محسوس کیا تھا۔ یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا یہ قسمت تھی وہ اسے روک نہیں سکتا تھا۔

''مجھے حسنِ جہاں سے ملنا ہے۔'' سامنے کھڑے طٰہٰ نے بے حد شستہ لہجے میں انگلش میں اُس سے کہا تھا۔ سلطان کچھ کہے بغیر دروازے سے ہٹ گیا اور وہ ایک لمحہ کی جھجک کے بغیر اندر چلا گیا تھا۔

وہ صوفے پر نیم دراز تھی طٰہٰ کو دیکھ کر کرنٹ کھا کر اُٹھی تھی اور پھر اُس نے جیسے سلطان کو پکارا تھا۔

''سلطان ۔۔۔ سلطان ۔۔۔ وہ پھر نظر آنے لگا ہے۔ وہ ایسے ہی نظر آتا رہے گا۔'' سلطان آگے بڑھا تھا اور اُس نے حسنِ جہاں سے کہا۔

''طٰہٰ صاحب خود آئے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' وہ جیسے حسنِ جہاں کی اُس کیفیت کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حسنِ جہاں نے اُسے دیکھا پھر طٰہٰ کو پھر وہ عجیب بے قراری کے عالم میں اُس کی طرف گئی تھی۔

''آپ نے مجھے کیا کیا ہے؟'' وہ طٰہٰ کے سامنے کھڑی ہو کر پوچھ رہی تھی اور طٰہٰ نے جواباً اُس سے پوچھا تھا۔

''میں یہ سوال آپ سے کرنے آیا ہوں۔'' طٰہٰ نے جواباً اُس سے کہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اور سلطان ایک بے بس تماشائی کی طرح وہاں کھڑا تھا، جو اُس تماشے سے محظوظ نہ ہونے کے باوجود بھی اُسے دیکھنے پر مجبور تھا۔

''یہ تصویر دیکھ رہی ہیں؟'' طٰہٰ اب کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ زمین پر رکھی اپنی بنائی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''یہ ایک رات میں بنائی ہے میں نے ۔۔۔ پہلی بار آپ کو دیکھنے کے بعد ۔۔۔ پہلی بار کسی عورت کا چہرہ اور جسم Paint کیا ہے میں نے۔'' وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔

''میں نہیں مانتی۔'' حسنِ جہاں نے کہا۔

''دوبارہ بنا دوں؟'' اُس نے جواباً حسنِ جہاں سے کہا تھا۔

''ایک رات میں؟''حسنِ جہاں نے جیسے پوچھا۔

''اُس سے بھی کم۔''وہ اُس کے چہرے پر نظریں گاڑے کہہ رہا تھا۔

''میں سامنے نہیں بیٹھوں گی۔''وہ اُس سے کہہ رہی تھی۔

''پہلے بھی کب بیٹھیں تھیں۔''اُس نے جواباً کہا تھا۔

''لیکن تم سامنے بیٹھ کر بناؤ گے۔''وہ اب اُسے چیلنج کر رہی تھی یوں جیسے اپنے سحر کا توڑ کر رہی ہو۔

''منظور۔''طٰہٰ نے اگلے ہی لمحہ کہا تھا۔ وہ دونوں سلطان کو بھول چکے تھے اور سلطان وہ اُن دونوں کی کائناتِ محبت میں اب ایک ذرہ بھی نہیں رہا تھا۔

☆......☆......☆

طٰہٰ اگلی شام پھر سٹیج پر پرفارم کر رہا تھا اور حسنِ جہاں پھر اُسے دیکھنے پہنچی تھی۔ سٹیج کے پیچھے وہ پھر اُس کو دیکھتے ہوئے اُس کی طرح ناچنے لگی تھی۔ سب کتھک دھرا کا دھرا رہ گیا تھا سب تالیں، سب ٹھمکے، سب کچھ۔۔۔ تال تھی تو بس ایک ہی تال تھی لے تھی تو بس ایک۔۔۔ وہ طٰہٰ عبدالعلی کے رنگ میں رنگتی جا رہی تھی اور سلطان اُسے روکتے روکتے بے حال ہو رہا تھا۔

''آپ اپنی پرفارمنس کی ریہرسل کریں۔۔۔ ایسے ناچتی رہیں گی تو پھر اپنا ناچ بھول جائیں گی۔''سلطان نے اُسے روکا تھا۔

''یہ کیوں نہیں بھولتا مجھے دیکھتے ہوئے اپنا رقص۔''وہ اُس سے پوچھ رہی تھی اور سلطان کو لاجواب کر رہی تھی۔

''مجھ سے ایسے سوال نہ کریں۔''سلطان نے جیسے اُس کے سامنے اپنی بے بسی بیان کی تھی۔

''دیکھو وہ نہیں بھولا نا۔۔۔ وہ جس کے لئے ناچ رہا ہے وہ نہیں بھولا۔۔۔ اور میں۔۔۔''وہ وہاں کھڑے اُسے دیکھتے ہوئے ہنستے ہوئے رو رہی تھی یا روتے ہوئے ہنس رہی تھی۔ سلطان نہیں پہچان پایا۔ لیکن وہ ناچ رہی تھی ویسے ہی گول دائرے میں چکر کاٹتے ہوئے۔ سلطان اُس کا ہاتھ پکڑ کر روکنا چاہتا تھا مگر وہ بگولہ بنی ہوئی تھی اُس کے کیا کسی کے بھی ہاتھ میں نہ آتی۔

☆......☆......☆

وہ اُس رات ایک پارک میں ملے تھے۔ طٰہٰ اپنے ساتھ کینوس اور ایزل لایا تھا اور حسنِ جہاں اپنے ساتھ صرف سلطان۔۔

وہ پارک میں ایزل رکھے کینوس اُس پر ٹکائے واک وے کے لیمپس کی روشنی میں ایک بار پھر اُسے Paint کر رہا تھا اور وہ اُس کے عقب میں پارک کی اوپر جاتی ہوئی سیڑھیوں پر سلطان کے ساتھ بیٹھی اُس کے ہاتھ کی ہر جنبش پر جیسے فدا ہو رہی تھی۔

''کیا فائدہ اس سب کا؟'' سلطان نے جیسے اُس سیلاب کو بند باندھنا چاہا تھا جو حسنِ جہاں کو اُس سے چھین کر کسی دوسرے کا کر رہا تھا۔

''زندگی میں سارے کام فائدے والے کیئے ہیں۔ اب تھوڑا گھاٹا بھی چکھنے دو مجھے۔'' وہ سرشار تھی نفع نقصان سے بے پروا تھی۔۔۔

''کیا کرنا چاہتی ہیں آپ؟'' سلطان نے اُس سے پوچھا۔

''پیار۔'' مدھم آواز میں اُس کی سرگوشی گونجی پھر ہنسی۔ کوئی چھری تھی جس نے سلطان کی شہ رگ کاٹی تھی۔ وہ اُس کے سامنے کسی اور سے ''وہ'' کرنا چاہتی تھی جو وہ اتنے سالوں سے سلطان اُس کے لئے اپنے دل میں چھپائے بیٹھا تھا۔

''وہ مجھے دیکھتا بھی نہیں اور پھر بھی میرے چہرے کے ہر نقش کو کیسے کینوس پر اُتارتا چلا جا رہا ہے۔۔۔ کیسے اُتار سکتا ہے؟'' وہ اُس کے تاثرات سے بے خبر اُس سے کہہ رہی تھی۔ طٰہ کے کینوس پر اُبھرے اپنے وجود کو دیکھتے ہوئے۔

''میں پینٹر ہوتا تو میں بھی کر دیتا۔'' سلطان نے جیسے اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروانے کی کوشش کی۔ حسنِ جہاں نے سُنا ہی نہیں تھا۔

''اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اُس نے پہلی بار کسی عورت کا وجود بنایا ہے۔۔۔ مگر دیکھو اس تصویر میں کوئی خامی نظر آتی ہے تمہیں۔'' وہ طٰہ عبدالعلی کے برش کے سحر میں تھی۔

''چلیں حسنِ جہاں کل پرفارمنس ہے آپ کی۔۔۔ یہاں ساری رات بیٹھیں گی تو کیسے ناچیں گی۔۔۔ کل آخری بار ناچنا ہے آپ کو۔'' سلطان نے جیسے اُسے پھر واپس کھینچنا چاہا تھا۔

''چھوڑ سلطان۔۔۔ میں نہیں ناچنا چاہتی اب۔۔۔ ناچنا چاہتی ہوں تو طٰہ عبدالعلی کی طرح۔'' اُس نے سلطان کا ہاتھ جھٹکا تھا۔ وہ دم بخود ہوا پھر بے چین۔

''آپ حسنِ جہاں ہیں طٰہ عبدالعلی نہیں ہیں۔''

''بننا چاہتی ہوں۔'' اُس نے یاددہانی کروائی تھی اُس نے جھٹک دی تھی۔

''بن کے کیا کریں گی؟'' سلطان اتنی آسانی سے ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔

''میں اس جسم سے تنگ آ گئی ہوں سلطان۔۔۔اس چہرے سے۔۔۔جسے ہر وقت سجانا پڑتا ہے۔۔۔اس وجود سے جو ہر وقت کچھ نہ کچھ مانگتا رہتا ہے۔کپڑے زیور، چیزیں۔۔۔آسائشیں۔۔۔ میں بس یہاں کہیں طٰہٰ عبدالعلی کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔۔۔روح بن کر۔'' وہ اب سلطان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہی تھی اور سلطان گونگا ہو گیا تھا۔

''یہ باتیں۔۔۔یہ لفظ۔۔۔کون ہے یہ جو آپ کے اندر یہ سب کہلوا رہا ہے آپ سے۔'' سلطان لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد یہی کہہ پایا تھا۔

''پتہ نہیں کون ہے۔۔۔تم بتاؤ کون ہے؟'' وہ اضطراب سے بولی تھی۔

''یہ جو میری روح ہے ناوہ سانس لینے لگی ہے۔ پتہ نہیں کیسے۔جی اُٹھی ہے میں نے تو اُسے مار دیا تھا۔۔۔دفن بھی کر دیا تھا۔اب یہ کیسے جینے لگی۔'' وہ بول رہی تھی اور سلطان اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

'وہ رب کا نام پہچانتی ہے۔۔۔باقی کسی کا بھی نہیں۔۔۔تمہیں بھی نہیں جانتی وہ۔۔۔اب اس روح کا کیا کروں میں؟'' سلطان کے پاس سارے لفظ ختم ہو گئے تھے۔طٰہٰ عبدالعلی حسنِ جہاں کی وہی تصویر دوبارہ مکمل کیئے کھڑا تھا۔ایک کے عروج کی رات تھی ایک کے زوال کی۔بس ایک سلطان تھا جو ویسے کا ویسا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا ڈھونڈھ رہی ہیں آپ؟'' وہ دو دن تک غائب رہی تھی ہوٹل سے۔۔۔تیسرے دن آئی تھی تو اپنے سوٹ کیس کھول کھول کر اُن میں سے کپڑے باہر پھینکنا شروع ہوگئی وہ قیمتی جوڑے جو اُس کی رقص کی پرفارمنس کے لئے خاص طور پر بنائے گئے تھے وہ اُنہیں اس طرح پھینک رہی تھی جیسے وہ ردی اخبار ہوں۔

''کیا ڈھونڈ رہی ہیں آپ؟؟؟'' وہ اُس کے اس طرح غائب رہنے پر ناراض ہونے کے باوجود پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''چادر۔'' اُس نے جواباً کہا تھا۔وہ حیران ہوا۔

''کون سی چادر؟''

''کوئی بھی چادر۔''

''چادر تو ہے ہی نہیں سامان میں۔۔۔آپ نے کرنا کیا ہے چادر کو۔'' وہ جھنجھلایا۔

''طٰہٰ نے اپنے بابا سے ملوانا ہے مجھے۔۔۔چادر اوڑھ کر جاؤں گی سادہ۔۔۔وہ بہت بڑے

خطاط ہیں۔۔۔طٰہٰ کہتا ہے وہ نیک اور مومن ہیں مجھے ان زرق برق دوپٹوں میں اُن کے سامنے جاتے شرم آئے گی۔۔۔کوئی چادر دو۔۔۔سفید چادر۔۔۔'' وہ عجیب بے قراری کے عالم میں بولتی ڈھونڈتی جا رہی تھی۔

''آپ حسنِ جہاں ہیں ہوش کریں۔۔۔آدھی دُنیا جانتی ہے مرتی ہے آپ پر اور آپ اُس حسن پر چادر ڈالنا چاہتی ہیں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔'' سلطان غضب ناک ہوا تھا۔

''ہاں اللہ نے دیا ہے مگر دُنیا کے لئے نہیں دیا۔'' اُس نے جواباً کہا تھا۔سلطان نے اس بار کچھ بھی کہنے کی بجائے کمرے کے فون کا ریسیور اُٹھا لیا تھا۔

حسنِ جہاں بے اختیار اُس کی طرف لپکی تھی۔''کس کو فون کر رہے ہو تم؟''

''آپ کی والدہ کو۔۔۔ میں یہ پاگل پن اور نہیں دیکھ سکتا۔'' اُس نے سلطان سے ریسیور چھین لیا۔

''میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے تم اگر اُن کو بتاؤ تو۔'' اُس نے سلطان سے کہا تھا۔

وہ حسنِ جہاں مرنے کی بات کر رہی تھی سلطان کو یقین نہیں آیا۔وہ واقعی پاگل ہوگئی تھی۔

''میں نے اب واپس نہیں جانا سلطان۔ وہ راستہ بہت پیچھے رہ گیا۔۔۔کوئی روکے گا مجھے تو میں زہر کھا لوں گی۔۔۔دیکھو یہ ہیرا ہے میں نے اپنی کمائی سے خریدا تھا۔یہی چاٹ کر مروں گی۔'' وہ اب بستر سے چادر کھینچتے ہوئے اُوڑھ رہی تھی۔۔۔بستر کی سفید چادر کون اوڑھتا ہے۔وہ طٰحہٰ عبدالعلی کے باپ سے ملنے کے لئے حد سے گزر رہی تھی۔

''میں پاکستان جاتا ہوں۔تعویذ لاتا ہوں آپ کے لئے۔نظر لگی ہے کسی کی آپ کو۔۔۔ میں کہتا تھا نا۔۔۔سٹیج پر چڑھنے سے پہلے نظر اُتروائیں اپنی۔'' سلطان جذباتی ہوگیا۔وہ دروازے کی طرف جاتے جاتے اُس چادر کو لپیٹتے ہوئے ہنسی۔

''اُتر وادی سلطان۔۔۔حسنِ جہاں نے اپنی ہر نظر اُتار دی۔اب صرف ایک ہی نظر رہے گی اُس پر۔'' وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔سلطان کمرے کے بیچوں بیچ ہر طرف بکھرے اُن خوش نما چولیوں، گھاگھروں،غراروں،شراروں کے بیچوں بیچ کھڑا تھا یوں جیسے وہ وہ دکاندار تھا۔جس کے کپڑوں کے تھانوں سے بھری ہوئی دکان سے گاہک ہر مال نکلوا کر دیکھ کر بھی ایک روپیہ کی خریداری کئے بغیر اُٹھ کر چلا گیا تھا۔وہ پوری فلم انڈسٹری میں ''حسن جہاں کا سلطان۔'' کہہ کر پکارا جاتا تھا اور وہ اپنے آپ کو اس لقب پر ہی سلطان سمجھتا تھا۔آج پہلی بار حسنِ جہاں کا سلطان ''طٰہٰ کی حسنِ جہاں'' دیکھ رہا تھا اور کیا آگ

تھی جو وہ اُس کے وجود کو لگا گئی تھی۔ وہ واقعی سلطان ہوتا تو جل کر مر جاتا مگر وہ تو غلام تھا جل کر بھی مرتا نہیں تھا۔

☆......☆......☆

وہ اُس دن ہنستی ہوئی گئی تھی روتی ہوئی واپس آئی تھی۔ وہ چادر اُتار پھینکنے کے بعد کھڑی تھی زار زار روتے ہوئے۔

''رو کیوں رہی ہیں۔۔۔؟ کیا ہوا ہے؟'' سلطان گھبرایا تھا۔

''ایسا گمان۔۔۔ اتنا تکبر۔۔۔ میں حسنِ جہاں تھی۔ دُنیا چھوڑ کر گئی تھی اُن کے پاس صرف اس لئے۔۔۔ صرف اس لئے کہ وہ اللہ کی بڑائی بیان کرنے والے تھے۔'' وہ روتے ہوئے کہتی جا رہی تھی۔

''کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟ کس نے کیا کہا آپ سے۔۔۔ اگر طٰہٰ نے کچھ کہا ہے تو میں اُس کو جان سے مار دوں گا۔'' سلطان برہم ہوا تھا۔ حسنِ جہاں کی آنکھ میں آنسو بھی کیوں آئے تھے کسی کی وجہ سے۔ ''نہیں طٰہٰ نے کچھ نہیں کہا۔۔۔ اُس کے باپ نے۔۔۔ اُس کے باپ نے۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر پھر ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

''میں شیطان کا روپ لگتی ہوں اُنہیں جو طٰہٰ کو بہکانے آیا ہے۔۔۔ میں۔۔۔ میں تو اُسی کے عشق میں پاگل ہو کر طٰہٰ کے پیچھے گئی تھی جس کے عشق میں اُن کا خاندان خطاطی کرتا ہے۔۔۔ بس رب عبدالعلی کا ہے؟ حسنِ جہاں کا نہیں ہے؟ ہو ہی نہیں سکتا؟'' وہ سلطان سے پوچھ رہی تھی روئے چلی جا رہی تھی۔

''میں نے آپ کو روکا تھا۔ آپ نے بات نہیں مانی چھوڑ دیں اُسے۔ دفع کریں۔ واپس چلتے ہیں اپنی دُنیا میں۔'' سلطان نے اُس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ حسنِ جہاں نے ہاتھ چھڑایا۔

''واپس تو نہیں جانا اب۔ میں عبدالعلی کو طٰہٰ کی شکل دیکھنے کے لئے ترسا دوں گی سلطان۔۔۔ وہ چھوڑ آیا ہے اُنہیں میرے لئے۔۔۔ اور میں جا رہی ہوں اُس کے ساتھ شادی کرنے۔'' اُس نے سسکیوں کے بیچ میں سلطان پر قیامت توڑی تھی۔

''نہیں حسنِ جہاں جی۔۔۔ سلطان کیا کرے گا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ اُس کا محبوب اُس کو نہیں چھوڑ رہا تھا پھر بھی کسی کا ہو رہا تھا۔

''سلطان تو سلطان ہے۔۔۔ سلطان کو کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ پر حسنِ جہاں کو کچھ ہوا تو سلطان

جان سے جائے گا۔۔۔ہے نا سلطان۔''

وہ اب اُسے بہلا رہی تھی ہاں بہلا ہی رہی تھی۔

''تو بتا دے۔۔۔حسنِ جہاں نہ جائے طٰہٰ کے ساتھ۔۔۔ہو جائے برباد؟''

وہ سلطان سے سوال نہیں کر رہی تھی اجازت مانگ رہی تھی۔سلطان نے اُس کا پکڑا ہوا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

حسنِ جہاں کو کیسے برباد ہونے دیتا وہ۔ترکی میں اُس رات ''سلطان'' کی سلطنت لُٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''تو زبان نہیں کھولے گا؟ تو گونگا ہو کے آیا ہے ترکی سے؟ بول۔۔۔ بتا تا کیوں نہیں۔۔۔ کہاں گئی ہے حسنِ جہاں؟ کمینے تجھے تو حفاظت کے لئے بھیجا تھا تو میرا خزانہ لٹوا آیا۔'' ممتاز بیگم اُس کے چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے غضبناک انداز میں کہہ رہی تھی اور سلطان پٹتا ہی چلا جا رہا تھا۔اس نے بچنے کی کوشش کی تھی نہ ممتاز بیگم کو رُوکنے کی۔

پھٹے ہوئے گریبان کے ساتھ وہ ممتاز بیگم کے سامنے بے جان بُت کی طرح کھڑا تھا۔جب وہ اسے مار مار کر تھک گئی تو سلطان نے کہا۔''یہ کپڑوں کے سوٹ کیس ہیں اُن کے۔۔۔ یہ دینے آیا ہوں۔'' ممتاز بیگم نے سوٹ کیسوں کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

''کیا کروں ان کو۔۔۔آگ لگاؤں، بھاڑ میں جھونکوں؟ بتا کیا کروں؟'' وہ پھر گونگا ہو گیا تھا۔

''تجھے حسنِ جہاں کی قسم سلطان بول بتا کہاں چلی گئی وہ؟'' ممتاز نے یک دم منت بھرے انداز میں اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔سلطان نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا پھر کہا۔

''چلی گئیں۔۔۔شادی کر لی۔'' ممتاز نے سینے پر دوہتڑ مارا۔

''شادی کر لی۔۔۔کس بزنس مین سے کی؟'' بوکھلائے انداز میں اُس نے کہا تھا۔

''وہ خطاطی کرتا ہے اللہ کے ناموں کی۔'' سر جھکائے سلطان نے کہا تھا۔

''ہائے کنگلے سے کر لی۔۔۔کیا لے کر کی؟'' ممتاز کا غم اور بڑھا۔

''رب لے کے۔'' سلطان بڑبڑایا تھا۔

☆......☆......☆

''اتنی دیر سے کیا کھولے بیٹھے ہو سلطان؟'' وہ ثریا تھی جس کے آنے کا اُسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔سلطان نے سر اُٹھا کر خالی آنکھوں سے اُسے دیکھا تھا۔

''یادیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ثریا ساکت ہوئی پھر وہ ہنسی۔

''میں اور تو ایک ہی کام کرتے رہتے ہیں اب۔ بوڑھے ہو گئے ہیں۔''

وہ کہتے ہوئے چپل گھسیٹتی چلی گئی تھی۔ سلطان وہ سارے خط اُسی طرح گود میں لئے بیٹھا رہا۔ اُسے آج یاد آیا تھا وہ سب کسی کی امانت تھے اُسے اُس تک پہنچانا تھا۔اُس نے حُسنِ جہاں کے بیٹے کا نام دہرایا۔

''قلبِ مومن۔''

☆......☆......☆

اپنے کمرے میں آ کر بھی اُس رات قلبِ مومن سو نہیں سکا تھا۔سٹڈی ٹیبل پر اُن خطوں کو ڈھیر کئے وہ ایک ایک کو کھول کر اپنے باپ کا درد ''پڑھ'' رہا تھا۔ وہ لفظوں میں نہیں آنسوؤں سے لکھا ہوا تھا۔ کاغذ پر نہیں تھا اُس لمس میں تھا جسے اُن خطوں کو ہاتھ میں پکڑے وہ محسوس کر رہا تھا۔طہٰ عبدالعلی کے ہاتھ کا لمس۔اُس کے ہاتھ کی وہ گرمی جو کبھی اُس کے وجود کا حصہ رہی تھی اور جسے کھونے کے بعد قلبِ مومن نے کبھی باپ یا باپ جیسے کسی رشتہ کو دوبارہ کھوجنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ طہٰ عبدالعلی اپنا وجود جیسے اُس کے ذہن پر نقش کر گیا تھا۔

اُس کمرے کی خاموشی میں بیٹھے قلبِ مومن نے جیسے اُس رات اُس راز کو بالآخر کھوج لیا تھا جو سوالوں کی شکل میں اُس کے ساتھ چلتا آیا تھا۔اُس کی ماں سے وہ کیا غلطی ہوئی تھی جسے طہٰ عبدالعلی معاف نہیں کر سکا تھا۔

''تم تو پاس تھے تب اُن کے۔۔۔تم نہیں جانتے کیا غلطی ہوئی تھی۔'' دادا نے اُس سے پوچھا تھا یا شاید اُسے یاد دلایا تھا۔وہ اُس شخص کے بارے میں بتا دیتا تو وہ بھی بتا دیتے۔

قلبِ مومن نے اُس شخص کے بارے میں نہیں بتایا تو دادا بھی اُس شخص کے بارے میں بات نہیں کر سکے تھے جو اُس کی ماں اور باپ کے درمیان جُدائی کا باعث بنا تھا۔

اُس کے ذہن کے کینوس پر وہ سارے لوگ پھر لکیروں سے وجود میں آنے لگے تھے۔ وہ زندگی جو اس نے ترکی میں بھاگتے دوڑتے گزاری تھی۔ وہ گھر جہاں وہ طہٰ اور حسنِ جہاں کے ساتھ رہتا تھا۔ اُس کے ماں باپ کا تعلق۔۔۔اُن کا رشتہ۔۔۔اور پھر وہ دن جب سب کچھ ختم ہوا تھا۔ وہ جیسے ٹیلی پیتھی کرتے ہوئے اپنے بچپن کے اُن دنوں میں پہنچا تھا۔

☆......☆......☆

اُس کینوس کے سامنے اُس کا باپ روز بیٹھتا تھا اور پھر بیٹھا ہی رہتا تھا۔کبھی کبھی ساری ساری رات۔اور قلبِ مومن اپنے بستر پر لیٹا تب تک اُسے دیکھتا رہتا تھا جب تک اُسے نیند نہیں آجاتی تھی۔ ایک ہاتھ میں برش، ایک ہاتھ میں کلر پلیٹ اور سامنے خالی کینوس اور اُس کینوس کے بالکل اوپر لٹکا ہوا ایک لمبی تار والا ہیٹ نما شیڈ کے نیچے لگا ہوا ایک پیلا بلب قلبِ مومن کو سمجھ نہیں آئی تھی اُس کا باپ کینوس پر کچھ paint کیوں نہیں کرتا۔وہ ساری ساری رات صرف کینوس دیکھتے کیوں گزار دیتا تھا۔اُس کینوس پر وہ کیا دیکھتا رہتا تھا اور پھر وہ کینوس چھوڑ کر اپنے گھٹنے پر کاغذ رکھ کر اُس پر کیا لکھنے بیٹھ جاتا تھا۔وہ ایک خطاط اور مصور کی بے بسی تھی اُس کا Creative Block تھا جو اُس چھوٹے سے بچے کو کیسے سمجھ آسکتا تھا۔جو جب کاغذ اور کینوس پکڑتا تھا اپنی مرضی کی لکیروں، شکلوں، رنگوں اور لفظوں سے بھر دیتا تھا۔

''بابا۔۔۔آپ کیا paint کر رہے ہیں؟'' اُس رات بھی قلبِ مومن نیند سے جاگا تھا اور اُس نے باپ کو اُسی حالت میں بیٹھے دیکھا تھا اور اُس نے جیسے باپ کی مدد کرنا چاہی تھی۔

طٰہٰ اُس کی آواز پر یک دم جیسے چونکا اور اُس نے گردن موڑ کر قلبِ مومن کو دیکھا۔وہ بستر میں سوئی ہوئی حسنِ جہاں کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا اور اُسے دیکھ رہا تھا۔

''میں ۔۔۔میں اللہ کا نام ۔۔۔'' طٰہٰ نے اٹکتے ہوئے گردن موڑ کر واپس کینوس کو دیکھتے ہوئے کہا۔قلبِ مومن نے کینوس دیکھا اُسے کچھ نظر نہیں آیا۔عجیب سے تجسس میں وہ بستر سے نکل کر طٰہٰ کے پاس آکر کھڑا ہوا اور کینوس دیکھنے لگا۔

''یہ تو خالی ہے۔'' اُس نے اُلجھ کر جیسے باپ سے کہا۔

''ہاں لکھا نہیں جا رہا۔'' طٰہٰ نے بھرآئی ہوئی آواز میں اُس سے کہا۔کچھ کہے بغیر قلبِ مومن نے اُس سے برش پکڑا پلیٹ سے رنگ لگایا اور خالی کینوس پر اللہ کا نام لکھنے لگا۔

''یہ تو بہت آسان ہے۔'' اُس نے لکھتے ہوئے جیسے باپ سے کہا۔

''دیکھیں میں نے الف لکھ لیا ہے۔'' اُس نے بڑے فخریہ انداز میں جیسے باپ سے کہا۔

''میں الف بھی نہیں لکھ پا رہا۔۔۔تم لکھ سکتے ہو۔۔۔میں لکھ نہیں سکتا۔'' طٰہٰ نے عجیب رنجیدگی سے اُس سے کہا تھا۔قلبِ مومن نے برش باپ کے ہاتھ میں پکڑا کر کہا۔

''میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر لکھتا ہوں۔۔۔لکھا جائے گا۔'' اُس نے جیسے باپ کو تسلی دی تھی۔ بالکل اُسی انداز میں جس طرح حسنِ جہاں اور طٰہٰ اُسے لکھنا سکھاتے ہوئے تسلی دیتے تھے۔

''میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں قلبِ مومن۔'' طٰہٰ نے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بے بسی

سے اُس سے کہا تھا۔قلبِ مومن نے پریشان ہوکر باپ کے ہاتھوں کو دیکھا تھا۔پھر وہ اُس کی کلائیوں کو ٹٹولتے ہوئے بولا۔

''میں کھول دوں؟''

''تم نہیں کھول سکتے۔'' وہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔قلبِ مومن کے دل کو کچھ ہوا۔وہ بھی بے اختیار رونے لگا۔طٰہٰ یک دم روتے ہوئے اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔کسی نے قلبِ مومن کو گود میں اُٹھا کر سینے سے لگایا تھا۔وہ حسنِ جہاں تھی۔جو یقیناً اُن دونوں کے رونے کی آواز پر اُٹھی تھی۔

''بابا۔۔۔بابا۔۔۔کیوں رو رہے ہیں۔'' اُس نے ماں کی گود میں ہچکیوں کے درمیان پوچھا تھا۔

''اُن کی طبیعت خراب ہے۔''اُس کی ماں نے اُسے تھپکتے ہوئے کہا۔

''اُن کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔آپ اُن کے ہاتھ کھول دیں اُن کو درد ہورہا ہے ممی۔'' اُس نے اسی طرح روتے ہوئے جیسے ماں کو باپ کا مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''میں نہیں کھول سکتی مومن۔''حسنِ جہاں کے جواب نے اسے حیران کیا تھا۔

''کس نے باندھے ہیں اُن کے ہاتھ؟''قلبِ مومن نے پوچھا تھا۔

''اللہ۔۔۔نے۔۔۔''

''کیوں؟'' وہ حسنِ جہاں کے جواب پر حیران ہوا۔

''اللہ کی مرضی۔۔۔''قلبِ مومن نے حسنِ جہاں کی آنکھوں میں نمی دیکھی تھی۔

''آپ کیوں رو رہی ہیں؟'' وہ اور بے قرار ہوا۔

''جب تم بڑے ہوجاؤ گے نا تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم کیوں روتے ہیں۔'' اُس نے قلبِ مومن کو بستر پر لٹاتے ہوئے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے بھرآئی ہوئی آواز میں کہا تھا۔اُسے لٹا کر وہ باہر گئی تھی۔قلبِ مومن باہر سے آنے والی آوازیں بھی سُن پا رہا تھا۔

''کیوں کرتے ہو اس طرح طٰہٰ۔۔۔مومن پریشان ہوتا ہے۔'' اُس کی ماں اُس کے باپ سے کہہ رہی تھی۔

''یہ سب میرے بس میں نہیں ہے۔۔۔تم یہ سب نہیں سمجھ سکتی۔۔۔تم میری جگہ پر نہیں ہو۔'' اُس کے باپ نے کہا تھا۔

''میں سمجھ سکتی ہوں۔۔۔ میں بھی تو سب کچھ چھوڑ کر آئی ہوں۔''حسنِ جہاں نے کہا تھا۔

''جو تم چھوڑ کر آئی ہو۔۔۔ وہ دُنیا ہے۔۔۔ جو میں چھوڑ بیٹھا ہوں۔۔۔ وہ اللہ ہے۔۔۔ غلطی کر بیٹھا۔'' قلبِ مومن نے اپنے باپ کو کہتے سُنا پھر باہر اپنی ماں کی خاموشی سنی...... بہت لمبے وقفے کے بعد اُس نے حسنِ جہاں کو کہتے سنا۔

''کس چیز کو غلطی کہہ رہے ہو طٰہ۔۔۔ میرے انتخاب کو؟''

''میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تم جاؤ۔'' نیند میں جاتے ہوئے وہ آخری دو جملے تھے جو قلبِ مومن نے سُنے تھے اور اُسے کسی بات کا سمجھ نہیں آئی تھی۔

☆......☆......☆

اُس رات کے بعد اگلے بہت سارے دن قلبِ مومن سکول سے گھر آنے کے بعد جیسے اپنے باپ سے چپکا رہتا تھا۔ یوں جیسے وہ اُس کی حفاظت کر رہا تھا یا جیسے اُسے یہ یقین دلا رہا تھا کہ وہ اُس سے ہمدردی رکھتا تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوبارہ اس طرح رو پڑتا۔

طٰہ گھر کے باہر برآمدے میں کھڑا ہو کر روز ڈاکیے کے آنے کا انتظار کیا کرتا تھا اور قلبِ مومن طٰہ کے پاس کھڑا اپنے باپ کے اس انتظار کو جیسے ایک عینی شاہد کی طرح دیکھتا تھا۔

''میرا کوئی خط آیا؟'' طٰہ تقریباً ہر روز ڈاکیے سے پوچھتا تھا اور وہ انکار کر کے آگے بڑھ جاتا تھا۔ قلبِ مومن کو حیرانی ہوتی تھی۔ ڈاکیہ اُس کی ماں کے نام کوئی خط نہیں لاتا تھا پھر بھی وہ حسنِ جہاں کے پاس اکثر پاکستان سے آنے والے خط دیکھتا تھا جو وہ اُس وقت کھولتی اور پڑھتی تھی جب طٰہ گھر پر نہیں ہوتا تھا اور خط پڑھتے ہوئے اُس کی ماں کا چہرہ اور آنکھیں چمکتی تھیں۔ پھر وہ ہمیشہ خط کا جواب لکھنے بیٹھتی اور قلبِ مومن کے ساتھ ڈاکخانے جا کر وہاں پاکستان خط بھیجتی۔

اُس دن بھی طٰہ کے ساتھ برآمدے میں ڈاکیے کا انتظار کرتے ہوئے اور پھر اُس کا انکار میں جواب سنتے ہوئے قلبِ مومن کو وہ سارے خط یاد آئے جو اُس کی ممی کے پاس تھے۔

''بابا ممی کے پاس بہت سارے لیٹرز ہیں۔۔۔ آپ وہ لے لیں۔'' طٰہٰ اُس کے اس جملے پر چونکا تھا۔

''ممی کے پاس لیٹرز کہاں سے آئے ہیں؟'' اُس نے قلبِ مومن سے پوچھا تھا۔

''پاکستان سے۔'' اُس نے بے حد سادگی سے باپ کو بتایا۔ اُس کے باپ نے اُس کا پکڑا ہوا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہ بہت تیزی سے اندر کمرے میں چلا گیا تھا۔ قلبِ مومن حیرانی کے عالم میں اُس کے

پیچھے گیا تھا۔

''وہ تمہیں خط کیوں لکھتا ہے؟''اُس نے اندر جاتے ہوئے اپنے باپ کو دھاڑتے سُنا تھا۔

''تم سے کس نے کہا وہ لکھتا ہے؟'' اُس نے حسنِ جہاں کو کہتے سُنا۔قلبِ مومن اُلجھ کر دروازے میں رُکا تھا۔

''تم مجھ سے چیزیں چھپاتی ہو۔''طٰہٰ حسنِ جہاں کے بالمقابل کھڑا اُس سے کہہ رہا تھا۔

''طٰہٰ تمہیں غلط فہمی۔۔۔''حسنِ جہاں نے کچھ کہنے کی کوشش کی اور طٰہٰ دھاڑا۔''

میں نے تم سے کہا تھا اُس سے رابطہ ختم کرنے کو اور تم۔۔۔''قلبِ مومن سہم گیا اور اندر نہیں گیا۔

''تم مجھ پر شک کر رہے ہو۔''حسنِ جہاں نے اُس سے کہا۔

''شک۔۔۔''طٰہٰ عجیب غضبناک انداز میں کمرے کی الماری کھول کر اُس میں سے سامان نکال نکال کر پھینکنے لگا۔حسنِ جہاں چند لمحوں کے لئے ساکت ہوئی پھر وہ اس کے پیچھے لپکی۔

''طٰہٰ۔۔۔ طٰہٰ۔۔۔ مت کرو۔۔۔ یہ سب۔۔۔ کچھ نہیں ہے اس میں۔'' اُس نے اُسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر تب تک طٰہٰ الماری سے خطوں کا ایک ڈھیر نکال چکا تھا۔اُس نے پلٹ کر حسنِ جہاں کی طرف وہ پلندہ بڑھایا۔حسنِ جہاں شکست خوردہ انداز میں کھڑی ہوگئی۔

''تم۔۔۔ تم مجھے چھوڑنا چاہتی ہو؟''پھاڑتے ہوئے طٰہٰ نے حسنِ جہاں سے کہا۔

''میں۔۔۔ میں کیسے تمہیں چھوڑ سکتی ہو طٰہٰ۔۔۔ پیار کرتی ہوں میں تم سے۔''حسنِ جہاں خط اُس سے چھینتے ہوئے رونے لگی تھی۔

''پیار کرتی ہو اور دھوکہ دے رہی ہو مجھے۔''طٰہٰ اُس پر چلایا تھا۔

''میں نے اپنا آپ تباہ کر ڈالا تمہارے لئے حسنِ جہاں۔۔۔ طٰہٰ عبدالعلی بن تراب سے گلی کا کُتا بن گیا اور تم۔۔۔ تم مجھے دھوکہ دے رہی ہو۔۔۔ کس کی جان لوں۔۔۔ اپنی یا اُس کی؟'' وہ چلاتے ہوئے حسنِ جہاں کے سامنے آ کر کھڑا ہوا تھا۔حسنِ جہاں نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا پھر کہا۔

''میری۔۔۔ مجھے مار دو۔۔۔ یہ سب میں نے شروع کیا تھا نا۔۔۔ مجھ پر ہی ختم ہونا چاہیے۔''

''تم سے پہلے اپنے آپ کو ماروں گا میں۔۔۔ یہ ہاتھ اللہ کا نام لکھنے کے قابل نہیں رہے یہ، تمہاری جان لینے کے قابل بھی نہیں ہیں۔'' طٰہٰ نے ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد اُس سے کہا تھا اور کمرے میں پڑا اپنا کینوس گراتا ہوا باہر نکل گیا۔دروازے میں کھڑے قلبِ مومن نے باہر جاتے ہوئے

باپ کو دیکھا۔ پھر کمرے کے اندر روتی ہوئی ماں کو۔۔۔آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ کمرے میں بکھرے خطوں کے درمیان کھڑی حسنِ جہاں کے پاس آ گیا۔

''ممی۔۔۔ممی۔'' اُس نے حسنِ جہاں کو پکارا تھا۔اُس نے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ سر جھکا کر اُسے دیکھا۔

''بابا کو ان خطوں کا تم نے بتایا تھا قلبِ مومن؟'' اس سوال پر قلبِ مومن ساکت ہو گیا تھا۔ کچھ کہے بغیر مجرمانہ انداز میں اُس نے سر ہلاتے ہوئے جھکا دیا۔اُسے پتہ ہوتا ان خطوں کے بارے میں بتانا اُس گھر میں اتنا بڑا جھگڑا کروادے گا تو وہ بابا کو کبھی اُن کے بارے میں نہ بتاتا۔

حسنِ جہاں اُس کے جھکے ہوئے ندامت بھرے چہرے کو دیکھتی رہی پھر اُس نے کچھ کہے بغیر آگے بڑھ کر نیچے فرش پر بیٹھتے ہوئے اُسے خود سے لپٹا لیا تھا۔قلبِ مومن کو عجیب سی تسلی ہوئی۔اُس کے گلے سے لگے لگے اُس نے حسنِ جہاں کے بالوں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔

''ممی آپ بالوں میں پھول کیوں نہیں لگاتیں۔۔۔جیسے پہلے لگاتی تھیں؟'' قلبِ مومن کو اپنی ماں کے بالوں میں لگائے جانے والے سفید پھول یاد آئے تھے۔اُس کی ماں اُسے گلے لگائے خاموش رہی تھی۔قلبِ مومن اُس خاموشی کو کھوج نہیں پایا تھا۔

☆......☆......☆

وہ سفید پھولوں کی تلاش میں پہلی بار اپنے گھر کی پچھلی سائیڈ پر موجود اُس جنگل میں جا گھسا تھا جہاں بہار کے موسم میں جگہ جگہ جنگلی بوٹیوں کے پھول ہر طرف کھلے ہوئے تھے مگر اُسے بڑے پھولوں کی تلاش تھی۔۔۔سفید گلابوں کی جو اُس کا باپ ہمیشہ لا کر اُس کی ماں کے بالوں میں لگایا کرتا تھا اور اب قلبِ مومن جیسے اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے اُن پھولوں کو ڈھونڈنے نکلا تھا جب اُس نے اچانک حسنِ جہاں کو اپنے آپ کو پکارتے سنا۔وہ تب سفید گلاب ڈھونڈنے میں ناکام رہنے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے سفید پھول چُن رہا تھا جو جگہ جگہ اُگے ہوئے تھے۔

اُس کی ماں عجیب بے قراری کے عالم میں اُسے آوازیں لگا رہی تھی۔

''مومن۔۔۔مومن۔۔۔'' جنگل کا سناٹا اُن آوازوں سے گونج رہا تھا۔وہ اکثر طٰہٰ اور حسنِ جہاں کے ساتھ اس جنگل میں آتا تھا۔

''ممی میں یہاں ہوں۔'' قلبِ مومن جواباً بلند آواز میں پکارا تھا۔

''تم نے میری جان نکال دی۔۔۔کیوں نکلے ہو گھر سے؟ کیوں آئے ہو یہاں؟ کب سے

ڈھونڈ رہی ہوں میں۔'' وہ قلبِ مومن کی آواز پر لپکتی ہوئی اُس کے پاس پہنچی تھی۔قلبِ مومن نے اپنی جیبوں سے پھول نکالتے ہوئے اُسے دکھاتے ہوئے کہا۔

''میں یہ لینے آیا تھا۔''

''کیوں؟''حسنِ جہاں نے خفگی سے کہا۔

''آپ کے بالوں میں لگانے کے لئے۔''قلبِ مومن نے پاس آتے ہوئے کہا۔وہ اُس کے جملے پر جیسے ساکت ہوگئی تھی۔نرم پڑتے ہوئے اُس نے قلبِ مومن کا بازو پکڑا اور کہا۔

''تم آئندہ کبھی اس طرح اکیلے کہیں نہیں جاؤ گے۔اور ایسی جگہ پر تو بالکل بھی نہیں جہاں کوئی نہ ہو۔''وہ کہہ رہی تھی۔

''یہاں پر کوئی نہیں ہے؟''قلبِ مومن نے ماں کے ساتھ چلتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

''نہیں دیکھو۔۔۔نظر آرہا ہے کوئی؟''حسنِ جہاں نے کہا۔

''اللہ بھی نہیں۔''مومن نے پوچھا۔وہ لاجواب ہوئی۔

''اللہ تو ہے۔''پھر بے اختیار ہنسی۔

''کہاں سے لاتے ہو تم ایسے سوال قلبِ مومن؟ باپ خطاط۔۔۔ ماں اداکارہ۔۔۔ اور تم۔۔۔''قلبِ مومن نے جھٹ سے کہا۔

''اور میں قلبِ مومن۔''

''نہیں، میری جان۔''حسنِ جہاں نے اُسے پیار سے گود میں اُٹھاتے ہوئے کہا تھا۔ساتھ چلتے ہوئے قلبِ مومن وہ سفید پھول ماں کے بالوں میں لگاتا اور اٹکاتا گیا۔ماں خوش تھی اور قلبِ مومن بھی۔

☆......☆......☆

اُسے اپنے باپ اور ماں کے تعلق کی سمجھ نہیں آتی تھی۔وہ خفا ہوتے تھے خفا رہتے نہیں تھے۔لڑتے تھے مگر بغیر منائے مان جاتے تھے۔طٰہٰ گھر آکر سب سے پہلے حسنِ جہاں کو ڈھونڈتا تھا۔ناراض ہوتے ہوئے بھی۔وہ گھر آتا حسنِ جہاں کو دیکھتا پھر قلبِ مومن کو اُٹھالیتا اور جب تک وہ حسنِ جہاں کو گھر میں نہ دیکھ لیتا جیسے وہ قلبِ مومن کی بات بھی سُن نہیں پا رہا ہوتا تھا۔اور حسنِ جہاں اُس کے انتظار میں روز دروازے پر کھڑی ہوتی تب بھی جب وہ اُس سے ناراض ہوتی اور جب وہ اُسے دور سے سڑک پر آتا دیکھ لیتی تو مومن کو وہیں چھوڑے دروازہ کھلا چھوڑ کر خود اندر چلی جاتی۔اُس کے ماں باپ کے درمیان

ناراضگی ہے یا نہیں قلبِ مومن کو ماں کے دروازے پر اُس کے ساتھ کھڑے ہوئے یا اُسے اکیلا چھوڑ کر اندر چلے جانے سے پتہ چلتا تھا۔

وہ اُس جھگڑے کے بعد بھی تین دن بعد پھر ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔ طٰہٰ بہت مایوس اپنا بیگ لئے واپس آیا تھا اور حسنِ جہاں کے پاس باورچی خانے میں جا کر اُس نے کہا تھا۔

''انہوں نے نہیں خریدا۔'' چاول کھاتے ہوئے قلبِ مومن نے ماں باپ کے چہرے دیکھے جہاں مایوسی تھی۔

''انہوں نے کہا میرا کام ''عام'' ہے یہ پہلے جیسا نہیں ہے۔تم دیکھ کر بتاؤ کیا یہ ''عام'' ہے کیا یہ پہلے جیسا نہیں ہے۔'' وہ اُسی میز پر اپنی رول کی ہوئی خطاطی کھول کھول کر دکھا رہا تھا جہاں قلبِ مومن بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

''یہ بہت اچھی ہے۔۔۔وہ لوگ غلط کہتے ہیں۔''حسنِ جہاں نے طٰہٰ سے کہا تھا جو کئی مہینوں بعد بنائے جانے والی اُن چند خطاطی کے نمونوں پر نظریں ٹکائے بیٹھا تھا جنہیں وہ بازار میں بیچنے گیا تھا۔

''نہیں وہ ٹھیک کہتے ہیں اس میں کمی ہے۔'' اُس نے حسنِ جہاں کا جملہ جیسے سُنا ہی نہیں تھا۔ اپنی خطاطی دیکھتے ہوئے وہ جیسے خود ہی بڑبڑا رہا تھا۔

''کیا کمی ہے؟''حسنِ جہاں نے چیلنج کرنے والے انداز میں اُس سے پوچھا۔

''یہ دل کو نہیں چھوتی۔ پر اس ایک کمی کو میں دور نہیں کر سکتا۔'' وہ عجیب بے چارگی سے بولا تھا۔ چاول کھاتے ہوئے قلبِ مومن کو باپ پر ترس آیا۔

''سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''حسنِ جہاں نے طٰہٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جیسے اُسے تسلی دی تھی۔

''کب ٹھیک ہوگا۔۔۔تم روز یہی کہتی ہو۔'' وہ اُس پر برس پڑا تھا۔

''تو کیا تم سے یہ کہوں کہ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا؟''حسنِ جہاں نے جواباً اُس سے کہا۔

''کسی اور گیلری لے کر جاؤں گا۔۔۔سستا بیچ دوں گا۔۔۔بس بک جائے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اُن ساری تصویروں کو یونہی میز پر چھوڑ کر باہر نکل گیا۔حسنِ جہاں اور قلبِ مومن کی نظریں ملیں پھر حسنِ جہاں نے نظریں چُراتے ہوئے اُن خطاطی کے نمونوں کو بڑی احتیاط سے لپیٹنا شروع کر دیا۔

چاولوں کی پلیٹ خالی کرتے ہوئے قلبِ مومن اُٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا تھا جہاں ایک کرسی پر طٰہٰ چپ چاپ بیٹھا تھا۔

''بابا کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''قلبِ مومن نے پاس آکر اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔۔۔''

''کیا آپ ممی سے ناراض ہیں؟''قلبِ مومن نے بے قراری سے کہا۔

''نہیں تمہاری ممی بہت اچھی ہیں قلبِ مومن۔'' طٰہٰ نے مدھم آواز میں اُس سے کہا۔ یوں جیسے وہ چاہتا ہو اُس کی آواز حسنِ جہاں تک نہ جائے۔

''لیکن مجھے آپ زیادہ اچھے لگتے ہیں۔''قلبِ مومن نے اسی سرگوشی والے انداز میں باپ سے کہا یوں جیسے وہ بھی یہ نہ چاہتا ہوں کہ اُس کا جملہ حسنِ جہاں سنے۔ وہ مسکرایا اور قلبِ مومن کو گود میں اُٹھاتے ہوئے باہر لے گیا۔

''اس آسمان پر تمہیں سب سے خوبصورت اور روشن کیا چیز نظر آرہی ہے؟'' اُسے باہر عقبی باغیچے میں لے جاتے ہوئے اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا جہاں چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔

''چاند۔''قلبِ مومن نے بے اختیار کہا۔

''تمہاری ممی آسمان پر چمکنے والا چاند ہیں۔۔۔۔ یہ ساری روشنی جو تمہاری اور میری زندگی میں ہے۔ یہ اُن کی وجہ سے ہے۔'' طٰہٰ مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔قلبِ مومن نے اُس اعتراف محبت پر غور نہیں کیا تھا۔

''اور آپ کون ہیں؟'' اُسے یہ جاننے کی بے قراری تھی۔

''میں۔۔۔؟ میں رات کا کالا آسمان۔'' طٰہٰ نے عجیب مایوسی سے کہا تھا۔

''اور میں؟''قلبِ مومن نے پوچھا۔

''تم۔۔۔تم۔۔۔وہ والا ستارہ۔'' اُسے اٹھائے اُٹھائے طٰہٰ نے اُسے آسمان کے ایک کونے میں ایک چھوٹا ستارہ دکھاتے ہوئے کہا۔

''وہ تو بہت چھوٹا ہے۔''قلبِ مومن کو مایوسی ہوئی۔

''تم بھی تو بہت چھوٹے ہو۔'' طٰہٰ نے اُسے تسلی دی۔

''میں تو گم ہوجاؤں گا۔''قلبِ مومن کو تسلی نہیں ہوئی۔

''تم چاند کے سب سے پاس ہو تمہاری ممی تمہیں گمنے نہیں دیں گی۔'' طٰہٰ نے اُسے تھپکتے ہوئے کہا۔

''اور آپ کو؟'' قلبِ مومن کو پھر باپ کی فکر ہوئی۔

''میں گم ہو چکا۔'' طٰہ نے اُسے دیکھا پھر عجیب سے لہجے میں کہا۔

''میں آپ کو ڈھونڈ لوں گا۔'' قلبِ مومن نے باپ کی گردن کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اُسے زور سے بھینچا۔

''اندر آجاؤ تم دونوں یہاں آسمان میں کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ دونوں حسنِ جہاں کی آواز پر چونکے تھے۔

''ممی بابا آپ کو چاند کہہ رہے ہیں۔'' قلبِ مومن نے وہیں کھڑے کھڑے بلند آواز میں اُسے اطلاع دی۔ حسنِ جہاں اور طٰہ کی نظریں ملیں پھر اُن دونوں نے نظریں چرائیں۔

''آپ کو سب سے پیارا کہہ رہے ہیں اور مجھے چھوٹا ستارہ۔'' وہ بولتا جارہا تھا۔ طٰہ نے اُسے گود سے نیچے اُتار دیا۔

''یہ بہت باتیں کرتا ہے۔'' وہ جیسے نادم تھا۔

''اور اپنے آپ کو کیا کہہ رہے تھے تمہارے بابا؟'' اُس کے جانے کے بعد حسنِ جہاں نے بے حد تجسس سے قلبِ مومن سے پوچھا تھا۔

''رات کا کالا آسمان۔'' حسنِ جہاں کا چہرہ سیاہ پڑا تھا۔ قلبِ مومن کو سمجھ ہی نہیں ماں کو کیا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''ممی کیا میں بہت غریب ہوں۔'' حسنِ جہاں سویٹر بنتے ہوئے اُس کے جملے پر جیسے کرنٹ کھا کر چونکی تھی۔ وہ اُس کے پاس بیٹھا ہوم ورک کر رہا تھا۔

''نہیں تو۔۔۔کس نے کہا تم سے؟'' اُس نے جیسے تڑپ کر پوچھا تھا۔

''سب بچے کہتے ہیں کہ میں غریب ہوں اور بابا بھی اور یہ بھی کہ بابا سب سے پیسے مانگتے ہیں۔'' اُس نے اُداسی سے ماں کو بتایا تھا۔

''جھوٹ بولتے ہیں۔'' حسنِ جہاں نے بے حد غصے سے کہا تھا۔

''وہ کہتے ہیں میرے بابا کچھ بھی نہیں کرتے۔'' مومن اُلجھا ہوا تھا۔

''مومن تمہارے بابا سب سے امیر ہیں۔'' حسنِ جہاں نے اُس سے کہا۔ مومن نے عجیب سی خوشی سے ماں کو دیکھا۔

''اُن کے پاس پیسے ہیں؟''

''پیسوں سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے۔۔۔آؤ دکھاتی ہوں تمہیں۔''حسنِ جہاں اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے دوسرے کمرے میں لے گئی تھی۔ایک صندوق کھول کر اُس نے اخبار یں نکالنا شروع کیں جن میں طٰہٰ عبدالعلی کے کام پر فیچر اور خطاطی کے نمونوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔

''یہ دیکھو تمہارے بابا اللہ کا نام لکھتے ہیں اس لئے سب سے امیر ہیں۔۔۔دیکھو اخباروں میں تصویریں چھپی ہیں اُن کی۔''وہ بڑے فخریہ انداز میں قلبِ مومن کو وہ اخبار دکھا رہی تھی۔

''جو اللہ کا نام لکھتا ہے وہ سب سے امیر ہوتا ہے؟''قلبِ مومن نے بڑے تجسس سے سوال کیا تھا۔

''ہاں۔''حسنِ جہاں نے کہا۔

''کیوں؟''قلبِ مومن نے کُریدا۔

''کیونکہ اللہ اُس سے پیار کرتا ہے۔''

''اللہ بابا سے پیار کرتا ہے؟''مومن نے اور کُریدا۔

''ہاں۔''حسنِ جہاں نے کہا۔

''اور مجھ سے؟ اور آپ سے؟''مومن کو جیسے تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

''تمہارے بابا سے سب سے زیادہ پھر اُس کے بعد ہم سے۔''حسنِ جہاں نے کہا۔

''پھر اللہ بابا کو پیسے کیوں نہیں دیتا۔۔۔؟ مجھے toys لینے ہیں بہت سارے۔۔۔اور سائیکل اور چاکلیٹس۔۔۔''قلبِ مومن یک دم اُن اخباروں کو پرے کرتے ہوئے بولا تھا۔اس سے پہلے کہ حسنِ جہاں اور وہ کچھ اور بات کرتے اُن کے عقب میں آہٹ ہوئی تھی۔دونوں نے بیک وقت پیچھے دیکھا تھا۔وہاں طٰہٰ کھڑا تھا جواب جا رہا تھا۔حسنِ جہاں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مومن کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا یوں جیسے وہ نہیں چاہتی تھی وہ گفتگو اور سوالوں کا سلسلہ وہیں سے جوڑتا۔وہ خود سب کچھ وہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

''میں قلبِ مومن کو اس طرح چیزوں کے لئے ترستا نہیں دیکھ سکتا۔''قلبِ مومن اُٹھ کر ماں کے پیچھے آیا تھا اور اُس نے ماں اور باپ کو میز پر بیٹھے باتیں کرتے دیکھا تھا۔

''میں نے اپنے باپ کا دل دُکھایا ہے۔یہ ساری سزا اُسی کی ہے۔جب تک وہ ناراض ہیں میرے ہاتھوں کو اللہ معاف نہیں کرے گا۔''طٰہٰ عجیب بے قراری سے کہہ رہا تھا۔''ہم چلے جاتے ہیں اُن

کے پاس مومن کو لے کر۔‘‘حسنِ جہاں نے اُس سے کہا تھا۔

’’اتنے سالوں سے خط لکھ رہا ہوں اُنہیں معافی مانگ رہا ہوں۔۔۔اُن کا دل پگھلنا ہوتا تو پگھل جاتا اب تک۔۔۔ بابا نے بُھلا دیا ہے مجھے اور اللہ نے بھی۔۔۔اتنے سالوں میں کبھی وہ حال ہوا ہی نہیں میرا جو پہلے ہوتا تھا۔ میں اللہ کا نام لکھنے بیٹھتا تھا تو یوں لگتا تھا وہ سامنے آ بیٹھا ہو خود لکھوا رہا ہو اپنا نام میرے ہاتھوں سے۔۔۔لیکن اب۔۔۔‘‘ طٰہٰ رو پڑا تھا۔’’میرے دل میں آج بھی وہ ہے اُس کے دل میں اب میں نہیں رہا۔۔۔توبہ میں نے ناک رگڑ رگڑ کر کی۔۔۔معافی میں نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر مانگی۔۔۔ اللہ ایسے تو کبھی خفا نہیں ہوا مجھ سے کہ میرے ہاتھ سے ہُنر چھین لیتا۔۔۔رزق چھین لیتا۔۔۔دل کا سکون چھین لیتا۔‘‘ وہ روتا چلا جا رہا تھا۔قلبِ مومن کی آنکھوں میں بھی آنسو آنے لگے۔ وہ دوسرا موقع تھا کہ وہ اس طرح باپ کو روتا دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

’’آپ کیا کر رہی ہیں؟‘‘قلبِ مومن نے کچھ حیران ہو کر حسنِ جہاں کو دیکھا تھا۔ وہ اُس دن بے حد خوش تھی اور اب یک دم دیواروں پر لگی اپنی تصویریں اُتارنے لگی تھی۔

’’میں یہ تصویریں اُتار رہی ہوں۔‘‘حسنِ جہاں نے اُس سے کہا تھا۔

’’میں بھی اُتاروں؟‘‘قلبِ مومن نے فوراً کہا۔

’’نہیں۔۔۔اچھا دیکھو مومن۔۔۔آج پاکستان سے ایک انکل آ رہے ہیں۔‘‘ وہ تصویریں اُتارتے اُتارتے یک دم اُس سے کہنے لگی تھی۔

’’تو تم نے بابا کو نہیں بتانا اُن کے بارے میں۔‘‘اُس نے مومن کو ہدایت دی تھی۔

’’وہی والے انکل جن کو آپ نے PCO سے فون کیا تھا۔‘‘قلبِ مومن کو یک دم وہ کال یاد آئی جو حسنِ جہاں نے اُسے ساتھ لئے بازار جا کر کچھ ہفتے پہلے کی تھی اور فون پر کسی کو تر کی آنے کے لئے کہا تھا۔

حسنِ جہاں نے حیرانی سے اُسے دیکھا پھر ہنسی۔’’تمہیں سب کچھ یاد کیوں رہتا ہے قلبِ مومن۔‘‘ وہ فخریہ انداز میں مسکرایا۔تب ہی بیرونی دروازے پر بیل ہوئی تھی۔حسنِ جہاں تصویریں اُتارتے ہوئے لپک کر دروازے تک گئی تھی مومن بھی اُس کے پیچھے گیا تھا۔دروازے پر اُس نے سلطان کو دیکھا تھا۔ وہ پہلی بار تھا کہ مومن نے سلطان کو دیکھا تھا اور دوسری بار تب جب وہ پاکستان واپس گئے تھے۔اُس نے حسنِ جہاں کو جیسے خوشی سے بے قرار ہو کر سلطان سے لپٹتے دیکھا۔قلبِ مومن کو بُرا لگا۔

''تم بالکل نہیں بدلے سلطان۔''حسنِ جہاں نے سلطان سے کہا تھا۔

''آپ بدل گئی ہیں۔''اُس نے جواباً کہا تھا۔

''زندگی بدل گئی ہے۔''اُس نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے مومن سے کہا۔

''تم باہر جا کر کھیلو۔ میں تھوڑی دیر میں بلاتی ہوں۔''اُس نے یک دم قلبِ مومن سے کہتے ہوئے اُسے گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کیا تھا اور قلبِ مومن نے بے یقینی سے اُس بند دروازے کو دیکھا تھا۔اُسے اُس''انکل'' سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی جن کی وجہ سے پہلی بار اُس کی ماں نے اُسے گھر سے نکالا تھا۔بے حد خفگی اور ناراضگی کے عالم میں وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا رہنے کی بجائے باہر سڑک پر نکل گیا تھا۔اُسے کچھ اندازہ نہیں تھا وہ کب تک چلتا رہا تھا اور کہاں تھا جب یک دم اسے طٰہ کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ بہت سارے شاپرز پکڑے سڑک کے کنارے ایک بس سٹاپ پر بس سے اُترا تھا اور قلبِ مومن کو گھروں کے سامنے پڑی واک دے پر چلتے ہوئے اُس نے دیکھ لیا تھا۔

''تم کہاں پھر رہے ہو؟''مومن لپکتا ہوا باپ کی طرف گیا اور اُس نے اُسے اٹھالیا۔مومن کو محسوس ہوا باپ بے حد خوش تھا۔

''دیکھو تمہارے لئے کیا کچھ لایا ہوں ۔ مجھے کام مل گیا۔ممی پریشان ہو رہی ہوں گی گھر پر تمہارے لئے۔''اُسے اُٹھا کر چلتے ہوئے طٰہ نے اُس سے کہا تھا۔''ممی پریشان نہیں ہیں۔ وہ انکل کے ساتھ ہیں۔''مومن نے جواباً کہا تھا۔

''کون سے انکل کے ساتھ؟''طٰہ حیران ہوا۔''وہ پاکستان سے آئے ہیں۔''

اُس نے ماں کی تمام ہدایات کو بھلاتے ہوئے باپ تک وہ اطلاع پہنچائی۔ باپ نے دوبارہ اُس سے کوئی سوال کیا تھا نہ اُس کی کسی بات کا جواب دیا تھا۔وہ بس تیز قدموں سے اُسے اُٹھاتے ہوئے چلتا رہا تھا۔جب وہ گھر کے سامنے پہنچ گئے تو اُس نے سارے شاپرز برآمدے میں رکھتے ہوئے مومن کو وہاں بٹھا دیا۔

''تم یہیں بیٹھو۔''اُس نے دروازے کی بیل بجاتے ہوئے مومن سے کہا تھا۔دروازہ کھلنے پر اُس کا باپ اندر چلا گیا تھا اور مومن بے اشتیاق کے عالم میں اُن لفافوں کو کھول کھول کر اُن کے اندر دیکھنے لگا تھا۔اُن لفافوں میں بہت ساری چیزیں تھیں۔اُس کے لئے ممی کے لئے۔۔۔قلبِ مومن خوشی سے بے حال ہو رہا تھا۔گھر کے اندر کیا ہو رہا تھا اُسے اس وقت اس کی پرواہ نہیں تھی۔وہ بس ایک لفافے میں پڑے چاکلیٹس میں سے چاکلیٹس نکال کر کھانے لگا تھا۔

بہت دیر بعد اُس نے دروازہ کھلتے اور اپنے باپ کو اندر سے نکلتے دیکھا۔ وہ سیدھا سیڑھیاں اُتر کر اُس کے پاس رُکے بغیر سڑک پر چلا گیا۔

''بابا۔۔۔ بابا۔۔۔'' مومن نے اُسے آوازیں دیں۔ طٰہٰ نے ایک بار پلٹ کر دیکھا اور اپنے ہاتھ سے ہونٹوں کو چھو کر اُس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ جیسے اُس کی طرف ہوائی بوسہ اُچھال رہا تھا اور اُس کے بعد وہ پلٹ کر تیز قدموں سے چلنے لگا تھا۔ قلبِ مومن نے اُس کے بعد طٰہٰ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

سو وہ سلطان تھا۔۔۔ وہ شخص جس کی وجہ سے اُس کے باپ نے اُس کی ماں کو چھوڑا تھا۔ اُس دن اُس گھر میں اُس کے باپ پر کیا گزری ہوگی اُس کی ماں کو ایک دوسرے مرد کے ساتھ دیکھ کر اور اُس مرد کے ساتھ جس سے وہ نفرت کرتا تھا۔۔۔ یہ سب اُس ننھے قلبِ مومن کو کبھی سمجھ نہیں آیا تھا۔ یہ سب اُسے اب سمجھ آ سکتا تھا۔ مگر وہ کوشش کرتا رہا تھا کہ وہ حسنِ جہاں کو ویسی عورت نہ سمجھے جیسی اُس کے باپ نے سمجھ کر چھوڑی تھی۔ وہ اُس کی ماں تھی وہ اُسے معاف کر سکتا تھا کرنا چاہتا تھا۔

سٹڈی ٹیبل پر بیٹھے اُس نے جگسا پزل کا آخری ٹکڑا اُس کی جگہ پر رکھنے سے بھی پہلے اُس کا راز جان لیا تھا۔ جیسی محبت طٰہٰ عبدالعلی کو حسنِ جہاں سے تھی ویسی محبت حسنِ جہاں کو شاید سلطان سے تھی۔ کیا یہ اُس کی غلطی تھی یا گناہ۔۔۔؟ اُس کمرے کے اندر کیا دیکھا تھا طٰہٰ نے جو وہ برداشت نہیں کر سکا تھا یہ مومن سوچنا تک نہیں چاہتا تھا۔۔۔ وہ بس اُس بند دروازے تک ہی سوچتا تھا اور سوچنا چاہتا تھا۔

''مومن۔۔۔ تم سو جاؤ۔۔۔'' دادا کی آواز پر وہ سٹڈی ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے پلٹا تھا۔ وہ بوڑھا داستان گو اُس کی نیندیں اُڑانے کے بعد بھی اُسے ایک بار پھر سُلانے آیا تھا۔

عبدالعلی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''ممی کی شادی آپ نے کروائی تھی نا دوبارہ؟ کس سے کروائی تھی دادا؟''

قلبِ مومن کا سوال سوال نہیں تھا۔ قلبِ مومن کی طرف سے اعتراف تھا کہ وہ اُس سے زیادہ جانتا تھا جتنا عبدالعلی کا اندازہ تھا۔

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 8

قسط نمبر:08

میرے پیارے سلطان!

اتنے مہینوں بعد میرا خط دیکھ کر تم حیران ہو گئے نا؟ میں جانتی تھی۔ تم کو لگا ہو گا میں تمہیں بھول گئی دیکھ لو نہیں بھولی...... ہاں دُنیا کو بھلا دیا میں نے۔ اُس دنیا کو جو میرے حسن اور جسم کا طواف کرتی تھی۔ میں مشرک تھی......موحد ہو گئی! جانتی ہوں یہ باتیں تمہیں سمجھ کہاں آتی ہوں گی پھر بھی لکھ رہی ہوں۔ تم ہی سے تو سب کچھ کہا کرتی تھی میں۔ تمہارے علاوہ کسی سے ہر راز کہہ دینے کا حوصلہ پیدا نہیں ہوا حسنِ جہاں میں۔ کوئی تمہاری طرح میرے رازوں کے لئے کنواں بننے کی ہمت بھی تو نہیں رکھتا تھا۔

اپنی خوشی کا عالم تمہیں کیسے بتاؤں؟ میں اور طٰہٰ بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک کمرے کے گھر میں...... ہاں میں جانتی ہوں تم ہنسو گے مگر مجھے پرواہ نہیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں تم کہو گے ''محل سے جھونپڑی میں آ گئیں آپ حسنِ جہاں جی اور پھر بھی کہہ رہی ہیں کہ خوش ہیں؟'' پر شاید تم کو یہ نہیں بتا پائی تھی میں کبھی کہ محل میں جو سوئیاں چبھتی تھیں شہزادی کو......وہ یہاں اس جھونپڑی میں نہیں چبھتیں۔

اس گھر کو اپنے ہاتھوں سے سجایا ہے میں نے۔ اس کا ایک ایک کونہ ایک ایک دیوار۔ سارا دن یہی کرتی رہتی ہوں یہاں۔ پیچھے گھر کے صحن میں سبزیاں اُگاتی ہوں اور آگے باغیچے میں پھول۔ آج کل بہار آئی ہوئی ہے ہمارے گھر کے ہر کونے میں......اور زندگی میں بھی۔

میں اُمید سے ہوں۔ طٰہٰ کہتا ہے بیٹا ہو گا ہمارے گھر میں اور اُس کا نام قلبِ مومن رکھنا ہے۔ طٰہٰ جو بھی کہتا ہے وہ سچ ثابت ہو جاتا ہے۔ مجھے ایسا اندھا یقین ہے اُس پر۔ پیار بھی اندھا تھا۔ اعتبار بھی۔ اللہ قائم رکھے۔

لیکن پتہ نہیں طٰہٰ نے خطاطی کیوں چھوڑ دی۔ جب سے ہماری شادی ہوئی ہے اُس نے میری تصویروں کے علاوہ کچھ نہیں بنایا۔ جب جب خطاطی کرنے بیٹھتا ہے وہ بیٹھا ہی رہتا ہے۔ پریشان ہوتا ہے لیکن مجھ سے کچھ نہیں کہتا۔ میں ہر روز نماز پڑھ کر اُس کے لئے دعا کرتی ہوں کہ وہ دوبارہ سے خطاطی کرنے لگے۔ وہ کہتا ہے وہ قلبِ مومن کو بھی خطاط ہی بنائے گا اور اُسے اپنے باپ کے پاس بھیج دے گا۔ میں قلبِ مومن کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ وہ میری اولاد ہو گی میں اُسے اپنی آنکھوں سے دور کیسے کروں

گی اور وہ بھی عبدالعلی کے پاس بھیج کر جنھوں نے آج تک طٰہٰ اور مجھ سے کبھی رابطے کی کوشش تک نہیں کی۔کوئی اپنی اکلوتی اولاد کو اس طرح کیسے بھول سکتا ہے جیسے انہوں نے بھلا دیا؟ اور طٰہٰ......کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جب وہ اُن کا ذکر نہ کرتا ہو۔اُس نے اُن کی باتیں کر کر کے میرے دل سے اُن کے لئے غصہ اور نفرت بھی ختم کر دی ہے۔ورنہ میں پتہ نہیں کیا کیا سوچے بیٹھی تھی اُن سے بدلہ لینے کے لئے۔''دُنیا'' میں رہتی تھی تو ''دُنیا'' جیسی تھی طٰہٰ کے ساتھ رہنے لگی ہوں تو پتہ نہیں کیسی ہوگئی ہوں۔اُس کی دُنیا اور ہی دُنیا ہے اُس کی باتیں اور ہی باتیں ہیں۔طٰہٰ میری زندگی میں نہ آتا تو یہ سب کہاں کھوجنے بیٹھتی میں...... رب کے بارے میں کہاں سوچتی اور اب جب سوچنے بیٹھی ہوں تو فرصت ہی فرصت ہے۔لگتا ہے دُنیا کا ہر کام ختم ہو گیا ہے۔میرا دل چاہتا ہے قلبِ مومن، مومن بنے......اپنے دادا کی طرح۔لیکن پھر سوچتی ہو ں جو مومن ہوتا ہے کیا وہ بھی معاف نہیں کرتا......مومن ہو کے بھی؟

تم کو اگلا خط جلد لکھوں گی۔میرا پتہ کسی کو نہ دینا۔میں جانتی ہوں۔میں نہ بھی کہتی تو بھی تم کسی کو نہ دیتے۔

تمہاری حسنِ جہاں

☆......☆......☆

عبدالعلی اُس کا چہرہ دیکھتے رہے پھر انہوں نے مدھم آواز میں مومن سے کہا۔''اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے مومن...... وقت گزر گیا سب کچھ بہت پیچھے رہ گیا۔اب اگر تم جان بھی لو تو بھی کیا کروگے؟'' اُس لمحہ مومن کو احساس ہوا وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔اُسے یہ جان کر اب کیا کرنا تھا۔

''تم ملنا چاہتے ہو اُس سے؟'' انہوں نے یک دم مومن سے پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' اُس نے بے اختیار سوچے سمجھے بغیر کہا۔اُسے اب اُس شخص سے مل کر کرنا بھی کیا تھا۔

''تو پھر جاننے کی جستجو نہ کرو۔'' وہ کہتے ہوئے اُس کے کمرے سے چلے گئے۔مومن سٹڈی ٹیبل پر بیٹھا میز پر بکھرے اُن کاغذوں کو دیکھتا رہا جن پر وہ اُس فلم کی کہانی لکھ رہا تھا جو وہ بنانا چاہتا تھا۔ سب کچھ بکھرا ہوا تھا۔کردار، کہانی، situations......سب کچھ اُس کی اپنی زندگی کی طرح۔سب کچھ سامنے تھا اور سرا پھر بھی غائب تھا۔ایک عجیب سی تھکن نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا اور اُس نے میز پر اپنا ماتھا ٹکا دیا تھا اور تب ہی اُسے اپنا بچپن یاد آیا تھا۔وہ تب بھی یہی کیا کرتا تھا۔جب بہت تھک جاتا تو کاغذ قلم میز پر رکھ کر ماتھا لگا کر آنکھیں بند کر لیتا۔یہ جیسے زندگی کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا اظہار ہوتا تھا۔

زندگی آج بھی ویسی ہی تھی اکھڑ خودسر اپنی من مانی کرنے والی، وہ آج بھی ویسا ہی تھا کمزور، بے بس، نڈھال۔

اُس کے ذہن کی اسکرین پر کچھ اور منظر جھماکوں کی شکل میں نمودار ہونے لگے تھے۔ لاشعور جیسے اُس رات کے سامنے سب کچھ ہی لا کر رکھ دینے پر تُلا ہوا تھا۔

وہ چودہ پندرہ سال کا تھا جب اُس نے حسنِ جہاں کو دادا کے گھر پر دیکھا تھا۔ وہ اُس سے کئی سال بعد ملنے آئی تھی اپنے شوہر کے ساتھ نہیں تھی۔ وہ وہاں اکیلی آئی تھی اور قلبِ مومن کو سمجھ نہیں آئی اُسے کیا ہوا تھا۔ وہ بس اپنے کمرے کو اندر سے بند کئیے ہوئے چلاتا اور کمرے میں موجود چیزیں توڑتا رہا تھا۔

''انہیں کہیں یہ جائیں یہاں سے اور دوبارہ کبھی نہ آئیں...... میں نہیں ملنا چاہتا ان سے۔'' وہ اندر کمرے سے چیخ چیخ کر بولتا رہا تھا۔اور دروازے کے باہر کھڑے دادا کی منت سماجت کے باوجود اُس نے نہ اُن کے لئے دروازہ کھولا تھا نہ حسنِ جہاں کے لئے۔

''میں نفرت کرتا ہوں ان سے۔ میں بہت خوش ہوں ان کے بغیر۔ ان سے کہیں یہ جائیں اپنے شوہر کے ساتھ رہیں۔ عیش کریں۔ میرے بابا کو تو مار دیا انہوں نے اب کیا مجھے بھی مارنا چاہتی ہیں یہ؟'' اُس کے دل میں جو بھی آیا تھا۔ وہ اپنے بند کمرے میں چیزوں کو پھینکتے توڑتے ہوئے بلند آواز میں چلا چلا کر کہتا چلا گیا تھا۔ باہر سے اُسے عبدالعلی کی وضاحتیں اور منتیں سنائی دیتی رہیں تھیں مگر حسنِ جہاں کی نہیں۔ اُس کی خاموشی قلبِ مومن کو جیسے پاگل کر رہی تھی۔ وہ ماں سے کچھ سننا چاہتا تھا۔ کچھ بھی۔ ندامت ، پچھتاوا، افسوس......اور اُس سے محبت کا اظہار مگر وہاں اُسے کچھ بھی نہیں ملا تھا۔

''ان سے کہیں جائیں اور پھر کبھی مجھ سے ملنے نہ آئیں۔'' اُسے اپنے اس جملے کی گنتی بھی یاد نہیں تھی کہ اُس نے کتنی بار یہ دُہرایا تھا اور ہر بار عبدالعلی اُسے جواب میں کچھ نہ کچھ کہتے لیکن پھر ایک بار اُسے اس جملے کے جواب میں باہر سے کچھ سنائی نہیں دیا تھا۔ اُس نے رُک کر جیسے خاموشی میں باہر اُبھرنے والی آوازوں کو سننا چاہا تھا۔ باہر کوئی آواز نہیں تھی ۔سوائے بیرونی دروازہ کھلنے کے اور دو لوگوں کے باہر جانے کی۔ عجیب طیش کے عالم میں قلبِ مومن اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا اور اُس نے بڑے کمرے کی میز پر ایک بہت خوبصورت گفٹ ریپر میں لپٹا ہوا ایک گفٹ باکس دیکھا تھا۔ بے حد غضبناک اُس نے اُس گفٹ باکس کو اُٹھایا تھا اور لپکتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف گیا۔ گھر کے باہر کھڑی ایک ٹیکسی کے پاس عبدالعلی اور حسنِ جہاں کو اُس نے کھڑے دیکھا تھا۔ جنہوں نے گھر کا دروازہ کھلنے پر

بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا تھا۔مومن نے دروازہ کھولتے ہی برآمدے میں نکل کر وہ گفٹ باکس پوری قوت سے باہر سڑک پر ٹیکسی کے پاس اُچھال دیا تھا اور پھر حسنِ جہاں اور دادا سے کچھ کہے بغیر وہ اندر آ گیا تھا۔اپنے کمرے میں آکر بھی اُسے جیسے سکون نہیں ملا تھا۔اُس نے کمرے کی کھڑکی سے باہر اُس سڑک کو دیکھنے کی کوشش کی تھی جہاں وہ ٹیکسی اور ٹیکسی کے پاس وہ تھے۔

حسنِ جہاں اب ٹیکسی میں بیٹھ رہی تھی اور وہ رو رہی تھی۔عبدالعلی اس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ قلبِ مومن کو حسنِ جہاں کے آنسوؤں نے جیسے عجیب سا سکون دیا تھا۔یوں جیسے جو وہ کرنا چاہتا تھا وہ کر پایا تھا۔اُسے ماں کو رُلانا تھا تکلیف پہنچانی تھی اور وہ ان دونوں کاموں میں کامیاب ہوا تھا۔

ٹیکسی میں بیٹھ کر حسنِ جہاں نے کھڑکی سے اُسی کے کمرے کی کھڑکی کو دیکھا تھا۔چند لمحوں کے لئے دونوں کی نظریں ملی تھیں۔قلبِ مومن نے کھڑکی سے ہٹنا چاہا تھا۔وہ ہٹ نہیں سکا تھا۔ٹیکسی چل رہی تھی اور حسنِ جہاں اُس پر نظریں جمائے ہوئے تھی اور قلبِ مومن وہ پہلے آگ سے برف پھر برف سے پانی ہوا تھا......

وہ آخری بار تھا جب اُس نے حسنِ جہاں کو اُس نے اور حسنِ جہاں نے اُسے دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

نیویارک سے کراچی آتے ہوئے استنبول میں چھ گھنٹے کے سٹاپ اوور کے دوران مومنہ سلطان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا وہ استنبول سے کراچی کا بقیہ سفر کس کے ساتھ طے کرنے والی تھی۔ وہ بزنس کلاس میں سفر کر رہی تھی اور جہاز میں کراچی کے لئے دوبارہ سوار ہوتے ہوئے اُس کی سیٹ کھڑکی کے ساتھ تھی۔اُس کے برابر کی سیٹ بہت دیر تک خالی تھی اور پھر بالآخر جو مسافر اُس سیٹ پر بیٹھنے کے لئے آیا تھا۔وہ اور مومنہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔وہ قلبِ مومن تھا جو استنبول سے واپس پاکستان جانے کے لئے اُس connecting فلائٹ میں سوار ہوا تھا جس میں مومنہ سفر کر رہی تھی۔ایک لمحہ میں دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا تھا اور پھر بیک وقت ایک دوسرے سے نظریں چرائی تھیں۔

حیرت کے اُس ابتدائی جھٹکے کے بعد جس کا شکار دونوں ہوئے تھے دونوں بیک وقت ہی سنبھلے تھے۔مومنہ نے اُس سیٹ پر پڑی ہوئی اپنی کچھ چیزیں اُٹھالی تھیں جنہیں وہ قلبِ مومن کے آنے سے پہلے وہاں رکھے ہوئے تھی اور مومن بھی بڑی خاموشی سے کیبن سٹیورڈ کی رہنمائی میں اپنا سامان کیبن میں رکھنے کے بعد خاموشی سے اُس کے برابر بیٹھ کر اپنی سیٹ بیلٹ باندھنے لگا تھا۔بزنس کلاس کی کچھ سیٹس

خالی تھیں اور قلبِ مومن کو یقین تھا فلائٹ ٹیک آف کرنے کے بعد مومنہ ضرور اپنی سیٹ تبدیل کرنے کی کوشش کرے گی اور کچھ ایسا ہی خیال مومنہ کو بھی آیا تھا۔ اُسے توقع تھی وہ اُس کے ساتھ بیٹھنا نہیں چاہے گا۔

فلائٹ کے ٹیک آف کے بعد دونوں کو ہی حیرت کا دوسرا جھٹکا تب لگا تھا جب اُن دونوں کی توقعات کے برعکس کسی نے بھی سیٹ بدلنے کے لئے سٹیورڈ سے نہیں کہا تھا۔ مومنہ کی فلائٹ لمبی تھی اور وہ تھکی ہوئی تھی۔ کچھ بھی کئے بغیر وہ کمبل لے کر سوگئی تھی۔ قلبِ مومن کے ذہن میں وہ آڈیشن کسی فلم کی طرح دوبارہ چلنے لگا تھا۔ اس بار مومنہ کے سارے جملوں پر اُس کے دل میں کوئی خفگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ شاید وہ پرانی بات ہوگئی تھی یا پھر مومنہ سلطان کا سٹیٹس بدل چکا تھا۔ یا پھر شاید قلبِ مومن بدلنے لگا تھا۔

اُس طویل فلائٹ کے دوران اُن دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی اس کے باوجود کہ اُن دونوں کے ذہنوں پر مسلسل دوسرا ہی سوار تھا۔ مومنہ کو فلم کا وہ آڈیشن ہی یاد نہیں آیا تھا جہانگیر بھی یاد آیا تھا۔ وہ توقعات اور اُمیدیں بھی جو وہ جہانگیر کے علاج کے لئے قلبِ مومن کی فلم سے لگا کر گئی تھی اور اُن سب کا ٹوٹنا بھی۔ وہ فلم وقت پر مل جاتی تو...... وہ اُس تو کے بعد آگے کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ آگے بس درد اور غم کا وہ سمندر تھا جس میں وہ اتنے بہت سارے مہینوں میں ڈوب ڈوب کر اُبھری تھی اور اب دوبارہ ڈوبنا نہیں چاہتی تھی۔

اُس کے ساتھ بیٹھے قلبِ مومن پچھلے کچھ مہینوں میں مومنہ سلطان کی ساری ''فتوحات'' دو منٹوں میں اپنی انگلیوں کی پوروں پر گنوا سکتا تھا۔ مومنہ سلطان کے کیریئر کے بارے میں ہر خبر کو وہ کھوجتا رہا تھا۔ اُس کی پہلی فلم میں اُس کے رول سے لے کر Broadway پر ہونے والے اُس کے play اور اُس کی اگلی دو فلموں کی signing کے بارے میں بھی قلبِ مومن نہ چاہتے ہوئے بھی اُس چیونٹی کے ہاتھی بننے کا سفر دیکھتا رہا تھا۔ اور اس کی وجہ وہ نہیں جانتا تھا۔ اُس کے برعکس مومنہ سلطان کو قلبِ مومن کے بارے میں اب کچھ پتہ نہیں تھا نہ اُس کی اُس کمرشل مووی کے بارے میں جس کے لئے وہ آڈیشن دینے گئی تھی نہ اُس دوسری فلم کے بارے میں جس کی اناؤنسمنٹ کے بعد پورا میڈیا قلبِ مومن کا مذاق اڑانے میں مصروف تھا۔ وہ امریکہ میں صرف اپنے کام اور اپنی زندگی کے بارے میں محور ہی تھی۔ پاکستانی انٹرٹینمنٹ انڈسٹری وقتی طور پر اُس کے کینوس سے غائب ہوگئی تھی اور اُس سے منسلک سب لوگ بھی۔ اقصیٰ اور داؤد کے ساتھ بھی اُس کی بات چیت امریکہ میں ہونے کی وجہ سے کچھ محدود ہوگئی تھی اور اب یک دم جب قلبِ مومن اُس کے برابر آبیٹھا تھا تو مومنہ سلطان اپنے اُس خول سے یک دم جیسے باہر آگئی

تھی۔جس میں وہ پچھلے کئی مہینوں سے قید تھی۔اُس کا ظرف چھوٹا ہوتا تو وہ اُسے فخر یہ کہتی کہ دیکھو آج میں تمہارے برابر بیٹھی ہوں اور میں نے تمہیں غلط ثابت کر دیا۔تم کہتے تھے میں فلم کی ایکٹریس نہیں ہوں تم کہتے تھے میں اپنا جسم دکھائے بغیر کسی فلم میں کام نہیں کر سکتی......دیکھو میں نے تمہیں جھوٹا کر دیا۔اُس کی جگہ بیٹھی کوئی اور لڑکی ہوتی تو قلبِ مومن سے یہ سب کہنے کا موقع کبھی ضائع نہ کرتی۔مگر وہ مومنہ سلطان تھی......سب کچھ پی جانے والی......غم وذلت سب۔

سفر میں چند بار مومن کو اُس سے بات کرنے کا خیال آیا اور جتنی بار آیا اُس نے اُسے جھٹک دیا۔وہ مومنہ سلطان کے سامنے چھوٹا پڑ جاتا اُس سے بات کا آغاز کر کے اور بات کرتا بھی تو کیا کرتا۔ اُسے مبارکباد دیتا اُس کی کامیابیوں پر؟ یا معذرت کرتا کہ اُس نے اُس کے ٹیلنٹ کو غلط جانچا؟ یہ دونوں جملے کہنے کے لئے قلبِ مومن کے پاس نہ ظرف تھا نہ جرأت اور اُسی کے پاس بیٹھے قلبِ مومن پر یہ خوفناک انکشاف بھی ہوا تھا کہ وہ مومنہ سلطان کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو رہا تھا اور یہ قلبِ مومن کی زندگی میں پہلی بار ہو رہا تھا۔احساس کمتری وہ بھی ایک لڑکی کے سامنے اور وہ بھی وہ ایکٹریس جو اُس کے پاس کام مانگنے آئی تھی۔قلبِ مومن نے جیسے خود ہی اس احساس سے نکلنے کے لئے جدوجہد کی۔وہ احساس وہیں کا وہیں تھا۔کسی بھوت کی طرح اُس کے سامنے ناچتے ہوئے۔

اور جہاز کا پائلٹ اب کراچی ائیر پورٹ پر جہاز کی لینڈنگ کا اعلان کر رہا تھا۔سفر کٹ گیا تھا اور اُن میں سے کوئی بھی دوبارہ ایک دوسرے کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

شکور نے دروازہ کھلنے پر قلبِ مومن کو دیکھتے ہی چیخ ماری تھی اور مومن اُس کی چیخ پر جیسے لمحہ بھر کے لئے ہکا بکا ہو گیا پھر وہ جھلاتے ہوئے اندر جاتے ہوئے بولا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' اپنا بیگ کھینچتے ہوئے اُس نے شکور کو دروازے کے سامنے سے ہٹا دیا تھا۔

''آپ نے اپنے آنے کا بتایا ہی نہیں۔'' شکور نے گڑبڑائے ہوئے انداز میں اُس کے پیچھے لپکتے ہوئے کہا تھا۔

''تو؟'' مومن نے تیکھے انداز میں مڑ کر اُسے دیکھے بغیر لاؤنج میں جاتے ہوئے کہا تھا اور لاؤنج میں قدم رکھتے ہی وہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا۔LED پر ایک انڈین فلم چل رہی تھی اور شکور کے تین چار دوست وہاں بیٹھے کھانے پینے کی چیزیں لاؤنج کے صوفہ کے سامنے پڑے کافی ٹیبل پر بکھیرے بیٹھے

تھے۔لاؤنج کی ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔مومن کو دیکھ کر وہ یک دم ہڑبڑا کر اُٹھے تھے۔مومن نے پلٹ کر اپنے پیچھے آتے شکور کو دیکھا تھا۔جس نے انتہائی نروس انداز میں کہا تھا۔

''یہ بس جا ہی رہے تھے۔خدا حافظ۔'' اُس نے پہلا جملہ مومن سے کہا تھا اور خدا حافظ اُن چاروں سے جو عجلت کے عالم میں اپنے جوتے ڈھونڈتے ہوئے اُنہیں پہن کر اب وہاں سے نکلنے کے چکروں میں تھے۔مومن سینے پر بازو لپیٹے کچھ بھی کہے بغیر وہاں کھڑا اُن چاروں کو وہاں سے جاتا دیکھتا رہا اور اُن کے جاتے ہی وہ شکور پر برس پڑا تھا۔

''تم میرے پیچھے یہ کرتے ہو۔''

''وہ......وہ میری سالگرہ تھی۔''شکور کو اس کے علاوہ کوئی اور بہانہ نہیں سوجھا تھا۔

''چھے مہینے میں تیسری دفعہ پیدا ہوئے ہو تم اور اب ایک بار اور پیدا ہوئے تو نوکری سے فارغ کر دوں گا تمہیں۔''اُس پر تقریباً چلاتے ہوئے وہ اپنا ٹرالی بیگ کھینچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف گیا تھا اور کمرے کی حالت دیکھ کر وہ ایک بار پھر دھاڑا تھا۔

''الو کے پٹّھے۔'' باہر لاؤنج میں شکور اُس کی آواز پر لپکتے ہوئے اندر جاتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔

''مجھے بلا رہے ہیں پھر......اچھے بھلے گئے ہوئے تھے ترکی...... پتہ نہیں ان کا دل کیوں نہیں لگتا وہاں۔''

☆......☆......☆

''اماں کیوں رو رہی ہیں آپ؟''مومنہ نے ثریا کو خود سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا جو اُسے ساتھ لپٹائے روئے چلی جا رہی تھی۔

''بس سے عادت ہے۔تو پریشان نہ ہو۔'' سلطان نے جیسے پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے مومنہ سے کہا تھا۔

''ہاں بس تجھے اتنے ہفتوں بعد دیکھا ہے تو رونا آ گیا۔'' ثریا نے بھی جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گھر پہنچی تھی۔

''بس اب آ گئی ہے وہ کہیں نہیں جاتی...... لا سامان رکھوں میں تیرا۔'' سلطان نے کہہ کر لنگڑاتے ہوئے اُس کے وہ بھاری بھرکم سوٹ کیس اُٹھانے کی کوشش کی تھی جو ابھی صحن میں ہی پڑے تھے۔مومنہ نے سلطان کو روک دیا۔

''نہیں ابا اپنا بوجھ خود اُٹھانے کی عادت ہے مجھے۔'' اُس نے ایک بھاری بھرکم سوٹ کیس کو

بے حد آرام سے اُٹھاتے ہوئے سلطان سے کہا تھا۔

''اپنا نہیں تو تو دوسروں کا بوجھ بھی اُٹھا لیتی ہے مومنہ۔'' سلطان بڑبڑایا تھا اور مومنہ نے یوں ظاہر کیا جیسے اُس نے باپ کا جملہ سنا ہی نہیں۔

''اماں کھانا لگا دیں جلدی سے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' اُس نے سوٹ کیس اندر لے جاتے ہوئے کہا تھا۔

''کل سے تیرے لئے کھانا پکانے لگی ہوئی ہے کبھی کباب بنا رہی ہے، کبھی مچھی کو مصالحہ لگا رہی ہے۔ اب تو امریکہ رہ کر آئی ہے پتہ نہیں کیا کھاتی ہو۔'' سلطان نے اُس کے پیچھے آتے ہوئے کہا تھا اور وہ بے اختیار ہنسی۔

''اب بھی وہی کھاتی ہوں ابا...... توے کی روٹی، بگھارے بینگن...... دال چاول...... مچھلی مٹن بہت کھا آئی۔'' وہ کہتے ہوئے اندر چلی گئی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد اُس نے اپنے سوٹ کیس کھول کر سامان نکالنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ثریا اور سلطان کے لئے بہت ساری چیزیں لے کر آئی تھی۔

''اماں دیکھیں یہ آپ کے لئے لائی ہوں۔'' اُس نے ایک سویٹر نکال کر ثریا کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''کیوں پیسے ضائع کئے...... کام آتے۔'' ثریا نے بے ساختہ اُس سے کہا تھا۔

''اماں...... کیسی باتیں کر رہی ہیں؟'' مومنہ نے کچھ خفگی سے کہا۔

''اور ابا یہ آپ کے لئے......'' اُس نے ایک اور سویٹر نکال کر سلطان کو دیتے ہوئے کہا۔

''اپنے لئے چیزیں لیتی بیٹا...... میں نے کیا کرنا ہے اب ان چیزوں کو۔'' سلطان نے سویٹر دیکھتے ہوئے اس سے کہا۔

''وہی کریں جو سب کرتے ہیں ابا'' وہ کہتے ہوئے سوٹ کیس سے کچھ اور نکالنے کے لئے جھکی۔

''فیصل نے شادی کر لی۔'' وہ ثریا کی آواز پر وہ وینٹی باکس نکالتے نکالتے چند لمحوں کے لئے ٹھٹھکی جو وہ نکال رہی تھی۔

دل کی دھڑکن ایک لمحہ کے لئے رُکی تھی۔ پھر پھر وہ ویسے ہی چلنے لگی تھی جیسے ہمیشہ سے چل رہی تھی۔

''اچھا.....''سیدھا ہوتے ہوئے اُس نے ثریا اور سلطان سے نظریں ملائے بغیر کہا۔

''اور ابا یہ آپ کے لئے ایک وینٹی باکس بھی لائی ہوں۔''اُس نے یوں بات جاری رکھی تھی جیسے اُسے کچھ فرق ہی نہیں پڑا تھا۔

''تمہیں پتہ تھا نا۔'' سلطان نے اُس سے باکس پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

''شادی کا نہیں پتہ تھا۔''وہ ایک لمحہ خاموش رہی پھر اُس نے کہا وہ اب سوٹ کیس بند کرنے لگی تھی۔

''اتنا بڑا دھوکہ.....تم سے منگنی کا کہہ کر اُس نے شادی رچالی...... ماں باپ کو نہیں منا سکتا تھا تو آیا کیوں تھا......دن رات بددعائیں دیتی ہوں میں اُسے اور اُس کے ماں باپ کو۔''ثریا نے عجیب غم و غصے سے کہا تھا۔

''نہیں اماں بددعائیں مت دیں اُسے۔'' مومنہ نے بے ساختہ اُسے ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

سلطان خاموش رہا تھا لیکن ثریا بولتی رہی۔

''کیوں نہ دوں۔اُس نے دل دُکھایا ہے تمہارا۔چھوڑا ہے تمہیں۔''

''اُس نے نہیں چھوڑا مجھے اماں......میں نے چھوڑا ہے اُسے امریکہ جانے سے پہلے۔''اُس نے ثریا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ثریا ایک لمحہ کیلئے کچھ بول نہیں سکی۔

''کیوں؟''

''اس کے سامنے ساری عمر گلے میں احسان کا طوق ڈال کر کھڑے ہونا تھا مجھے......وہ میں نہیں کر سکتی تھی......وہ بہت بڑی قیمت مانگ رہا تھا ایک رشتہ کی۔''اُس نے کچھ شکست خوردہ انداز میں بیگ کا ڈھکن گراتے ہوئے کہا۔

''کیا قیمت تھی؟'' سلطان نے اُسے سے پوچھا۔وہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتی رہی۔

''ابا میں اداکارہ ہوں مگر بھیک مانگنا اور لے کر کھانا نہیں سیکھا میں نے۔ یہ جو بھی رزق کما رہی ہوں میں۔ یہ میرے نصیب میں ہے اور جو چیز نصیب میں ہو اُس سے بھاگا نہیں جا سکتا۔اب جس سے بھی ساتھ جوڑوں گی اُسے میرے کام کے ساتھ مجھے قبول کرنا ہوگا...... مجھے بھی آپ کو بھی۔''اُس نے مدھم لیکن مستحکم آواز میں کہا۔سلطان اُسے دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

''اُف کتنی سمارٹ اور فریش ہو کر آئی ہو۔'' اقصیٰ اُسے دیکھتے ہی لپکتے ہوئے اُس سے لپٹی تھی۔
وہ دونوں ایک ریسٹورنٹ میں مل رہی تھیں۔

''اچھا۔'' مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''چند مہینوں کی بات ہے اور یوں لگ رہا ہے تمہیں سالوں بعد دیکھ رہی ہوں۔'' اقصیٰ اُس سے الگ ہو کر اب اُسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''سٹائلش ہو گئی ہو اور fit بھی...... جم کرواتے رہے ہیں کیا تمہیں ہالی ووڈ والے؟'' وہ اُس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ستائشی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''بہت کچھ کرواتے رہے ہیں وہ...... لینگویج کلاسز، گرومنگ کلاسز، ایروبک کلاسز تمہیں سب کی تفصیل بتا دوں گی۔'' مومنہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا بیگ اُس کی طرف بڑھایا۔

''یہ کیا ہے؟'' اقصیٰ چونکی۔

''وہی سب کچھ جو تمہیں پسند ہے...... کاسمیٹکس، پرفیومز، چاکلیٹس، جوتے، بیگ اور کچھ چیزیں داؤد کے لئے بھی ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اپنی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''Oh my God...... یہ سارا بیگ ہمارے تحفوں سے بھرا ہوا ہے۔'' اقصیٰ نے بے یقینی سے بیگ کو جیسے تولتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' وہ مسکراتے ہوئے جیسے اُس کی خوشی سے محظوظ ہوئی۔

''شکریہ نہیں ادا کروں گی تمہارا۔'' اقصیٰ نے بیگ اپنی کرسی کے پاس رکھتے ہوئے اُس سے کہا۔

''میں شکریہ سننا بھی نہیں چاہتی۔'' مومنہ نے اُسے ٹوکا۔

''دھومیں مچائی ہوئی ہیں تم نے۔ داؤد تو پاگل ہو گیا ہے...... روز کوئی نہ کوئی چینل یا جرنلسٹ اُس کو فون کر کر کے تمہارا نمبر مانگ رہا ہے۔'' اقصیٰ نے بیٹھتے ہی اپنے اُسی مخصوص انداز میں بولنا شروع کر دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اُس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''داؤد کو ایک اور کام بھی تو کہا تھا میں نے۔'' مومنہ نے اُس سے کہا۔

''ہاں ہاں مجھے پتہ ہے گھر ڈھونڈنے کا کہا تھا نا کرائے کا...... وہ ڈھونڈ ھ لیا ہے اُس نے...... تم ایک بار دیکھ لو پھر شفٹنگ کرنی ہے۔'' اقصیٰ نے جواباً کہا۔

''ایک ہفتہ ہے میرے پاس اور اسی میں شفٹنگ کرنی ہے مجھے۔ پھر دوبارہ امریکہ جانا ہے۔''

اقصیٰ اُس کی بات پر چونکی۔

''کیا مطلب؟......فلم تو مکمل ہوگئی تمہاری ٹریلر آنے والا ہے اس کا پھر تم کیوں جا رہی ہو دوبارہ؟''

''دو اور فلمیں سائن کر لی ہیں میں نے۔'' اُس نے بڑے عام سے انداز میں کہا۔ اقصیٰ بے یقینی سے اُس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

''مطلب ہالی ووڈ میں؟''

''ایک ہالی ووڈ میں ایک بالی ووڈ میں۔'' اقصیٰ جیسے بے اختیار چیخی تھی۔

''Oh my God......بالی ووڈ......مطلب......انڈین فلم......Seriously؟''

''یار شور مت مچاؤ......سب دیکھ رہے ہیں۔'' مومنہ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے احساس دلایا کہ وہ ریسٹورنٹ میں تھے۔

''ایک اور کھانا due ہو گیا تمہاری طرف اور فائیو سٹار میں۔'' اقصیٰ اُسی جوش اور جذبے سے بولتی چلی گئی۔

''جتنے مرضی کھانے کھالو......اور جہاں مرضی۔'' مومنہ نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''I am so proud of you.......آنٹی اور انکل کو تو نیند ہی نہیں آ رہی ہوگی راتوں کو...... تم نے سارے خواب پورے کر دیئے ہیں اُن کے۔'' اقصیٰ بے حد رشک سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''انہوں نے میرے لئے کوئی خواب دیکھا ہی نہیں تھا۔ اُن کے سارے خواب جہانگیر کے لئے تھے۔ اُس کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ میرے لئے صرف شادی کا خواب دیکھتے ہیں وہ۔'' مدھم آواز میں مشروب کے اُس گلاس کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے اُس نے کہا تھا، جو ویٹر اُن دونوں کے سامنے رکھ گیا تھا۔

''آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گے وہ......صبر آ جائے گا۔ اُنہیں وقت لگے گا لیکن صبر آ جائے گا۔'' اقصیٰ نے کہا تھا۔

''ہاں صبر آ جائے گا مگر وہ بھولے گا نہیں۔'' اقصیٰ اُس کی بات پر چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

''فیصل کیسا ہے۔ شادی کا کیا سین ہے؟ میں نے اور رداؤد نے مل کر سارا فنکشن کرنا ہے تمہارا......میں نے تو کپڑے بھی بنوا لئے ہیں اپنے۔'' اقصیٰ ایک بار پھر ایکسائیٹڈ ہوئی۔

''فیصل نے شادی کرلی۔'' مشروب کا گھونٹ بھرتے ہوئے مومنہ نے بڑے آرام سے یوں کہا جیسے وہ فیصل نام کے اس شخص کو جانتی ہی نہ ہو۔ اقصیٰ کو بے اختیار اچھولگا۔

''کیا مطلب؟ بڑا بھونڈا مذاق ہے یہ مومنہ......فیصل نے شادی کرلی اور تم یہاں بیٹھی ہو۔'' اقصیٰ اُس سے بے اختیار خفا ہوئی۔

''میں امریکہ جانے سے پہلے رشتہ ختم کرگئی تھی۔'' اقصیٰ بے یقینی سے اُس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ مومنہ سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ مشروب کے گلاس کے سٹرا کو ہلاتے ہوئے۔

''تم نے......تم نے کیوں ختم کیا یہ رشتہ؟'' اقصیٰ اب جیسے اُس پر خفا ہوئی تھی۔

''وہ بہت کچھ چھڑوانا چاہتا تھا...... میری ایکٹنگ...... ابا کا کام...... اماں کا کام...... جیسے desanatize کرتے ہیں نا...... وہی کر کے شادی کرنا چاہتا تھا مجھ سے...... مجھے پاک اور پوتر کر کے......اتنی پاک اور پوتر تو میں ہو ہی نہیں سکتی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اقصیٰ کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ پر اُس کی آنکھوں میں اقصیٰ کو نمی جھلملاتی نظر آئی تھی۔

''کیا کہوں؟'' اقصیٰ نے عجیب بے بسی سے کہا۔

''کچھ بھی نہیں۔ سب ٹھیک ہے اقصیٰ ......اور جو ٹھیک نہیں وہ بھی ہو جائے گا۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے اقصیٰ سے کہا تھا، اپنی آنکھوں میں جھلملاتے اُنہیں آنسوؤں کے بیچ۔

''تم فیصل کے لئے تھی ہی نہیں مومنہ تمہارے نصیب کا ستارہ اونچا ہے بالکل ویسے جیسے تم پاکستان ٹی وی اور فلم کے لئے بنی ہی نہیں تھی۔ اسی لئے یہاں سے کام نہیں ملا تمہیں۔'' اقصیٰ نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بے حد جذباتی انداز میں اُس سے کہا تھا۔ مومنہ ہنس پڑی تھی وہ اپنی اُس بے لوث دوست کے لئے اتنا تو کر ہی سکتی تھی۔

☆......☆......☆

''رائٹر کے بارے میں بھی کر ہی لیں کوئی فیصلہ اختر صاحب روز فون کرتے ہیں۔'' ٹینا نے میٹنگ کے دوران یک دم مومن کو جیسے یاد دلاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اور داؤد مومن کے ترکی سے واپس آنے کے بعد پہلی بار اُس سے فلم کے حوالے سے بات کرنے بیٹھے تھے جب ٹینا نے پہلی بار سکرپٹ کی بات کی تھی۔

''رائٹر کی ضرورت نہیں ہے میں خود لکھ رہا ہوں اس فلم کا سکرپٹ۔'' مومن نے جواباً کہا تھا اور اُس کے اس جملے پر ٹینا اور داؤد دونوں کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''جی؟'' داوٗد کہے بغیر نہیں رہ سکا اور اُس کے اس جی نے مومن کو جیسے خفا کیا تھا۔

''تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' اُس نے جواباً داوٗد سے کہا تھا۔

''نہیں ......نہیں باس مجھے کیوں اعتراض ہوگا...... میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ نے پہلے کبھی......'' داوٗد بات مکمل نہیں کر سکا۔ اُس کا فون یک دم بجنے لگا تھا۔ اُس نے فون اُٹھا کر اُسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''صدف کا فون ہے پتہ نہیں کیوں بار بار کال کر رہی ہے۔'' داوٗد نے ایک جرنلسٹ کا نام لیتے ہوئے مومن سے کہا۔

''میری فلم کے بارے میں ہی کوئی آرٹیکل کرنا چاہتی ہوگی۔ مجھ سے بھی بات کروا دینا۔'' مومن نے بے ساختہ کہا۔

''چلیں میں سپیکر پر ہی لے لیتا ہوں اُسے۔'' داوٗد نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

''Thank God تم نے کال ریسیو کی کب سے فون کر رہی ہوں تمہیں۔'' صدف نے داوٗد کی آواز سنتے ہی کہا۔

''سوری بس بزی تھا ابھی بھی مومن بھائی کے ساتھ ایک میٹنگ میں ہوں۔'' داوٗد نے جواباً اُس سے کہا۔

''اچھا تو پھر زیادہ وقت نہیں لوں گی تمہارا۔ مجھے مومنہ سلطان کا contact number چاہیے۔ انٹرویو کرنا ہے میں نے۔ تمہاری دوست ہے نا۔'' قلبِ مومن کے ماتھے پر بل آئے تھے اور یہ بل داوٗد اور ٹینا سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔

''ہاں وہ میں بھیج دیتا ہوں۔'' اُس نے گڑبڑا کر مومن کو دیکھتے ہوئے صدف سے کہا۔

''انٹرویو دے دے گی نا وہ؟'' صدف نے اُس سے پوچھا تھا۔

''پتہ نہیں تم اُس سے پوچھ لو۔'' داوٗد نے گول مول انداز میں کہا۔

''یار کروا دو نا......تمہارا ریفرنس دوں اُسے؟'' صدف نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔

''ہاں دے دینا اور وہ ہماری فلم کے بارے میں جو آرٹیکل کر رہی تھی تم وہ ابھی تک نہیں چھپا۔'' داوٗد نے کہہ کر فوراً سے پہلے بات بدلی تھی۔

'وہ چھپے گا بھی نہیں...... مومن کا دماغ خراب ہو گیا ہے Spirituality پر فلم ...... یعنی اب آئٹم نمبر پیش کرنے والے فلم میکر سے ہم وعظ سنیں گے...... اسے مشورہ دیا کس نے تھا اس subject پر فلم

کرنے کا۔'' داؤد کو اگر اندازہ ہوتا کہ وہ اس طرح بنا لحاظ بات کرے گی تو وہ کبھی اُسے سپیکر پر نہ لیتا۔ مومن کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے وہ بُری طرح خائف ہوا تھا۔

''مومن بھائی بھی بات کرنا چاہ رہے ہیں تم سے......تم ذرا اُن سے بات کرو۔'' داؤد نے ایک بار پھر صدف کی بات بیچ میں ہی کاٹ کر قلبِ مومن کے سامنے فون رکھنے کی کوشش کی تھی مگر اس سے پہلے ، کہ مومن ہیلو ہائے کر کے اُس سے گفتگو کا آغاز کرتا صدف نے بے ساختہ کہا۔

''نہیں مجھ سے مت کروانا کوئی بھی بات۔ مجھے اس وقت مومنہ کی ضرورت ہے مومن کی نہیں......ٹیکسٹ کرنا پھر مومنہ سلطان کا نمبر یار پلیز......bye۔'' اُس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور میٹنگ روم میں چند لمحے خاموشی رہی تھی۔قلبِ مومن کو لگا تھا جیسے کسی نے اُس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ مار دیا تھا۔زندگی میں پہلی بار کسی نے قلبِ مومن سے بات کرنے سے انکار کر کے کسی اور سے بات کرنے کو ترجیح دی تھی اور قلبِ مومن کو جیسے انگارہ کر دیا تھا۔ یہ وہ جرنلسٹس تھے جو کچھ ہفتے پہلے کالز کر کر کے اُس سے بات کرنے کے لئے چند منٹ مانگتے تھے اور اُس کے بارے میں کوئی بھی خبر دینا اپنے لئے اعزاز کی بات سمجھتے تھے اور اب یک دم ہی وہ قلبِ مومن سے نہیں مومنہ سلطان سے بات کرنے کے خواہش مند تھے۔ چند دن پہلے اُس کے ساتھ کیا جانے والا وہ سفر مومن کی یاداشت میں پھر تازہ ہو گیا تھا۔ وہ ہر بار کسی نہ کسی حوالے سے اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

میٹنگ دوبارہ شروع ہو گئی تھی مگر قلبِ مومن کا ذہن بُری طرح انتشار کا شکار تھا۔ وہ اُس دن جلد آفس سے گھر آ گیا تھا اور لاؤنج میں پڑے ایک میگزین کے کور پر مومنہ سلطان کی تصویر دیکھ کر جیسے کسی نے قلبِ مومن کے پیٹ میں ایک گھونسہ اور مارا تھا۔ اُس کی بھوک اُڑ گئی تھی۔ پانی کا ایک گلاس ایک سانس میں حلق سے اُتارتے ہی اُسے یک دم عبدالعلی کو فون کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

پہلی بار بیل ہوتے ہی دوسری طرف سے عبدالعلی نے فون اُٹھا لیا تھا۔

''السلام علیکم دادا۔'' قلبِ مومن فون کان سے لگائے اپنے بستر پر لیٹ گیا تھا۔

''وعلیکم السلام...... کیسے ہو قلبِ مومن؟'' اُنہوں نے اُس سے پوچھا تھا ہر بار کی طرح اُسی محبت اُسی نرمی سے۔

''بس دادا فلم لے کر بیٹھا ہوں۔'' وہ پریشان تھا اور اُن سے پریشانی چھپا نہیں سکا۔

''کیا ہوا خیریت ہے؟'' عبدالعلی فکرمند ہوئے تھے۔

''پہلے فلم کے لئے کہانی نہیں مل رہی تھی۔ اب کہانی مل گئی ہے تو فلم کے لئے فنانس نہیں مل

رہا۔کوئی بھی اس فلم میں invest نہیں کرنا چاہتا۔'' اُس نے عبدالعلی سے کہا تھا۔

''قلبِ مومن کی فلم ہے تب بھی؟'' عبدالعلی نے ہنس کر کہا تھا۔کوئی اور موقع ہوتا تو قلبِ مومن کو غصہ آجاتا مگر اس بار اُسے غصہ نہیں آیا تھا۔

''آپ کرلیں طنز۔'' اُس نے دادا سے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''طنز نہیں کرر ہا ہوں میں بس یاد دہانی کروا رہا ہوں تمہیں...... تمہیں ان ہی سب پر ساتھی ہونے کا گمان تھا نا؟'' عبدالعلی نے جواباً اُس سے کہا تھا۔

''جب سکرپٹ پورا ہو جائے تو مجھے بتا دینا۔ میں دے دوں گا تمہیں فلم کے لئے پیسے۔'' انہوں نے مدھم آواز میں اُس سے کہا تھا۔

''آپ کہاں سے دیں گے دادا؟...... آپ کے پاس کہاں سے آئے گا اتنا پیسہ؟'' مومن اُن کی بات پر حیران ہوا تھا۔

''ایک فون نمبر بھیجوں گا تمہیں۔ وہ جو تمہاری سالگرہ پر ہر سال تمہیں کیلی گرافی بھیجتا ہوں وہ بیچ دینا اس فون نمبر والے آدمی کو۔ مسئلہ حل ہو جائے گا تمہارا۔'' انہوں نے اُسی پرسکون اور مدھم آواز میں کہا تھا۔قلبِ مومن بے اختیار ہنس پڑا۔

''دادا یہ کروڑوں کی بات ہے آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟''

''اربوں کی بات تو نہیں ہے نا؟'' عبدالعلی نے جواباً اُس سے کہا تھا۔قلبِ مومن نے گفتگو کا موضوع تبدیل کر دیا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی زبان سے اُنہیں یہ بتائے کہ اُن کی خطاطی کے اُن نمونوں کے لئے کوئی چند لاکھ بھی مشکل سے دے گا۔ کہاں یہ کہ کروڑوں روپے۔ دادا ترکی میں بیٹھے اپنے اُس چھوٹے سے قصبے کے گھر میں شاید ایک ایسی خیالی دُنیا میں جی رہے تھے جن میں اُنہیں کسی چیز کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ نہ روپے کی اہمیت کا نہ خطاطی کی وقعت کا۔ اُن سے بات ختم کرتے ہوئے قلبِ مومن سوچے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ کال ختم ہونے کے کچھ دیر بعد اُس کے سیل فون پر عبدالعلی کی طرف سے ایک فون نمبر اور ایک شخص کا نام بھیجا گیا تھا۔قلبِ مومن اُس نام اور نمبر کو غائب دماغی کے عالم میں دیکھتا رہا۔ اُس کے ذہن پر اس وقت بہت سی چیزیں سوار تھیں اور اُن میں اس شخص سے رابطہ کرنا کہیں بھی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''تم بھی حد کرتی ہو مومنہ...... ایسے دیتے ہیں انٹرویو؟ اس طرح کرواتے ہیں فیملی فیچر؟ وہ بھی

ہالی ووڈ میں کام کرنے کے بعد۔'' اقصیٰ اُس پر ناراض ہو رہی تھی۔ وہ اور مومنہ وہ اپارٹمنٹ دیکھنے آئی ہوئی تھیں جو داؤد نے مومنہ کے لئے ڈھونڈا تھا اور جہاں اُسے اگلے دن شفٹ ہونا تھا۔اور اپارٹمنٹ میں پھرتے ہوئے اقصیٰ کو وہ انٹرویو یاد آ گیا تھا جو داؤد کے بھیجے ہوئے کسی نیوز رپورٹر کو مومنہ نے دیا تھا۔

''ایسے نہیں دیتے انٹرویو تو پھر کیسے دیتے ہیں؟'' مومنہ نے بڑی لاپرواہی سے اُس سے کہا تھا۔

''کسی ریسٹورنٹ میں بلواتی اُنہیں یا میرے گھر بلاتی جو presentable ہوتا۔'' وہ کچن کی کیبنٹ کھول کھول کر اُسے دکھاتے ہوئے صاف کہہ رہی تھی۔

''وہ اچھے لوگ تھے۔'' اقصیٰ نے اُس کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔

''تم سمجھتی ہو تمہارے ساتھ کھانا کھا کر نمک حلالی کریں گے وہ۔ یہ خبر نہیں لگائیں گے کہ تم slums میں رہتی ہو۔ٹوٹے ہوئے کرائے کے دو کمروں کے گھر میں جس کے غسل خانے اور باورچی خانے کی چھتیں ٹین کی ہیں۔'' وہ اُسے ڈانٹ رہی تھی۔

''لگا دیں مجھے فرق نہیں پڑتا اپنے اس تعارف سے۔'' مومنہ نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

''نندیتا داس بننے کی ضرورت نہیں ہے۔فرق پڑتا ہے۔کتنی محنت کی ہے تم نے اور ہم نے بھی تمہارا کیریئر بنانے کے لئے۔وہ تو داؤد کے پاس لے کر چلا گیا تمہارے انٹرویو کی فوٹیج اور داؤد نے اُسے روک دیا کہ اس طرح کے گھر میں تمہاری تصویریں نہ لگائے۔داؤد فوٹو گرافی کروا کے دے دے گا اُسے۔ اچھا تھا تو مان گیا ورنہ بس کباڑہ ہی کر دیا تھا تم نے۔اب یہ جگہ presentable ہے یہاں نئے سرے سے فوٹو شوٹ کرواؤں گی تمہاری اور دیکھو آنٹی انکل کو بھی تھوڑا groom کر کے پھر میڈیا کے سامنے لاؤ یا فی الحال سامنے لاؤ ہی مت۔'' اقصیٰ کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''یعنی سب سے جھوٹ بولوں کہ فیملی امریکہ میں ہے یا دبئی میں۔'' اقصیٰ نے اُس کے ہنسنے کا برا منایا۔

''تو کیا ہوا؟......اس انڈسٹری میں سارے لڑکے لڑکیاں جھوٹ بول رہے ہیں۔فائدہ ہی ہوتا ہے سب کو۔'' اُس نے مومنہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''میں نہیں جھوٹ بولنا چاہتی اپنے بیک گراؤنڈ کے بارے میں۔'' مومنہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''ہم سب جھوٹ بولتے ہیں مومنہ۔entertain کرتے ہیں جھوٹ بول کر۔سوانگ رچا

کر۔ پھر اگر اپنے لباس کا پیوند چھپالیا تو کیا برا کیا؟ یہ جن لوگوں کو ہم entertain کرتے ہیں نا انہیں بھی ہمارے جھوٹ ہی پسند ہیں۔ ان کو بھی groomed، polished انگلش بولتے ہوئے سٹارز چاہیے۔جن کا حسب نسب ان سے بہتر ہو۔ یہ لیڈر اور ایکٹر دونوں کو اپنے سے بہتر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اُن دونوں میں انہیں اپنا آپ اور اپنے حالات نظر آنے لگیں تو یہ نہ ووٹ دیں گے انہیں نہ داد۔'' اقصیٰ نے بے حد سنجیدگی سے اُسے لیکچر دیا تھا۔مومنہ اُسے دیکھ کر مسکراتی رہی پھر اُس نے کہا۔

''تم بہت عقلمند ہوگئی ہو اقصیٰ۔''

''میرے پاس عقل ہے تمہارے پاس اچھا نصیب۔ میں نصیحت کروں گی تم راج کرنا۔'' اقصیٰ نے جواباً ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''بکواس مت کرو...... میرا نصیب لینا چاہو تو کبھی بھی مانگ لینا۔ ہاتھ جوڑ کے دے دوں گی۔'' مومنہ نے جواباً اُس سے کہا تھا اور اگلے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''تمہیں پتہ ہے قلبِ مومن کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' دوسرے کمرے میں قدم رکھتے ہی اُس کے قدموں کو جیسے اقصیٰ کی آواز نے رسی ڈالی تھی۔

''اُس کا دماغ ٹھیک کب تھا۔'' مومنہ کہتے ہوئے سرد مہری سے اندر گئی تھی۔

''لیکن تمہیں کیوں یاد آگیا ہے وہ اچانک۔''

''بس یار داؤد کی زندگی حرام کردی ہے اُس نے...... پریشان ہے بڑا داؤد......قلبِ مومن کوئی فلم بنانے بیٹھ گیا ہے روحانیت پر۔'' اقصیٰ نے اُس کے پیچھے آتے ہوئے کہا تھا۔مومنہ یک دم پلٹ کر اُسے دیکھا تھا۔

''جس فلم کے لئے تمہارا آڈیشن لیا تھا وہ ویسے کی ویسی پڑی ہے۔اور یہ دوسری فلم لے کر بیٹھا ہوا ہے۔سوچو روحانیت پر قلبِ مومن کچھ بنائے گا تو کیا بنائے گا۔'' اقصیٰ نے کہا تھا۔

''بنالے گا اُسے سب کچھ بیچنا آتا ہے اس بار روحانیت ہی سہی۔'' مومنہ نے دلچسپی لئے بغیر کہا تھا۔

''تمہارے بارے میں داؤد سے پوچھا ہے اُس نے ایک دو بار......منہ پر جوتا پڑا ہوگا اُسے تمہاری کامیابیاں دیکھ کر۔'' اقصیٰ نے جیسے بڑے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

''کبھی ملے کہیں تو اُسے بتانا ضرور کہ اُس نے کیا کیا تھا تمہارے ساتھ اور تم کہاں کھڑی ہو۔'' اقصیٰ نے کہا تھا اور مومنہ اُسے بتا نہیں سکی کہ وہ اُس کے ساتھ سفر کر کے آئی تھی اور اُسے پھر بھی یہ خواہش

پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ اُسے اپنی وہ کامیابیاں جتاتی جو خود اُس کے لئے پھانس بنی ہوئی تھیں۔

☆......☆......☆

قلبِ مومن اپنی اگلی فلم کا سکرپٹ خود لکھ رہے ہیں۔فلم کا موضوع ہے روحانیت۔'' نیہا نے اپنے سیل فون پر سوشل میڈیا پر قلبِ مومن کی اگلی فلم کے حوالے سے پوسٹ ہونے والی ایک خبر کو با آواز بلند پڑھتے ہوئے قہقہہ مار کر ہنسنا شروع کر دیا۔ وہ اب اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

''اُف، اُف joke of the year......قلبِ مومن اور روحانیت...... روحانیت اور قلبِ مومن۔'' وہ ایک بار پھر قہقہہ مار کر ہنسنے لگی۔

کچھ فاصلے پر بیٹھا ضوفی اپنے سیل فون پر کچھ دیکھتے ہوئے نیہا کے جملوں اور حالت سے جیسے اس وقت بالکل غافل نظر آ رہا تھا۔

''تم سن رہے ہو نا میں کیا بتا رہی ہوں۔'' نیہا کو یک دم اُس کی عدم توجہی کا احساس ہوا۔

''ہاں ہاں تم قلبِ مومن کی فلم کی بات کر رہی ہو۔'' ضوفی نے اُس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر جلدی سے کہا۔

''تم کیا دیکھ رہے ہو؟'' نیہا کو اُس کی فون میں اس قدر انہماک پر کُریہ ہوئی۔

''مومنہ سلطان کا نام سنا ہے؟'' ضوفی نے یک دم بڑے ایکسائیٹڈ سے انداز میں اُس سے کہا۔

''یہ کون ہے؟'' نیہا اُلجھی۔

''یار وہ ہیکٹر کلف کی فلم میں آ رہی ہے۔ ہماری ایک ایکٹریس ہے۔فلم کا ٹریلر آؤٹ ہوا ہے۔ Rave Reviews مل رہے ہیں اُس کی پرفارمنس کو ریلیز سے پہلے ہی۔ابھی دو اور فلمیں سائن کی ہیں اُس نے۔ وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا تھا اور نیہا کو بُرا لگا۔

''تم نے تو پورا بائیوڈیٹا رٹا ہوا ہے اُس کا۔ دوستی ہے اُس سے کیا؟'' اُس نے ضوفی پر طنز کیا تھا۔

''نہیں یار میں تو جانتا تک نہیں ہوں۔ سوشل میڈیا پر دھوم مچی ہوئی ہے اُس کی مگر تمہیں قلبِ مومن کو follow کرنے سے فرصت ملے تو تم کچھ اور دیکھو۔'' اُس نے جواباً اُسی طرح نیہا کو جواب دیا تھا۔

''پتہ نہیں لوگوں کو کس طرح ہالی ووڈ اور بالی ووڈ میں چانس مل جاتے ہیں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ ہمیں پاکستان میں کام نہیں مل رہا۔'' ضوفی عجیب حاسدانہ انداز میں بولا تھا۔

''Contacts ہوتے ہیں ایسی لڑکیوں کے۔ وہی استعمال کر کے چانس ملتا ہے انہیں ٹیلنٹ پر نہیں۔ پتہ نہیں کیا کیا کرتی ہیں یہ ہالی ووڈ اور بالی ووڈ پہنچنے کے لئے لیکن تم پریشان کیوں ہوتے ہو ڈارلنگ تمہارا بھی وقت آئے گا۔'' نیہا کہتے ہوئے اُس کے پاس سے اُٹھ گئی تھی اور ضوفی نے مومنہ سلطان کے فیس بک پروفائل پر add request بھیج دی تھی۔

☆......☆......☆

''ساری یادیں اس گھر میں تھیں۔ اس گھر کے ساتھ ہی چلی جائیں گی۔'' ثریا نے بے حد اُداسی سے گھر کی دیواروں پر نظر ڈالتے ہوئے مومنہ سے کہا تھا۔ وہ اُس نئے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو رہے تھے جو قصیٰ اور داؤد نے اُن کے لئے کرائے پر لیا تھا۔ ایک پوش علاقے میں ایک بہت آرام دہ تمام سہولیات سے مزین اپارٹمنٹ۔

اُن کا سامان پیک ہو رہا تھا اور مومنہ سلطان اور ثریا کے ساتھ چیزوں کو سمیٹتے ہوئے اُس کمپنی کے لوگوں کو ہدایات دے رہی تھی جو شفٹنگ کے لئے اُن کا سامان برق رفتاری اور مستعدی سے پیک کر رہے تھے۔ سامان تھا ہی کیا اُن کے پاس جو سمیٹنے میں وقت لگتا۔ نیا اپارٹمنٹ پہلے ہی فرنشڈ تھا۔ ثریا پھر بھی ہر اُس چیز کو ساتھ لے جانے پر تلی ہوئی تھی جو اُسے ماضی کی کسی بھی شے کی یاد دلاتی۔

''نئے گھر میں نئی یادیں بنیں گی اماں۔'' مومنہ نے اُسے ساتھ لگاتے ہوئے بچوں کی طرح تھپکا تھا۔

''نئی یادوں میں جہانگیر تھوڑی ہوگا۔'' ثریا نے جیسے آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ بہت اچھا گھر ہے اماں۔'' مومنہ نے جیسے بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔

''ہوگا...... مگر عادت ہوگئی ہے اس پرانے سیلن زدہ گھر کی۔'' ثریا اُداس تھی۔ مومنہ اُس کی اُداسی کی وجہ سمجھ سکتی تھی۔

''میرے بس میں ہوتا تو کبھی یہاں سے نہ جاتے اماں مگر کرائے کا گھر ہے یہ۔'' مومنہ نے جیسے اُنہیں یاد دلایا تھا۔

''وہ تو دنیا کا ہر گھر ہے...... چھوڑ کر تو ہر گھر جانا پڑتا ہے چاہے اپنا بھی ہو۔'' ثریا بڑبڑاتی ہوئی اپنا ایک بیگ اُٹھاتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔ مومنہ ماں کو باہر جاتے دیکھ کر سلطان کی طرف متوجہ ہوئی جو

زمین پر اخباریں بچھائے جہانگیر کی ٹرافیاں، کپ اور ایوارڈز اُن میں احتیاط سے رکھ رکھ کر لپیٹ رہا تھا اُس نے کمپنی کے اُن لوگوں کو جہانگیر کی کسی بھی چیز کو ہاتھ لگانے نہیں دیا تھا۔ جو باقی کا سامان سمیٹتے ہوئے باہر موجود گاڑی میں رکھ رہے تھے۔

''ابا سامان پیک ہو گیا یا میں مدد کرواؤں؟'' مومنہ نے سلطان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں...... میں خود کروں گا سب کچھ...... جہانگیر کے ایوارڈ کو ذرا بھی کچھ ہو جاتا تھا تو بڑا غصہ کرتا تھا وہ...... یاد ہے نا کیسے لڑ پڑتا تھا۔'' سلطان نے اُس سے کہا تھا۔ مومنہ کچھ کہے بغیر کھڑی سلطان کو وہ ساری چیزیں سمیٹتے دیکھتی رہی تھی۔ اس گھر کے ساتھ ہی جیسے جہانگیر سے جڑی ہوئی بہت سی یادیں بھی وہیں رہ جانی تھیں۔ وہاں کئی سال گزارے تھے انہوں نے...... کچھ اچھے باقی سارے بُرے...... وہاں انہوں نے بھوک بھی کاٹی تھی، بیماری بھی مگر وہ گھر اُن کی چھت رہا تھا...... اتنے سال......

اُن کی زندگی کی بھوک اور غربت اب کٹ گئی تھی۔ وہ سب کچھ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ اور نیا گھر مومنہ سلطان کی زندگی میں کیا نیا لے کر آنے والا تھا یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

دروازے کو تالا لگا کر سلطان نے چابی دروازے پر کھڑے جھومر کو دیتے ہوئے بڑی اُداسی سے کہا تھا۔

''عذرا باجی کو یاد سے پہنچا دینا چابی۔''

جھومر نے دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی ناک سڑ کتے ہوئے اُس سے کہا۔

''فکر نہ کرو سلطان بھائی۔''

''تم آنا نئے گھر...... ایڈریس دیا ہے تمہیں۔'' سلطان نے اُس سے گلے ملتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بڑا یاد آؤ گے سلطان بھائی...... اب جھومر کس سے میک اپ کرائے گی مفت میں۔'' اُس نے ہچکیوں سے روتے ہوئے سلطان سے گلے ملتے ہوئے کہا تھا۔ سلطان خود بھی رونے لگا تھا اور ثریا بھی۔ بس مومنہ تھی جو بڑے مستحکم انداز میں وہاں محلے کی عورتوں سے گلے مل رہی تھی اور پھر جھومر بھی ویسے ہی اُس سے گلے ملا تھا۔

''مومنہ باجی ہمیں بھول نہ جانا۔'' جھومر نے اُس کے ساتھ لپٹتے ہوئے اُسی طرح آہ وزاری کرتے ہوئے کہا تھا۔

''آتی جاتی رہنا پرانے محلے میں۔ چھوٹے لوگ ہیں ہم پر تم سے پیار کرتے ہیں۔'' جھومر نے دوپٹے سے رگڑ رگڑ کر اپنی آنکھوں کا کاجل اور مسکارہ اپنی آنکھوں کے گرد پھیلا لیا تھا۔ اُس کی بات سنتے ہوئے مومنہ اُس سے کہہ نہیں سکی کہ اُس نے زندگی میں بس ایک چیز نہیں سیکھی...... بھولنا...... خاص طور پر احسانوں کو...... اور اُس محلے کے لوگوں سے لئے ہوئے چھوٹے بڑے قرضوں سے اُس نے جہانگیر کی زندگی کے دن خرید کر اپنے ماں باپ کو دیئے تھے۔ وہ بہت پہلے مر جاتا اگر وہاں رہنے والے اُنہیں اپنی پیٹ کاٹ کاٹ کر بچائی جانے والی جمع پونجی میں سے وقتاً فوقتاً مانگے جانے پر وہ قرض نہ دیتے رہتے۔ مومنہ سلطان نے اُس محلے کے ٹوٹے پھوٹے گھروں میں بہت سارے ''بڑے لوگ'' دیکھے تھے اور بہت سارے عالی شان گھروں میں بہت سارے ''چھوٹے لوگ''۔

''آتی جاتی رہوں گی جھومر...... نہ اس محلے کو اپنے تعارف میں کبھی چھپاؤں گی نہ تم لوگوں سے اپنے تعلق کو۔ جگہ بدل رہی ہوں تعلق نہیں۔'' اُس نے جھومر کو تھپکتے ہوئے کہا تھا اور وہ ایک بار پھر روتے ہوئے اُس سے لپٹ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ثریا اور سلطان اُس نئے تین بیڈروم کے اپارٹمنٹ میں اُس کے ساتھ پھر رہے تھے اور مومنہ اُنہیں اُس اپارٹمنٹ کی ایک ایک جگہ دکھا رہی تھی۔ وہ دونوں پچھلا گھر چھوڑنے پر اُداس تھے لیکن اس اپارٹمنٹ کو چل پھر کر دیکھتے ہوئے وہ عجیب انداز میں متاثر ہو رہے تھے۔ انہوں نے زندگی میں کبھی دوبارہ کسی اچھے گھر میں جا کر رہنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اُن کو لگتا تھا غربت کی دلدل جہانگیر کی بیماری کے ساتھ ہی اُنہیں کھا جائے گی۔

''یہ بہت بڑا ہے۔'' ثریا نے بالآخر کمرہ کمرہ پھرنے کے بعد کہا تھا۔

''ہاں اماں بہت بڑا ہے۔'' مومنہ نے جواباً اُن سے کہا تھا۔

''کتنی کھڑکیاں ہیں؟'' ثریا کا سوال مومنہ کو بے حد عجیب لگا تھا۔ وہ اب لاؤنج کی ایک کھڑکی کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''بہت ساری کھڑکیاں ہیں اماں...... ہوا بھی آئے گی اور روشنی بھی۔'' اُس نے وہ کھڑکی کھولنے میں ثریا کی مدد کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اور دھوپ؟'' ثریا نے کھلی کھڑکی سے آتی ہوا کے سامنے کھڑے ہو کر اُس سے پوچھا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے لاجواب ہوئی۔

''اس ٹیرس میں بیٹھیں گی تو دھوپ بھی آئے گی پھر اتنی گرمی میں دھوپ کو کیوں ڈھونڈ رہی ہیں آپ۔'' مومنہ نے ثریا سے کہا تھا۔

''عادت ہو گئی ہے۔'' ثریا کہتے ہوئے وہاں سے اُس دیوار کی طرف چلی گئی تھی جسے سلطان دیکھ رہا تھا۔

''کتنی خاموشی ہے یہاں کوئی آواز نہیں آتی...... پرندوں کی بھی۔'' مومنہ اُن کی طرف آئی تھی اور اُس نے ثریا کو سلطان سے کہتے ہوئے سنا تھا۔ سلطان نے ثریا کی بات کا جواب دینے کی بجائے مڑ کر مومنہ سے کہا تھا۔

''جہانگیر کی تصویریں کس دیوار پر لگاؤں؟''

''کسی بھی دیوار پر لگا دیں ابا...... آپ کا گھر ہے۔'' اُس نے جواباً کہا تھا۔ وہاں پڑے ایک صوفہ پر بیٹھتے ہوئے وہ ثریا اور سلطان کو اُس نئے گھر کی دیوار پر جہانگیر کی تصویروں کے لئے کیل ٹھونکتے دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

''مومن بھائی صوفیہ درانی کہہ رہی ہے کہ وہ وارڈ روب نہیں کر سکے گی اس فلم کی اُسے میلان کے کسی فیشن شو میں حصہ لینا ہے۔ البتہ وہ کہہ رہی ہے کہ اگر آپ کی فلم صنم پہلے سیٹ پر جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح وقت نکال لے گی۔ اُس کی وارڈ روب کے لئے۔'' داؤد نے قلبِ مومن کو آفس آتے ہی اُس دن کی پہلی بُری خبر دی تھی۔ یہ اب روٹین کی بات ہو گئی تھی کسی نہ کسی کا روز قلبِ مومن کے اس پروجیکٹ سے علیحدگی کی خبر اس کے باوجود قلبِ مومن کو جیسے ایک دھچکہ لگتا تھا۔ وہ آج بھی لگا تھا۔

''صنم کے لئے میری طرف سے معذرت کر لینا اُس سے۔ وہ اگر یہ فلم نہیں کر سکتی تو اُسے صنم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوا تھا اور اس سے پہلے کہ داؤد کچھ کہتا دروازہ کھول کر شیلی اندر آئی تھی۔

''ہائے جان۔'' شیلی نے اپنے مخصوص فدا ہو جانے والے انداز میں اندر آتے ہی کہا اور ساتھ آنکھیں جھپکائیں۔

''ہیلو۔'' مومن نے جواباً مسکرانے کی کوشش کی۔ وہ شیلی کے سامنے یہ خبر دے کر اُسے ڈرانا نہیں چاہتا تھا۔

''کافی بھیجو اچھی سی۔'' شیلی نے اندر آتے ہی باہر جاتے ہوئے داؤد سے کہا۔ اُس نے جواباً

مسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔

''کچھ اور؟''

''اور میرا ایڈوانس کا چیک خرچ ہو گیا اب اگلا کوئی چیک مل جائے تو۔'' اُس نے ساتھ ہی اپنا اگلا مطالبہ پیش کیا۔

''وہ تو باس سے بات کریں آپ۔ میں کافی ہی بھیجتا ہوں۔'' داؤد فوراً محتاط ہو کر باہر گیا تھا۔

''باس سے کیا بات کریں تمہارے باس کے سامنے تو بات ہی نہیں ہوتی شیلی سے۔''شیلی نے داؤد کے باہر نکلتے ہی بڑے عاشقانہ انداز میں ٹیبل پر دونوں کہنیاں ٹکاتے ہوئے مومن سے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''تم کہاں تھے میں تو پاگلوں کی طرح miss کر رہی تھی تمہیں۔''

''یار ترکی میں تھا......وہی فلم کی ریکی۔''مومن نے گول مول انداز میں بات کی۔

''وہ تو داؤد نے بتایا تھا مجھے۔ ہو گئی ختم ریکی۔''شیلی نے کُریدا۔'

'ہاں location wise تو ہو گیا سارا کام۔''

''wow amazing......اور سکرپٹ بھی ہو گیا مکمل۔''شیلی نے ایکسائٹمنٹ دکھائی۔

''نہیں لیکن ہو رہا ہے۔''مومن نے پھر گول مول انداز میں کہا۔

''اچھا کون لکھ رہا ہے؟''شیلی نے پھر کُریدا۔ وہ آج شاید یہ ساری معلومات ہی لینے آئی تھی۔

''میں۔''شیلی کو مومن کے جواب پر جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''تم......آہ......اچھا......سکرین پلے کر رہے ہو گے۔''

''نہیں سٹوری اور سکرین پلے دونوں۔''مومن نے جواباً کہا۔

شیلی کو کچھ دیر سمجھ نہیں آئی کہ وہ جھوٹی خوشی کا اظہار کرے یا پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کرے۔

''wow....Great.... I am so excited۔'' اس نے بالآخر جھوٹی خوشی کا اظہار کرنے میں ہی بہتری سمجھی تھی۔

''پھر تو super glamorous رول ہو گا میرا ہے نا ڈارلنگ؟'' اُس نے قلبِ مومن کو مکھن لگانے کی کوشش کی۔

''پاورفل ہے تمہارا رول۔''مومن کو سمجھ نہیں آئی وہ شیلی کو اُس کے رول کی وضاحت کیسے دیتا۔

''پاورفل تو چلو ٹھیک ہے مگر گلیمرس ہے کہ نہیں۔''شیلی کو یک دم فکر لاحق ہوئی۔

’’تم خود پڑھ کر دیکھ لینا۔‘‘ مومن نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

’’کتنی ہیروئنز ہیں اس میں؟‘‘ شیلی کو ایک اور پریشانی ہوئی۔

’’صرف ایک۔‘‘ مومن کے جواب پر شیلی کا چہرہ چمکنے لگا۔

’’Thank God پہلی بار کسی فلم میں صرف ایک ہیروئن رکھی ہے تم نے ورنہ تم تو جمعہ بازار لگا دیتے تھے عورتوں کا فلموں میں۔ کب مکمل ہو گا سکرپٹ؟‘‘ شیلی منٹوں میں جذباتی اور بے تاب نظر آنے لگی تھی۔

’’بس چند ہفتے اور چاہیے مجھے۔‘‘ مومن نے جواباً کہا۔

’’Fantastic...... ارے وہ مومنہ سلطان کی فلم کا trailer دیکھا ہے تم نے؟‘‘ سیلی کو یک دم کچھ یاد آیا اور قلبِ مومن کے چہرے پر جیسے بے اختیار ایک سایہ لہرایا۔

’’کون مومنہ سلطان اور کون سا trailer؟‘‘ اُس نے مکمل طور پر انجان بننے کی کوشش کی۔

’’ارے تم ڈائریکٹر ہو کر مومنہ سلطان کو نہیں جانتے۔ ہیکٹر کلف کی آنے والی فلم میں ہے وہ پاکستانی ایکٹریس۔ ایک سین میں آئی ہے وہ...... اور اُف...... کیا پرفارمنس دی ہے اُس نے...... trailer میں جو اُس کا سین ہے نا سیدھا دل پر ہاتھ پڑتا ہے اُسے دیکھ کر سوشل میڈیا پر وائرل ہوا ہے اُس کا trailer اور دھومیں مچی ہوئی ہیں اور تم کہہ رہے ہو تم اُسے نہیں جانتے۔ ویسے داؤد کی دوست بھی ہے وہ۔‘‘ شیلی نے رُکے بغیر اُسے تفصیلات بتانا شروع کر دیں۔

’’میں نے reject کر دیا تھا اُسے آڈیشن میں۔‘‘ مومن یہ انکشاف کرتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے بھول گیا تھا کہ اُس نے چند لمحے پہلے مومنہ سلطان کو جاننے سے انکار کیا تھا۔ شیلی نے چونک کر اُسے دیکھا۔

’’اوہ اچھا...... ظاہر ہے وہ oomph factor تو ہے ہی نہیں جو تمہیں چاہیے ہوتی ہے ایکٹریسز میں اور اتنی hot بھی نہیں ہے Personality بھی کچھ خاص نہیں۔‘‘ شیلی نے ایک منٹ لگایا تھا تھالی کا بینگن بننے میں۔

’’لیکن lucky ہے پھر بھی یارو دیا بالن کی جگہ کاسٹ ہوئی ہے۔ ہالی ووڈ کی اس فلم میں۔‘‘ وہ بات کے اختتام پر ایک بار پھر پٹڑی سے اُتری تھی اور اس بار مومن کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

’’اپنی فلم کی بات کریں؟‘‘ اُس نے کچھ سرد مہری سے شیلی سے کہا۔

’’ہاں ہاں میں تو وہی ڈسکس کرنے آئی ہوں۔‘‘ شیلی جھٹ سے سیدھا ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

وہ دو گھنٹے اُس کے ساتھ فلم سے زیادہ اپنی وارڈروب ڈسکس کرنے بیٹھی رہی تھی اور جب بالا آخر وہ جانے کے لئے اُٹھی تھی تو مومن اُسے دروازہ تک چھوڑنے گیا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ واپس اپنے کمرے میں آتا دروازہ بند ہوتے ہوئے بھی اُس نے باہر receptionپر شیلی اور داؤد کے درمیان ہونے والی بات چیت سن لی تھی۔

''مومنہ کے ہالی ووڈ کے آڈیشن کرواتے ہوئے تمہیں شیلی کیوں یاد نہیں آئی داؤد؟''شیلی نے بڑی خفگی سے داؤد سے گلہ کیا تھا جس نے جواباً ہنستے ہوئے کہا تھا۔''اب مجھے کیا پتہ تھا تم ہالی ووڈ میں بھی انٹرسٹڈ ہو گی ورنہ کروا دیتا میں، میرا کیا جاتا تھا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......کون انٹرسٹڈ نہیں ہوگا ہالی ووڈ میں؟''اس نے شیلی کو جواباً کہتے سنا تھا۔

''مومنہ کو تو مومن بھائی نے آڈیشن میں reject کر دیا تھا اس لئے بس ہمدردی میں میں نے ہالی ووڈ والی جگہ پر اُس کا آڈیشن کروا دیا۔ وہ lucky نکلی کہ اُس کو فلم مل گئی۔آپ کے پاس تو بیٹھے بٹھائے مومن بھائی کی ایک کے بعد ایک فلمیں آ رہی ہیں۔''داؤد نے اس سے کہا تھا اور شیلی کے جواب نے مومن کو سیخ پا کر دیا تھا۔

''کاش مومن مجھے reject کر دیتا اس آڈیشن میں اور تم میری ہمدردی میں میرا آڈیشن ہالی ووڈ کے لئے کروا دیتے۔تو آج میں گلوبل سٹار ہوتی......کہاں مومن کی فلم کہاں مومنہ کی فلم......کوئی مقابلہ ہی نہیں دونوں میں۔'' وہ کہتے ہوئے اب شاید چلی گئی تھی کیونکہ اُس کے بعد اس کی آواز نہیں آئی تھی۔مگر وہ اپنی باتوں سے قلبِ مومن کو تپا گئی تھی۔مومنہ سلطان کے نام کی گونج، بازگشت کی طرح یک دم ہر طرف سے قلبِ مومن کو پریشان کرنے لگی تھی۔ وہاں کھڑے اُس نے دل سے اُس کی پہلی ہی فلم کے فلاپ ہونے کی دعا کی تھی، قلبِ مومن سے نکلی ہوئی دُعا کیسے قبول نہ ہوتی۔

☆......☆......☆

''ابا آپ سوئے نہیں ابھی تک؟''مومنہ نے رات کے پچھلے پہر سلطان کو ایک پرانے بیگ کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے دیکھا تھا۔وہ خود بھی نیند نہ آنے پر اپنے بیڈروم سے اُٹھ کر باہر لاؤنج میں آئی تھی اور تبھی اُسے سلطان وہ بیگ کھولے وہاں بیٹھا نظر آیا تھا۔

''تم سے ایک کام ہے مومنہ۔''سلطان نے جواباً اُس سے کہا تھا۔

''ہاں ہاں بتائیں ابا......کچھ پیسے چاہیے کیا؟''مومنہ اُس کے پاس آ کر صوفہ پر بیٹھ گئی تھی۔

''نہیں......تم امریکہ جارہی ہوتو کیا کچھ دن کے لئے ترکی نہیں جاسکتی؟'' سلطان نے اُس سے کہا تھا۔

''ترکی......وہاں کس لئے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''حسنِ جہاں کا بیٹا ڈھونڈنا ہے مجھے......اُس کی ایک امانت ہے میرے پاس۔'' سلطان نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

''وہ ترکی میں ہے؟'' مومنہ نے اُس سے پوچھا تھا۔

''ہاں اپنے دادا کے پاس رہتا ہے۔حسنِ جہاں نے شادی کی تھی ایک خطاط سے وہاں اور ......'' سلطان نے بات ادھوری چھوڑ دی پھر چند لمحے کے بعد کہا۔

''تم اُس کے بیٹے کو ڈھونڈ دو۔''

''آپ کے پاس اُس کا پتہ ہے؟'' مومنہ نے باپ سے کہا۔

''نہیں پتہ نہیں ہے میرے پاس۔صرف شہر کا پتہ ہے۔''

''ابا صرف شہر کے پتہ پر تو کسی کو نہیں ڈھونڈا جاسکتا۔'' مومنہ نے باپ سے کہا تھا۔

''اُس کا باپ اور دادا دونوں خطاط تھے۔دادا تو بہت بڑا خطاط تھا۔ہوسکتا ہے حسنِ جہاں کا بیٹا بھی خطاط بن گیا ہو۔کوئی بڑا مشہور خطاط......حسنِ جہاں یہی تو بتانا چاہتی تھی اُسے۔'' وہ بات کرتے کرتے ماضی میں جھانکنے لگا تھا۔

''کیا نام تھا اُس کے دادا کا؟'' مومنہ نے پوچھا۔

''نام بھول گیا ہوں مگر لکھا ہوا ہے خطوں میں کہیں ڈھونڈھ کر بتادوں گا تمہیں۔'' سلطان نے کہا۔

''خط؟ مومنہ اُلجھی۔'' وہ ترکی سے خط لکھا کرتی تھی مجھے جب انڈسٹری چھوڑ کر چلی گئی تھی تو۔'' سلطان بڑبڑایا تھا۔

''کیا نام تھا حسنِ جہاں کے بیٹے کا؟'' مومنہ نے پوچھا۔

''قلبِ مومن۔'' مومنہ بے اختیار چونکی۔

''قلبِ مومن؟'' سلطان نے کچھ حیران ہوکر اُسے دیکھا تھا۔

''تم جانتی ہو اُسے کیا؟''

''جس کے بارے میں آپ بات کررہے ہیں اُس کو نہیں جانتی کسی اور کو جانتی ہوں مجھے امریکہ سے واپس آنے دیں۔ پھر ڈھونڈتی ہوں اُسے۔آپ قلبِ مومن کے دادا کا نام ڈھونڈیں۔اُس

کے بغیر کسی کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔'' مومنہ نے اُس سے کہا تھا۔

''امانت سنبھالتے سنبھالتے تھک گیا ہوں۔ سوچتا ہوں اب یہ اُسے پہنچا دوں کب تک یوں سنبھالنے رکھوں گا۔'' سلطان بڑبڑاتا رہا تھا۔ مومنہ نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ حسنِ جہاں کے بیٹے کے لئے کون سی امانت لئے بیٹھا ہے۔ اُسے بس احساس ہوا تھا تو صرف یہ کہ باپ نے اُس کا نام بھی حسنِ جہاں کے بیٹے کے نام جیسا رکھا تھا۔ وہ قلبِ مومن تھا۔ وہ مومنہ سلطان۔ وہ خطاط کا بیٹا تھا۔ خطاطوں کے پاس پلا تھا صرف نام ہی نہیں قلب بھی مومن جیسا ہی رکھتا ہوگا۔ اور وہ مومنہ سلطان تھی نہ اُس کے باپ کی دنیا پر حکومت تھی نہ مومنہ کو اگلی دُنیا میں مومنہ کا درجہ ملنا تھا۔ وہ عجیب سے احساسات کے ساتھ سلطان کے پاس سے اُٹھی تھی۔

☆......☆......☆

ایک بہت بڑے کینوس پر ایک بوڑھا ہاتھ قرآن پاک کی ایک آیت لکھ رہا تھا۔ اور پوری فضا میں وہی آیت کسی بہت خوبصورت آواز میں گونج رہی تھی۔ آسمان سے آنے والی روشنی اُس کینوس پر اُس آیت کو لکھتے ہوئے اُس بوڑھے جھریوں زدہ ہاتھ کو بقع نور بنائے ہوئے تھی۔ اور اسی کینوس کے پار ایک میدان نما سپاٹ جگہ پر ایک وجود سفید لباس میں رقص کرنے میں ملبوس تھی۔ پھرکی کی طرح گھومتا وہ وجود ایک مرد کے وجود سے ایک عورت کے وجود میں تبدیل ہوا تھا اور پھر یک دم شعلہ بن کر جل بجھا تھا۔

قلبِ مومن بے اختیار نیند میں اُٹھ کر ایک جھٹکے سے بیٹھا تھا۔ اُس کا وجود پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور وہ گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اُس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کر دیا تھا اور جیسے اپنے کمرے کو پہچاننے کی کوشش کی اور کمرے میں روشنی ہوتے ہی جو پہلی چیز اُس کی آنکھوں کے سامنے چمکی تھی وہ وہ آیت تھی جو اُس کینوس پر تھی۔

فلاتغرنکم الحیاۃ الدنیا (سورۃ فاطر، آیت 5)

وہ مفہوم نہ سمجھنے کے باوجود اُس آیت کو دہرا سکتا تھا۔ وہ اُس کے ذہن سے چپک گئی تھی۔

بستر سے اُٹھ کر وہ چپل پہنے بغیر جا کر کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ بوڑھا ہاتھ عبدالعلی کا تھا وہ اب بالآخر پہچان گیا تھا۔ اُس ناچتے ہوئے مرد کا وجود طٰہٰ کا تھا اور وہ وجود جس نسوانی وجود میں ڈھلا تھا۔ وہ اُس کی اپنی ماں حسنِ جہاں کا وجود تھا۔ آج کینوس پر پہلی بار اُس نے اللہ نور السموت کی بجائے ایک اور آیت دیکھی تھی۔ جس کے مفہوم سے وہ ناآشنا تھا۔

اُس کا سر یک دم درد سے پھٹنے لگا تھا اور اُسے محسوس ہوا تھا جیسے اُس کا اپنا وجود بھی بالکل اُسی

طرح ایک دائرے کی شکل میں گھومنے لگا تھا۔ وہ اس خواب سے اب ہمیشہ کیلئے چھٹکارہ چاہتا تھا۔ یہ خواب اُس کو بہت دور بہت پیچھے لے جاتا تھا۔

سٹڈی ٹیبل پر بیٹھ کر دُکھتے سر کے ساتھ بھی اُس نے قلم اُٹھا کر کاغذ پر اُس کہانی کو لکھنا شروع کر دیا تھا جس پر وہ اتنے ہفتوں سے کام کر رہا تھا۔ الف کی کہانی پر......اُس کی اپنی داستان پر۔

☆......☆......☆

ماسٹر ابراہیم کے گھر کے برآمدے میں فرش پر بیٹھے سامنے پڑے لکڑی کے اُس بورڈ پر رکھے کاغذ پر قرآن پاک کی اُن آیات کو ہاتھ سے لکھتے ہوئے اتنے مہینوں میں پہلی بار سکون وحی کی طرح مومنہ سلطان کے وجود پر اُترا تھا۔ دل جیسے صحیح جگہ آ کر کچھ دیر کے لئے ٹھہر گیا تھا۔ اور دنیا کی بھنور جیسی گردش میں سے مومنہ سلطان جیسے نکل آئی تھی۔ وہاں خاموشی تھی۔ کبوتروں کے دانہ چگتے ہوئے غٹرغوں کی آوازیں اور قرآن پاک کی وہ آیات جنہیں وہ سر جھکائے بے حد انہماک سے لکھنے میں مصروف تھی۔ سکون کی اس جنت میں وہ بھولے بھٹکے آ گئی تھی۔

اُس کے برابر میں ایک اور لڑکی بھی اسی طرح بے حد خاموشی سے بیٹھے اپنا کام کر رہی تھی اور پھر کام کرتے کرتے جیسے اُس نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا اور اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اُس نے مومنہ سلطان کو خدا حافظ کہتے ہوئے یک دم کہا۔

''میں سوچ رہی تھی میں نے آپ کو کہاں دیکھا ہے۔ اور اب اچانک یاد آیا ہے آپ تو مومنہ سلطان ہیں۔ ہیکٹر کلف کی فلم میں کام کر رہی ہیں نا آپ؟'' اُس لڑکی نے بے حد اشتیاق سے پوچھا تھا اور مومنہ کا دل چاہا وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہے نہیں وہ وہ نہیں ہے جو وہ پہچان کر پوچھ رہی ہے۔ سکون کی اس جنت میں وہ ناموری جیسے سانپ کی طرح ڈسی تھی اُسے۔ کچھ بھی کہے بغیر اُس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اُس لڑکی نے اپنی حیرت اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کاغذ کا ایک ٹکڑا اُس کی طرف بڑھایا تھا وہ اُس کا آٹوگراف چاہتی تھی۔ کاغذ کے اُس خالی ٹکڑے پر اُس روشنائی سے اپنے دستخط کرتے ہوئے مومنہ کو عجیب سی ندامت ہوئی۔ جس روشنائی سے وہ قرآن پاک کے الفاظ لکھ رہی تھی۔ دُنیا اُسے آخرت سے واپس کھینچ لائی تھی۔

وہ لڑکی چند منٹ اُس سے بات چیت کرنے کے بعد وہاں سے چلی گئی تھی اور اُس کے دروازے سے باہر نکلتے ہی ماسٹر ابراہیم اندر داخل ہوئے تھے اور مومنہ کو وہاں دیکھ کر وہ بے اختیار خوش ہوئے تھے۔

''ارے مومنہ تم کیسے اور کب آئی؟'' وہ صحن پار کر کے اب برآمدے میں داخل ہو رہے تھے۔ انہوں نے سلام کرنے کے بعد اُس سے کہا تھا۔

''بس ماسٹر صاحب تھوڑی دیر ہوگئی۔'' اُس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اُن سے کہا۔

''میں اپنی بیوی کی قبر پر گیا ہوا تھا۔ آج شادی کی سالگرہ تھی ہماری۔'' ماسٹر ابراہیم نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''شادی کی سالگرہ، برسی، اُن کی سالگرہ......سب آج بھی اسی طرح مناتے ہیں آپ...... آپ بڑے نیک انسان ہیں ماسٹر صاحب ورنہ دُنیا سے جانے کے بعد کون یاد رکھتا ہے کسی کو اور اتنے سالوں کے بعد۔'' مومنہ کو عجیب رشک آیا تھا ماسٹر ابراہیم کی بیوی پر۔ وہ سالوں سے اُن کی یہ روٹین دیکھتی آئی تھی۔

''نیک تو میری بیوی تھیں میں تو گناہ گار تھا......اب تک گناہ گار ہی ہوں مگر تم بتاؤ......امریکہ میں ٹھیک رہا سب کچھ؟''

''ہاں فلم کی شوٹنگ ختم ہوگئی......Brodway پر ایک play کر کے آئی ہوں۔ ایک دو اور فلمز بھی سائن کر آئی ہوں۔ ایک brand کی endorsement مل گئی ہے۔ کام ختم ہونے سے پہلے اگلا کام مل رہا ہے۔ رزق ختم ہونے سے پہلے اگلا رزق۔'' اُس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ وہ بے اختیار مسکرائے۔

''ماشاءاللہ مومنہ ماشاءاللہ۔''

''پر دل ماسٹر صاحب دل ویسے کا ویسا ہے۔''

''اُداس؟'' ماسٹر ابراہیم نے پوچھا تھا۔

''ناشکرا، کم ظرف، کسی چیز سے خوش نہیں ہوتا۔ کسی چیز میں لگتا ہی نہیں۔'' مومنہ نے عجیب بے بسی سے کہا تھا۔

''بڑی نعمت ہے دل کا دنیا میں نہ لگنا۔ مومنہ کا دل ہے ایسے ہی رہنا ہے اس نے۔'' ماسٹر ابراہیم نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''مومنہ ہی کا تو دل نہیں ہے یہ۔'' اُس نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''اس قرآن پاک کا بس ایک صفحہ رہ گیا تھا وہ مکمل کر دیا آج۔'' اُس نے ماسٹر ابراہیم سے کہا تھا۔

''اب نہیں آؤ گی؟'' وہ جیسے جانتے تھے وہ آگے کیا کہنا چاہتی تھی۔

''آنا چاہتی ہوں ماسٹر صاحب مگر پیروں میں سفر کا بھنور لپٹ گیا ہے۔ پھر امریکہ جارہی ہوں وہاں سے انڈیا...... پتہ نہیں کب آؤں دوبارہ۔ آبھی پاؤں یا نہیں۔'' اُس نے جیسے ماسٹر ابراہیم سے اپنی بے بسی بانٹی تھی۔

''اللہ لے آئے گا تمہیں دوبارہ یہاں جب بھی لانا ہوا اُس نے۔'' اُن کے لہجے میں عجیب اطمینان تھا۔

''فیصل سے منگنی کے بارے میں بتایا تھا تم نے؟'' اُنہیں یک دم فیصل یاد آیا تھا۔

''میں نے ختم کردی۔'' مومنہ نے اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

''کیوں مومنہ؟'' وہ بے ساختہ بولے۔

''پتہ نہیں کیوں ماسٹر صاحب شاید حلال اب میرے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ کسی مرد کے گھر کی عزت بن کر اُس کا رزق کھانا میرے ہاتھوں کی لکیروں میں نہیں لکھا۔ میں اپنے ماں باپ کا بیٹا ہوں۔ بیٹی نہیں بن سکتی۔'' وہ کہتی گئی تھی۔

''مجھے بڑا دُکھ ہوا۔'' ماسٹر ابراہیم نے کہا تھا۔ ''مجھے بھی ہوا تھا۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''آپ نے پچھلی بار کہا تھا مجھے اجر ملے گا۔ فیصل اجر تھا میرا لیکن میں نے خود اپنے ہاتھوں اُسے گنوا دیا۔'' اُس کی آواز میں رنج جھلکا تھا پچھتاوا نہیں۔

''نہیں وہ اجر نہیں تھا بیٹا۔ اجر ہوتا تو ضرور ملتا۔ اجر کھونے اور گنوانے والی شے ہے ہی نہیں۔ جو کھو جائے وہ پھر اجر نہیں، اجر سے پہلے کی آزمائش ہے۔'' وہ اُس سے کہتے گئے تھے۔ مومنہ چپ چاپ سنتی چلی گئی۔ وہ جس دنیا میں اب رہتی تھی وہاں کوئی ایسی باتیں نہیں کرتا تھا۔ اجر اور ثواب کی وہاں سب نفع اور نقصان کی باتیں کرتے تھے۔

''آپ جب ایسی باتیں کرتے ہیں تو مجھے لگتا ہے کوئی میرے زخموں پر مرہم کے ٹھنڈے پھاہے رکھ رہا ہے۔ ساری دنیا آپ کی طرح کیوں نہیں ہوجاتی ماسٹر صاحب۔'' مومنہ نے مسکراتے ہوئے کسی چھوٹے بچے کی طرح اُن سے سوال کیا تھا۔ وہ ہنس پڑے تھے۔ کچھ بھی کہے بغیر انہوں نے لکڑی کے اُس باکس میں سے غلاف میں لپٹا ایک قرآن پاک نکالا تھا جو اُن کے سامنے پڑا ہوا تھا۔

''یہ لو۔'' انہوں نے وہ مومنہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' مومنہ نے کچھ حیران ہوتے ہوئے وہ قرآن پاک تھاما۔

''یہ عبدالعلی صاحب کے ہاتھ سے لکھا ہوا قرآن پاک کا نسخہ ہے۔ تم رکھ لو۔'' وہ اُن کی بات پر

دنگ رہ گئی تھی۔

''مجھے کیوں دے رہے ہیں آپ یہ؟'' اُس نے ماسٹر ابراہیم سے کچھ بے چین ہوکر پوچھا تھا۔

''جب میں شہرت اور کامیابی کی چکا چوند میں راستے بھول رہا تھا تو یہ مجھے یہاں لے آیا تھا۔ اب تم اُس راستے پر جانے والی ہو تو تمہیں بھی یہ راستہ دکھائے گا۔'' انہوں نے کہا تھا۔ مومنہ اُن کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔ وہ چہرہ اُن چہروں میں سے ایک تھا جنہیں وہ کبھی بھلا نہیں سکتی تھی۔ فیض پہنچانے والا چہرہ۔

''آپ دعا کریں ماسٹر صاحب میں راستہ نہ بھولوں نہ بھٹکوں۔'' اُس نے ماسٹر ابراہیم سے کہتے ہوئے قرآن پاک کو آنکھوں سے لگایا تھا۔ وہ عبدالعلی کے کام، نام اور ماسٹر ابراہیم سے اُن کے تعلق کے بارے میں سالوں سے جانتی تھی مگر وہ اس طرح اُن کی خطاطی کی کسی چیز کو اُسے دے دیں گے اُس کے یہ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''اللہ تمہیں منزل پر پہنچائے۔'' ماسٹر ابراہیم نے اُس کی بات کے جواب میں اُسے عجیب دُعا دی تھی۔

☆......☆......☆

وہ اُس دن ماسٹر ابراہیم سے ملنے کے بعد اگلے دن امریکہ چلی گئی تھی۔ اُسے اب اگلے چند مہینے امریکہ میں رہنے تھے۔ اُس کی فلم کا پریمیئر ہونے والا تھا اور اُس کی اگلی فلم کی شوٹنگ کا آغاز ہونا تھا۔

ماسٹر ابراہیم کی وہ آخری دُعا جیسے اُس کے دماغ سے چپک گئی تھی۔ یہ پہلی بار تھا کہ انہوں نے اُسے منزل پانے کی دُعا دی تھی اور وہ منزل کیا تھی۔ کہاں تھی اور وہ اُسے کیسے پا سکتی تھی۔ یہ مومنہ سلطان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

قلبِ مومن نے اُسے جو بددُعا دی تھی وہ مومنہ سلطان کی فلم کو لگی تھی۔ اُس کی پہلی فلم فلاپ ہوگئی تھی۔ باکس آفس پر وہ ہیکٹر کلف کی پہلی فلاپ تھی مگر مومنہ سلطان اُس فلم سے آسکر ایوارڈ کے لئے نامزد ہونے والی واحد معاون اداکارہ تھی۔ قلبِ مومن کی بددعا مومنہ سلطان کو نہیں لگ سکی تھی۔

☆......☆......☆

آدھی رات کو آنے والی اُس فون کال نے قلبِ مومن کو نیند میں ہڑبڑا کر اُٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کال ترکی سے آ رہی تھی لیکن دادا کے فون نمبر سے نہیں اُن کے ایک اور ہمسائے اور دوست کے نمبر سے۔ کال ریسیو کرنے سے بھی پہلے قلبِ مومن جان چکا تھا کہ اُس کے لئے دوسری طرف کوئی بُری خبر تھی۔

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 9
/RAMZEBEKHUDI
/RAMZEBEKHUDI

قسط نمبر 09

میرے اُستادِ محترم!

اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ سے مل کر آیا ہوں اور ابھی تک سحر زدہ پھر رہا ہوں۔ پیرس فیشن ویک میں شرکت کے لئے پیرس آیا ہوا ہوں اور شانزے لیزے پر دُنیا کی چکا چوند میں سے ہر شام گزرتے ہوئے آپ کو یاد کرتا ہوں۔ خوب صورت عورتوں کے ہجوم میں مہنگے ترین برانڈز کی یلغار میں دُنیا کی اس بھیڑ میں سکون صرف اُس تخلیق میں ہے جو آپ کرتے ہیں، وہاں ترکی کے اُس چھوٹے سے گھر کی خاموشی اور سکون شانزے لیزے کی اس چکا چوند پر بھاری پڑتی ہے۔ آپ کے پاس اُس گھر میں بیٹھ کر مجھے نہ پیرس یاد آتا تھا، نہ میلان مگر یہاں اس دُنیا میں گھومتے ہوئے آپ کی باتیں اور آپ کی خطاطی میرے ساتھ گھومتی ہے، میرا سایہ بن کر...... نہ میں کان بند کر سکتا ہوں نہ آنکھیں...... کر بھی لوں تو فرق نہیں پڑے گا، آپ تو کہیں دل اور دماغ کا حصہ بن گئے ہیں...... یا شاید روح کا...... بڑا غلط کیا آپ نے اِسے بیدار کر کے...... اب یہ اِس ہجوم کے بیچ میں رہنا نہیں چاہتی جہاں میں رہتا ہوں، مجھ سے اپنے جیسوں کی محبت مانگتی ہے...... وہ میں اِسے کہاں سے لا کر دوں عبدالعلی صاحب؟ میں تو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو جانتا ہی نہیں جس کے پاس یہ خوش ہو جائے اور اسے خوش کرنے کی تلاش میں نکلوں گا تو دُنیا چھوڑنی پڑے گی، وہ میں چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ اس ''دُنیا'' کو پانے کے لئے میں نے بہت محنت کی ہے۔ اس دُنیا کو پا کر کھو دینے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔ آپ تو مومن ہیں، آپ نے کبھی ''دُنیا'' کی تمنا کی ہی نہیں۔ وہ بار بار چل کر آپ کے پاس آئی بھی تو آپ نے اپنی روح کے دروازے بند رکھے۔ مگر آپ کبھی کسی ایسے کو جانتے ہیں جو دُنیا کو پا کر اُسے خود کھو دے؟ کوئی ایسا ملے تو مجھے ضرور ملوائیں اُس سے۔ ابراہیم کی مشکل شاید وہ ہی آسان کر دے۔

اس بار آپ کو دیکھ کر دل بڑا بوجھل ہوا، شاید اس لئے بھی زیادہ یاد آ رہے ہیں آپ......
آپ کو غمزدہ اور رنجیدہ دیکھ کر مجھے اپنے ماں باپ یاد آتے رہے، میں نے پہلی بار جانا میرے یورپ آ جانے اور پیچھے سارے رابطے ختم کر دینے کے بعد وہ کیسے تڑپتے ہوں گے۔ طٰہٰ تو مر گیا، مگر میں نے تو زندہ ہوتے ہوئے بھی اُنہیں ترسا دیا۔ پتہ نہیں کیا ہوا تھا عبدالعلی صاحب کہ یورپ آ کر پیچھے رہ گئے رشتوں کو بھول ہی گیا تھا میں...... گاؤں...... گھر...... ماں، باپ، بہن، بھائی...... سب...... آزاد پرندہ بن

کر جینا چاہتا تھا میں پر یہ یاد ہی نہیں رہا تھا مجھے کہ آزاد پرندہ اُڑتا آسمان میں ہے مگر گھونسلہ وہ بھی درخت پر ہی بناتا ہے جس کی جڑیں مٹّی میں ہوتی ہیں۔

آپ کے طٰہٰ کے لئے غم کو دیکھ کر مجھے اپنے ماں باپ نہیں بھول رہے۔ آپ ظالم نہیں تھے پر میں ظالم تھا۔ ظالم کو اپنے ظلم کا احساس ہو پر تب تک مظلوم نہ رہے تو پھر ظالم کیا کرے......؟ میرے ماں باپ سالوں پہلے دُنیا سے چلے گئے اور مجھے احساسِ زیاں آج ہو رہا ہے......اب اگر توبہ بھی کروں تو کس منہ سے کروں؟

میرا دل چاہتا ہے میں آپ سے آپ کا غم بانٹ لوں۔ کاش غم کوئی چیز ہوتا جو میں آپ سے لے کر کہیں دور پھینک آتا۔

میں نہیں جانتا آپ کا پچھتاوا کیا ہے جس کا ذکر بار بار کر کے آپ چُپ ہو جاتے تھے۔ مگر میں یہ بھی نہیں جانتا طٰہٰ آپ کے پاس کیوں واپس نہیں آیا مگر میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ اُس نے جو کیا کیوں کیا ہوگا...... پیار بہت کچھ بھلا دیتا ہے۔ رب سب سے پہلے...... ماں باپ اُس کے بعد...... دُنیا سب سے آخر میں...... میں گزرا ہوں اس راستے سے اس کے سب نشیب جانتا ہوں اور فراز تو اس راستے میں کہیں ہے ہی نہیں اس کا کیا ذکر کروں۔

طٰہٰ کی بدقسمتی بس اتنی کہ اُس کی قسمت میں شوبزنس کی عورت لکھی تھی۔ میں پاکستان کے شوبزنس کو نہیں جانتا۔ اٹلی اور یورپ کے شوبزنس کو جانتا ہوں۔ شوبزنس کی عورت میں حیا نہیں رہتی یہ اُس پیشے کی مجبوری ہے پر وفا کیوں نہیں ہوتی یہ وہ خود بھی نہیں جانتیں۔ طٰہٰ نیک روح تھا بھٹک گیا۔ شوبزنس بڑی ظالم دُنیا ہے اور اس دنیا سے جڑنے والے بھی۔ یہ سراب بن کر نظروں کو بہکاتا ہے اور تب تک بہکاتا ہی رہتا ہے جب تک انسان اندھا نہ ہو جائے۔ آپ کی بہو ایک بُری عورت تھی اس لئے آپ کے لئے آزمائش بن کر آئی۔ لیکن عبدالعلی صاحب یہ آزمائش آپ کی زندگی میں نہ آتی تو آپ کا مرتبہ کیسے بڑھتا۔ نیکوں کے راستے میں آزمائشیں آتی ہیں اور بُروں کے راستے میں مُحمل۔ یہ آپ ہی نے کہا تھا نا مجھے؟

اُستادِ محترم آپ کی باتیں آپ ہی کو لکھتے ہوئے شرم سے پانی پانی ہو رہا ہوں میں۔ پر کیا کروں آپ کو دلاسہ دینا چاہتا ہوں اور اُس کے لئے میرے پاس لفظوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اگر میں کچھ کر سکتا ہوں آپ کے لئے تو مجھے حکم دیجئے۔ سید ابراہیم اُڑتا ہوا آئے گا۔ آپ کا بیٹا نہیں بن سکتا مگر آپ کا فرمانبردار ضرور ہو سکتا ہوں۔

سیدابراہیم

☆......☆......☆

وہ میز بہت سارے کاغذات سے بھرا ہوا تھا۔اور اُن کاغذات میں کیا کیا تھا کوئی پہلی نظر میں جان بھی نہیں سکتا تھا۔قلبِ مومن نے اُس میز پر ہمیشہ کھانا دیکھا تھا یا قہوہ یا پھر اخبار مگر اب اُن تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز دوبارہ اُس میز پر نہیں آنے والی تھی۔

وہ کتنے دن سے وہاں اُس گھر میں تعزیت کے لئے آنے والوں سے مل رہا تھا۔ وہ گنتی بھول گیا تھا۔ وہ کتنے دن سے وہاں آنے والی ڈاک بغیر کھولے اس میز پر ڈھیر کرتا جارہا تھا اُسے یہ بھی یاد نہیں تھا۔ وہ غم میں نہیں تھا وہ حیرت میں بھی نہیں تھا وہ کس کیفیت میں تھا وہ یہ بوجھ نہیں پار ہا تھا۔ بے خبری کی وہ کون سی دُنیا تھی جس میں وہ اب تک جیتا آیا تھا وہ صرف یہ بوجھنے کی کوشش کررہا تھا۔اور کسی سوال کا کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

اُس نے آخری بار اُنہیں ICU میں دیکھا تھا اور اُس کے وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد اُن کا انتقال ہوگیا تھا۔ وہ اُس ہاسپٹل میں اُن کو اُن آخری چند گھنٹوں میں ملنے کے لئے آنے والا واحد شخص نہیں تھا۔ وہ ہاسپٹل اُس کے آنے سے پہلے عبدالعلی کے اُن شاگردوں سے بھرا ہوا تھا جو اُن کے ہاسپٹل میں ہونے کا سن کر پتہ نہیں کہاں کہاں سے آئے تھے اور قلبِ مومن کا عبدالعلی سے رشتہ جان کر اُس سے تعزیت کرنے لگے تھے۔ قلبِ مومن کا خیال تھا اُسے اب عبدالعلی کی تدفین کے انتظامات کرنے پڑیں گے۔ اُسے یہ بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ اُنہیں State Funeral دیا جارہا تھا اور اس سب میں قلبِ مومن کی جیسے کوئی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔ وہ بیک گراؤنڈ میں چلا گیا تھا۔ ایک خاموش تماشائی کے طور پر...... یا شاید اچنبھے میں آجانے والے تماشائی کے طور پر۔ اُنہیں اپنی زندگی میں قلبِ مومن کی ضرورت شاید رہی ہو۔ موت کے بعد نہیں رہی تھی۔ وہ مجمع جو اُنہیں دُنیا سے رخصت کرنے کے لئے آیا تھا وہ کہاں کہاں سے آرہا تھا اور کیوں آرہا تھا۔ قلبِ مومن ششدر تھا۔ وہ جانتا تھا عبدالعلی نامور خطاط تھے مگر وہ ناموری کتنی تھی قلبِ مومن نے اتنے سالوں میں یہ کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور اب جب وہ اُن کا مقام دیکھ رہا تھا تو وہ ششدر تھا۔

آدھی رات کو وہ اُس میز پر پڑے اُن لفافوں کو باری باری کھولنے لگا تھا۔ وہ مختلف ممالک

کے کلچر منسٹریز سے آئے ہوئے تعزیتی پیغامات تھے...... دُنیا کے بڑے بڑے آرٹ میوزیمز اور گیلریز سے آئے ہوئے تعزیتی خط...... عبدالعلی کا کام کہاں کہاں نہیں رکھا ہوا تھا اور وہ اُن کا اکلوتا پوتا اس سب سے بے خبر تھا۔ اُس گھر میں رات کے اس پہر عجیب سی خاموشی تھی اور اس خاموشی میں اگر کچھ تھا تو کاغذ کی آوازیں یا آتش دان میں چٹخنے والی لکڑیوں کی آوازیں۔

قلبِ مومن نے ہاتھ میں پکڑا وہ سرکاری خط میز پر رکھ دیا جس میں حکومت جاپان نے عبدالعلی کے لئے بعد از مرگ ایک سول ایوارڈ دینے کی اطلاع دی تھی۔ اُس خط میں اس سے پہلے دیئے جانے والے ایک اور ایوارڈ کا ذکر بھی تھا اور اس گھر میں قلبِ مومن نے کبھی کہیں ان ایوارڈز میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ اس گھر کی دیواروں پر مکمل اور نامکمل خطاطی کے نمونوں کے علاوہ کچھ اور تھا ہی نہیں۔ قلبِ مومن کے اپارٹمنٹ کے برعکس جو اُس نے ہر اُس ''ثبوت'' سے سجا رکھی تھیں جو دنیا نے اُسے اُس کی ناموری کے لئے دیئے تھے...... اشتہار کی طرح...... اور اُسی اپارٹمنٹ میں کھڑے ہو کر وہ عبدالعلی سے پوچھتا رہا تھا کہ اُنہیں اُن کے کام نے اتنے سالوں میں کیا دیا اور عبدالعلی بغیر گنوائے چپ کھڑے اُس کی باتیں سنتے رہے تھے۔ اور اب اُن کے جانے کے بعد اُن کے سامان میں قلبِ مومن وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جو دُنیا نے اُنہیں دیا تھا۔

وہ کتنے دنوں اور کتنی راتوں سے نہیں سویا تھا وہ جیسے گنتی بھول گیا تھا۔ اُسے عبدالعلی کے بارے میں سوچنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ رونے کا بھی نہیں۔ پچھتانے کا بھی نہیں، اور اب اتنے دنوں کے بعد رات کے اُس پہر میں وہ جیسے وہی سارے کام کر رہا تھا۔

''تو دادا یہ تھے آپ اور میں قلبِ مومن کبھی آپ کو جان ہی نہیں پایا...... یا آپ نے جاننے دیا ہی نہیں۔'' ایک کے بعد ایک لفافہ کھولتے اُن تعزیتی پیغامات پر نظر ڈالتے قلبِ مومن نے سن ذہن کے ساتھ سوچا تھا۔

''مجھے ساری دنیا جانتی ہے۔ آپ کو کون جانتا ہے۔ آپ نے زندگی کے اتنے سال جس کام کو دیئے اُس نے آپ کو کیا دیا......؟ اور مجھے دیکھیں...... مجھے کون نہیں جانتا۔'' اُس نے دادا سے کہا تھا۔ Lourve میوزیم میں اُس ہفتے کو The Last Master of Mohaqqiq کے نام کیا گیا تھا۔ قلبِ مومن نے ہاتھ میں پکڑے اُس اطلاع نامہ کو بھی بے حد خاموشی کے ساتھ کاغذوں کے اُسی ڈھیر پر رکھ دی جنہیں کھولتے کھولتے اُس کے ہاتھ تھکنے لگے تھے۔

Lourve سے برٹش میوزیم، برٹش میوزیم سے یونائیٹڈ نیشنز کی جنرل اسمبلی...... عبدالعلی کا

کام ہر جگہ موجود تھا اور اب اُن کے کام کی تصاویر اخبارات کے اُس ڈھیر میں مختلف ہیڈنگز کے ساتھ تھیں جو اس گھر میں سالوں سے آتا تھا اور اتنے دنوں میں جمع ہوتے ہوتے ردّی کے ایک ڈھیر کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور اُس ردّی کے ڈھیر کو قلبِ مومن اب کھنگال رہا تھا۔ اُس شخص کے بارے میں جاننے کے لئے جن کو اُس نے ساری عمر جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ اُسے ترکی کے بہترین بورنڈنگ سکول میں پڑھانا کیسے افورڈ کر پائے تھے۔ اُسے امریکہ کی اُس مہنگی ترین یونیورسٹی میں کیسے پڑھاتے رہے تھے۔ قلبِ مومن کو آج اندازہ ہوا تھا۔ عبدالعلی کے لئے ''دنیا'' جمع کرنا اتنا آسان تھا...... چٹکی بجانے جتنا...... اور وہ پھر بھی اُس کی طرح اس پینٹ ہاؤس میں نہیں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی اُسی لکڑی کے چھوٹے سے گھر میں گزار دی تھی...... وہ سارے ایوارڈز جو اُنہیں دنیا بھر کی حکومتوں اور آرٹ ایسوسی ایشنز کی طرف سے ملتے رہے تھے وہ اسی گھر میں پڑے چند بکسوں میں تھے۔ دھول مٹی اور جالوں میں اٹے ہوئے...... یوں جیسے لینے والے نے اپنے اُن اعزازات کو کبھی کھول کر دیکھا تک بھی نہ ہو۔ وہ گھر زندگی میں پہلی بار قلبِ مومن کے لئے بھول بھلیاں بن گیا تھا...... وہاں پڑی ہر چیز عقل کو خیراں کرنے والی...... اور اُس گھر کا جانے والا مالک اُس کو سارے جواب دیتے ہوئے گونگا کر گیا تھا۔

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دیواروں پر لگی کیلی گرافیز کو اُس نے پہلی بار بغور دیکھنا شروع کیا۔

''اور میں قلبِ مومن ''عزت'' اور شہرت میں کبھی تمیز ہی نہیں کر سکا۔ نام اور ناموری کا فرق ہی نہیں پہچان سکا۔ کامیابی کا مفہوم نہیں سمجھ پایا۔''

اُن کیلی گرافیز کے سامنے سے گزرتے ہوئے اُس کو عبدالعلی کے جنارے کے مناظر نظر آنے لگے تھے۔ وہ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ تھے جو عبدالعلی کے لئے نکل آئے تھے اور قلبِ مومن اُس میں چیونٹی جیسا رہ گیا تھا۔ وہ نہ ہوتا تو بھی وہ دنیا سے اپنا آخری سفر اسی شان وشوکت سے کرتے۔

''اور وہ مجمع جو دادا کو آخری بار رخصت کرنے آیا تھا...... وہ لاکھوں کا مجمع کیا صرف انسانوں کا تھا...... یا پھر...... اللہ کی بھیجی ہوئی ہر مخلوق تھی۔ اُس میں جو عبدالعلی بن تراب کو آخری سلام پیش کرنے آئی تھی۔''

قلبِ مومن نے جیسے اپنے آپ سے پوچھا تھا۔ وہاں اب جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ دیوار پر لگے وہ خطاطی کے شاہکار۔ رات کے اس پہر جیسے عبدالعلی کی زندگی کی داستان قلبِ مومن کو سنانے میں مصروف تھے۔ ہر رنگ، ہر سٹروک پکار پکار کر کہہ رہا تھا...... میرا لکھنے والا اپنے عہد سے بڑا

انسان تھا۔

وہ اب دوسرے کمرے میں پڑا وہ صندوق کھولنے لگا تھا جس کے اوپر پینٹنگ کے بہت سارے برش اور رنگ پڑے رہتے تھے اور قلبِ مومن نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اُس کے اندر کیا ہو سکتا تھا۔ مگر اب وہ اُسے کھول کر بیٹھا تھا۔

وہ سارے ایوارڈز اور اعزازات اُسی صندوق میں اوپر نیچے پڑے ہوئے تھے جن کا ذکر وہ کچھ دیر پہلے اُن اخبارات اور لیٹرز میں پڑھ رہا تھا۔

''اور میں سمجھتا تھا عبدالعلی بن تراب کو گھمنڈ ہے ایسے کام کا گھمنڈ جو بے مقصد ہے......مگر عبدالعلی بن تراب نے تو اپنی ساری زندگی صرف اللہ کی بڑائی اور کبریائی بیان کرنے میں صرف کر دی تھی......اپنی عظمت اور بڑائی بیان کرنے والی ہر شے تو چھپا دی تھی انہوں نے۔'' اُس نے اس صندوق کو دوبارہ بند کر دیا تھا۔

''وہ ٹھیک کہتے تھے انہوں نے ساری زندگی اللہ کی کبریائی بیان کی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا وہ اللہ کی نظر میں نہ رہتے۔'' بند صندوق کے ڈھکنے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے سوچا تھا۔

''اور میں ...... میں کون ہوں؟...... اللہ کی بڑائی بیان کرنے سے انکار کرنے والا عبدالعلی کے خاندان کا آخری فرد۔'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

خسارہ ہی خسارہ تھا جو وہ اتنے سالوں میں جمع کرتا رہا تھا۔ اُس کے سارے اثاثے اپنے مالک سمیت پل بھر میں بے مول ہو گئے تھے اُس گھر میں پڑی چیزوں کے سامنے۔

''ہم سمجھتے ہیں جن چیزوں کو ہم خرید لیتے ہیں، حاصل کر لیتے ہیں ہم اُن کے مالک بن جاتے ہیں۔ ہم اُن کے مالک نہیں بنتے اُن کے غلام بنتے ہیں۔ وہ چیزیں ہماری مالک بن جاتی ہیں۔ اُن کی زندگیاں ہمارے گرد نہیں گھومتیں ہماری زندگیاں اُن کے گرد گھومنے لگتی ہیں۔'' عبدالعلی نے ایک بار کہا تھا اور اُسے سمجھ نہیں آئی تھی ہمیشہ کی طرح۔ اُسے عبدالعلی کی زندگی کی فلاسفی کبھی بھی سمجھ نہیں آتی تھی۔ اور اُس کا خیال تھا اُسے سمجھنے کی کوشش کرنی بھی نہیں چاہیے۔ وہ اُنہیں ایک ''ناکام'' انسان سمجھتا رہا تھا کیونکہ اُس کا خیال تھا اُن کا کام اگر ان کے لئے دنیا کی آسائشات کا ڈھیر نہیں لگا سکتا تو وہ کام ''اچھا'' کام نہیں۔ وہ انسان ''کامیاب'' انسان نہیں۔ اور اب اُن کے جانے کے بعد کئی راتوں کو اسی طرح جاگتے ہوئے وہ اس ''ناکام'' انسان کی کامیابی کو ناپنے کی کوششوں میں بے حال ہوا جا رہا تھا۔ عبدالعلی دین اور دنیا کو ساتھ لے کر جیئے تھے مگر دُنیا کو اپنے اوپر حاوی کیئے بغیر۔ وہ قلبِ مومن صرف دُنیا سمیٹے بیٹھا

تھا اور دُنیا اب آکٹوپس کی طرح اُسے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھی۔ وہ نکلنا چاہتا تھا اور نکل نہیں پا رہا تھا۔ وہ بھاگنا چاہتا تھا اور اُس کی ٹانگیں شل تھیں۔ اور قلبِ مومن کو کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ زندگی میں بڑے "صحیح" وقت پر سارے پردے اُس کی نظروں کے سامنے سے ہٹے تھے مگر بڑے غلط وقت پر اُسے اپنی زندگی کے بارے میں دوبارہ سے سوچنا پڑ گیا تھا۔

اُسے اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں لگی ہوئی عبدالعلی کی وہ پیٹنگ یاد آئی جو انہوں نے اُسے فلم میکنگ کو کیریئر بنانے کا فیصلہ کرنے پر اُس سال اُسے اُس کی سالگرہ پر دی تھی۔

اھدنا الصراط مستقیم

مجھے سیدھا راستہ دکھا

وہ سیدھا راستہ جو نہ GPS دکھا سکتا ہے نہ عقل وہ راستہ جو دل کی گلیوں سے گزر کر روح تک پہنچتا ہے اور صرف ایمان کی روشنی میں نظر آتا ہے۔ قلبِ مومن اب ایمان کہاں سے لاتا۔

وہ اُس رات عبدالعلی کے گھر میں بے مقصد پھرتا رہا تھا۔ ایک ایک کمرے کے سو سو چکر کاٹتے ہوئے......اندر باہر......اندر باہر...... پتہ نہیں کیا تھا جو گم ہوا تھا...... پتہ نہیں کیا تھا جو ڈھونڈ نا تھا۔

☆......☆......☆

"مومنہ سلطانہ جنوبی ایشیا کی وہ پہلی ایکٹریس بن گئی ہیں جنہوں نے سپورٹنگ ایکٹریس کے رول کے لئے آسکر ایوارڈ جیتا ہے۔ آپ کے کیا تاثرات ہیں؟" ریڈ کارپٹ پر شیلی سے انٹرویور نے پوچھا تھا۔ وہ ایک ایوارڈ شو میں سٹرکٹ کے لئے وہاں موجود تھی مگر ایوارڈ شو سے پہلے ہونے والا وہ ریڈ کارپٹ پچھلے ویک اینڈ پر مومنہ سلطان کی اُس جیت سے شروع ہو کر بار بار اُسی پر ختم ہو رہا تھا۔ جو غیر متوقع تھی ناقابل یقین تھی مگر اس وقت پورے پاکستان کے لئے وہ بے پناہ خوشی اور فخر کا باعث بنی ہوئی تھی۔

پاکستانی میڈیا پچھلے کچھ مہینوں سے اُس کی آسکر کے لئے نامزدگی کو بھی اسی طرح کوریج دیتا آرہا تھا جیسے وہ صرف نامزد ہونے پر ہی جیت گئی ہو اور اُس کا سفر بس اتنا ہی تھا۔ مگر وہ نامزد ہونے کے بعد آسکر جیت بھی جائے گی اس کا یقین کسی کو ابھی تک نہیں آرہا تھا۔ وہ پاکستان شو بز انڈسٹری کے بڑے اور یادگار لمحوں میں سے ایک تھا اور اب اگر اُس کی گونج بار بار سنائی دے رہی تھی تو یہ کسی کے لئے بھی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔

شیلی نے اپنی پلکیں بے حد مصنوعی انداز میں جھپکائیں۔ اپنے گاؤن کو سیدھا کرتے ہوئے

اُس نے انٹرویور کی بجائے کیمرہ کو دیکھتے ہوئے بے حد جذباتی انداز میں کہا۔

''I am so proud of her...... میں نے خاص طور پر اکیڈمی ایوارڈ شو کی اس تقریب کو مومنہ سلطان کے لئے لائیو دیکھا تھا اور جب اُس کا نام ونر کے طور پر پکارا گیا تو میں نے اتنی چیخیں ماریں خوشی میں کہ اتنی چیخیں تو مومنہ سلطان نے بھی نہیں ماری ہوں گی۔'' شیلی بے حد جذباتی انداز میں بات کرتی جارہی تھی۔

''میں بتا نہیں سکتی اپنی فیلنگز۔'' اُس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ انٹرویور نے اُس کی بات کو درمیان سے کاٹتے ہوئے بے حد غیر جذباتی انداز میں اگلا سوال کیا۔

''آج کس ڈیزائنر کو پہنا ہوا ہے آپ نے؟'' شیلی یک دم گڑبڑائی تھی ابھی تو اُس نے جذباتی انداز میں اپنی آنکھوں میں آنے والے وہ آنسو بھی صاف کرنے تھے جو اُمڈ ہی نہیں رہے تھے تبھی اُس کے ریڈ کارپٹ پر مومنہ سلطان کے بارے میں دیئے گئے comments کو جھلکیوں میں جگہ ملتی۔

''میں......؟...... ہاں یہ HSY ہے...... as always۔'' اُس نے لمحہ بھر لگایا تھا جذباتی سے غیر جذباتی ہونے میں اور اب وہ اپنا گاؤن جھٹک کر دکھا رہی تھی۔ کسی دوسرے کی کامیابی کے بارے میں بات کرنے سے زیادہ تکلیف دہ کام دنیا میں نہیں ہوتا اور وہ بھی اپنے شوبز کے ساتھیوں کے بارے میں...... شیلی نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ مومنہ سلطان پر حسد اور رشک وہ کر چکی تھی اب اُسے اُس سے موازنے اور مقابلے کا مسئلہ تھا۔

''آپ کی اگلی فلم قلبِ مومن کے ساتھ تھی...... وہ کب شروع ہو رہی ہے؟'' انٹرویور گاؤن کو سراہنے کے بعد سیدھا اُس کی دکھتی رگ پر آیا تھا...... قلبِ مومن کی spiritual فلم جواب فلم انڈسٹری میں قلبِ مومن کی نفسیاتی فلم کے طور پر مشہور تھی۔

''ہاں...... وہ ...... بہت جلد...... update دوں گی جلدی۔'' شیلی نے مسکراہٹوں کے جلوے بکھیرتے ہوئے جیسے اپنی عزت بچائی اور دل ہی دل میں قلبِ مومن کو چار گالیاں اور دیں۔ وہ اتنے مہینوں سے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا اور وہ اُسے فلم کی dates دے کر پھنس گئی تھی اور دنیا مومنہ سلطان کا طواف کرنے میں مشغول تھی۔

☆......☆......☆

''اس وقت ہم مومنہ سلطان کے پرانے گھر کے سامنے کھڑے ہیں اور یہ وہ علاقہ ہے جہاں مومنہ سلطان نے اپنی زندگی کا ایک بڑا وقت گزارا اور یہاں پر لوگوں کی خوشی دیدنی ہے۔ ہم اُن

کے ایک ہمسائے سے ابھی ابھی بات کر کے ہٹے ہیں اور اب ہم اُن کے علاقے کے ایک اور ساتھی سے آپ کی ملاقات کرواتے ہیں اور اُن کے تاثرات آپ کو سنواتے ہیں۔''

نیوز رپورٹر خوشی اور پسینے دونوں سے بے حال تھا اور گلی میں اُس کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا جو ہر قیمت پر کیمرہ کے فریم میں آنے کی کوشش کر رہے تھے اور نیوز رپورٹر اب جھومر سے بات کرنے لگا تھا۔

''میں تو جی اُس دن سے ناچ رہی ہوں جس دن سے ایوارڈ ملا ہے...... رُک ہی نہیں رہی جی میں...... مجھے تو ہمیشہ سے پتہ تھا کہ مومنہ باجی نے کوئی بڑا ہی کام کرنا ہے۔ میں تو کہتی رہتی تھی اُنہیں۔'' جھومر نے شاید اور بھی کچھ کہنا چاہا تھا مگر نیوز رپورٹر نے مداخلت کرتے ہوئے اُس کی بات بیچ میں کاٹی تھی اور واپس سٹوڈیو چلنے کا اعلان کیا تھا۔

LED پر اب وہ نیوز کاسٹر آنے لگی تھی جو سٹوڈیو میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''ابھی آپ نے سپیشل رپورٹ دیکھی ہے مومنہ سلطان کے آسکر کی جیت کے بعد عوام کا ردعمل اور اُن کے اپنے نئے اور پرانے علاقے کے رہائشیوں کے اُن کی اس جیت پر تاثرات...... ہم آپ کو یہاں یہ بتاتے چلیں کہ مومنہ سلطان پچھلی رات پاکستان واپس آچکی ہے اور ہمارے چینل نے ہی اُن کی واپسی پر ائیر پورٹ پر سب سے پہلے اُن سے بات کی تھی۔ اُن کے ساتھ تفصیلی انٹرویو کل شام 7 بجے نشر کیا جائے گا۔ کل مومنہ سلطان وزیر اعظم پاکستان کی دعوت پر اُن سے ملنے کے لئے وزیر اعظم ہاؤس جائیں گی اور اُس کے بعد پرسوں ایوانِ صدر، ہمارا چینل اُن کے اگلے دو تین دن کی تمام مصروفیات کی کوریج آپ کے سامنے اسی طرح وقتاً فوقتاً پیش کرتا رہے گا۔''

نیوز کاسٹر بولتی جا رہی تھی اور اُس کی گفتگو کے دوران چلنے والے نیوز tickers میں مومنہ سلطان کے اکیڈمی ایوارڈ جیتنے کی خبر بار بار دہرائی جا رہی تھی اور اُس کے ساتھ مومنہ کے ایوارڈ کے ساتھ پاکستان لوٹنے کی خبر بھی۔ اُس کے ایوارڈ جیتنے کی فوٹیج اس وقت بیک وقت بہت سے چینلز پر دو دن پرانی خبر ہونے کے باوجود بار بار چلائی جا رہی تھی۔ وہ rating لانے والی خبر تھی وہ کیسے اُسے بار بار چلانا چھوڑ دیتے۔

مومنہ سلطان کے لاؤنج میں اُس LED کے سامنے بیٹھے سلطان اور ثریا جیسے پلکیں جھپکائے بغیر چپ چاپ اُس چینل پر آنے والی وہ خبریں اور نیوز رپورٹ دیکھ اور سن رہے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً چینل بدل بدل کر ہر چینل پر مومنہ اور اُس کی جیت کے حوالے سے آنے والی ہر خبر کو اس طرح دیکھتے اور سنتے جیسے وہ پہلی بار سُن رہے ہوں۔ یہ اُن کی زندگی کے سب سے شاندار اور یادگار لمحے تھے۔ وہ جیسے

rewind کر کر کے اُن لمحوں کو گزر جانے سے روک رہے تھے۔ جتنی مبارکبادیں انہوں نے وصول کرنی تھیں پچھلے دو دن میں وصول کر لی تھیں۔ اب اُن دونوں کے فون خاموش تھے۔ اس گھر کی طرح جہاں اب وہ پچھلے کئی مہینوں سے رہ رہے تھے۔

زندگی میں آسکر شاید وہ آخری چیز بھی نہ ہوتی جس کو مومنہ کا نصیب بنتے دیکھنے کا خواب وہ دیکھتے مگر وہ اعزاز کسی خواہش کسی دعا کسی خواب کے بغیر ہی مومنہ سلطان کی جھولی میں آن گرا تھا۔ اور سلطان اور ثریا کو خوش ہونا بھی نہیں آرہا تھا۔ فخر کرنا تو اُس کے بعد کی بات تھی۔

وہ لاؤنج جہاں اس وقت وہ بیٹھے LED پر خبریں دیکھ رہے تھے وہ پھولوں کے گلدستوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں پھولوں کے چھوٹے بڑے گلدستوں کا انبار تھا اور گلدستوں کا یہ سیلاب پچھلے چند دنوں سے فی الحال ختم نہیں رہا تھا اور ہر بار جب ملازم کوئی گلدستہ اندر لے کر آتا۔ سلطان اور ثریا بچوں کی طرح خوش ہوتے۔ یوں جیسے وہ گلدستہ اُن ہی کے لئے آیا ہو۔ اُس گھر کے ہر کمرے میں اس وقت پھول ہی پھول رکھے ہوئے تھے اور سلطان اور ثریا جیسے اُن کی نگہبانی کر رہے تھے۔ وہ آتے جاتے کسی نہ کسی گلدستے کی پوزیشن یا جگہ بدلتے رہتے۔

''میری مومنہ کا نصیب بڑا اونچا ہے۔ یاد ہے نا میں ہمیشہ تجھے کہتا تھا۔'' سلطان نے بالآخر اُس نیوز بلیٹن کے خاتمے پر وہ جملہ دہرایا جو وہ پچھلے چند دنوں میں کئی بار دہرا چکا تھا اور ثریا نے ہمیشہ کی طرح اسی طرح سنا جس طرح پہلی بار سنا تھا اور سن کر ہنس پڑی تھی۔ یوں جیسے اپنی ہنسی سے سلطان کے جملے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہو۔

''مومنہ واقعی نصیب والی ہے۔'' وہ بڑبڑائی تھی عجیب سی کیفیت میں۔

''یاد ہے نا اُس کے بعد جہانگیر ہوا تھا۔'' اُس نے سلطان کو اس کی خوش قسمتی کا ایک اور ثبوت پیش کیا۔

''ہاں چار سال بعد۔'' سلطان نے بے ساختہ کہا اور چینل بدلا۔ وہ آسکر بھی ان کے دلوں اور ذہنوں سے جہانگیر کو کُھرچ نہیں سکا تھا۔

ثریا کے فون کی گھنٹی نے یک دم جیسے اُس کی یادوں پر بند باندھا۔ وہ اقصیٰ کا فون تھا۔

''یہ مومنہ کہاں ہے آنٹی...... میں کب سے فون کر رہی ہوں اُسے فون بند کر کے بیٹھی ہوئی ہے اور یہاں میرے پیچھے میڈیا والے لگے ہوئے ہیں اور میں اُنہیں روک روک کر پاگل ہو رہی ہوں۔ اب اگر آپ کے گھر کی بیل بجنا شروع ہو تو پھر مجھے مت کہیے گا۔'' اقصیٰ نے فون پر ثریا کی آواز سنتے ہی

مشین کی طرح بولنا شروع کر دیا تھا اور اُس نے ثریا کو کوئی جواب دینے کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔

''سو رہی ہے شاید پر میں دیکھ کر آتی ہوں تجھے پتہ تو ہے لمبی فلائٹ سے آئی ہے تھکی ہوئی ہوگی۔ ورنہ غیر ذمہ دار تو نہیں ہے وہ۔'' ثریا کچھ بڑبڑا کر اُس کی صفائیاں دیتی ہوئی فون لئے مومنہ کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن لاکڈ نہیں تھا۔

''مومنہ......مومنہ......'' ثریا اُسے پکارتے ہوئے فون لئے دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھی۔

وہ کمرے کے ایک کونے میں زمین پر Rug پر بیٹھی اپنی گود میں قرآن پاک رکھے اُسے پڑھنے میں مصروف تھی۔ کمرے میں روشنی صرف اُسی ایک کونے میں تھی جہاں وہ بیٹھ کر قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔ ثریا کی آواز پر اُس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔

'بیٹا اقصیٰ کا فون ہے کب سے تمہیں فون کر رہی ہے تم نے نمبر بند کیا ہوا ہے۔ اُس سے بات کر لو۔'' ثریا نے اُس سے کہا۔

''اماں میں تھوڑی دیر میں کرتی ہوں اُسے فون۔ آپ بتا دیں اُسے۔'' اُس نے قرآن پاک بند کرتے ہوئے ثریا سے کہا تھا۔ ثریا فون پر اقصیٰ سے بات کرتے ہوئے کمرے کا دروازہ بند کر کے چلی گئی تھی۔

اُس کمرے کی خاموشی چند لمحوں کے لئے غائب تھی اور اب پھر واپس لوٹ آئی تھی۔ مومنہ سلطان نے ہاتھ میں پکڑے اُس قرآن پاک کو تعظیماً ماتھے سے لگاتے ہوئے بند کیا تھا۔ وہ وہی نسخہ تھا جو عبدالعلی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور جو ماسٹر ابراہیم نے اُسے تحفے کے طور پر دیا تھا۔ وہ جب بھی اُسے کھولتی تھی پوری دُنیا کی بھاگ دوڑ جیسے روک دیا کرتی تھی۔ وہ خاموشی اور سکون میں بیٹھ کر اُس کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے اندر جھانکتی رہتی تھی......سوچنے کے لئے صرف اُس کے پاس اُتنا ہی وقت ہوتا تھا۔ اب باقی صرف روٹین تھی جو اُس قرآن پاک کے بند ہوتے ہی دوبارہ شروع ہو جاتی تھی۔ اُس کا ایک ایک منٹ اور گھنٹہ اب میکانیکی تھا......Scheduled......Planned......

قرآن پاک بند کر کے بھی وہ اُسی طرح کچھ دیر آلتی پالتی مارے بیٹھی کمرے کے نیم اندھیرے میں جگہ جگہ رکھے پھولوں کے گلدستے دیکھتی رہی۔ جن کی خوشبوئیں ایک دوسرے میں مدغم ہو رہی تھیں اور جن پر اُن کے بھیجنے والوں کے نام کے کارڈز لگے ہوئے تھے۔ ثریا نے اُس کے کمرے میں گلدستے رکھتے ہوئے صرف اُن کی خوبصورتی دیکھی تھی بھیجنے والے کا نام نہیں دیکھا تھا۔ اور نام مومنہ نے بھی نہیں دیکھے تھے۔ اُس نے اب قرآن پاک سامنے پڑی چھوٹی میز پر رکھ دیا تھا۔ گھٹنے سکیڑ کر اُن

کے گرد بازو لپیٹے وہ اسی طرح خاموش بیٹھی اپنے پھولوں سے بھرے ہوئے کمرے کو دیکھتی رہی۔ وہ عروج کے دن تھے اور وہ اور وہ عروج سے پہلے زوال سے گزر کر آئی تھی……عروج پر اعتبار کرتی تو کیسے کرتی۔

''This too shall pass.(یہ وقت بھی گزر جائے گا)۔'' وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اُن سب پھولوں کو دیکھ کر بڑبڑائی تھی۔

اُسی کمرے میں بہت سارے پھولوں کے درمیان آسکر کی وہ ٹرافی بھی رکھی تھی جس پر کھڑا سنہری مجسمہ اُس کے کمرے کی دھندلی روشنی میں بھی چمک رہا تھا۔

''آپا تم نے بہت بڑا اسٹار بن جاتا ہے…… بتا رہا ہوں میں تمہیں…… ہالی ووڈ میں کام کرو گی پھر آسکر لینے جاؤ گی……پھر speech کرنا اور میرا Thank you کرنا کہ اگر جہانگیر نہ ہوتا تو۔''

اس کے کانوں میں جہانگیر کی آواز گونجی تھی۔ وہ جانے سے پہلے جیسے اُسے اُس کی قسمت کا حال بتا کر گیا تھا۔ اور مومنہ نے آسکر ایوارڈ لیتے ہوئے جہانگیر کو وہ ایوارڈ dedicate کیا تھا بالکل ان ہی الفاظ میں اُس کا شکریہ ادا کیا تھا جن میں اُس نے کہا تھا۔

''جہانگیر نہ ہوتا تو مومنہ سلطان آج یہ ایوارڈ لئے یہاں کھڑی نہ ہوتی۔ اُس کے ہونے نے مجھے ایک اداکارہ بنایا۔ اُس کے نہ ہونے نے ایک ستارہ……وہ کہیں آسمان میں آج یہ ٹرافی تھامے مجھے دیکھ رہا ہوگا اور منتظر ہوگا کہ میں اُس کا نام لوں اور شکریہ ادا کروں تو جہانگیر تمہارا بہت بہت شکریہ تم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔''

اُس کے کانوں میں اپنی بھرائی ہوئی آواز اور گونجتی ہوئی تالیوں میں جہانگیر کے لئے کہے ہوئے لفظ اس خاموشی میں بھی بازگشت کی طرح گونجنے لگے تھے۔ وہ پچھلی رات پاکستان آئی تھی اور آنے کے بعد سب سے پہلے جہانگیر کی قبر پر گئی تھی۔ اُسے آسکر دکھانے یوں جیسے اُس آسکر کو حاصل کرنے کا سارا مقصد ہی یہ تھا۔

میز پر پڑا فون اُٹھا کر اُس نے اُس کی سکرین دیکھی۔ وہ airplane موڈ میں تھا اور بے حد شانت تھا نہ وہاں کوئی پیغام تھا نہ کوئی missed call نہ کوئی آنے والی کال نہ کوئی upcoming meeting کا reminder……اور اب وہ اُسے on کرتی تو یک دم بار بار اُسے اپنا سانس بحال کرنے کی جدوجہد کرنی پڑتی تھی……نام کے لئے……؟……ناموری کے لئے……؟……شہرت کے لئے……؟ کامیابی کے لئے……؟ رزق کے لئے……؟ یہ سب اب تھا اُس کے پاس ان میں سے کسی چیز

کے لئے بھاگنا نہیں پڑ رہا تھا اُسے۔ مگر اس کے آگے کیا تھا اور اس سب کے بعد کیا تھا یہ وہاں بیٹھے ہوئے اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔

''What is next to ecstacy?'' اُس نے ''پیرِ کاملﷺ'' میں ایک جگہ پڑھا تھا اور اب وہ خود سے وہی سوال کر رہی تھی۔

''کامیابی کے بعد کیا......؟ اُس سے بڑھ کر اور کیا؟''

☆......☆......☆

''یار کوئی اس طرح تھوڑی کرتا ہے جس طرح مومن بھائی نے کیا ہے۔ ٹھیک ہے دادا کی ڈیتھ ہوگئی لیکن مہینوں غائب ہو جاؤ...... نہ message کا جواب دو نہ فون اُٹھاؤ نہ ای میل کھولو اگلا خوار ہو جائے۔'' داؤد اُس شام بُری طرح تپا ہوا تھا۔

وہ مومن کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا اور یہ اُس کی اور ٹینا کی روز کی روٹین تھی وہ بے مقصد وہاں بیٹھے رہتے تھے۔ کام کرنے کے لئے نہیں تھا اور جو بھی تھا وہ pending پر چلا گیا تھا کیونکہ مومن یہاں نہیں تھا، اور اُس کے بغیر کمپنی کا کوئی کام نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ دونوں کمپنی کے باقی لوگوں کی طرح ہر روز آتے اور بیٹھ کر قلبِ مومن کے نمبرز پر کالز اور ای میل ایڈریس پر میسجز کرتے رہتے اور پھر تھک ہار کر اُٹھ جاتے۔ وہ ترکی میں تھا مگر کس حالت میں تھا وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے۔ مگر وہ اب تنگ آچکے تھے۔

''بغیر pay کے اتنے مہینوں سے بیٹھے ہیں اور مومن بھائی کو احساس تک نہیں ہے۔'' داؤد واقعی بُری طرح بگڑا ہوا تھا۔

''میں نے تو اب پہلی فرصت میں کوئی بھی کمپنی جوائن کر لینی ہے۔ جہاں سے بھی مجھے لیٹر آ گیا۔'' ٹینا نے جیسے اعلان کیا تھا۔

''اور میری تو قسمت خراب ہے جہاں اپلائی کر رہا ہوں آگے سے کوئی جواب ہی نہیں ملتا۔'' داؤد نے جیسے اپنا المیہ دہرایا۔ اس سے پہلے کہ ٹینا کچھ کہتی دروازہ کھول کر ایک شخص اندر آیا تھا اور پہلی نظر میں ٹینا اور داؤد نے اُسے پہچانا ہی نہیں تھا...... وہ قلبِ مومن تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقوں، بڑھی ہوئی شیو، بے ترتیب بالوں کے ساتھ...... وہ دونوں بے اختیار اپنی اپنی کرسیوں سے اُٹھ کر کھڑے ہوئے تھے۔

''مومن بھائی......What a surprise...... آپ کب آئے؟'' داؤد نے بے اختیار لپک کر اُس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''ابھی ایک گھنٹہ پہلے...... ائیرپورٹ سے سیدھا آفس ہی آیا ہوں...... یہ سکرپٹ دینے......کل اس پر میٹنگ کروں گا تم لوگوں کے ساتھ......فی الحال گھر جا رہا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اُن کے میز پر ایک سکرپٹ رکھتا ہوا اُن کے بغیر اور اُن کی کوئی بات سنے بغیر چلا گیا تھا۔

داؤد نے میز پر پڑا ہوا وہ سکرپٹ اُٹھایا۔اُس کے پہلے صفحے پر لکھا تھا۔

''Alif A Story and Film by Qalb e Momin.''

''یہ ترکی میں بیٹھ کر یہ کرتے رہے ہیں؟'' اُس نے جیسے بے یقینی کے عالم میں اُس سکرپٹ کے صفحے اُلٹتے ہوئے کہا تھا۔

''میرا سوال یہ ہے کہ اس سکرپٹ کو پڑھے گا کون؟'' ٹینا نے اُس کی بات کے جواب میں اُتنی ہی سنجیدگی سے کہا۔

''دونوں کو ہی پڑھنا ہوگا......اگر میٹنگ ہے تو ظاہر ہے پوچھیں گے وہ کہانی کے بارے میں۔'' داؤد نے کہا۔

''تم پڑھ کر سنا دینا مجھے کہانی......میں اپنی رات اسے پڑھنے میں ضائع نہیں کرسکتی...... میرا motivation level اس وقت بہت low ہے ویسے ہی۔'' ٹینا نے اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اپنے بیگ میں ڈالیں، وہ آفس سے نکلنے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

اُس کا اپارٹمنٹ ویسے کا ویسا ہی تھا۔وہاں شکور اُس کا استقبال کرنے کو نہیں تھا۔شاید وہ چھٹی پر چلا گیا ہوگا۔مومن نے اپنے پاس موجود کی کارڈ کا استعمال کرتے ہوئے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول لیا تھا۔10-9 بجے بھی اُس کا اپارٹمنٹ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔اُس نے باری باری لائٹس آن کرنا شروع کیں۔اپارٹمنٹ صاف تھا یعنی شکور چھٹی پر نہیں گیا تھا اور اگر گیا بھی تھا تو اُسے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔کچھ لمحوں کے لئے اُس گھر میں کھڑے کھڑے مومن کو اپنا آپ وہاں بے حد غیر لگا یوں جیسے وہ کسی غلط جگہ آ گیا تھا ایک بار پھر سے......کعبہ سے پھر سے بُت کدہ میں اور اُس بُت کدہ میں بتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا......جگہ جگہ......اور ویسے ہی بہت سارے بُت اُس کے اندر بھی تھے جنہیں وہ توڑ کر آیا تھا تو اب باہر پڑے ''بُت''، ''بُت'' لگنے لگے تھے......خدا نہیں۔

اور اُس بُت کدہ کے بیچوں بیچ چلتے چلتے وہ ایک بار پھر اُس پینٹنگ کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔جس پر اھدنا الصراط المستقیم کی آیات جگمگا رہی تھیں۔

قلبِ مومن چلتے ہوئے اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جیسے اندھیرے سے روشنی میں آ کر کھڑا ہوا تھا۔

''میرے مومن کو سیدھا راستہ دکھا۔ وہ راستہ جس پر فلاح ہے نہ کہ وہ راستہ جس پر صرف کامیابی ہے۔''

اُس کے کانوں میں دادا کی آواز گونجی تھی اور اُس کی آنکھوں میں پانی اُمڈا تھا یہ پانی پتہ نہیں دل کی کون سی نرم مٹی سے پھوٹنے لگا تھا۔ وہ تو رویا نہیں کرتا تھا۔ آنسو بہانا تو قلبِ مومن کا شیوہ ہی نہیں تھا اور اظہارِ ندامت کرنا اُس کی ڈکشنری میں جرم تھا۔ پر اُس پینٹنگ کے سامنے کھڑا قلبِ مومن اپنا دل ٹٹول رہا تھا اور جیسے اُس روح میں جان پھونکنے کی کوشش کر رہا تھا جو اُس کے اندر تھی مگر بے جان تھی۔

☆......☆......☆

''میں نہیں مانتی یہ سکرپٹ مومن نے لکھا ہے۔ وہ یہ لکھ ہی نہیں سکتا۔''

ٹینا دوسرے دن اپنے آفس میں بیٹھے وہ سکرپٹ کھولے بیٹھی رو رہی تھی اور ٹشو سے اپنی ناک اور آنکھیں رگڑتے ہوئے اُس نے سامنے بیٹھے داؤد سے کہا تھا۔ جو پچھلی رات یہ سکرپٹ پڑھ آیا تھا اور اُس نے صبح سویرے سرخ آنکھوں کے ساتھ آفس میں ٹینا کو وہ سکرپٹ دیتے ہوئے کہا تھا۔

''You must read it. پاگل ہو گیا ہوں میں رات کو۔'' اُس نے ٹینا سے کہا تھا اور ٹینا کو لگا وہ مذاق کر رہا تھا یا شاید اُس سکرپٹ کا مذاق اڑا رہا تھا۔ مگر دو گھنٹے بعد اب وہ اُس سکرپٹ کو لئے سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔

''مجھے بھی یقین نہیں آ رہا کہ یہ اُنہوں نے ہی لکھا ہے مگر وہ اگر یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ انہوں نے لکھا ہے تو جھوٹ تو نہیں بولا ہو گا۔'' داؤد نے اُس کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

''کس کی کہانی لکھی ہے مومن نے؟......ایک ایک صفحے پر مجھے لگتا ہے جیسے یہ کسی کی کہانی ہے جیسے یہ سب کسی پر گزرا ہے۔'' ٹینا اب ایک صفحہ پر لکھی ہوئی لائنز پڑھ رہی تھی اور سر دُھن رہی تھی۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ یہ سچی کہانی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی فلم سے انسپائرڈ ہو یا کسی ناول سے۔'' داؤد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''بالکل یہی بات ہے...... بالکل انسپائرڈ ہے یہ......مومن کتابیں بھی تو بہت پڑھتا ہے اور فلمز تو سارے زمانے کی دیکھتا ہے۔ مجھے پکا یقین ہے کہیں سے چرائی ہے کہانی یا ملا کر بنائی ہے مگر جو بھی ہے کمال ہے......شاندار ہے۔'' ٹینا کہتے ہوئے سکرپٹ کے صفحات کو پھر پلٹتی جا رہی تھی۔ وہ بار بار اپنے

پسندیدہ سینز اور لائنز کو انڈر لائن کرتی اور پھر بلند آواز میں داؤد کو سنانے لگتی اور وہ جواباً اُسے اگلی لائنز سناتا۔ وہ سکرپٹ پہلی ریڈنگ میں ہی اُنہیں جیسے رٹ گیا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے عالیہ کا کردار کس کو کرنا چاہیے؟'' ٹینا نے یک دم اُس سے کہا۔ اُس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔ اُس نے داؤد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے سوال نہیں کیا تھا اُس کی رائے لی تھی۔

''وہ نہیں کرے گی۔'' داؤد نے اُس ایکٹریس کا نام جیسے پہیلی کی طرح بوجھا تھا۔ جو ٹینا کے ذہن میں آئی تھی۔

''تمہیں بھی اُسی کا خیال آیا تھا نا؟'' ٹینا نے بھی اُس کے جواب کو بغیر جواب سنے جانا تھا۔ وہ ایکسائیٹڈ ہوئی تھی۔

''ہاں......مگر مومن بھائی نے شیلی کو کاسٹ کرنے کا کہا ہے اور شیلی ہی سے بات کرنی ہے ہمیں۔'' داؤد نے دوٹوک انداز میں اس بار اُس کی ایکسائٹمنٹ ختم کی تھی۔

☆......☆......☆

''دادا جی بڑے نیک انسان بڑی نیک روح تھے...... مجھے تو پتہ تھا ہمیشہ سے......نیکوں کو نیکوں کا پتہ چل ہی جاتا ہے۔'' شکور نے جیب سے رومال نکالتے ہوئے زار زار روتے ہوئے قلبِ مومن سے کہا تھا۔ وہ اُس سے عبدالعلی کی تعزیت کر رہا تھا اور وہ بے حد خاموشی سے اُس کی باتیں سن رہا تھا۔

''میرے بارے میں کچھ کہا انہوں نے؟'' اپنا ناک رگڑتے ہوئے شکور کو یک دم خیال آیا۔ قلبِ مومن نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''صرف یہ کہ شکور سے کہہ دوں کہ وہ جھوٹ چھوڑ دے۔'' شکور کا منہ چند لمحوں کے لئے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ جیسے رونا ہی بھول گیا تھا۔

''یہ دادا جی نے میرے لئے اس دنیا سے جانے سے پہلے کہا؟'' شکور کو یقین نہیں آیا تھا۔

''تم نے اس بلڈنگ کے چوکیدار سے کہا کہ میں اپنا پینٹ ہاؤس بیچ کر تبلیغ پر چلا گیا ہوں؟'' شکور کے آنسو بھاپ بن کر ہوا میں تحلیل ہوئے تھے۔

''نہیں تو۔'' شکور کی سانس حلق میں اٹکی۔

''صبح سے پراپرٹی ڈیلرز کے فون بھگتا رہا ہوں میں اور وہ سب تمہارے ریفرنس سے آ رہے ہیں کیونکہ تمہارے ذمہ لگایا ہے میں نے یہ گھر بیچنا۔'' شکور قلبِ مومن کو یوں دیکھ رہا تھا۔ وہ بھرائی

زبان میں باتیں کر رہا ہو۔

''میرے بڑے دشمن ہیں مومن بھائی......آپ کی نظروں میں گرانا چاہتے ہیں مجھے۔'' شکور نے بالآخر کہا۔

''اُنہیں جا کر پھر بتا دو کہ تم میری نظروں میں جتنا پہلے گرے ہوئے ہو اس سے زیادہ نہیں گر سکتے۔'' قلبِ مومن نے تنک کر کہا تھا۔

''ہاں یہ بات ہوئی نا......یہی جا کر کہوں گا......آپ کو بس اسی طرح اعتبار ہونا چاہیے مجھ پر۔''

قلبِ مومن کی بات اُس کے سر کے اوپر سے گزری تھی یا اگر اُسے سمجھ بھی آئی تھی تو اُس نے ناسمجھی کا مظاہرہ کیا تھا۔ قلبِ مومن نے اُس کے ساتھ مزید مغز ماری کا ارادہ ترک کر دیا۔

''تم کسی ماسٹر ابراہیم کو جانتے ہو؟'' اُس نے شکور سے پوچھا تھا۔

''وہ جو دادا جی کے دوست تھے اور جن سے دادا جی ملنے گئے تھے؟'' اُس نے چونک کر پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' قلبِ مومن نے مختصراً کہا۔

''ہاں جی جانتا ہوں۔''

''مجھے ملنا ہے اُن سے......اُن کا پتہ چاہیے۔''

شکور اُس کی بات پر سر کھجانے لگا۔

''پتہ تو نہیں ہے میرے پاس۔ بس علاقے کا پتہ ہے۔ آپ کو بتایا تھا نا کریم منگوائی تھی میں نے اُن کے لئے......پر پورا ایڈریس نہیں دیا تھا انہوں نے۔''

وہ فون نکال کر جیسے ایڈریس ڈھونڈنے لگا تھا۔

''تمہیں علاقے کا پتہ ہے تو وہی بتا دو میں ڈھونڈ لوں گا اُنہیں۔'' قلبِ مومن بڑبڑایا تھا۔

''پر آپ ملنا کیوں چاہتے ہیں اُن سے؟'' شکور کو یک دم تجسس ہوا۔

''ہے کوئی بیڑی جو پاؤں سے اُتارنا چاہتا ہوں۔''

اُس کا جملہ ایک بار پھر شکور کو سمجھ نہیں آیا تھا۔

''مومن بھائی صوفی ہو گئے ہیں۔'' اُس نے دل ہی دل میں کہا۔

''لیکن بس چہرے پر نور نہیں آیا جیسا دادا جی کے چہرے پر ہوتا تھا۔'' اُس نے چور نظروں

سے صوفے پر بیٹھے ہوئے قلبِ مومن کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ پھر اُسے یک دم کچھ یاد آیا۔

''کوئی خالق صاحب آتے رہے تھے آپ کے بعد آپ سے ملنے...... کہتے تھے دادا جی نے آپ کا پتہ اور فون نمبر دیا تھا مگر آپ کے فون پر اُن کا آپ سے رابطہ نہیں ہو پایا تھا۔ اُن کو دادا جی کی وفات کا بھی پتہ تھا۔'' شکور نے قلبِ مومن کو اطلاع دی۔

''مجھے اپنا کارڈ دے کر گئے تھے۔ ترکی جاتے رہتے تھے دادا جی کے پاس۔ مجھے بتایا تھا انہوں نے...... ویسے تو کہہ رہے تھے دوبارہ آئیں گے فون بھی کریں گے۔''

قلبِ مومن نے عدم دلچسپی سے اُس کی بات سنی تھی۔ اُسے فی الحال صرف ماسٹر ابراہیم سے ملنے میں دلچسپی تھی۔

☆......☆......☆

''شرم آنی چاہیے تم لوگوں کو یہ رول مجھے آفر کرتے ہوئے۔'' شیلی کا بس نہیں چلا تھا کہ وہ داؤد کے سر پر آفس میں پڑی کوئی چیز دے مارتی۔ وہ اپنا رول سننے آئی تھی اور اب غضبناک تھی۔

''اس سے بہتر میں نے کسی ہیروئن کا کریکٹر مومن کی کسی فلم میں نہیں دیکھا۔'' ٹینا نے اُسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ شیلی نے اُس کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔

''سات سالہ بچے کی ماں؟...... میں کہاں تمہیں سات سالہ بچے کی ماں لگتی ہوں؟'' وہ دھاڑی تھی۔

''کتنے Layers اور شیڈز ہیں...... شادی سے پہلے کا پورا Journey ہے...... glamorous۔'' اس بار داؤد نے کچھ بولنے کی کوشش کی تھی اور شیلی نے اُسے بھی بات پوری کرنے نہیں دی۔

''پندرہ منٹ میں ختم ہو جاتا ہے وہ سارا گلیمر اور پھر پوری فلم میں میں ایک بچہ لٹکا کر پھروں گی اور وہ بھی پہلے سات سال کا پھر اُس سے بھی بڑا...... For God's sake...... مومن سے کہو فلمیں بنانا چھوڑ دے اور لکھنا تو مکمل طور پر...... رائٹر نہیں ہے وہ...... یہ کیڑا کیوں گھس گیا ہے اُس کے دماغ میں۔ جب تک وہ اس Phase سے نکل نہیں آتا...... اُسے کہو وہ گھر بیٹھ جائے۔'' وہ دھاڑتے ہوئے اپنا بیگ اُٹھا کر کھڑی ہو گئی تھی اور چلتے چلتے اُس نے یک دم رُک کر داؤد سے کہا۔

''اور ہاں اُسے یہ بھی بتا دینا کہ میں نے احسن کی فلم سائن کر لی ہے۔ میرے پاس اب اس سال کسی اور فلم کے لئے dates نہیں ہیں ہاں اگر اُس نے صنم بنائی ہوتی تو بتانا مجھے۔'' شیلی کہتے ہوئے

آفس کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی اور اس کے باہر جاتے ہی ٹینا کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔

''Thank God she refused...... یہ رول مومنہ سلطان کا ہے...... وہی کرے گی میں بتا رہی ہوں تمہیں۔ اُس کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا یہ رول۔'' ٹینا نے داؤد کو چیلنج کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

''ہاں ہاں مجھے پتہ ہے تو نے ایسے ہی کہنا تھا...... اب تجھے کیا پتہ کتنی مصروف ہوں...... مومنہ آئی ہوئی ہے تو اُس کے لئے کھانا بنا رہی ہوں۔ تیری طرح وہ بھی ہر وقت فرمائشیں ہی کرتی رہتی ہے...... تجھے بتایا تو تھا نا میں نے ایوارڈ ملا ہے اُسے...... آسکر......'' کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے مومنہ کو لگا ثریا کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ کچن میں تھی اور ملازم ابھی کچھ دیر پہلے باہر گیا تھا پھر وہ کچن میں کس سے باتیں کر رہی تھی۔ مومنہ عجیب تجسس کے عالم میں کچن میں گئی تھی اور وہ دروازے سے اندر نہیں جا سکی۔ ثریا اب توے پر روٹی ڈالتے ہوئے ہنس رہی تھی اور پھر ہنستے ہوئے اُس نے کسی سے کہا تھا۔

''ہاں ہاں گئے تھے ہم وزیراعظم سے بھی ملے...... صدر سے بھی ملے...... تیری بہن کی اتنی عزت ہوئی وہاں...... تو ہوتا تو کتنی تصویریں بناتا...... ہاں ہاں پتہ ہے مجھے......'' مومنہ دروازے میں ساکت کھڑی ثریا کو دیکھتی رہی۔ وہ اُسی طرح باتیں کر رہی تھی اُس کی موجودگی سے بے خبر۔

''اماں کس سے باتیں کر رہی ہیں آپ؟'' اُس نے بالآخر ہمت کر کے جیسے اُنہیں مخاطب کیا تھا۔ ثریا نے چونک کر اُسے دیکھا پھر عجیب پُراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''کس سے باتیں کروں گی...... تیرا بھائی جہانگیر ہے...... یہ دیکھ۔'' اُس نے اس طرح الماری کی طرف اشارہ کیا تھا جیسے وہ وہاں کھڑا تھا۔ مومنہ نے اضطراب کے عالم میں وہاں دیکھا تھا جہاں وہ اشارہ کر رہی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا یہ وہ وہاں دیکھتے ہوئے بھی جانتی تھی۔

''اماں یہاں کوئی نہیں ہے...... اور جہانگیر کیسے آ سکتا ہے؟'' اُس نے ماں کو جیسے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

''لو بھلا...... اُس کی بہن کا گھر ہے اُسے کون روکے گا...... اُس کا جب دل چاہتا ہے آ جاتا ہے۔ پھر میں اور وہ بیٹھ کے فلمیں دیکھتے ہیں۔'' ثریا نے اُس کی بات اس طرح نظرانداز کرتے ہوئے اُسے بتایا تھا جیسے وہ عقل سے پیدل تھی۔ جو وہ دیکھ پا رہی تھیں وہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

مومنہ سلطان کچھ بھی بول نہیں پا رہی تھی۔ وہ بس دروازے کی چوکھٹ کے دونوں اطراف ہاتھ رکھے وہاں دم سادھے کھڑی رہی تھی۔

☆......☆......☆

''شیزوفرینیا کی علامات ہیں۔ وہ پچھلے کئی مہینوں سے آپ کے بھائی کو دیکھ رہی ہیں۔ آپ نے پہلے کبھی نوٹس کیوں نہیں کیا؟''

مومنہ سلطان نے سوچا تھا اُس کی زندگی میں بُری خبریں اب نہیں رہیں...... کچھ دن تو اچھے گزرتے۔ سائیکاٹرسٹ ثریا کے ساتھ کئے جانے والے سیشن کے بعد اُسے اپنی findings بتا رہا تھا اور وہ دم بخود سن رہی تھی۔

''میں پاکستان میں رہی ہی نہیں اتنے مہینے۔'' اُس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے سائیکاٹرسٹ کو بتایا تھا۔

''اسی لئے آپ کو اندازہ نہیں ہوا...... ریگولر میڈیکیشن کرنی پڑے گی اور سیشنز بھی...... ابھی early سٹیج میں ہے یہ مرض......وقت پر علاج ہو جائے گا تو کنٹرول ہو جائے گا۔'' وہ اُسے اُمید دلا رہا تھا۔ مومنہ اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے صرف سر ہلا رہی تھی۔

''By the way آپ کو آسکر جیتنے پر بہت بہت مبارک ہو...... آپ مومنہ سلطان ہیں نا؟'' سائیکاٹرسٹ نے گفتگو کا اختتام کرتے ہوئے اُس وقت اُس سے کہا جب وہ کرسی سے اُٹھ کر اُس کے آفس سے نکلنے والی تھی۔ اُس نے بمشکل شکریہ ادا کیا۔ بعض لمحوں میں آپ پہچانے نہیں جانا چاہتے۔ سینگ لگا لینا چاہتے ہیں...... ماسک چڑھا لینا چاہتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں آپ کو پہچانے جانے کے بعد یاد آتی ہیں۔

☆......☆......☆

وہ باہر نکلی تو ثریا اور سلطان دونوں باہر ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُسے دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''بہت پیسہ آ گیا ہے اس کے پاس......خوامخواہ ڈاکٹروں کے پاس چکر لگواتی ہے۔'' ثریا نے خفگی سے اُس سے کہا تھا۔ اُس نے کچھ کہے بغیر ماں کا چہرہ دیکھا۔

''سب ٹھیک تو ہے نا مومنہ؟'' سلطان نے جیسے بیٹی کے چہرے کو پڑھ لیا تھا۔

''ہاں ابا سب ٹھیک ہے۔'' مومنہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے باپ کو یقین دلایا۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا...... مجھے کیا ہوا؟ دو گھنٹے سے بس باتیں ہی کئے جا رہا تھا وہ ڈاکٹر مجھ سے......آئندہ نہیں آؤں گی اس کے پاس......میرا دماغ کھا گیا۔''

ثریا خفا انداز میں کہتے ہوئے کلینک سے باہر چل پڑی تھی۔

مومنہ میکانکی انداز میں فائل پکڑے اُن دونوں کے پیچھے چلی گئی تھی۔ سائیکاٹرسٹ نے کہا تھا اُسے ثریا کے ساتھ وقت گزارنا تھا اگر وہ یہ چاہتی تھی کہ اُس کا مرض نہ بگڑے اور وقت مومنہ سلطان کہاں سے ڈھونڈھ کر لاتی وہ یہ سوچ رہی تھی۔ زندگی ہمیں کبھی بھی بادشاہ نہیں ہونے دیتی کہ سب کچھ ہی عطا کر دے زندگی ہمیں ہمیشہ فقیر ہی رکھتی ہے۔ کسی نہ کسی شے سے محروم کسی نہ کسی شے کے لئے ترستا ہوا۔

☆......☆......☆

''پہلی فلم اور پہلی فلم پر ہی سپورٹنگ رول پر آسکر......سفر اتنا آسان تھا کیا؟'' اپنے آفس میں بیٹھے آفس میں لگی LED پر آنے والے مومنہ سلطان کے ایک ٹی وی انٹرویو پر قلبِ مومن رک گیا تھا۔ مومنہ سلطان کے آسکر کے بارے میں وہ واپس آ کر جانا تھا جہاں ٹی وی چینلز پر پچھلے دو ہفتوں میں اس کے علاوہ کوئی اور خبر بار بار دہرائی نہیں جا رہی تھی۔

''بالکل بھی نہیں...... ہر بڑی کامیابی کے پیچھے بہت بڑی قیمت ہوتی ہے۔'' اُس نے انٹرویور کو جواب دیا تھا۔ بہت کچھ بدلا ہوا تھا اُس کی شخصیت میں یہ وہ نروس گھبرائی ہوئی اداکارہ نہیں تھی جو اُس کے پاس آڈیشن کے لئے آئی تھی۔ وہ بین الاقوامی exposure جو اُسے پچھلے ایک سال میں ملا تھا۔ اُس کے اُٹھتے بیٹھتے بولنے ہر چیز میں جھلک رہا تھا۔ وہ بے حد پُراعتماد اور گراونڈڈ نظر آ رہی تھی۔

''کامیابی ہر مشکل سفر کی تھکن ختم کر دیتی ہے۔ خاص طور پر اگر کامیابی آپ کو ملنے والی کامیابی جیسی ہو۔'' انٹرویور نے مسکراتے ہوئے بے حد مرعوب انداز میں اُس کے جواب پر تبصرہ کیا تھا۔

''کامیابی کی اپنی تھکن ہوتی ہے اور جتنی بڑی کامیابی ہوتی ہے اُتنا زیادہ تھکاتی ہے۔''

اُس نے مومنہ سلطان کو کہتے سنا۔ قلبِ مومن چینل بدلتے بدلتے رُک گیا تھا۔ وہ اُس کی گفتگو سننا چاہتا تھا۔ وہ ایک عام اداکارہ کی گفتگو نہیں تھی جو کامیابی کے نشے میں چور سکرین پر اپنے ڈنکے بجانا چاہتی ہو۔

''اس مقام تک پہنچنے کے لئے کیا کیا سمجھوتے کئے؟'' سوال کرنے والی نے یک دم موضوع بدل دیا تھا۔

''سمجھوتہ کام میں کبھی نہیں کیا۔ زندگی میں بہت سارے کئے۔'' رائل بلو سوٹ میں اُس

کے گلے میں آج بھی ایک دوپٹہ تھا۔قلبِ مومن کو پتہ نہیں کیا کیا یاد آیا تھا اور جو بھی یاد آیا تھا وہ شرمسار کرنے کے لئے کافی تھا۔

''سمجھوتے کو بُرا سمجھتی ہیں؟'' انٹرویور نے کُریدا تھا۔

''کام کرنے کے لئے کئے جانے والے سمجھوتے کو بہت بُرا۔ زندگی گزارنے والے کئے جانے والے سمجھوتوں کو بالکل بھی نہیں۔'' وہ بہت مختصراً اور مدلل بات کر رہی تھی۔ انٹرویو کرنے والی اُسی کی عمر کی لڑکی تھی مگر وہ مومنہ سلطان سے بے حد مرعوب اور خائف نظر آ رہی تھی۔

قلبِ مومن جانتا تھا وہ اُس کا انٹرنیشنل سٹارڈم تھا جو بات کرنے والی کو بار بار سوچ کر بات کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''چلیں کچھ Light hearted بات چیت کرتے ہیں ہم...... کچھ پرسنل سوالات۔''

انٹرویور نے یک دم موضوع ایک بار پھر اُسی انداز میں بدلا تھا جس میں وہ بدلنے کی عادی تھی۔ قلبِ مومن آفس کا دروازہ کھول کر اندر آنے والے داؤد کو نہیں دیکھ سکا۔ وہ اُس انٹرویو میں اتنا محو تھا۔ داؤد خاموشی سے آ کر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور وہ بیٹھا تو مومن کو پہلی بار اُس کی موجودگی کا احساس ہوا۔

''کبھی کسی سے پیار کیا؟'' انٹرویور نے بے حد تجسس کے عالم میں اُس سے سوال کیا تھا۔

''ہاں۔'' بے حد بے تاثر انداز میں جواب آیا تھا۔

''پایا...... یا...... کھویا؟'' انٹرویور کا تجسس اور بڑھا۔

''پا کر بہت کچھ کھو دیتی...... اس لئے کھو دیا۔'' مومنہ سلطان نے اُسی انداز میں کہا تھا۔

''کھو دینے کی تکلیف ہے؟''

''اب نہیں ہے۔''

''زندگی میں کبھی کسی سے نفرت کی؟'' انٹرویور کا اگلا سوال تھا۔

''ہاں۔'' جواب سوچے بغیر آیا تھا یوں جیسے وہ جانتی تھی اُسے کس کا نام لینا تھا۔

''کس سے؟''

''ایک ڈائریکٹر تھا...... جس کے پاس میں فلم کا آڈیشن دینے گئی تھی۔ اُس نے فلم میں نامناسب لباس پہننے کے لئے مجھے مجبور کیا اور میرے انکار پر فلم میں کام نہیں دیا۔ وہ فلم مل جاتی تو شاید میرے بھائی کی زندگی بچ جاتی۔ تو بس اُس وقت ضرورت نے ایسی نفرت کروائی تھی اُس سے کہ آج بھی اگر کوئی نفرت کا نام لیتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے صرف اُس ڈائریکٹر کا چہرہ آتا ہے۔'' وہ پہلا سوال

تھا جس کا جواب اُس نے مختصر نہیں دیا تھا۔ بے حد تحمل سے دیا تھا مگر اُس کی آنکھیں اُس تحمل کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

قلبِ مومن کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ آج بھی اُس کی یادداشت کا حصہ ہے اور اُس انٹرویو میں اُس کا حوالہ اس طرح آئے گا۔ ندامت اس لئے بھی زیادہ ہوئی تھی کیونکہ اُس سے کچھ فاصلے پر داؤد بیٹھا ہوا تھا۔ کبھی کبھار قسمت ہمیں اس طرح کٹہرے میں لاکر کھڑا کر دیتی ہے کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

''نام بتانا چاہیں گی آپ اُس کا؟'' انٹرویور نے چند جملے اُس ڈائریکٹر کی شان میں کہنے کے بعد جیسے مومنہ سلطان کو نام لینے پر اُکسایا۔

''وہ اس قابل بھی نہیں کہ میں اُس کا نام لوں۔'' قلبِ مومن نے ریموٹ اُٹھا کر LED آف کر دی تھی۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں تھا اُس کا بھائی بیمار تھا۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد مومن نے داؤد سے کہا تھا۔

''بتا دیتا تو بھی کیا ہوتا مومن بھائی...... آپ اُس وقت کسی کی نہیں سُنتے تھے۔'' داؤد نے مدھم آواز میں شاید زندگی میں پہلی بار اُس کے رویے کی کسی بدصورتی کی نشان دہی کی تھی۔ مومن چپ کا چپ بیٹھا رہا۔

''اگر تمہاری بات ہوتی ہو اُس سے تو معذرت کرنا میری طرف سے۔'' بہت دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے جو کہا تھا اُس نے داؤد کو گنگ کر دیا تھا۔ وہ شاید پہلی معذرت تھی جو مومن کسی سے کر رہا تھا۔

''میں اور ٹینا سوچ رہے ہیں مومن بھائی کہ اگر مومنہ سے آپ کی فلم کے لئے بات کی جائے۔ شیلی تو اب انکار کر کے چلی گئی ہے اور ہم دونوں کا خیال ہے یہ رول مومنہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔'' داؤد نے اُس کی بات کے جواب میں بڑی ہمت سے کہا تھا۔

''وہ سکرپٹ تمہارے منہ پر مارے گی۔'' بے حد ٹھنڈے لب و لہجے میں مومن نے اُس سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

''میں یہ سکرپٹ تمہارے منہ پر مارنا نہیں چاہتی اس لئے اسے اٹھالو۔'' داؤد بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ مومنہ کے چہرے کی سنجیدگی میں رتی برابر فرق نہیں پڑا تھا۔ داؤد اُس کے پاس کچھ دیر

پہلے پہنچا تھا اور ادھر ادھر کی گپ شپ کرنے کے بعد وہ بالآخر اُسی موضوع پر آیا تھا اور اُس نے سکرپٹ مومنہ کے سامنے رکھتے ہوئے اُس نے بات کا آغاز کیا تھا اور جواب حسب توقع وہی آیا تھا۔ مومنہ نے سکرپٹ کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

''مومن بھائی نے یہی کہا تھا تم یہی کرو گی۔'' داؤد نے بالآخر اُس سے کہا۔

''تمہاری جگہ مومن بیٹھا ہوتا تو یقیناً یہی کرتی۔ اُس کی ہمت بھی کیسے ہوئی مجھے یہ فلم آفر کرنے کی۔ مجھ سے رابطہ کرنے کی بھی۔'' وہ بے اختیار خفا ہوئی تھی۔

''یہ آئیڈیا میرا تھا۔'' داؤد نے اعترافی انداز میں کہا۔

''اقصیٰ ٹھیک کہتی ہے تمہاری عقل گھٹنوں اور ٹخنوں کے درمیان چلتی رہتی ہے۔'' داؤد نے اُس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اُڑا دی تھی۔

''وہ بہت شرمندہ ہیں۔'' داؤد نے کہا۔ مومنہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔

''اوہ اچھا...... ضمیر جاگ گیا تمہارے مومن بھائی کا...... بڑی جلدی جاگا ہے...... اب مجھے یہ مت کہنا کہ وہ مجھ سے معذرت کرنا چاہتے ہیں۔'' داؤد زبان دانتوں تلے دبا کر بیٹھا رہا۔

''تم صرف ایک بار یہ سکرپٹ پڑھ لو۔'' مومنہ نے اُس کی بات کاٹی۔

''میں بغیر پڑھے انکار کر رہی ہوں۔ اس پر قلبِ مومن کا نام لکھا ہے اور میں اس نام کو دیکھنا تک نہیں چاہتی۔''

''اس پر اللہ کا نام بھی ہے اور الف اُسی کے نام کا پہلا حرف ہے۔'' داؤد نے بے اختیار کہا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔

''میں مومن کے ساتھ کبھی کام نہیں کروں گی۔'' اُس نے جیسے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

''مت کرو صرف اسے پڑھ لو...... پڑھنے میں تو کچھ نہیں جائے گا تمہارا۔'' داؤد نے بے ساختہ اُس سے کہا۔ وہ اس بار خاموش رہی۔

''میں چلتا ہوں ...... دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ مومنہ خفا سے انداز میں بیٹھی رہی۔

''تمہیں یاد ہے مومنہ جہانگیر کے لئے جب ہم اُس رات پیسے جمع کر رہے تھے تو جو پیسے کم پڑے تھے وہ میں آدھی رات کو کس کو جگا کر لایا تھا۔'' اُس نے کھڑے ہوتے ہوئے مومنہ سے کہا۔ مومنہ

اور داؤد ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ مومنہ کو لگا جیسے کسی نے اُس کے پیٹ میں گھونسا مارا ہو۔

''مومن کا نام مت لینا۔'' وہ جیسے کراہ کر داؤد سے بولی تھی۔

''تمہارا نام لے کر اُن سے قرضہ لے کر نہیں آیا تھا۔ اپنا ہی نام لیا تھا۔ واپس دینا چاہتا تھا بعد میں اُنہیں۔ انہوں نے لیا ہی نہیں کہ یہ چھوٹی رقم ہے...... چلتا ہوں۔''

وہ مدھم آواز میں کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ گم صم وہاں بیٹھی رہی تھی۔ زندگی میں قلبِ مومن وہ آخری آدمی بھی نہ ہوتا جس کا وہ کبھی کوئی احسان اپنے سر پر رکھنا چاہتی تھی۔ اُس نے اُس پر احسان کیا بھی نہیں تھا۔ مگر وہ مومنہ سلطان تھی احساس سے عاری ہوتی تو بہت خوش رہتی۔

☆......☆......☆

''ہیلو...... جی قلبِ مومن سے بات کر سکتا ہوں؟''

''جی میں قلبِ مومن ہی ہوں۔'' دوسری طرف فون پر موجود مرد یک دم بے حد خوش ہوا تھا۔

''شکر ہے آپ سے بات ہوگئی۔ میں اتنے مہینوں سے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آپ کے اپارٹمنٹ پر بھی کئی چکر لگا آیا ہوں لیکن آپ سے رابطہ ہی نہیں ہو پایا۔'' اُس آدمی نے کہا تھا۔

قلبِ مومن کچھ اُلجھا تھا۔ اُس کے ذہن میں اُس آدمی کا نام گونجا تھا جس کا ذکر شکور نے کیا تھا لیکن اُس نے فون پر اُس آدمی کا نام لینے کی بجائے اُس سے کہا۔

''سوری میں ابھی تک آپ کو پہچانا نہیں ہوں۔'' وہ اُس وقت آفس سے نکل رہا تھا اور اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا۔

دوسری طرف اُس آدمی نے بڑے اطمینان کے عالم میں کہا۔

''جی آپ جانتے ہوں گے تو پہچانیں گے نا۔ مرحوم عبدالعلی صاحب بہت اچھی طرح جانتے تھے مجھے ویسے۔'' اُس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں کہا۔

''آپ دادا کے دوست ہیں؟'' مومن کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا۔

''کاش ہوتا جی...... ہم تو اُن کے صرف مداح تھے۔ آپ بتائیں آپ کے پاس کب حاضر ہو سکتا ہوں...... ایک بڑا ضروری کام ہے مجھے...... اور عبدالعلی صاحب کا حکم بھی۔'' اُس آدمی نے جواباً کہا تھا۔ قلبِ مومن اُلجھا تھا۔

''دادا نے آپ سے کہا تھا مجھ سے ملنے کو؟''

''ہاں جی۔''

اُس آدمی نے کہا اور پھر یک دم جیسے اُسے خیال آیا۔

''اپنا نام تو بتانا بھول ہی گیا میں ویسے آپ کے ملازم کو اپنا کارڈ دے کر آیا تھا میں۔ بندے کو خالق علی کہتے ہیں۔'' اُس آدمی نے اپنا نام لیا اور ایک جھماکے ساتھ مومن کے ذہن میں وہ نام اور نمبر چمکا جو دادا نے اُسے دیا تھا۔ اُن کے ساتھ ہونے والی آخری فون کال کے بعد۔

''آپ آجائیں اس ویک اینڈ پر میں انتظار کروں گا آپ کا۔'' قلبِ مومن نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا خالق اُس سے کس چیز کے بارے میں بات کرنے آنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

''خیال تو رکھتا ہوں اس کا ہر وقت......اس کا خیال نہیں رکھوں گا تو کس کا رکھوں گا۔ دو ہی لوگ تو ہوتے ہیں یہاں......تم تو اتنے مہینے تھی ہی نہیں۔'' سلطان نے مومنہ سے اُس رات گلہ کیا تھا۔ اُس نے باپ کو ثریا کی بیماری کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ اسے راز میں رکھ کر ثریا کا علاج نہیں کر سکتی تھی۔ سلطان کو شیزوفرینیا کی بیماری کی کتنی سمجھ آئی کتنی نہیں لیکن اُس نے مومنہ کے سامنے یہ اقرار کر لیا تھا کہ ثریا اپنے آپ سے باتیں کرنے لگی تھی اور کبھی کبھار جہانگیر سے بھی کرتی تھی مگر اُسے اس میں کبھی کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مومنہ نے جواباً اُسے اُس ذہنی مرض کی تفصیلات بتانا شروع کر دی تھیں۔

''مہنگا علاج ہے؟'' اُس نے مومنہ کی ساری بات سن کر عجیب فکرمند انداز میں اُس سے پوچھا تھا۔

''ابا مہنگے اور سستے کی پروا نہ کریں آپ......علاج مسئلہ نہیں ہے۔ خیال مسئلہ ہے۔'' اور اُس کے اس جملے کے جواب میں سلطان نے اُسے یاد دلایا تھا کہ اُس نے پچھلے ایک سال میں اُس گھر میں کتنا کم وقت گزارا تھا۔

''جانتی ہوں ابا میری کوتاہی ہے۔ لیکن میں بے بس تھی۔ چاہتی بھی تو رہ نہیں سکتی تھی آپ لوگوں کے ساتھ پاکستان میں۔ کام پتہ نہیں کہاں کہاں لے کر جا رہا ہے مجھے۔ ابھی ایک ہفتہ میں دوبارہ جانا ہے اسی لئے آپ سے کہہ رہی ہوں آپ خیال رکھیں اماں کا۔'' اُس نے بہت نادم انداز میں سلطان کو وضاحت دی تھی۔

''تم سے شکایت نہیں کر رہا مومنہ پر یہاں تنہائی بہت ہے۔'' سلطان نے کچھ شرمندہ سا

ہوتے ہوئے سر جھکاتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''آرام بھی تو بہت ہے ابا۔'' اُس نے جیسے باپ کو یاد دلایا تھا۔

''ہاں آرام ہے پر آرام تنہائی تو نہیں مٹاتا نا۔ اتنا لمبا دن ہوتا ہے اور وہ کٹتا ہی نہیں۔ رات ہوتی ہے تو نیند نہیں آتی...... وہ جو پرانا گھر اور محلّہ تھا نا وہاں یہ سب نہیں ہوتا تھا۔ دن گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ آدھا وقت پانی کے انتظار میں گزر جاتا تھا۔ آدھا بجلی کے پھر گلی محلے میں ہونے والے لڑائی جھگڑے دیکھنے میں...... دن بھاگ جاتا تھا۔ رات ہوتی تھی تو نیند کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ کب آئی تھی کب نہیں...... آنکھ جب بھی کھلتی تھی دن چڑھے ہی کھلتی تھی۔ چاہے مچھر کاٹتے ہوں چاہے بجلی نہ ہونے پر ہوا بند ہو...... پر نیند آ جاتی تھی وہاں۔'' سلطان عجیب Nostalgic انداز میں بولتا جا رہا تھا۔ یوں جیسے اُسے کوئی الف لیلہ داستان سنا رہا ہو اور وہ سنتی جا رہی تھی یوں جیسے وہ واقعی اُس الف لیلہ سے واقف نہ رہی ہو۔

وہ اپنے ماں باپ کے لئے وہی کر سکتی تھی جو کر رہی تھی...... جتنی آسائشیں دنیا سے اکٹھی کر کے اس بڑھاپے میں اُن کے گرد ڈھیر کر سکتی تھی ڈھیر کر چکی تھی مگر وہ یہ بھول ہی گئی تھی کہ بڑھاپا آسائشیں ملنے پر نہیں چلتا ضرورتیں پوری ہونے پر چلتا ہے اور وہ ضرورتیں وہ پوری کرنے کے قابل نہیں تھی۔

''وہاں جہانگیر اور تمہارے جانے کے بعد بھی تنہائی نہیں ہوئی تھی۔ سارا دن محلے میں چلتے پھرتے رہتے تھے یا کوئی آتا جاتا رہتا تھا۔ یہاں چیزیں بہت ساری ہیں۔ آنے جانے والا کوئی نہیں۔ پرندے تک نہیں آتے...... وہاں یاد ہے صحن میں بچی ہوئی روٹی کے دو ٹکڑے بھی پھینکتی تھی تمہاری اماں تو پتہ نہیں کہاں کہاں سے کھانے کے لئے آ جاتے تھے پرندے حالانکہ چھوٹا سا صحن تھا ہمارا...... اتنا تنگ...... پتہ نہیں آسمان سے کیسے ڈھونڈتے ہوں گے پرندے ہمارے صحن میں پڑے روٹی کے ٹکڑوں کو۔ تمہاری شادی ہو جائے تو میں اور ثریا اُس پرانے محلے میں کوئی کمرہ کرائے پر لے کر رہ لیں گے۔ وہاں خوش رہیں گے ہم۔ ثریا بھی ٹھیک ہو جائے گی وہاں۔'' سلطان اُس سے کہہ رہا تھا۔

''کام تو یہاں بھی بہت سارے ہیں ابا۔'' مومنہ بمشکل بولی تھی۔ اُس ہارے ہوئے وکیل کی طرح جسے پتہ تھا اُس کا کیس کمزور تھا۔

''یہاں کیا کام ہے؟...... صفائی ملازم کرتا ہے۔ کھانا کک بناتا ہے۔ ضرورت کا سامان ڈرائیور بڑے سٹور سے لاتا ہے۔ جہاں چلتے چلتے میں اور تیری اماں تھک جاتے ہیں۔ سارا دن میں اور

ثریا بیٹھ کر ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہتے ہیں۔'' سلطان نے عجیب سی ہنسی کے ساتھ اُسے بتایا تھا۔ وہ ہنسی نہیں جیسے اُس کی بے چارگی تھی۔

''آپ ڈرائیور کے ساتھ جایا کریں باہر گھومنے پھرنے۔'' مومنہ نے جیسے اُن کے لئے کام نکالا۔

''کہاں؟'' سلطان نے بے حد سادہ لہجے میں کہا۔

''کہیں بھی اتنا بڑا شہر ہے۔'' مومنہ نے کہا۔

''ہاں پر پورے شہر میں ہمارا تو کوئی نہیں ہے نا۔ جہانگیر تھا وہ چلا گیا۔ تم ہو...... تو تم مصروف ہوتی ہو۔ پوری دنیا میں اور ہمارا کون ہے؟''

وہ مجرمانہ انداز میں باپ کے سامنے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ سلطان کی کسی بات کا اُس کے پاس جواب نہیں تھا۔ وہ اُن کے پاس نہیں بیٹھ سکتی تھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر...... ورنہ بیٹھ جاتی۔

یہ اختیار اور انتخاب اللہ نے اُسے دیا ہی نہیں تھا۔ اُس کے پاس جو تھا پوری دنیا اُس پر رشک کرتے ہوئے مری جا رہی تھی۔ اُس کے پاس جو نہیں تھا وہ اُسے مر کر بھی حاصل نہیں کر پا رہی تھی۔ اُس کی زندگی کا مقصد کیا تھا مومنہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اُس کی اس کامیابی کا مقصد کیا تھا۔ مومنہ کو یہ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک ناکام اداکارہ تھی تو بھی اپنے ہر معاملے میں بے بس تھی وہ آج کامیاب اداکارہ تھی تو بھی اپنا کوئی مسئلہ حل نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ سلطان کے پاس سے اُس رات اُٹھ کر آ گئی تھی مگر سونے کی کوشش کے باوجود وہ سو نہیں پائی تھیں۔ سلطان کی آواز اُس کے کانوں میں بار بار گونجتی تھی۔ وہ کئی گھنٹے اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے جیسے کوئی راستہ کوئی حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر جیسے بے حد بے بسی کے عالم میں وہ رات کے پچھلے پہر کچن میں چائے بنانے چلی آئی تھی۔

چائے کا کپ لئے وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھی تھی اور اُس کی نظر اُس سکرپٹ کے لفافے پر پڑی تھی جو داؤد وہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ اُس نے خالی الذہنی کے عالم میں اُس لفافے کو اُٹھایا تھا جس پر الف اور قلبِ مومن کا نام لکھا ہوا تھا اور سکرپٹ لفافے سے نکال لیا تھا۔

وہ ایک اور دُنیا تھی جہاں وہ کاغذ اُسے لے گئے تھے۔ عالیہ جہاں کی دُنیا اور اُس دنیا کا مرکز...... وہ سات سالہ دانیال...... عالیہ جہاں کا محبوب عبداللہ اور عبداللہ کا باپ عبدالہادی۔ وہ کیا کہانی تھی جس کا ایک ایک کردار دل تھا اور بس دل ہی کی حکمرانی کر رہا تھا۔ مومنہ سلطان نے اپنے اُس مختصر

کیرئیر میں ویسا سکرپٹ ویسے کردار اور ویسے ڈائیلاگز نہیں دیکھے تھے اور ہر صفحے پر وہ اُلجھتی اُسے لگتا وہ عالیہ جہاں کو جانتی تھی وہ اُس کہانی میں خود بھی کہیں تھی مگر کہاں تھی یہ اُسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ رُکے بغیر وہ صفحے پر صفحے پلٹتی اُس سکرپٹ کو انٹرول تک پڑھتی گئی تھی اور انٹرول کے سین پر جس کردار کی انٹری ہوئی تھی اُس کردار نے مومنہ کو ساکت کر دیا تھا کیونکہ پہچان گئی تھی وہ کہانی کس کی تھی اور اُسے کیونکہ وہ جانی پہچانی لگ رہی تھی وہ حسنِ جہاں کی کہانی تھی اور انٹرول میں اُس کہانی میں آنے والا کردار سلطان تھا جو اپنی محبوبہ عالیہ جہاں سے ملنے ترکی گیا تھا اور عالیہ نے دانیال سے کہا تھا کہ وہ سلطان کے بارے میں عبداللہ کو نہ بتائے۔

اُس کہانی کے کردار کا نام فرضی تھا صرف سلطان کے نام کے علاوہ۔ مومنہ کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے اُس نے انٹرویل کے بعد آگے پڑھنے کے لئے سکرپٹ کا صفحہ اُلٹا تھا وہاں آگے To be continued کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اُسے جو سکرپٹ بھیجا گیا تھا وہ انٹرول تک تھا۔ وہ بُت کی طرح بیٹھی رہی۔ عالیہ جہاں یقیناً حسنِ جہاں تھی اور اگر وہ حسنِ جہاں تھی تو قلبِ مومن دانیال کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔

''مومنہ تم اب تک جاگ رہی ہو؟''

وہ سلطان کی آواز پر چونکی تھی۔ وہ اُسے دیکھنے لاؤنج میں آیا تھا اور اب اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ باپ کو دم سادھے دیکھتی رہی۔ اُس کی نظروں میں یقیناً کوئی ایسا تاثر تھا جس نے سلطان کو پریشان کیا تھا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' وہ آگے بڑھ آیا تھا۔

''ایک سکرپٹ پڑھ رہی ہوں ابا۔'' مومنہ کو بات کرتے ہوئے اپنی آواز کھوکھلی لگی۔

''سکرپٹ؟'' سلطان اُلجھا تھا۔

''ایک اُردو فلم کا سکرپٹ'' مومنہ نے نظریں اُس پر جمائی ہوئی تھیں۔

''کیا ہے کہانی؟'' سلطان نے پوچھا اُسے اُس کی نظریں بے چین کر رہی تھیں۔

''الف لیلیٰ جیسی کہانی ہے انٹرول تک میں نے سانس روک کر پڑھا ہے۔ آپ کو بھی سناتی ہوں۔'' مومنہ نے کہنا شروع کیا۔

''ہاں سناؤ...... حسنِ جہاں کو بھی بڑا یقین تھا میری رائے پر ہر سکرپٹ سناتی تھی وہ مجھے۔ تم بھی سناؤ۔ میں بتا دوں گا Hit ہے یا نہیں۔'' سلطان کہتے ہوئے دوسرے صوفہ پر اُس کے بالمقابل بیٹھ

گیا تھا۔

''ایک بچے کی کہانی ہے ابا جس کی ماں ایک ایکٹریس اور ڈانسر تھی اور اُسے ترکی میں ایک فیسٹیول کے دوران ایک ترکی کے ڈانسر اور خطاط سے پیار ہو جاتا ہے۔'' مومنہ رُکی تھی اُس نے سلطان کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔

''وہ اُس کے لئے سب کچھ چھوڑ کر ترکی رہ جاتی ہے اور وہ ڈانسر جو خطاطوں کے ایک نامور گھرانے سے تھا اپنے باپ کو ناراض کر کے اُس سے شادی کر لیتا ہے۔لیکن پھر وہ خطاطی نہیں کر پاتا اور اُن دونوں کے درمیان محبت کی یہ داستان ایک شخص کی وجہ سے شاید ختم ہو جاتی ہے۔'' وہ کہتی گئی تھی۔

سلطان پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھتا رہا جب وہ خاموش ہوئی۔ تو سلطان نے کہا۔

''کس شخص کی وجہ سے؟'' مومنہ نے سکرپٹ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''سلطان کی وجہ سے۔''

لاؤنج میں ایسی خاموشی چھائی تھی جیسے وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر مومنہ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اُس سے کہا۔

''کیا تھے ابا آپ حسنِ جہاں کی زندگی میں؟ ہیرو یا ولن؟''

سلطان نے جواب دینے کی بجائے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔

''انٹرول کے بعد کیا ہوا تھا اس سکرپٹ میں؟''

''میں نہیں جانتی میرے پاس صرف آدھا سکرپٹ آیا ہے۔''

''منع کر دو اس سکرپٹ کو۔'' سلطان نے بے ساختہ کہا۔

''آپ گئے تھے نا ترکی حسنِ جہاں سے ملنے؟ کیا ہوا تھا ابا وہاں؟ کیا کیا تھا آپ نے؟''

مومنہ نے اُس کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔سلطان اُس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔

''جس نے یہ سکرپٹ لکھا ہے اُس سے پوچھو۔اُسے سب علم ہو گا۔''

اُس کے لہجے میں طنز تھا۔

''کس نے لکھا ہے یہ سکرپٹ؟''

''قلبِ مومن نے۔'' اس بار پہلے سے بھی لمبی خاموشی چھائی تھی لاؤنج میں پھر سلطان جیسے کراہتے ہوئے بولا تھا۔

''اُس کے بیٹے نے؟'' مومنہ نے سر ہلایا۔

''وہی فلم ڈائریکٹر ہے جس کی فلم کے آڈیشن کے لئے بھیجا تھا آپ نے اور اُس نے مجھے کام نہیں دیا۔''

مومنہ نے مدھم آواز میں کہا۔

''وہ فلم ڈائریکٹر؟ وہ بیٹا ہے حسنِ جہاں کا؟...... وہ خطاط نہیں بنا؟ یہاں پاکستان آ گیا؟'' سلطان نے بے یقینی کے عالم میں اُس سے کہا۔ اُس نے سر ہلا دیا۔

''مجھے...... مجھے ملوا دو اُس سے۔'' سلطان نے بے اختیار کہا۔

''آپ کیا کریں گے اُس سے مل کر؟''

مومنہ نے پوچھا۔

''میں انٹرول کے بعد والے حصے میں اپنا رول جاننا چاہتا ہوں۔''

''آپ اُس کی فلم کے ولن ہیں ابا۔ یہ میں آپ کو پورا اسکرپٹ پڑھے بغیر بھی بتا سکتی ہوں۔'' ایک سایہ سلطان کے چہرے پر لہرایا تھا۔

''آپ کس لئے گئے تھے اُس سے ملنے؟'' مومنہ نے دوبارہ پوچھا۔

''حسنِ جہاں کا نام لکھا ہے اُس نے سکرپٹ میں؟'' سلطان پتہ نہیں اپنے کس اندازے کی تصدیق چاہتا تھا۔

''نہیں ابا...... ہر ایک کا نام بدلا ہے اُس نے سوائے آپ کے............ آپ سے نفرت کرتا ہے وہ اس لئے آپ کا نام نہیں بدلا اُس نے...... حسنِ جہاں کی زندگی کے قصے اتنے سنے ہیں آپ سے کہ میں آنکھیں بند کر کے بھی پہچان سکتی ہوں کہ وہ عالیہ جہاں نہیں ہے حسنِ جہاں ہے اور عالیہ جہاں نے جس کے لئے بے وفائی کی وہ سلطان تھا۔''

وہ اُس کے جملے پر ہنسنے لگا تھا اتنا کہ اُس کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

''بے وفائی کر لیتی سلطان کے لئے تو آج زندہ ہوتی۔'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''ابا آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' مومنہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''میں دوں گا بھی نہیں تم یہ فلم مت کرنا...... یہ فلم فلاپ ہو گی۔ تاریخ کی سب سے بڑی فلاپ۔'' وہ کہتے ہوئے وہاں رُکے بغیر چلا گیا تھا۔ مومنہ مضطرب اُسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

فون کی گھنٹی نے داؤد کو گہری نیند سے جگایا تھا۔اُس نے نیند میں ہی آنکھوں کو مسلتے ہوئے فون اُٹھا کر نام دیکھتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو مومنہ رات کے تین بجے کال کر رہی ہو تم......سب خیریت تو ہے۔'' داؤد نے کچھ فکر مند انداز میں کہا تھا۔

''میں یہ فلم کروں گی۔'' اُسے مومنہ کی آواز سنائی دی۔

''کون سی فلم؟'' نیند میں داؤد فوری طور پر اُس کی بات نہیں سمجھا۔

''الف۔'' اس بار داؤد کی نیند اُڑن چھو ہو گئی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا......تم نے الف کہا ہے نا؟'' داؤد بستر میں اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ہاں الف ہی کہا ہے اگلے ایک دو دن میں قلبِ مومن کے ساتھ میری میٹنگ شیڈول کر دو۔ میں دبئی جانے سے پہلے اُس سے مل کر فلم کا دوسرا حصہ سننا چاہتی ہوں۔''

اُس نے کہا تھا اور داؤد کا جواب سنے بغیر فون رکھ دیا۔

☆......☆......☆

''فلم کا بجٹ short ہے باس۔'' ٹینا نے اعلان کرنے والے انداز میں کہتے ہوئے لیپ ٹاپ کو جیسے پیچھے دھکیلا تھا۔ وہ پچھلے دو دن سے الف کے بجٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اب اُس نے بالآخر ہتھیار ڈالنے والے انداز میں مومن کو اطلاع دے دی تھی جو اُس کے ساتھ ہی دوسرا لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا اُس بجٹ شیٹ کو دیکھ رہا تھا جس میں سے بے شمار کٹوتیاں کرتے ہوئے بھی بجٹ کم نہیں ہو رہا تھا۔

''Low-budgeted یہ فلم ہو نہیں سکتی اور High budgeted کے لئے پیسہ اکٹھا کرنا اس وقت مشکل ہے جب کوئی سپانسر ساتھ آنے کو تیار ہی نہیں۔'' ٹینا نے اُسے بتایا۔

''اگر آفس کو mortgage کر کے loan لے لیں۔'' مومن نے یک دم کہا۔ ٹینا کو لگا وہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ فلم اُس کی زندگی کا رسک تھی اور وہ بھی calculated نہیں اور اب وہ اس سے بھی بڑا رسک لینا چاہتا تھا۔

''باس یہ بے وقوفی تو کبھی نہ کریں۔ یہ فلم فلاپ ہوئی تو پچھلی فلموں سے جو کمایا ہے اس آفس کی صورت میں وہ بھی گنوا بیٹھیں گے آپ...... ہمارا کیا ہے ہم تو کہیں بھی جاب ڈھونڈھ لیں گے آپ کا کیا ہو گا۔'' ٹینا نے بے حد ہمدردانہ انداز میں اُسے بے تکلفی سے مشورہ دیا تھا۔

''اگر کم سے کم بجٹ بھی کریں تو کتنا پیسہ چاہیے ہو گا؟'' مومن بڑبڑاتے ہوئے لیپ ٹاپ

پر کچھ نمبرز دیکھ رہا تھا۔

''کم سے کم سات کروڑ زیادہ سے زیادہ دس...... یہ window ہے آپ کے بجٹ کی۔''

ٹینا نے اُس کی مدد کی۔

''میری مانیں یہ رسک نہ لیں......صنم بنائیں اُس کے لئے سارے سپانسرز سارے ایکٹرز تیار بیٹھے ہیں۔'' ٹینا کو لگا شاید یہ وہ موقع تھا جب وہ اُسے سمجھا سکتی تھی۔

''کس کے لئے بنا رہے ہیں آپ یہ فلم جو spirituality پر ہے......کون دیکھے گا......؟ لوگوں کو نہیں ہے دلچسپی...... مادہ پرست ہو چکے ہیں ہم سب......ہمیں اسی دنیا کے لئے جینا اور اسی میں جینا ہے۔جن کو روحانیت کے بارے میں کھوج ہوتی ہے وہ مسجد جاتے ہیں مدرسہ جاتے ہیں وہ سینما نہیں آئیں گے......سینما میں وہی بکے گا جو آپ ہمیشہ سے بیچنے کے لئے مشہور ہیں۔'' ٹینا کہتی چلی گئی۔مومن ہنس پڑا۔

''یعنی کمرشل فلمز......آرٹ کے نام پر غلاظت۔''

ٹینا کو یقین نہیں آیا وہ لفظ اُس نے قلبِ مومن سے اپنے کام کے لئے سنے تھے۔جب لوگ اُس کے کام کے لئے ایسے لفظ استعمال کرتے تھے تو وہ تپ جاتا تھا۔آج وہ خود وہ الفاظ استعمال کر رہا تھا اور اُسے کوئی جھجھک نہیں تھی۔

''آپ وہ ہی بنائیں جسے بنا کر آپ کو شہرت ملی ہے نام ملا ہے۔'' ٹینا اپنے لفظوں کو اس سے زیادہ بے ضرر نہیں کر سکتی تھی۔مومن نے اُس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ بنانے کو دل نہیں چاہتا۔''

''یہ جو آپ بنانے جا رہے ہیں اس پر آپ کو زیادہ سے زیادہ Rave reviews ملیں گے لیکن پہلے ہفتہ میں ہی فلم اُتر جائے گی۔'' ٹینا نے بے حد صاف گوئی سے کہا۔مومن کے ساتھ ساتھ اُن کا کیریئر بھی الف کی وجہ سے داؤ پر لگ رہا تھا۔اس سے پہلے کہ مومن کچھ کہتا داؤد دروازہ کھول کر دھڑاک سے اندر آیا تھا اور اُس نے اندر آتے ہی بلند آواز میں کہا تھا۔

''مومن بھائی مومنہ تیار ہے الف کرنے کے لئے۔'' ٹینا اور قلبِ مومن دونوں کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''مطلب وہ یہ بچے والا رول کرے گی؟'' مومن نے کچھ اٹکتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو ظاہر ہے کرے گی وہ...... ہیروئن ہی ایک ہے اس فلم میں۔'' داؤد اب پھولے

ہوئے سانس اور بے حد جوش کے عالم میں کرسی پر گرتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ کے ستارے گردش سے نکل رہے ہیں باس۔'' ٹینا چہکی تھی۔

''یا اُس کے ستارے گردش میں آ رہے ہیں۔'' مومن اب بھی بے یقینی سے بڑبڑایا تھا۔

''وہ ملنا چاہتی ہے میٹنگ کے لئے۔'' داؤد نے کہا۔

''اور میں نے کل کا ٹائم دے دیا ہے اُسے۔'' داؤد نے ساتھ ہی کہا۔

''لیکن وہ اس سٹوڈیو نہیں آنا چاہتی۔ یہاں بُری یادیں ہیں اُس کی۔ میں نے اُسے آپ کے اپارٹمنٹ بلایا ہے۔'' داؤد رُکے بغیر بولتا چلا جا رہا تھا۔

''وہ آجائے گی اپارٹمنٹ؟'' مومن حیران ہوا۔

''ہاں اُس نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا۔'' داؤد نے جواباً کہا۔

''میں جا سکتا ہوں اُس کے گھر۔'' مومن نے یک دم کہا۔

''نہیں آپ کے اپارٹمنٹ ہی پر ملنا چاہتی ہے وہ اپنے گھر نہیں بلانا چاہتی۔'' داؤد نے کہا اور ساتھ ہی دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''برانڈز اب دوڑنے والے ہیں ہماری طرف......مومنہ سلطان کی پہلی پاکستانی فلم الف کے لئے۔''

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 10
/RAMZEBEKHUDI
/RAMZEBEKHUDI

قسط نمبر 10

پیارے بابا جان!

اسلام علیکم

میں جانتی ہوں یہ خط دیکھ کر آپ حیران ہو جائیں گے لیکن شاید آپ کی خوشی آپ کی حیرت سے زیادہ ہو گی۔

آپ کو خط لکھنے کا خیال روز آتا تھا۔ اُس دن سے جب سے میں قلبِ مومن کو لے کر ترکی سے پاکستان آ گئی تھی۔ روز میرا دل چاہتا تھا میں آپ سے آپ کا حال پوچھوں۔ میں جاننے کی کوشش کروں کہ آپ کے دن رات کیسے گزر رہے ہیں؟ کیا وہ بھی ویسے ہی ویران ہیں جیسے میرے؟ کیا آپ کا غم بھی ابھی تک ویسا ہی ہے جیسا میرا؟ کیا درد اب بھی تھمنے کا نام نہیں لے رہا؟

آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی بہت کچھ کہنا اور بتانا چاہتی تھی پر کبھی وقت آڑے آ گیا کبھی انا اور کبھی میری شرمندگی۔

اور اب زندگی نے بالآخر مجھے مجبور کر دیا کہ میں آپ کو یہ خط لکھوں اور آپ سے مدد مانگوں۔ وہ کام جو کبھی کرنے سے پہلے میں مر جانا چاہتی تھی۔ آپ سے ناراضگی اور آپ پر غصہ بہت سال رہا تھا مجھے۔

آپ نے میرے اور طٰہٰ کے درمیان آنے کی کوشش کی تھی۔ ہمیں جُدا رکھنے کی خواہش تھی آپ کی۔ اور وہ سب کچھ جو آپ نے میرے بارے میں کیا تھا وہ سُننے کے بعد اگر میں آپ سے نفرت کرتی تھی تو میری جگہ کوئی بھی ہوتا یہی کرتا۔

پر آج سوچتی ہوں۔ آپ غلط نہیں تھے۔ غلط میں اور طٰہٰ بھی نہیں تھے۔ یہ سب کچھ ایسے ہی لکھا تھا جیسے ہوا۔ طٰہٰ میری زندگی میں نہ آتا تو میں اس سفر سے آشنا نہ ہوتی جو میں نے کیا اور اس سفر پر مجھے کوئی ندامت کوئی رنج کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔

میں خطاطوں کے قبیلے کے جانشین کی محبت میں گرفتار ہوئی تھی۔ پارسائی کی خواہش تھی۔ اللہ کے قریب ہو جانے کا یقین تھا۔ پر اس سفر کے دوران پتہ چلا کہ کسی پارسا اور نیک کا ساتھ پارسائی اور نیکی کی طرف مائل کر سکتا ہے، نیک اور مومن بنا نہیں سکتا۔ اللہ سے اپنی قربت کسی دوسرے کو عطا نہیں کر سکتا۔ میری بھول تھی میں اس راستے کو اتنا آسان سمجھ بیٹھی تھی۔ اب اتنے سالوں بعد سمجھ آیا ہے اللہ سے قریب

ہونے کے لئے ہر آزمائش خود جھیلنی پڑتی ہے۔

میں زوال کی گرفت میں ہوں اور بے حد خوش ہوں۔ واپس آ کر دوبارہ عروج مل جاتا تو پچھلے سارے سال ضائع ہی سمجھتی میں۔ اب یہ زوال مجھے سمجھا رہا ہے کہ یہ راستہ میرا نہیں ہے نہ میرے لئے اب رہا ہے۔ میں طے کر چکی ہوں وہ پہلی منزل جس کے بعد آگے کہیں اجر ہوتا ہے۔

اللہ نے راستہ بدل دیا ہے میرا کیونکہ دل بدل دیا ہے اُس نے میرا۔ وہ اب موم کا بن گیا ہے۔ پتھر کا نہیں رہا۔ غرض ختم ہوگئی ہے اُس میں سے۔۔۔ غرور چلا گیا ہے اُس میں سے۔ میں بھی نہیں رہی اُس میں۔۔۔ اور کبھی کبھار لگتا ہی نہیں یہ میرا ہی دل ہے۔۔۔ حسنِ جہاں کا دل۔

آپ کے لئے کئی سال سخت کئے رکھا تھا اس دل کو۔۔۔ اب طٰہ کے غم نے نرم کر دیا ہے۔ معاف کر دیا میں نے آپ کو بابا جان۔ اُسی دن کر دیا تھا جب طٰہ کی موت کا پتہ چلا تھا۔ کوئی خسارے کی فصل میں کھڑا ہو کر اور خسارہ کیا بوتا۔

میرا قلبِ مومن آپ کے پاس ہے۔ اُس کا دل میرے لئے پتھر ہے۔ میں اپنے پاس رکھے رکھتی تو پتھر سے کوئلہ ہو جاتا پر موم نہ ہوتا۔ میں نے ماں ہوتے ہوئے بھی اُسے آپ کے پاس بھیج دیا تھا۔ آپ کے قبیلے کا ایک جانشین میری وجہ سے راستے سے بھٹکا۔ میں رہ جانے والے آپ کی نسل کے اس واحد چشم و چراغ کے بھٹکے جانے کا گناہ اپنے سر نہیں لے سکتی تھی۔

آپ کو خط لکھ رہی ہوں کیونکہ میں نکلنا چاہتی ہوں۔ اس سب سے جس میں میں اپنی نادانی کے ہاتھوں دوبارہ آ پھنسی ہوں۔ آپ کے اور مومن کے پاس آ کر رہنا چاہتی ہوں۔ وہاں زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔

آپ کے لئے ممکن ہو تو حسنِ جہاں کے لئے کچھ کیجئے گا۔ نہ بھی کر سکیں تو مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔ میرا قلبِ مومن میرا مستقبل آپ کے پاس محفوظ ہے۔ میرے لئے اتنا کافی ہے بابا جان۔

مومن کے لئے بہت سا پیار

آپ کی بیٹی

حسنِ جہاں

......☆......

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی جس پہلی چیز نے مومنہ کی نظروں کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ دیوار پر لگی اھدنا الصراط المستقیم والی پینٹنگ تھی۔ عبدالعلی کا نام دیکھے بغیر بھی وہ یہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اُس کو

بنانے والا عام آرٹسٹ نہیں تھا۔ وہ آنکھوں کو نہیں جیسے دل کو مٹھی میں لینے والا آرٹ تھا۔

''آپ بیٹھیں میں صاحب کو بلا کر لاتا ہوں۔''

شکور نے بے حد مودبانہ انداز میں اُس سے کہا۔ اُس کا چہرہ مومنہ سلطان کو اپنے گھر پر دیکھ کر خوشی سے چمکنے لگا تھا۔ اتنے مہینوں بعد اُس کے صاحب کے گھر پر کوئی ''بڑا اسٹار'' آیا تھا اور وہ بھی وہ جو اس وقت 24 گھنٹے کسی نہ کسی حوالے سے TV کی خبروں کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

مومنہ شکور کے جانے کے بعد اُس کیلی گرافی کی طرف جیسے کھینچی چلی گئی تھی۔ اُس پینٹنگ کے سامنے کھڑے اُس کے سحر میں گرفتار اُس نے آرٹسٹ کا نام ڈھونڈنا شروع کیا اور بالکل نیچے ایک کونے میں عبدالعلی کے مخصوص انداز میں کئے گئے دستخط دیکھ کر وہ ساکت ہو گئی تھی۔ وہ اُن کے نام اور کام سے واقف تھی۔ بے حد مخصوص انداز میں کئے جانے والے اُن کے دستخط سے بھی وہ انٹرنیٹ کی وجہ سے متعارف تھی اور وہ یہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ وہاں قلبِ مومن کے گھر پر عبدالعلی کی خطاطی دیکھنے والی تھی۔

''عبدالعلی صاحب کی خطاطی اور قلبِ مومن۔۔۔ کیا تعلق ہے ان دونوں کا۔۔۔ یا پھر وہ بھی صرف ایک مداح ہے اُن کے کام کا۔۔۔ میری طرح۔'' اُس نے پینٹنگ کے سامنے کھڑے کھڑے سوچا تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ یک دم اُس کی آواز پر پلٹی تھی۔

وہ کس وقت اندر آیا تھا، مومنہ کو اندازہ نہیں ہوا۔ کچھ دیر کے لئے مومنہ کو جیسے اُس کے سلام کا جواب دینا بھی یاد نہیں رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''وعلیکم السلام۔'' مومنہ کو بالآخر خیال آیا۔

''میں شاید کچھ جلدی آ گئی۔'' اُس نے قلبِ مومن سے نظریں ہٹاتے ہوئے اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالی تھی۔

''صرف سات منٹ۔۔۔ پاکستان میں بہت جلدی ہے۔۔۔ پلیز بیٹھیں۔'' مومن نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔ گفتگو کسی موضوع کے بغیر شروع ہو گئی تھی۔ مومن کا خیال تھا اُنہیں موضوع ڈھونڈنے اور بات شروع کرنے میں دقت ہو گی۔ وہ نروس تھا اور زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کے سامنے نروس ہو رہا تھا۔ یہ مومنہ سلطان کا aura تھا۔ اُس کی کامیابی کا اثر۔

''داؤد لیٹ تھا ورنہ اُسے ساتھ لے کر آتی تو پندرہ منٹ لیٹ ہوتی۔'' مومنہ نے بیٹھتے ہوئے

کہا تھا۔اُس نے اپنا ہینڈ بیگ صوفہ کے سامنے پڑی میز پر رکھ دیا تھا۔

''میں آدھ گھنٹہ سے آپ کے انتظار میں تھا اس لئے مجھے فرق نہیں پڑا۔۔۔کافی۔۔۔؟ چائے؟''اُس نے کہتے ہوئے موضوع بدلا۔

''پانی۔''مومنہ نے جواباً کہا تھا اور تب ہی اُس نے شکور کو بھی دیکھ لیا تھا جسے وہ مومن کے ساتھ بات کرتے ہوئے دیکھ نہیں پائی تھی۔

''کافی اور پانی۔''

قلبِ مومن نے شکور سے کہا تھا اور وہ سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔مومن نے اُس کے جانے کے بعد میز پر پڑا ایک لائٹر اور سگریٹ جھک کر اُٹھایا تھا اور خود بھی صوفہ پر اُس کے بالمقابل بیٹھ گیا تھا۔

''مجھے تمبا کو سے الرجی ہے۔''اس سے پہلے کہ وہ لائٹر کو آن کرتا مومنہ نے اُس سے کہا تھا۔

قلبِ مومن نے چونک کر اُسے دیکھا۔اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لہرائی تھی۔

''یہ سگریٹ پینے کے لئے نہیں ہے۔میں جب نروس ہوتا ہوں تو صرف لائٹر جلاتا رہتا ہوں۔'' اُس نے کہتے ہوئے لائٹر رگڑا تھا۔شعلہ سا نمودار ہوا اور لہراتا رہا۔مومنہ کی نظر اُس کے انگوٹھے اور اُنگلیوں کے درمیان دبے ہوئے لائٹر اور اُس سے نکلتے ہوئے شعلہ پر لحظہ بھر کے لئے جمی رہی پھر اُس نے نظریں ہٹا لیں۔

''آپ نے پوچھا نہیں میں کیوں نروس ہوں؟''مومن کو اُس کی خاموشی اور بے اعتنائی کھلی۔

''مجھے دلچسپی نہیں ہے یہ جاننے میں۔''جواب بے حد ٹھنڈا تھا اور لہجہ سرد مہری لئے۔

مومن جیسے اپنے سوال پر پچھتایا تھا۔وہ دونوں دوست نہیں تھے اُن کے تعلق کی تاریخ قابل رشک نہیں تھی۔

کچھ دیر کے لئے لاؤنج میں خاموشی چھائی رہی تھی۔قلبِ مومن اُس سے دوبارہ کچھ کہنے کے لئے جیسے الفاظ ڈھونڈنے لگا تھا۔

''میں آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتا ہوں۔''اُس نے یک دم کسی تمہید کے بغیر کہا۔

''ہم فلم کی بات کریں۔۔۔یہ کس کی کہانی ہے؟''مومنہ نے اُس کی بات کاٹ دی تھی یوں جیسے اُسے توقع تھی کہ وہ اُس سے معذرت کرنے کی کوشش کرے گا اور وہ جیسے اُس کی معذرت سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔قلبِ مومن کو جھٹکا لگا تھا۔وہ اُس کے پروجیکٹ میں کام کرنے کے لئے تیار ہو گئی تھی لیکن اُس کی معذرت سننے پر تیار نہیں تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ اُس سوال پر اُلجھا تھا جو مومنہ نے اُس سے کہا تھا۔

''یہ حسنِ جہاں کی کہانی ہے؟'' اُس نے یک دم مومنہ کو کہتے سنا۔

قلبِ مومن کے پیروں کے نیچے سے زمین جیسے لحظہ بھر کے لئے کھسکی تھی۔ آخری جملہ جو وہ مومنہ سے توقع کر سکتا تھا۔ وہ یہی تھا۔ وہ اُس کہانی میں حسنِ جہاں کو کیسے پہچانی تھی اور وہ حسنِ جہاں کو جانتی کیسے تھی۔ وہ کہانی انٹرنیٹ پر پڑی حسنِ جہاں کی سوانح عمری سے میل نہیں کھاتی تھی پھر مومنہ سلطان نے آدھا سکرپٹ پڑھنے پر اُس کردار اور اُس کہانی کو کیسے پہچانا تھا۔ قلبِ مومن کا دماغ اس وقت جیسے بھنور بنا ہوا تھا۔

''وہ کون ہے؟'' مومنہ سلطان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے قلبِ مومن نے دھڑلے سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا تھا اور ایک لمحہ کے لئے اُس کے سوال نے جیسے مومنہ کو حیران کیا تھا۔

''ماضی کی ایک مشہور فلم ایکٹریس اور ڈانسر۔'' مومنہ نے بالآخر کہا۔

''میں اُسے نہیں جانتا۔ اس کہانی کے تمام کردار اور واقعات فرضی ہیں۔'' مومن نے دوٹوک انداز میں اُس سے کہا۔

''مومن بھائی آپ کا پانی۔۔۔ مومنہ جی آپ کی کافی۔'' شکور نے زندگی میں پہلی بار غلط وقت پر صحیح اینٹری کی تھی اور قلبِ مومن کو صحیح وقت پر صحیح چیز دی تھی یہ جاننے کے باوجود کہ کافی مومن نے اپنے لئے منگوائی تھی مگر وہ اُسے مومنہ سلطان کے سامنے رکھ کر پانی اُس کے پاس لے آیا تھا اور مومن نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گلاس اُٹھا کر اُسے ایک ہی سانس میں خالی کیا تھا۔ وہ اگر مومنہ کو خود نہ بھی اپنے نروس ہونے کے بارے میں بتا چکا ہوتا تب بھی مومنہ کو اُسے دیکھتے ہوئے یہ بوجھ لینا مشکل نہ ہوتا۔

کافی کے کپ سے اُٹھتی بھاپ کو دیکھتے ہوئے اُس نے حیرانی سے سوچا تھا۔ قلبِ مومن اُس سے کیا اور کیوں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا یا پھر وہ کہانی واقعی حسنِ جہاں کی نہیں تھی اور وہ صرف اتفاقی مماثلت تھی۔ خود کو دی جانے والی دوسری توجیہہ اُسے خود ہی بودی لگی تھی۔ وہ سلطان سے بات نہ کر چکی ہوتی تو اُس مماثلت کو اتفاقی ہی سمجھ لیتی۔ پر اُس کے پاس ''گواہ'' تھا۔ اُس آدھے سکرپٹ کے انٹرول کا۔

''مجھے لگا یہ کسی کی زندگی کی کہانی ہے۔'' اُس نے مومن سے بحث کئے بغیر کہنا شروع کیا تھا۔ وہ اُس پر نظریں جمائے بیٹھا ہوا تھا۔

''بے حد خوبصورت کہانی ہے۔ عالیہ اور عبداللہ کی۔۔۔ اور دانیال کی۔۔۔ اور پھر عبدالہادی کا

کریکٹر۔۔۔آدھا سکرپٹ تھا۔۔۔باقی آدھا کب مل سکتا ہے؟''

''آپ حسنِ جہاں کو کیسے جانتی ہیں؟''قلبِ مومن نے یک دم اُسے ٹوکا تھا۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھتی رہی۔

''کون حسنِ جہاں؟'' بے حد ہموار لہجے میں اُس نے قلبِ مومن سے پوچھا تھا۔

''جس کی بات کر رہی تھیں آپ؟''قلبِ مومن کو اُس کی بے نیازی بُری لگی تھی۔

''میں اُنہیں نہیں جانتی۔''اُس کے جواب نے قلبِ مومن کو زچ کیا تھا۔

اُس نے جھوٹ بولا تھا اور وہ اُس کے جھوٹ کا جواب جھوٹ سے ہی دے رہی تھی اور قلبِ مومن کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اُسے یہ کہہ پاتا کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔

''مومن بھائی کوئی خالق علی صاحب آئے ہیں۔''شکور نے ایک بار پھر اینٹری دی تھی۔

''Gosh۔۔۔ میں نے تو اُنہیں بھی آج ہی کا ٹائم دیا ہوا تھا۔'' مومن بڑبڑاتے ہوئے گڑبڑایا تھا۔خالق علی کو اُس نے آج بلایا ہوا تھا۔یہ اُسے یاد ہی نہیں رہا تھا۔

''آپ کو بُرا نہ لگے تو میں اُن سے مل لوں۔صرف چند منٹوں میں فارغ کر دیتا ہوں میں اُنہیں۔''اُس نے بڑی شائستگی سے مومنہ سے پوچھا تھا۔مومنہ نے سر ہلا دیا۔

''لے آؤ اُنہیں۔'' وہ شکور سے کہتے ہوئے وہاں سے اُٹھ کر لاؤنج کے دوسرے حصے میں چلا گیا تھا۔مومنہ نے اُسے اور شکور کو جاتے دیکھا اُس کی جگہ کوئی اور ایکٹریس ہوتی تو اس بے توجہی پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی کہ اُس کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے ساتھ میٹنگ شروع کر دی گئی مگر قلبِ مومن کے لئے دل میں ہر طرح کے شک وشبہات رکھنے کے باوجود مومنہ کو یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اُسے کمتر اور کم حیثیت ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔مگر یہ خیال قلبِ مومن کو آیا تھا کہ وہ یقیناً یہ سمجھے گی کہ وہ اُسے یہ احساس دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔لاؤنج کے دوسرے حصے میں خالق علی کا انتظار کرتے ہوئے بھی قلبِ مومن کا ذہن مومنہ سلطان میں اُلجھا ہوا تھا۔

وہ اُدھیڑ عمر دراز قد، بے حد متمول نظر آنے والا شخص تھا جسے لے کر شکور لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

''خالق علی۔''ایک بے حد گرم جوش مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے قلبِ مومن کے سامنے آتے ہی جیسے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تھا۔قلبِ مومن نے جواباً اپنا نام لیتے ہوئے اُس سے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ جسے خالق علی نے بے حد گرم جوشی کے ساتھ تھاما تھا۔

''میں کچھ جلدی میں ہوں قلبِ مومن صاحب مجھے اپنی فلائٹ پکڑنی ہے۔اس لئے آپ کا

زیادہ وقت نہیں لوں گا۔'' خالق نے اُس سے ملنے کے بعد صوفہ پر بیٹھتے ہوئے قلبِ مومن سے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

''میرے لئے آپ سے ملاقات اعزاز اور سعادت کی بات ہے۔ آپ کے دادا عبدالعلی صاحب ہمیشہ بڑی محبت سے آپ کا ذکر کرتے تھے اور میں ہر بار آپ سے ملنے کا سوچتے ہوئے بھی مل نہیں پایا اور اب دیکھیں کن حالات میں آپ سے ملاقات ہو رہی ہے۔''

لاؤنج کے دوسرے حصے میں بیٹھی مومنہ سلطان دم سادھے خالق علی کی آواز سن رہی تھی جو لاؤنج کے اُس حصہ میں بھی آ رہی تھی جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جس عبدالعلی کا ذکر کر رہا تھا وہ اُس خطاط عبدالعلی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

اُسے اھد نا الصراط المستقیم کی اُس Painting کے سامنے بیٹھے اُسے دیکھتے ہوئے اب یہ شبہ تو نہیں رہا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ سکرپٹ لکھنے والے کا حسنِ جہاں سے کیا تعلق تھا۔ مگر اس تعلق میں کہیں عبدالعلی بھی ایک زینہ تھے یہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ عبدالعلی اور اُن کے آباو اجداد سے واقف تھی۔ مگر وہ عبدالعلی کی اگلی نسل میں قلبِ مومن کو دیکھ کر شاک میں آ گئی تھی۔

''عبدالعلی صاحب نے اپنی وفات سے چند ہفتے پہلے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ آپ کے پاس خطاطی کے سات شاہکار ہیں جو آپ بیچنا چاہتے ہیں اور میں اُسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ کو یہ بات میں نے message کے ذریعے بھی بتائی تھی۔'' خالق علی کچھ ابتدائی تعزیتی کلمات کے بعد اب لمبی چوڑی تمہید کے بغیر اصل مدعا پر آ گیا تھا۔

''ہاں دادا نے مجھے بھی آپ کا نمبر دیا تھا اُن ہی Paintings کے لئے کہ میں جب اُنہیں بیچنا چاہوں تو آپ لینا چاہیں گے۔'' قلبِ مومن نے جواباً کہا۔

''لینا چاہیں گے؟ میں سر کے بل اُنہیں لینے کے لئے آپ کے در پر موجود ہوں جناب۔۔۔ عبدالعلی کے ان شاہکاروں کے لئے جوتے گھسا سکتا ہوں آپ کے گھر آ آ کے۔'' خالق علی نے اُس کا جملہ بیچ میں سے ہی اُچکا تھا۔

''شکور وہ سٹور والی پینٹنگز لا کر انہیں دکھا دو۔'' قلبِ مومن نے خالق علی کی بات کے جواب میں کوئی بھی تبصرہ کئے بغیر اندر آتے ہوئے شکور سے کہا جو خالق علی کے لئے مشروبات لے کر آیا تھا۔ شکور نے عجیب سی نظروں سے قلبِ مومن کو دیکھا تھا۔

''وہ جو آپ کو ہر سال آپ کی سالگرہ پر دیتے تھے۔'' اُس نے بڑے جتانے والے انداز میں

مومن کو جیسے یاد دلایا۔ قلبِ مومن نے جواباً بے حد ملامتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

''اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ وہی والی۔۔۔ لاتا ہوں۔'' شکور اُس کی نظروں کو پہچان گیا تھا۔ وہ گڑبڑایا ہوا گیا تھا اور چند منٹوں میں ہی دھول اور مٹی سے اٹی ہوئی وہ پینٹنگز اُٹھا کر لے آیا تھا۔ جن پر اخبار نہ چڑھا ہوتا تو دھول اور مٹی اُن کی شکل و صورت خراب کر چکی ہوتی۔

''عبدالعلی صاحب کی خطاطی کے شاہکار ہیں یہ۔۔۔ انہیں اس طرح کون رکھتا ہے۔''

خالق علی اُن پینٹنگز پر چڑھی اخباروں کو اس طرح دھول سے اٹا ہوا دیکھ کر جیسے بے اختیار تڑپ اُٹھا تھا۔ قلبِ مومن کا چہرہ سُرخ ہوا۔ اُس نے کاٹ کھانے والی نظروں سے شکور کو دیکھا تھا۔ اُسے امید نہیں تھی وہ اُنہیں جھاڑے پونچھے بغیر اسی طرح اُٹھا لائے گا۔

''اخبار تو چڑھا ہوا ہے جی۔۔۔ اسی لئے صاف نہیں کیا میں نے۔۔۔ اخبار نہ چڑھا ہوتا تو روز جھاڑ پونچھ کرتا میں۔'' شکور نے کہا خالق علی سے تھا مگر یہ وضاحت قلبِ مومن کے لئے تھی۔ خالق علی کے سامنے میز پر رکھ کر اُس نے ایک پینٹنگ سے وہ اخبار ہٹائی تھی اور خالق علی کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

''بس باقیوں سے مت ہٹائیں۔'' اُس نے ہاتھ کے اشارے سے شکور کو روکا تھا۔

''یہ سات ہیں نا؟'' اُس نے قلبِ مومن سے پوچھا۔ اُس نے جواباً اثبات میں سر ہلایا۔

''ہر سال اُن کے پاس جاتا تھا تو آپ کے لئے بنا رہے ہوتے تھے وہ یہ پینٹنگ۔۔۔ میں نے بڑی منتیں کی تھیں کہ کوئی ایک ہی مجھے عطا کر دیں یا ویسی ہی میرے لئے بھی بنا دیں مگر عبدالعلی صاحب ہمیشہ مسکرا کر ٹال دیتے تھے۔ کہتے تھے یہ میرے قلبِ مومن کے لئے ہیں اور اب دیکھیں میرا نصیب۔۔۔ ایک نہیں سات کی سات مجھے مل رہی ہیں۔'' خالق علی کے جملوں نے قلبِ مومن پر جیسے گھڑوں پانی ڈالا۔

''ہاں جی دادا جی نیک روح تھے۔ نیکوں کی چیزیں نیکوں کے پاس ہی جانی ہوتی ہیں۔''

شکور نے خالق علی کے جذبے سے متاثر ہوتے ہوئے بے حد جذباتی انداز میں قلبِ مومن کے سامنے کھڑے کھڑے گہری ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے خالق علی کو جیسے خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ اُس کے اس جملے نے قلبِ مومن کو شرمساری کے ایک اور دریا میں ڈبویا تھا۔

''نیک کہاں جی میں۔۔۔ میں تو ایک ادنیٰ گناہ گار ہوں۔ نیک تو آپ ہیں جنہیں عبدالعلی صاحب کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔'' خالق علی نے شکور کو جواباً خراجِ تحسین پیش کیا اور وہ خراجِ تحسین شکور کو نہال کر گیا تھا۔

''ہاں جی خدمت تو مجھ سے ہی کراتے تھے اور۔۔۔'' اس سے پہلے کہ شکور اُن خدمات کی تفصیلات دینا شروع کرتا قلبِ مومن نے مداخلت کی تھی۔

''میڈم سے جا کر پوچھو۔۔۔اُن کو کچھ چاہیے۔'' قلبِ مومن کا اشارہ کس میڈم کی طرف تھا۔ شکور کو پلک جھپکتے میں سمجھ آ گیا تھا مگر اُسے اس طرح اپنا وہاں سے نکالا جانا پسند نہیں آیا۔

''کافی تو دے آیا تھا میں۔اتنی دیر میں کافی ہی پیتی ہیں ایکٹریسز۔۔۔ہاں لیکن میں پھر بھی پوچھ لیتا ہوں۔'' اُس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر قلبِ مومن کی تیکھی نظروں کو بھانپتے ہوئے اُس نے ساتھ ہی وہاں سے جانے میں عافیت جانی۔

''تو ان شاہکاروں کا کیا ہدیہ پیش کروں میں؟'' اُس کے جاتے ہی خالق علی نے بے حد مودبانہ اور انکسارانہ انداز میں قلبِ مومن سے کہا۔

''آپ کیا دے سکتے ہیں؟'' وہ پتہ نہیں کیا جانچنا چاہتا تھا۔

''کچھ بھی۔۔۔کوئی بھی amount۔۔۔یا ایسا کرتے ہیں میں آپ کو ایک چیک دے دیتا ہوں۔۔۔بلینک۔۔۔آپ جو چاہے اس میں بھر لیں۔'' خالق علی نے کہتے ہوئے توقف کئے بغیر اپنے ساتھ لایا ہوا ایک چھوٹا بیگ کھولتے ہوئے اُس میں سے چیک بک نکال کر اُس پر دستخط کئے اور کھڑا ہوتے ہوئے وہ چیک بک قلبِ مومن کی طرف بڑھا دی جو بے حد ہکا بکا خالق علی کی آفر اور اُس چیک کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ کسی میوزیم کو بیچیں گے اسے؟'' قلبِ مومن نے کسی عجیب سی کیفیت میں وہ چیک پکڑتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

خالق علی نے بے اختیار توبہ کرنے والے انداز میں اپنے کانوں کی لویں چھوئی تھیں۔

''توبہ کریں جی توبہ۔۔۔شاہکاروں کو کون بیچتا ہے۔۔۔؟ پیسے کا کیا ہے وہ تو دوبارہ کما لوں گا میں مگر عبدالعلی صاحب کا فن لازوال ہے۔میں ترکے میں اپنے بیٹوں کو دے کے جاؤں گا تاکہ اُن کے گھر کی دیواروں پر سجیں۔اللہ کا نام میری اولاد کو یاد رہے اور اُس کا کلام بھی۔''

کوئی گھونسہ تھا جو قلبِ مومن کے دل پر پڑا تھا۔درد دل سے اُٹھ کر پورے وجود کو ہلا گیا تھا۔وہ ''ہدایت'' کو اپنے ہاتھ سے پیسے کے عوض بیچ رہا تھا اور دُنیا ہدایت خرید رہی تھی اور اُسے اُس پیسے سے دُنیا خریدنی تھی۔

''میں ذرا اپنے گارڈ اور ڈرائیور کو بلوا لوں نیچے سے یہ اُٹھوانے کے لئے۔آپ اپارٹمنٹ کی

Reception پر بتا دیں۔'' خالق علی نے اُس کی کیفیت سے بے خبر اُس سے کہا تھا۔

''میں ذرا کنفیوز ہو گیا ہوں۔۔۔ مجھے کچھ دن دیں یہ سوچنے کے لئے۔۔۔ پھر فیصلہ کرتا ہوں۔'' خالق علی کو جیسے قلبِ مومن کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

''میں نے بلینک چیک دیا ہے آپ کو جو چاہے بھر لیں اس میں۔۔۔ لاکھوں، کروڑوں جو بھی۔۔۔ پاکستان سے باہر کسی کرنسی میں Payment چاہیے تو وہ بھی ہو جائے گی۔'' قلبِ مومن نے چیک اُس کے ہاتھ میں واپس دیتے ہوئے کہا۔

''ابھی آپ یہ رکھ لیں مجھے کچھ سوچنے دیں۔ میری emotional attachment ہے ان پینٹنگز کے ساتھ۔۔۔ اس طرح فوراً نہیں دے سکتا میں انہیں۔'' اُس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ خالق علی نے اس بار اصرار نہیں کیا تھا۔ اُس نے بڑی نرمی سے چیک کو دوبارہ سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میں بالکل سمجھ سکتا ہوں جناب مگر اس چیک کو آپ فی الحال اپنے پاس رکھیں۔ یہ آپ کو فیصلہ کرنے میں مدد دے گا۔ پیسے کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ ہر کنفیوژن سے نکال دیتا ہے۔ سارے راستے صاف نظر آتے ہیں۔۔۔ صحیح بھی اور غلط بھی۔۔۔ دھندلا کچھ نہیں رہنے دیتا یہ انسان کے سامنے۔'' خالق علی نے جیسے ایک اور جوتا مارا تھا قلبِ مومن کے ضمیر کو اور ضمیر تڑپا تھا۔

''چلتا ہوں دیر ہو رہی ہے پر آؤں گا دوبارہ آپ کے پاس ان شاء اللہ۔'' اُس نے اُسی پر تپاک انداز میں قلبِ مومن سے مصافحہ کیا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ مومن کچھ عجیب سی کیفیت میں وہاں کھڑا اُسے جاتا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے لئے وہ جیسے مومنہ کو بھی بھول گیا تھا۔ جس نے لاؤنج کے دوسرے حصے میں بیٹھے ہوئے بھی خالق اور قلبِ مومن کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سنی تھی۔

قلبِ مومن شاید بہت دیر وہاں کھڑا رہتا اگر بے حد عجلت میں داؤد لاؤنج میں داخل نہ ہوتا جس کا سانس تقریباً پھولا ہوا تھا۔

''سوری مومن بھائی لیٹ ہو گیا۔ مومنہ آئی نہیں کیا؟'' اُس نے اندر آتے ہی مومنہ کو لاؤنج کے اس حصے میں نہ دیکھ کر مومن سے کہا تھا اور وہ جیسے ہوش و حواس میں واپس آیا۔

''آ چکی ہیں۔'' قلبِ مومن نے بے اختیار کہا اور پھر وہ اُسے لئے ہوئے لاؤنج کے دوسرے حصے میں آ گیا جہاں مومنہ کو بیٹھا دیکھ کر داؤد بے اختیار کھل اُٹھا تھا۔

''سوری مجھے کچھ زیادہ دیر ہو گئی۔'' داؤد نے مومنہ سے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔''

داؤد اور قلبِ مومن صوفوں پر بیٹھ گئے تھے اور داؤد نے بیٹھتے ہی اپنا لیپ ٹاپ کھول لیا تھا۔

''کیا ڈسکس ہو رہا تھا۔'' اُس نے لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے باری باری قلبِ مومن اور مومنہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سکرپٹ اور وہ مجھے پسند ہے۔۔۔ میرا رول بھی۔۔۔ چند سوال تھے جو میں نے کر لئے۔۔۔ چند اور کرنے ہیں۔'' مومنہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ داؤد چہکا۔

''ارے واہ یہ تو میرے آنے سے پہلے کافی کام ہو گیا۔'' داؤد کی خوشی کی بڑی وجہ شاید یہ تھی کہ اُسے توقع نہیں تھی کہ قلبِ مومن اور مومنہ اتنے آرام سے اُس کی کسی مدد کے بغیر بھی اکٹھے کام کر رہے ہوں گے۔

''اس سے پہلے کہ ہم سکرپٹ پر مزید بات چیت کریں میں چاہتا ہوں مجھے یہ پتہ چل جائے کہ آپ کا پے منٹ پیکیج کیا ہو گا۔'' مومن کے ذہن میں پتہ نہیں کیا خیال آیا تھا۔

''مومنہ دوست ہے مومن بھائی۔۔۔ وہ ہمارے لئے flexible ہی رکھے گی سارا پیکیج۔'' داؤد نے بڑے مصالحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے مومنہ کو دیکھ کر کہا۔

مومنہ جواباً نہیں مسکرائی تھی۔

''کیوں؟۔۔۔ میں کیوں رکھوں گی flexible اپنا پیکیج۔۔۔ پروفیشنل ہوں Charity تو کر نہیں رہی۔'' اُس کا جملہ قلبِ مومن کو بُری طرح چبھا تھا۔

''آپ کو میرے لئے کوئی Charity کرنے کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ میں آپ سے کوئی concession مانگوں گا بھی نہیں۔ آپ بتائیں آپ کیا Payment چاہتی ہیں۔'' قلبِ مومن نے فوراً اُس سے کہا تھا۔

''عبدالعلی صاحب کی بنائی ہوئی وہ سات کیلی گرافیز۔''

قلبِ مومن کو لگا وہ مذاق کر رہی تھی۔ اُس نے خالق علی کے ساتھ ہونے والی گفتگو تو یقیناً سن لی تھی۔ داؤد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''میں اُن پینٹنگز کی بات کر رہی ہوں جو آپ تھوڑی دیر پہلے بیچ رہے تھے۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

''یہ الف کے لئے میرا معاوضہ ہو گا۔''

''میں یہ نہیں دے سکتا۔''

قلبِ مومن نے سوچے سمجھے بغیر فوری طور پر اُسے انکار کیا تھا۔ وہ اُٹھی اپنا بیگ اُٹھایا اور اُس میں سے سکرپٹ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے اُس نے بڑے ہموار انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے پھر یہ سکرپٹ میں یہیں رکھ کر جا رہی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے جانے کے لئے چل پڑی تھی اور داؤد کی جیسے جان نکل گئی تھی۔

''آپ کیا کریں گی ان کیلی گرافیز کو؟'' قلبِ مومن نے اُلجھ کر اُس سے پوچھا تھا۔

''بیچوں گی نہیں اس لئے آپ یہ فکر نہ کریں کہ کسی میوزیم یا collector کو بیچ دوں گی۔'' مومنہ نے جواباً کہا تھا۔

''میں نے ایسا کہا بھی نہیں۔'' وہ بے اختیار مدافعانہ انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے آپ یہ Paintings لے لیں میں اس شرط پر آپ کو دوں گا کہ آپ انہیں مجھے ہی بیچیں گی۔''

وہ کیا سوچ کر اُسے وہ Paintings دینے پر راضی ہو گیا تھا اس کا اندازہ مومن کو نہیں ہوا تھا۔ وہ جیسے اُس کے دل کا فیصلہ تھا۔

''میں آپ کو بھی نہیں بیچوں گی۔'' مومنہ نے جواباً دوٹوک انداز میں کہا۔ اس سے پہلے کہ قلبِ مومن کچھ کہتا۔ داؤد نے بے اختیار مداخلت کی۔

''بس done ہو گیا۔ Congratulations۔۔۔ میں کانٹریکٹ سائن کرواتا ہوں۔ ابھی ڈرافٹ کرتا ہوں۔'' داؤد جیسے قلبِ مومن کو اب اس ایشو پر کچھ بولنے سے روک دینا چاہتا تھا۔

''اگلی میٹنگ تب ہو گی جب یہ پینٹنگز میرے گھر آ جائیں گی۔'' مومنہ نے اُس انداز میں کہا۔ مومن کو بُرا لگا۔

''میں زبان سے پھرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''میں بھی نہیں ہوں۔''

مومنہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

''یہ جان کر اچھا لگا۔۔۔ آپ کے ساتھ کام کر کے زیادہ اچھا لگے گا۔'' مومن نے جواباً دوستانہ انداز دکھانے کی کوشش کی۔

''مجھے آپ کے ساتھ اور آپ کے لئے کام کرنے میں دلچسپی نہیں ہے لیکن اس سکرپٹ پر کام کرنے میں ہے اور بدقسمتی یہ ہے کہ یہ سکرپٹ آپ کا ہے۔۔۔ خدا حافظ۔'' وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں

کہہ کر چلی گئی تھی۔

مومن کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گئے تھے اور داؤد کے چہرے پر تاثر۔۔۔تو مومنہ سلطان کچھ بھی بھولی نہیں تھی اور قلبِ مومن سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا۔

''یہ بھجوا دوں گا آج ہی مومنہ کی طرف اور کانٹریکٹ بھی ساتھ ہی سائن کروا لاؤں گا۔''

داؤد کو بلا کی جلدی تھی اور اُس نے یوں ظاہر کیا تھا جیسے مومنہ کچھ کہہ کر ہی نہیں گئی تھی۔ مومن نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔ وہ لیپ ٹاپ پر کچھ برق رفتاری سے ٹائپ کر رہا تھا۔ یقیناً وہ مومنہ کا کانٹریکٹ تھا۔

''آج نہیں کل۔'' مومن نے اُسے کہا تھا۔ داؤد نے بے اختیار لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر جیسے بے یقینی کے عالم میں اُسے دیکھا۔

''مومن بھائی دیر نہ کریں آپ کو اندازہ نہیں ہے مومنہ کے پاس آج کل کہاں کہاں سے آفرز آ رہی ہیں۔ ہمیں مارکیٹ میں خبر بریک کرنی ہے۔'' وہ بلاواسطہ مومن کو جیسے مومنہ کی اہمیت یاد دلا رہا تھا۔

''کل۔'' مومن ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ کل صبح ہی آ جاؤں گا میں۔''

داؤد نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ قلبِ مومن سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

''اُسے شوق ہے کیلی گرافی کا؟ پتہ ہے کچھ اس کے بارے میں؟'' مومن نے یک دم داؤد سے پوچھا تھا۔

''مومن بھائی کیلی گرافی کرتی رہی ہے وہ۔۔۔ پروفیشنلی نہ سہی لیکن بہت اچھی کرتی ہے۔ خطاط ہی بننا چاہتی تھی وہ۔۔۔ یہ ایکٹنگ وغیرہ تو مجبوری بن گئی تھی اُس کی۔۔۔اور اب نصیب۔'' مومن داؤد کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔ اُسے حسنِ جہاں یاد آئی تھی مگر وہ مومنہ سلطان تھی۔

......☆......

''ارے مومنہ تم کہاں سے آ گئی اتنے مہینوں کے بعد؟'' بستر پر لیٹے ماسٹر ابراہیم نے اُسے دیکھتے ہی اُٹھنے کی کوشش کی تھی مگر مومنہ نے اُنہیں روک دیا۔

''آپ کی طبیعت خراب ہے ماسٹر صاحب اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔۔۔مت اُٹھیں۔''

وہ اُن کے بستر سے کچھ فاصلے پر ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ آج پہلی بار اُن کے کمرے کے اندر آئی تھی۔

''نہیں نہیں طبیعت خراب نہیں ہے یہ فاروق کو عادت ہے بس بات کا بتنگڑ بنانے کی۔'' ماسٹر

ابراہیم نے تکیے کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے اندر آتے ہوئے اُس سترہ اٹھارہ سالہ ملازم کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو اب اُن کے لئے لائی ہوئی کچھ دوائیاں میز پر رکھ رہا تھا۔

''پھر بھی مجھے بتانا تو چاہیے تھا آپ کو ماسٹر صاحب۔'' مومنہ نے کہا۔ ملازم اب پانی کا خالی جگ اُٹھا کر باہر چلا گیا تھا۔

''یہ آپ ہیں ماسٹر صاحب؟'' مومنہ بے اختیار دیوار پر لگی کچھ تصویروں کو حیرانی اور بے یقینی کے عالم میں دیکھتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ماسٹر ابراہیم بے حد ندامت کے عالم میں ہنسے تھے۔

''ہاں بس بیٹا ہم پر بھی ایسا زمانہ گزرا تھا۔''

مومنہ دیوار پر لگی اُن ڈھیروں تصویروں کو بڑے تجسس اور اشتیاق سے باری باری دیکھ رہی تھی جن میں ماسٹر ابراہیم جینز اور شرٹس میں ملبوس دنیا کے بہت سے مشہور سیاحتی مقامات پر کھڑے نظر آرہے تھے۔

''آج پہلی بار آپ کا کمرہ دیکھ رہی ہوں اور یہ تصویریں بھی۔ آپ تو بڑے سمارٹ اور خوبصورت ہوتے تھے اور بہت اچھا taste ہے آپ کا۔'' مومنہ نے پلٹ کر اُنہیں مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ وہ اب کمرے میں پڑی اُن پرانی چیزوں پر نظر ڈال رہی تھی جو ماسٹر ابراہیم کی اچھی پسند کو ظاہر کر رہی تھیں۔

''سفر میں ہر منزل طے کی ہے ہم نے۔'' انہوں نے عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ مومنہ نے اُن کے لہجے پر غور نہیں کیا۔ وہ ایک بار پھر اُن تصویروں کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ میلان ہے میں نے پہچان لیا۔ پچھلے مہینے گئی تھی یہاں۔۔۔ خوبصورت شہر ہے۔'' مومنہ بے اختیار ایک تصویر پر اُنگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''آدھی زندگی گزاری ہے میلان میں۔ اس لئے تصویریں لگا رکھی ہیں۔ نظروں کے سامنے رہتا ہے ہر وقت۔'' انہوں نے جواباً کہا تھا۔

مومنہ دیوار پر لگی تصویروں کو دیکھتے ہوئے چل رہی تھی یوں جیسے وہ کسی آرٹ گیلری کی دیوار تھی۔ پھر اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لندن ویک، میلان فیشن ویک، پیرس فیشن ویک۔۔۔ آپ نے بھی سارا ہی عروج دیکھ لیا۔''

''عروج کہاں زوال تھا وہ عروج تو اب آیا ہے۔''

مومنہ نے اُن کی بات پر اُنہیں پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے اُسی میٹھے، ٹھنڈے شفقت والے انداز میں۔ مومنہ جانتی تھی وہ بیرون ملک کسی جوتوں کی کمپنی کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں۔ مگر

اُسے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا وہ ''موچی'' کس معیار اور حیثیت کا ''موچی'' تھا۔

''آپ کی بیوی کی کوئی تصویر نہیں ہے؟'' مومنہ کو یک دم خیال آیا۔

''اُس کو پسند ہی نہیں تھا۔۔۔ میں اپنی بھی دیواروں سے اُتار دینا چاہتا تھا مگر اُس نے اُتارنے ہی نہیں دیں۔ اُس نے سجائی ہوئی تھیں میری زندگی کی یہ ساری یادیں ان دیواروں پر۔'' ماسٹر ابراہیم کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی مگر آواز میں ایک کسک تھی۔

''تم بتاؤ آج تمہیں دوبارہ میری یاد کیسے آگئی؟'' انہوں نے موضوع بدلتے ہوئے اُس سے پوچھا تھا۔

''یاد تو ہمیشہ آتی ہے آپ کی لیکن آج آپ سے ایک کام پڑ گیا ہے۔'' مومنہ نے دوبارہ اُن کے بستر کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''عبدالعلی صاحب کا کوئی رشتہ دار ہے پاکستان میں؟'' اُس کے سوال نے ماسٹر ابراہیم کو ساکت کیا تھا۔

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' مومنہ اُن کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اُس نے مدھم آواز میں کہا۔

''مجھے لگتا ہے میں اُن کے پوتے سے مل کر آئی ہوں۔''

''قلبِ مومن سے'' اُن کا جواب اتنا بے اختیار تھا کہ مومنہ کو اُس کی توقع نہیں تھی۔

''جی۔۔۔آپ جانتے ہیں اُسے؟'' مومنہ نے اُن سے پوچھا تھا۔

''عبدالعلی صاحب ذکر کرتے تھے اُس کا۔'' ماسٹر ابراہیم نے مدھم آواز میں کہا۔

''حسنِ جہاں عبدالعلی صاحب کی بہو تھی۔ قلبِ مومن حسنِ جہاں ہی کا بیٹا تھا۔۔۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔۔۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔۔۔ آپ نے مجھے کبھی بتایا کیوں نہیں۔ عبدالعلی صاحب کے پاکستان سے اس تعلق کے بارے میں؟ اُن کے پوتے کے بارے میں؟''

اُس نے ماسٹر ابراہیم سے کہا تھا۔ وہ اُسے چپ چاپ دیکھتے رہے۔ ایک لمبی خاموشی کے بعد انہوں نے کہا۔

''ہر راز امانت ہوتا ہے۔۔۔ ہر بھید اپنے وقت پر کھلتا ہے۔'' مومنہ اُن کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔ وہ ایسی کئی باتیں کرتے تھے جو اُسے سمجھ نہیں آتی تھیں مگر وہ پھر بھی اُنہیں سنتی تھی۔ یاد رکھتی تھی۔

''کل دوبارہ آؤں گی آپ کے پاس۔۔۔ اور اس بار آپ کے لئے کچھ لاؤں گی۔'' مومنہ نے یک دم اُٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا؟''

''عبدالعلی صاحب کے شاہکار۔'' اُس نے ماسٹر ابراہیم سے کہا اور اُنہیں خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

مومنہ سلطان بُری طرح اُلجھی ہوئی ماسٹر ابراہیم کے گھر سے نکلی تھی۔ ماسٹر ابراہیم جانتے تھے کہ حسنِ جہاں عبدالعلی کی بہو تھی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مومنہ سلطان کا باپ حسنِ جہاں کا میک اپ آرٹسٹ رہ چکا تھا اس کے باوجود انہوں نے کبھی مومنہ کو یہ جتایا تک نہیں تھا کہ وہ ان دونوں کڑیوں سے واقف تھے یا پھر وہ ان دونوں کڑیوں کے درمیان کی کڑی تھے۔۔۔؟ کوئی چیز تھی جو مومنہ کو بُری طرح کھٹک رہی تھی مگر وہ چیز کیا تھی وہ ڈھونڈ ھ نہیں پا رہی تھی۔

اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھے اُس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اُس نے پہلی بار ماسٹر ابراہیم سے حسنِ جہاں کے بارے میں کب بات کی تھی۔ کب اُن سے اپنے باپ کا تعارف حسنِ جہاں کے میک اپ آرٹسٹ کے طور پر کروایا تھا۔ اُسے پلک جھپکتے میں یاد آ گیا تھا۔ تب جب وہ ماسٹر ابراہیم کے پاس حسنِ جہاں کی تصویریں بیچنے کے لئے لے کر گئی تھی۔۔۔ جہانگیر کے علاج کے لئے۔

......☆......

وہ فجر کا وقت تھا جب مومن کی آنکھ میکانیکی انداز میں کھلی تھی۔ یہ اب کئی مہینوں سے ہونے لگا تھا۔ کسی رحمت کی طرح۔ رات کا پچھلا پہر اب اُسے کہیں اور لے جانے لگا تھا۔۔۔ اُس راستے پر جہاں رات دُنیا کے لئے نہیں ہوتی تھی آخرت کے لئے ہوتی تھی اور آخرت لفظ سے تو قلبِ مومن واقف ہی نہیں تھا۔ الف کا پورا اسکرپٹ اُس نے رات کے اسی پہر لکھا تھا اور وہ اکثر لکھتے لکھتے سو جاتا پھر اُس کی آنکھ کھلتی تو فجر کے وقت اور وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح مصلّے پر جا بیٹھتا۔

دادا اُس سے رات کے پچھلے پہر کے سکون کی بات کرتے تھے ہمیشہ جب وہ اُن سے پوچھتا تھا کہ وہ رات کو خطاطی کیوں کرتے تھے۔

''اللہ کے دربار میں بیٹھ کر خطاطی کرتا ہوں اُس وقت۔'' وہ ہنس کر کہہ دیتے تھے۔ مومن ہنس کر ٹال دیتا تھا۔

قلبِ مومن نے بھی زندگی کے کئی سال رات کے اس پہر اپنی فلموں کی Preproduction پر لگائے تھے۔۔۔ فلموں کی ایڈیٹنگ بھی رات کے اسی پہر بیٹھ کر کرتا تھا۔ میوزک بھی اسی پہر بیٹھ کر بنواتا تھا۔ وہ رات کے اس پہر کھوٹ بناتا رہا تھا۔۔۔ عبدالعلی سونا۔

وہ پچھلی رات بھی ٹھیک سے سو نہیں سکا تھا۔ کچھ ہو گیا تھا اُس کی نیند کو، اُس کی راتوں کو، اُس کی زندگی کو۔

خالق علی کے جملے اُسے بار بار Haunt کرتے رہے تھے۔ وہ پینٹنگز جنہیں وہ اپنی اولاد کے مستقبل کے لئے خرید کر لے جانا چاہتا تھا وہ اُس کے سٹور روم میں گرد اور مٹی میں اٹی پڑی ہوئی تھیں۔ اُس نے اُن کے اندر وہ کیوں نہیں کھوجا تھا۔ جو دنیا کھوج رہی تھی۔ سوال بہت تھے اور ہر سوال پریشان کر دینے والا تھا۔

فجر کی نماز پڑھ کر وہ دوبارہ سونے کے لئے نہیں لیٹا تھا۔ وہ لاؤنج میں نکل آیا تھا جہاں وہ پینٹنگز پڑی ہوئی تھیں۔ یوں جیسے وہ اُنہیں دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا۔ دوبارہ پڑھنا چاہتا تھا۔

لاؤنج خاموش تھا۔ کچھ لائٹس آن تھیں اور گلاس والز سے آنے والی ہلکی روشنی سورج کی آمد کا پیغام دینے کے باوجود رات کو ابھی اُجالا نہیں بنا پائی تھی۔

قلبِ مومن نے وہ پہلی پینٹنگ اُٹھائی تھی جس کا اخبار شکور نے خالق علی کو دکھانے کے لئے اُتارا تھا۔ اُس نے اُس پر لکھی آیت پڑھنے کی کوشش کی۔

ان الانسن لربہ لکنود

(سورۃ العدیت: آیت 6)

کسی جھماکے کی طرح اُسے اپنی اور دادا کی گفتگو یاد آئی جو اس پینٹنگ کو لیتے ہوئے ہوئی تھی۔

''یہ میری برتھ ڈے کا گفٹ ہے؟''

اُس نے دادا سے پوچھا تھا وہ اُس وقت ترکی میں اپنے گھر پر ایک رات یہ پینٹنگ بنا رہے تھے اور مومن رات کے پچھلے پہر اُن کے کمرے میں اُنہیں اپنی روانگی کے بارے میں انفارم کرنے آیا تھا اور اس پینٹنگ پر پہلی نظر پڑتے ہی اُسے بے اختیار ایسا لگا تھا جیسے وہ اُس کی سالگرہ کے لئے بنائی جا رہی تھی۔

''تم نے کیوں دیکھ لی۔۔۔؟ میں تو تمہاری سالگرہ پر ہی دکھانا چاہتا تھا اسے تمہیں۔'' عبدالعلی کسی چھوٹے بچے کی طرح خفا ہوئے تھے۔

''مطلب کیا ہے اس آیت کا دادا؟'' اس نے جیسے عبدالعلی کو بہلایا تھا۔

''حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس ہے۔'' انہوں نے بے ساختہ کہا تھا۔

''میں احسان ناشناس نہیں ہوں دادا۔'' مومن نے ''احسان ناشناس'' کے لفظ کا مفہوم جیسے خود ہی بوجھ لیا تھا۔

''ہم سب ہیں مومن۔۔۔اللہ کی سب نعمتوں کا کہاں شکرادا کرتے ہیں ہم۔'' دادا کی آواز اُس کے کانوں میں لہرائی تھی اور اُس آیت کے الفاظ کسی خزانے کی اشرفیوں کی طرح اُس کی آنکھوں کے سامنے چمک رہے تھے۔

عبدالعلی کی نظروں میں وہ اپنے رب کے احسانوں کو نہ جاننے اور ماننے والا تھا۔

دوسری اُس کی شوبز میں آنے کے بعد دوسری سالگرہ پر دی جانے والی پینٹنگ تھی۔وہ احسان فراموش ہو رہا تھا اور عبدالعلی دیکھ پا رہے تھے۔وہ بے خبر تھا۔شوبز کے ایک سال نے اُسے اللہ کی بجائے لوگوں کے احسانوں کو یاد رکھنا سکھانا شروع کر دیا تھا۔

بوجھل دل کے ساتھ قلبِ مومن نے دوسری پینٹنگ پر چڑھا ہوا گرد و مٹی سے اٹا ہوا اخبار اُتارا تھا۔

وما توفیقی الاباالله (سورۃ ہود: آیت88)

کوئی آواز اُس کے کانوں میں لہرائی تھی۔''تم نے کھول لیا اپنا تحفہ؟'' عبدالعلی نے اُس سے پوچھا تھا۔

''ہاں کھول لیا۔۔۔مگر اب مطلب کیسے سمجھوں؟'' مومن کو اپنا سوال یاد آیا تھا۔

''میری کامیابی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔'' عبدالعلی نے کہا تھا۔

''اور ناکامی؟'' مومن نے پتہ نہیں کس رو میں پوچھا تھا۔

''وہ بھی۔'' عبدالعلی نے کہا تھا۔

وہ شوبز میں اُس کی پہلی فلم کے سپر ہٹ ہونے کے بعد آنے والی سالگرہ کا تحفہ تھا۔وہ اُس وقت کامیابی کے خمار اور غرور کے پہلے زینے پر بیٹھا تھا۔

تیسری پینٹنگ کی آیت کا مفہوم اُسے اُس آیت پر نظر ڈالتے ہی یاد آ گیا تھا۔

''**ان الحسنت یذھبن السیئات**'' (سورۃ ہود: آیت114)

''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

وہ پہلا موقع تھا جب مومن نے سالگرہ پر کسی آیت کی خطاطی لینے میں تامل کا اظہار کیا تھا۔

''آپ ہر بار ترکی سے اتنا بوجھ اُٹھا کر کیوں لے آتے ہیں میرے لئے؟'' اُس نے عبدالعلی سے اس پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اس کا کیا بوجھ ہے مومن۔۔۔بوجھ تو اعمال کا ہوتا ہے۔'' اُن کے جواب نے اُسے بے چین

کیا تھا۔

''پھر تو آپ پرندے کے پر کی طرح ہلکے ہوں گے اور میں۔۔۔مجھے تو یہ یاد بھی نہیں آ رہا کہ اپنے اعمال کے بوجھ کو کس چیز سے equate کروں میں۔''

''اچھے اعمال بروں کو مٹا دیتے ہیں۔'' عبدالعلی نے جیسے اُس کے احساس جرم کو محسوس کر لیا تھا۔

''اچھے اعمال کیا ہوتے ہیں دادا؟'' اُس کا خیال تھا وہ اُسے نماز روزے کا کہیں گے۔

''جن کے بارے میں دل خود کہے کہ وہ اچھے ہیں۔۔۔کسی سے پوچھنا نہ پڑے۔'' انہوں نے جواب دیا تھا۔

وہ پہلا سال تھا جب اُس نے ڈپریشن کے لئے سائیکاٹرسٹ سے سیشنز شروع کئے تھے۔ کامیابیاں مقناطیس کی طرح اُس کے وجود سے چپکی ہوئی تھیں۔ پیسہ بارش کی طرح ہر طرف سے برس رہا تھا۔ ناموری قلبِ مومن کے نام کا حصہ بن گئی تھی اور اس کے باوجود کچھ ہونا شروع ہو گیا تھا اُسے اس سال اور تب ہی وہ سالگرہ اور اُس پر وہ پینٹنگ آئی تھی تو اُس کے اعمال خراب تھے اور اُسے توبہ کی ضرورت تھی۔ اچھے اعمال کی ضرورت تھی اور وہ بہترین سائیکاٹرسٹ اور بہترین میڈیسنز ڈھونڈ رہا تھا۔

وہ ہر پینٹنگ اُسے اُس کی زندگی کے گزرتے ہوئے ماہ و سال کی داستان ایک آیت میں سنا رہی تھی۔ اُس کی پچھلی زندگی کے سات سالوں کے ون لائنر۔

وکان ربک بصیرا (سورۃ الفرقان: آیت 20)

''اور تمہارا رب سب کچھ دیکھتا ہے۔''

''دادا میں ہر روز اس آیت کو دیکھوں گا تو شرم سے مر جاؤں گا۔ زندہ رہنے دیں مجھے جینے دیں۔ ابھی مومن نہیں بننا میں نے۔'' اگلی پینٹنگ کی آیت نے اُسے کچھ اور یاد دلایا تھا۔

''کوئی اپنے گھر کی دیوار پر یہ کیوں لگائے گا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔'' قلبِ مومن کو اُس آیت کے ترجمے نے ہلایا تھا اور اُس کا دادا سے احتجاج جیسے فرار کی کوشش تھی۔

وہ سب کچھ دنیا کو دکھانے کے لئے کر رہا تھا اور جو کچھ بڑے فخریہ انداز میں کر رہا تھا اُسے اللہ سے چھپانا چاہتا تھا اور عبدالعلی جیسے اُسے یاد دہانی کے لئے وہ پینٹنگ لے آئے تھے۔ یوں جیسے اُسے خبردار کرنا چاہتے ہوں۔ اور قلبِ مومن اُن سب Paintings کو سٹور میں نہ چھپاتا تو اور کیا کرتا۔ وہ اُن آیات کا سامنا نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کرنا چاہتا تھا۔

اور وہ آخری پینٹنگ۔۔۔اُن کی زندگی کی وہ آخری پینٹنگ جو انہوں نے اسے پچھلی سالگرہ پر

دی تھی۔

وان اللہ مع المومنین (سورۃ الانفال: آیت 19)

''اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔''

کیا اُمید تھی جو وہ اُسے اُس کی ساری زندگی کی خبر رکھنے کے بعد بھی تھما گئے تھے۔ اُس نے عبدالعلی سے کہا تھا وہ مومن نہیں ہے اور انہوں نے کہا تھا۔ تم قلبِ مومن ہو کبھی مومن بھی ہو ہی جاؤ گے۔''

مومن نے اگلی پینٹنگ کے اوپر سے اخبار اُتارا تھا۔

فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا (سورۃ فاطر، آیت 5)

(اور تم کو دُنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے)

یہ وہ خطاطی تھی۔ جو وہ خواب میں دیکھ کر ڈر کر اُٹھتا تھا یہ جانے بغیر کہ وہ اُس کے سٹور روم میں گرد اور مٹی سے اٹی ہوئی پڑی تھی۔ بالکل اُس کی روح کی طرح۔

قلبِ مومن کی آنکھوں میں پانی اُمڈا تھا۔ گلاس والز سے باہر اب سورج کی روشنی سارے اندھیروں کو ختم کرنے کی جنگ جیتنے لگی تھی۔

وہ لاؤنج میں چلتے ہوئے اھد نا الصراط المستقیم کی اُس خطاطی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جو اُس کے لاؤنج کی دیوار پر آویزاں تھی۔

اس سب کا آغاز اس سے ہوا تھا۔ وہ وہ پہلی خطاطی تھی جو عبدالعلی نے اُسے سالگرہ کے تحفے کے طور پر دی تھی۔ اُس پہلے سال جب وہ فلم انڈسٹری جوائن کر رہا تھا۔

''یہ پہلی برتھ ڈے ہے جس پر آپ نے مجھے خطاطی Paint کر کے دی ہے۔ ورنہ ہمیشہ کچھ اور ہی گفٹ کیا کرتے تھے۔'' قلبِ مومن کو وہ خطاطی تحفے میں دیکھ کر بے حد حیرانی ہوئی تھی۔ دادا نے پہلے کبھی اُسے کوئی خطاطی تحفے میں نہیں دی تھی۔

''پہلی بار فلم انڈسٹری میں جا رہے ہو تم۔۔۔ تمہارا ابھی تو پہلا سال ہے وہاں۔'' انہوں نے اُسے کہا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے مجھے سیدھا راستہ دیکھنے کے لئے رہنمائی کی ضرورت پڑے گی؟'' مومن نے بڑے لاپرواہانہ انداز میں اُن سے پوچھا تھا۔

''ہمیشہ۔'' ان کا جواب بے حد مختصر تھا۔ مومن کو وہ مختصر جواب چبھا تھا۔ اتنا بھٹکا ہوا تو نہیں ہوں میں۔'' اُس نے دادا سے کہا تھا یوں جیسے اعتراض کیا تھا۔

''مومن ہو۔۔بھٹکتا مومن ہی ہے جس کے پاس ایمان ہے،ہی نہیں اُسے کوئی کیا بھٹکائے گا۔''

اُس نرم آواز کی بازگشت نے اُسے تب خاموش کروایا تھا۔آج رُلا دیا تھا۔

اللہ رب ہے دلوں کے حال جانتا ہے پر عبدالعلی کیسے سب کچھ جان لیتے تھے اُس کے بارے میں۔۔۔اُس کے دل تک کیسے پہنچ جاتے تھے اُس کے ماضی اور حال کو کیسے بھانپ لیتے تھے۔۔۔اُس پینٹنگ پر دونوں ہاتھ رکھے وہ بچوں کی طرح ہچکیوں اور سسکیوں کے ساتھ رونے لگا تھا۔

وہ عبدالعلی کے اس اثاثے کو کیسے بے مول کئے ہوئے تھا وہ اُسے کیسے بیچ سکتا تھا۔۔۔وہ تو اُس کی میراث تھی اُس کا ترکہ تھا۔وہ خالق علی کو بیچ نہیں سکتا تھا۔وہ مومنہ سلطان کو بھی نہیں دے سکتا تھا۔

......☆......

''یہ ہے تمہارا معاوضہ اور یہ ہے کانٹریکٹ۔۔۔سائن کردو ابھی۔''

داؤد صبح سویرے مومنہ کے گھر پہنچا تھا۔وہ کچھ دیر پہلے ناشتہ سے فارغ ہوکر اب ایک TV انٹرویو کے لئے جانے کے لئے تیار ہوکر لاؤنج میں نکلی تھی جب اُس نے داؤد کو اُن پینٹنگز کے ساتھ لاؤنج میں موجود پایا تھا۔وہ اُس کے انتظار میں بیٹھا ثریا کے ساتھ گپ شپ کرنے کے بعد اب ناشتہ کر رہا تھا۔

''میں کہیں بھاگ نہیں جاؤں گی۔۔۔اتنی کیا بے اعتباری ہے۔'' مومنہ نے اُن پینٹنگز کی طرف جاتے ہوئے کہا جو دیوار کے ساتھ اکٹھے ہی زمین پر ٹکا کر رکھی ہوئی تھیں۔

''تم سٹار ہو اب مومنہ اور سٹارز کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔'' داؤد نے پراٹھے کا آخری لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔مومنہ کو اُس کی بات پر ہنسی آ گئی تھی۔

''میں سٹار ہوں اب اور سٹار کسی پر اعتبار کرتا بھی نہیں۔میری مینیجر کانٹریکٹ دیکھے گی پھر سائن کر کے بھیجوں گی۔'' اُس نے اُسی ٹون میں داؤد کو جواب دیا تھا۔

''نہیں یار ایسا مت کرو۔۔۔کتنے دن لگاؤ گی۔'' داؤد بے اختیار کراہا تھا۔

''چند گھنٹے۔۔۔تم جاؤ۔۔۔بھجوا دیتی ہوں کچھ دیر میں کانٹریکٹ۔'' اس بار مومنہ نے دوستانہ انداز میں اُس سے کہا۔اس سے پہلے کہ داؤد کچھ اور کہتا۔ملازم ایک بے حد خوبصورت بکے لے کر اندر داخل ہوا تھا۔

''چلو پھر میں چلتا ہوں۔تھوڑی دیر میں بھیجتا ہوں کسی کو اور سکرپٹ کا بقیہ حصہ یہاں رکھ کے جا رہا ہوں۔دیکھ لینا اُسے۔'' داؤد کھڑا ہوتے ہوئے ملازم کے پاس سے گزرتے گزرتے رُکا اور اُس

نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''بکے پر بکے آرہے ہیں مومنہ سلطان کے لئے اب یہ کون خوش نصیب ہے۔'' اُس نے کہتے ہوئے بکے پر لگا کارڈ دیکھا اور پھر جیسے اُس نے چونک کر مومنہ سے کہا۔

''اوہ۔۔۔شاید فیصل نے بھیجا ہے۔نام اُسی کا لگتا ہے۔اقصیٰ سے کل بات ہوئی تھی اُس کی۔ تم سے بات کرنے اور ملنے کا کہہ رہا تھا۔'' وہ ایک ہی سانس میں رُکے بغیر کہتا چلا گیا تھا۔ دل کی وہ دھڑکن جو اُس کے نام پر ایک لمحہ کے لئے رُکتی تھی آج نہیں رُکی تھی۔

اُس نام نے اُس کے وجود کے اندر کوئی گھنٹیاں نہیں بجائی تھیں۔اُس نے چپ چاپ داؤد کی بات سنی تھی۔وہ کہہ کر باہر چلا گیا تھا۔

''وہاں رکھ دو۔''

مومنہ نے اُس کے جانے کے بعد ملازم سے بکے پکڑنے کی بجائے لاؤنج کے ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ اُس نے جب بھی اُسے کبھی پھول بھیجے تھے بہت خاص arrangement بھیجے تھے۔بس آج یہ ہوا تھا کہ مومنہ سلطان کے لاؤنج میں امپورٹڈ پھولوں اور سپیشل arrangements کا اتنا ڈھیر لگا ہوا تھا کہ اُن کے درمیان اُس کے بھیجے ہوئے پھول ''عام'' لگ رہے تھے۔ایک نظر اُن پھولوں پر ڈالنے کے بعد اُنہیں چھوئے بغیر وہ پلٹ کر دوبارہ اُس پہلی پینٹنگ کو دیکھنے لگی تھی۔

اهدنا الصراط المستقیم

مومنہ سلطان نے اُس پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے سوچا کہ اُس نے کبھی خواب میں بھی عبدالعلی کی پینٹنگز اپنے گھر سجانے کا نہیں سوچا تھا۔اُن کا شمار دُنیا کے بہترین محقق خطاطوں میں ہوتا تھا۔مومنہ نے اُن کے بارے میں جو بھی تھوڑا بہت جانا تھا وہ یا تو ماسٹر ابراہیم سے جانا تھا یا اُن کتابوں اور آرٹیکلز سے جو اُس نے خطاطی کے بارے میں پڑھی تھیں اور جن میں عبدالعلی کا نام سرفہرست تھا۔

وہ آج بھی اُن کی خطاطی کو گھر میں سجانے کے لئے نہیں لائی تھی، بچانے کے لئے لائی تھی۔ اُس کو یقین تھا قلبِ مومن اُس اثاثے کو کسی کو بھی بیچ دیتا کسی کو بھی۔اُس کے لاؤنج میں بیٹھے اُس نے خالق علی کی ساری باتیں سنی تھیں۔

خطاطی کے وہ سات نمونے کس محبت سے عبدالعلی نے قلبِ مومن کے لئے بنائے تھے۔اُس نے یہ بھی سنا تھا اور خالق علی نے اُنہیں حاصل کرنے کے لئے کتنی خواہش کی تھی۔اُس نے یہ بھی سن لیا تھا

اور وہ مومنہ سلطان اب خطاطی کے اُن سات نمونوں کو نہ تو خواہش نہ لگن سے لے کر آئی تھی وہ اُنہیں اپنے نصیب سے لے آئی تھی۔ اور اب اپنے گھر پر اُن Paintings کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے اس اتفاق کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اُس کے سیل فون پر آنے والی کال نے جیسے اُس کی سوچوں کے تسلسل کو توڑا تھا۔ وہ نمبر جانا پہچانا نہیں تھا۔ مومنہ نے کال ریسیو کر لی تھی۔ اُس کے فون پر آنے والے اکثر نمبر جانے پہچانے نہیں ہوتے تھے۔

''مومنہ سلطان میں سمجھا تھا تم فون نہیں اُٹھاؤ گی Unknown نمبر دیکھ کر۔'' دوسری طرف فیصل تھا۔۔۔ بے حد ہشاش بشاش چہکتا ہوا۔ اُسے لمحہ بھی نہیں لگا تھا اُس کی آواز پہچاننے میں اور شاید اُسے بھی اتنا ہی وقت لگا تھا اُس کی ہیلو سے اُس کی شناخت تک۔

''کیسے ہیں آپ؟'' اُس نے اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

''تم نے پہچان لیا مجھے؟'' فیصل کی آواز میں کچھ اور خوشی چھلکی۔

''داؤد نے بتایا تھا آپ کال کریں گے۔'' مومنہ نے اُسی لہجے میں کسی جذباتیت کے بغیر کہا۔

یادوں پر اُس نے بند باندھ دیا تھا اور بند باندھنے میں کوئی مومنہ سلطان سے بہتر نہیں تھا۔

''خوش فہمی نہیں پالنے دیتی تم اب بھی۔'' فیصل نے اُسی انداز میں کہا۔

''آنٹی کیسی ہیں؟'' اُس نے ایک بار پھر اُس کی بات کا جواب دینے کی بجائے موضوع بدل دیا تھا۔

''آج کل ہمارے گھر میں ہر وقت تمہارا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ میری بیوی پاگل ہے تمہارے پیچھے اور مجھ سے کہہ رہی ہے کہ تمہیں ڈنر پر انوائیٹ کروں اور ممی۔۔۔ وہ تو مومنہ ہر ایک کو تمہارے بارے میں بتاتی رہتی ہیں۔''

"You have made all of us so proud."

وہ کہتا جا رہا تھا۔ وہ سنتی جا رہی تھی۔ وہ اب لوگوں کے جملوں کو جملے ہی سمجھتی تھی جذبے نہیں۔۔۔ سچ بھی نہیں۔ تعریف اُسے کھوکھلی لگتی تھی۔ تنقید بے معنی۔

''مجھے ہمیشہ پتہ تھا مومنہ تم کوئی بڑا کام کرو گی اگر ایکٹنگ میں آئی ہو تو بھی مگر اتنا بڑا کام کرو گی یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا'' وہ اب بھی اُسی جذباتی انداز میں بولتا چلا جا رہا تھا۔ مومنہ نے کلائی میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ اُس کے پاس اگلی جگہ پہنچنے کے لئے پندرہ منٹ تھے۔

''بہت شکریہ فیصل آپ اپنی فیملی کا شکریہ ادا کر دیں میری طرف سے۔۔۔ ان شاءاللہ جب ممکن ہوا

توضرور ملاقات ہوجائے گی۔" اُس کی بات بے حد نرم لہجے میں بیچ میں کاٹتے ہوئے اُس نے کہا تھا۔

"اتنی فارمل کیسے ہوگئی تم مومنہ۔" فیصل کو اُس کی غیر جذباتیت ہضم نہیں ہوئی تھی۔

"Formality اچھی چیز ہے۔ بہت سارے لحاظ اور بھرم رہنے دیتی ہے۔" اُس کا لہجہ اب بھی بے حد ہموار تھا۔

"میں ہرٹ ہو رہا ہوں مومنہ۔ تمہارا اور میرا تعلق کیا تھا دہرانے کی ضرورت ہے کیا؟"

"آپ کا اور میرا تعلق ماضی تھا اور زندگی بڑی مصروف ہوگئی ہے۔ ماضی کے بارے میں سوچنے بھی نہیں دیتی۔ آپ بھی نہ سوچیں۔ hurt ہونے سے بچیں گے۔ Pay my regards to your wife۔۔۔خدا حافظ۔"

اُس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اُسے زندگی میں کسی مرد کا ساتھی بننے کی خواہش تھی تفریح بننے کی نہیں۔

......☆......

"اتنے دنوں سے چکر لگا رہا ہوں اُس مارکیٹ کا کسی کو پتہ نہیں ہے ماسٹر ابراہیم کا۔ تم نے غلط پتہ دیا ہے مجھے شکور۔"

شکور نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا تھا اور مومن اُس کو دیکھتے ہی اُس پر برس پڑا تھا۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے ہر روز اُس مارکیٹ میں ماسٹر ابراہیم کو ڈھونڈنے جا رہا تھا جس علاقے کا پتہ شکور نے اُسے دیا تھا مگر اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اُس مارکیٹ میں سینکڑوں دُکانیں تھیں اور ماسٹر ابراہیم کے مکمل تعارف کے بغیر صرف نام لے کر کسی علاقے میں اُسے ڈھونڈنا بھوسے کے ڈھیر میں سے سوئی ڈھونڈنے کے مترادف تھا۔

"قسم سے مومن بھائی یہی پتہ تھا۔ میں نے تو کریم کی app سے چیک کر کے پتہ لکھوایا تھا آپ کو۔ اسی پتہ پر جاتے تھے دادا جی۔ مجھ پہ بھروسہ نہیں تو بے شک کریم والوں سے پوچھ لیں۔ اُن پر تو بھروسہ ہے نا آپ کو۔" شکور نے اپنا فون جیب سے نکالتے ہوئے اُس کے پیچھے آتے ہوئے بے حد دُکھی دل کے ساتھ اُسے کہا تھا۔

مومن اُس کے ساتھ بحث کرنے کی بجائے لاؤنج میں آ گیا تھا اور لاؤنج میں آتے ہی جیسے اُسے کرنٹ لگا تھا۔ وہاں دیوار پر اھدنا الصراط والی خطاطی غائب تھی اور وہ چھ پینٹنگز بھی جو وہ صبح وہیں لاؤنج کی میز پر چھوڑ کر گیا تھا۔

''یہ پینٹنگز کہاں گئیں؟'' اُس نے کچھ ہڑ بڑائے انداز میں شکور سے پوچھا۔

''وہ تو داؤد بھائی لے گئے صبح صبح آ کر۔ آپ کے نکلتے ہی۔ جھاڑ پونچھ کر دی تھیں میں نے۔''

اُس نے ساتھ ہی اگلا جملہ فخریہ انداز میں کہا۔

مومن حلق کے بل چلایا تھا۔

''تم نے مجھ سے پوچھے بغیر اُسے کیسے لے جانے دیں وہ۔'' شکور کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے۔ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اُس نے کہا۔

''کل آپ کے سامنے ہی تو کہہ کر گئے تھے وہ آج آ کر لے جائیں گے۔''

''وہ کل تھا۔۔۔ یہ آج ہے۔'' قلبِ مومن نے غضب ناک انداز میں جیب سے فون نکال کر اُس سے کہا تھا۔

''پر آپ تو آج بھی مجھے منع کر کے نہیں گئے تھے۔'' شکور کے جواب میں logic تھی اور اُس نے مومن کو لا جواب کر دیا تھا۔

''تم واقعی الّو کے پٹّھے ہو۔'' مومن نے جواباً اُس سے کہا تھا۔ فون پر اب وہ داؤد کو کال کر رہا تھا۔

''شکور کام نہ کرے تو الّو کا پٹّھا کام کرے تو الّو کا پٹّھا۔۔۔ شکور جائے تو کہاں جائے۔'' شکور بڑبڑاتے ہوئے لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ وہاں کھڑا رہنا اس وقت اپنی رسوائی کا سامان خود کرنا تھا۔

داؤد نے پہلی ہی کال پر فون اُٹھا لیا تھا۔

''مومن بھائی میں آپ کو ہی کال کرنے والا تھا۔ سارے انتظامات ہو گئے ہیں۔'' داؤد نے اُس کی آواز سنتے ہی اُسے چہکتے ہوئے اطلاع دی تھی۔

''کس چیز کے؟'' مومن ایک لمحہ کے لئے اُلجھا۔

''پریس کانفرنس کے۔''

''کس پریس کانفرنس کے؟''

''آپ کو اناؤنسمنٹ کرنی تھی مومنہ سلطان کی الف کی فلم کا حصہ بننے پر۔'' داؤد نے اُسے یاد دلایا۔

''تم نے پینٹنگز مومنہ کو دے دیں؟'' مومن نے اُس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اُس سے پوچھا تھا۔

''جی مومن بھائی اور اُس نے کانٹریکٹ بھی سائن کر کے بھیج دیا ہے۔'' داؤد نے اُسے خوشی سے اطلاع دی۔ مومن ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

''داوٗد مجھے میری پینٹنگز واپس چاہیے۔ میں نہیں بیچ سکتا اُنہیں کسی کو بھی۔ کانٹریکٹ کینسل کردو مومنہ کے ساتھ۔'' داوٗد ہکا بکا رہ گیا۔

''مومن بھائی میں نے تو نیوز بھی بریک کردی ہے۔ سارا میڈیا آرہا ہے ہماری پریس کانفرنس کی کوریج کے لئے مومنہ کی وجہ سے۔ آپ TV آن کر کے دیکھیں نیوز میں چل رہا ہے Ticker۔۔۔ مومنہ سلطان کی پہلی پاکستانی فلم الف کا اور ساتھ میں آپ کا نام بھی چل رہا ہے۔ اب سب کچھ ختم کریں گے تو بڑی بدنامی ہوگی۔ ابھی فلم ہونے دیں۔ میں بعد میں لے دوں گا آپ کو مومنہ سے وہ پینٹنگز۔ وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔'' داوٗد نے تقریباً منتیں کرتے ہوئے کہا تھا۔ اُس کی واقعی جان پر بن آئی تھی۔

''تم لے کر دو گے مجھے وہ پینٹنگز۔'' مومن چند لمحے جھنجھلایا پھر نرم پڑتے ہوئے اُس نے بے بسی سے داوٗد سے کہا۔

''وعدہ مومن بھائی۔۔۔ وعدہ۔'' داوٗد نے فوراً سے پہلے حامی بھر لی۔

......☆......

پریس کانفرنس میں نیوز چینلز کے نمائندوں اور جرنلسٹس کا ایک جمّ غفیر تھا۔ جو قلبِ مومن نے دیکھا تھا اور عجیب حیرت بھری خوشی کے ساتھ اُس نے داوٗد سے پوچھا تھا۔

''اتنے لوگ کیسے اکٹھے کر لئے تم نے؟''

''اکٹھے کرنے ہی نہیں پڑے مومن بھائی اس بار تو۔۔۔ مومنہ سلطان کا نام سن کر آرہے ہیں یہ۔۔۔ ابھی بھی کالز آرہی ہیں پتہ نہیں کس کس جگہ سے کوریج کے لئے۔۔۔ مجھے لگ رہا ہے چائے کا سامان اور سیٹیں دونوں کم پڑ جائیں گی۔''

وہ فون پر آنے والی ایک کال سنتے ہوئے بے حد فکرمندی سے کہتا ہوا سٹوڈیو میں اُس کونے کی طرف بھاگتا گیا تھا جہاں قدرے خاموشی تھی اور قلبِ مومن کے چہرے سے ایک رنگ سا آکر گزرا تھا۔ وہ ہجوم کبھی اُس کے لئے اکٹھا ہوتا تھا آج اُس کے لئے اکٹھا ہو رہا تھا جسے اُس نے کبھی چیونٹی جانا تھا۔ آسان نہیں تھا۔ اپنا تاج کسی دوسرے کے سر پر دیکھنا۔

سٹوڈیو کا ہال رپورٹرز، فوٹو گرافرز اور پریس کانفرنس کے انتظامات دیکھنے والی ٹیم کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ تیز روشنیوں میں بھی ہر فوٹو گرافر اور کیمرہ مین اپنا اپنا کیمرہ سنبھالے بہترین سے بہترین کوریج اور شاٹ کے لئے اُس سٹوڈیو کے مختلف حصوں پر قبضہ کئے ہوئے تھے اور ان سب کے درمیان مختلف برانڈز کے مینیجرز کہیں کھڑے کہیں بیٹھے ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف تھے اور یہ بھی

وہی لوگ تھے جو اُس کی پچھلی پریس کانفرنس میں الف میں اپنی عدم دلچسپی ظاہر کر چکے تھے۔ مومنہ سلطان کا نام اُن سب کو وہاں کھینچ لایا تھا۔ قلبِ مومن احساس کمتری کے ایک اور درجے سے آج آگاہ ہو رہا تھا اور یہ وہ احساس کمتری تھا جس نے اُس کی خود اعتمادی پر کاری ضرب لگائی تھی۔

مومنہ سلطان بالکل ٹھیک وقت پر سٹوڈیو میں داؤد اور ٹینا کی ہمراہی میں داخل ہوئی تھی اور سٹوڈیو میں ایک عجیب سی ہڑبونگ مچ گئی تھی۔ قلبِ مومن اُسے ریسیو کرنے کے لئے دروازے تک جانا چاہتا تھا۔ وہ نہیں جا سکا فوٹوگرافرز اور جرنلسٹس نے سٹوڈیو کے دروازے پر ہی اُسے گھیر لیا تھا۔ فلیش لائٹس کے جھماکوں اور اپنی نام کی پکار میں مومنہ سلطان بمشکل سٹیج تک پہنچی تھی اور وہاں پہلی بار اُس کا اور قلبِ مومن کا آمنا سامنا ہوا۔

قلبِ مومن نے سٹیج پر لمبی میز کے پیچھے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھے ہوئے اُٹھ کر اُس کو ریسیو کیا۔ دونوں کی نظریں لمحہ بھر کے لئے ملی تھیں پھر اُسی رفتار سے چرالی گئیں تھیں۔ وہ اُس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی اور اُس کے اتنے قریب بیٹھنے پر قلبِ مومن بھی فلیش لائٹس کے ان جھماکوں کا شکار ہونے لگا تھا جن کا فوکس وہ نہیں تھا۔ سٹیج کے سامنے کھڑا میڈیا کچھ دیر تک صرف فوٹوگرافی کرتا رہا اور اُس کے برابر بیٹھی مومنہ سلطان بے حد تحمل سے مسکراتے ہوئے وہ فوٹوگرافی کرواتی رہی تھی۔ ایک سیاہ شلوار قمیض میں وہ اپنے بال جوڑے کی شکل میں باندھے ہوئے تھی۔ کلائی کی گھڑی اور کانوں میں آج پہنے سیاہ موتیوں کے سٹڈز اُس کی واحد accessories تھیں۔ وہ اس حلیے میں بھی اُس پورے سٹوڈیو کا محور تھی اور وہ جیسے اس بات سے باخبر تھی۔

''یہاں آنے کے لئے آپ سب کا بہت شکریہ۔'' سٹیج پر اُس میز کے پیچھے موجود افراد کے سیٹیں سنبھالتے ہی قلبِ مومن نے مزید انتظار کے بغیر مختصر خیر مقدمی کلمات کے ساتھ ہی گفتگو کا آغاز کر دیا تھا اور سٹوڈیو میں بالآخر خاموشی ہونا شروع ہوئی۔

''ہمارے لئے یہ بڑی خوشی اور اعزاز کی بات ہے کہ آج مومنہ سلطان الف کا حصہ بن رہی ہیں اور اس فلم میں مرکزی کردار ادا کر رہی ہیں۔'' قلبِ مومن ایک لمحہ کے لئے رُکا۔ اُس کا ذہن تقریباً بلینک ہو گیا تھا۔

مومنہ سلطان کے لئے مزید وہ کیا کہتا اُس کے ذہن میں کچھ نہیں آرہا تھا جو آرہا تھا وہ کہنے کے لئے وہ تیار نہیں تھا۔ وہ مومنہ سلطان کے لئے تعریفوں کے پل نہیں باندھ سکتا تھا اور کچھ اور اس موقع پر کہا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

''اس فلم کے حوالے سے میں آپ لوگوں سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں اور کہوں گا بھی کیونکہ اس فلم سے زیادہ اہم اس وقت میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے اور کبھی بھی کچھ بھی نہیں رہا۔''

وہ جب دوبارہ بولنا شروع ہوا تو مومنہ سلطان کے بارے میں مزید کچھ کہے بغیر اُس نے فلم کے بارے میں بے حد جذباتی انداز میں بات شروع کر دی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہہ پاتا۔ ایک نیوز رپورٹر نے اُٹھ کر اُسے ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

''قلبِ مومن صاحب آپ کی فلم کے بارے میں سب ہی پتہ ہے ہمیں۔ آج آپ ہمیں مومنہ سلطان سے بات کرنے دیں تاکہ ہم اُن سے پوچھیں کہ وہ اس فلم کے بارے میں کیا سوچتی ہیں اور کیوں کام کر رہی ہیں جب انڈسٹری کی کوئی ہیروئن اس فلم میں کام کرنے پر تیار نہیں ہے۔''

قلبِ مومن کا چہرہ سیاہ پڑا تھا۔ وہ سیدھا سیدھا اُسے یہ کہہ رہا تھا کہ اُسے اُس کی بات سننے میں دلچسپی نہیں تھی وہ مومنہ کو سننا چاہتا تھا۔

''Sure''۔

مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر قلبِ مومن نے اپنے سامنے میز پر رکھا ہوا مائیک پیچھے کر دیا تھا۔ اُس کی عزت نفس شاید اتنی مجروح نہ ہوتی اگر وہ اُس کے برابر نہ بیٹھی ہوتی۔ قلبِ مومن کو یقین تھا وہ اس ساری اہمیت اور اُس کی بے وقعتی سے محظوظ ہو رہی ہوگی۔ اُس سے بدگمان ہونے کے لئے اُسے کوئی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''آپ سے پہلے یہ رول شیلی کر رہی تھیں ایک گھنٹہ پہلے اُن سے فون پر میری بات ہوئی ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ جو رول مومنہ سلطان کر رہی ہیں وہ انہوں نے ریجیکٹ کر دیا تھا کیونکہ اُنہیں وہ اہم اور دلچسپ نہیں لگا تھا اور فلم کا موضوع بھی اُنہیں بے تکا لگا۔ آپ کسی کا چھوڑا ہوا رول کیوں کر رہی ہیں؟'' اُس رپورٹر کا پہلا ہی سوال تپا دینے والا تھا۔ قلبِ مومن اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا اور داؤد اور ٹینا کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ انہوں نے دل میں شیلی کو بیک وقت گالیاں دی تھیں۔ وہ اداکاراؤں والی typical حرکتیں کر رہی تھی۔ خود بھی نہیں کام کرنا اور دوسرے کا دل بھی اُٹھانا ہے۔

''میں ہر رول کو اُس کے میرٹ پر دیکھتی ہوں۔ جس رول پر مجھے آسکر ملا وہ ودیا بالن کا چھوڑا ہوا تھا۔ ہر رول ہر ایک کا نصیب نہیں ہوتا۔ جس کا ہوتا ہے اُسی کو کرنا ہوتا ہے۔'' قلبِ مومن نے گردن موڑ کر شاید پہلی بار اُسے اتنے قریب سے بات کرتے دیکھا تھا اور وہ پہلا لمحہ تھا جب اُس کے دل میں مومنہ سلطان کے لئے عزت جاگی تھی۔

''اپنے رول کے بارے میں کچھ بتائیں۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اُسی رپورٹر نے کچھ کُریدنے والے انداز میں کہا۔

''میں کچھ نہیں بتا سکتی ڈائریکٹر کچھ بتانا چاہیں تو بتا دیں۔'' اُس نے کہتے ہوئے گردن موڑ کر قلبِ مومن کو دیکھا اور اُسے خود کو دیکھتے ہوئے پایا۔ وہ دونوں پہلی بار اتنے قریب بیٹھے تھے۔ پہلی بار ایک دوسرے کی آنکھوں کو بھی اتنے قریب سے دیکھا تھا انہوں نے۔ مومنہ سلطان نے ایک لمحہ میں اُس سے نظریں چرائی تھیں۔

''یہ سکرپٹ قلبِ مومن نے لکھا ہے اور وہ رائٹر نہیں ہیں۔ جو وہ بناتے تھے وہ کمرشل سینما تھا۔ کمرشل سینما میں اُن کی کامیابی کی وجہ عورت کے جسم کا exposure تھا۔ ایسی فلمیں بنانے والا ڈائریکٹر ایک دن روحانیت اور اللہ کے بارے میں فلم بنانے ہی نہیں لکھنے بھی بیٹھ جائے تو کیا یہ مذاق نہیں ہے اور پھر اُس فلم میں آپ جیسی اداکارہ بھی کام کرنے پر تیار ہو جائے۔'' وہ اگلا سوال قلبِ مومن کو شرم سے پانی پانی کرنے کے لئے کافی تھا۔

زندگی واقعی مکافاتِ عمل تھی۔ وہاں مومنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے یہ سوال سر جھکائے سنتے ہوئے قلبِ مومن نے سوچا تھا۔ وہ پچھلا سال ہوتا تو اُس کے سٹوڈیو میں بیٹھ کر اُس کا مذاق اڑانے والا وہ رپورٹر سٹوڈیو سے باہر پڑا ہوتا یا اُسے ایسے سوال کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ پر آج اُس سے وہ سوال کئے جا رہے تھے اور وہ سننے پر مجبور تھا جن پر پہلے کبھی وہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ اُس سوال پر کچھ تالیاں بجی تھیں، کچھ قہقہے بھی لگے تھے۔ ہنسنے والوں میں مومنہ سلطان نہیں تھی۔ قلبِ مومن کو اچنبھا ہوا۔

''یہ سوال میرے لئے ہے یا ڈائریکٹر کے لئے؟'' مومنہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی تھی۔

''آپ کے لئے۔۔۔ ڈائریکٹر کا جواب تو ہم لیتے رہیں گے۔'' ایک دوسرے نیوز رپورٹر نے بڑی دلچسپی سے کہا تھا۔

''کمرشل سینما کرنے والے کا روحانیت پر فلم لکھنا اور بنانا آپ کو مذاق لگتا ہوگا مجھے نہیں۔ اسی لئے میں اس فلم کا حصہ ہوں۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے ایسے موضوعات پر کام ہونے کا رواج پڑنا چاہیے تا کہ دوبارہ کسی کو ایسی فلم کے بنانے کا ارادہ مذاق نہ لگے۔'' سٹوڈیو تالیوں سے گونجا تھا اور قلبِ مومن زمین میں گڑا تھا۔ وہ کیا عورت تھی جو اُس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ کیا ظرف رکھتی تھی اور کیا اعتماد۔

''اس فلم کے لئے کیا معاوضہ لیا آپ نے؟'' اگلے سوال پر پھر سٹوڈیو میں قہقہے گونجے تھے۔ وہ سب کا مشترکہ دلچسپی کا موضوع تھا۔ مومنہ سلطان بھی مسکرا دی تھی۔

''بہت زیادہ۔''

''کروڑوں میں لیا ہوگا۔'' رپورٹر نے کُریدا تھا۔

''اُس سے بھی زیادہ۔'' مومنہ سے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

''ہالی ووڈ میں آپ کا اگلا پروجیکٹ۔۔۔؟'' مومنہ نے بات کاٹ کر کہا۔

''فی الحال صرف الف۔۔۔آج صرف اسی کی بات ہوگی۔''

مومنہ نے اُس رپورٹر کو نرمی سے ٹوک دیا تھا۔ اُس کے بعد ہونے والے سوال جواب رسمی تھے۔ وہاں انٹرنیشنل نیوز ہاؤسز کے لئے کوریج کرنے والے مقامی صحافی بھی تھے۔ جو وہاں سے سوشل میڈیا کے لئے بھی لائیو کوریج کر رہے تھے۔

الف مومنہ سلطان کی وجہ سے اگلے کچھ گھنٹوں میں ملکی اور بین الاقوامی طور پر خبروں کا مرکز بننے والی تھی۔ قلبِ مومن یک دم ہی جیسے پس منظر میں چلا گیا تھا۔ الف صرف مومنہ سلطان کی وجہ سے جانی اور پہچانی جا رہی تھی اور قلبِ مومن کو بُرا نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب بات شاید یہ تھی۔

''آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ اُسے ایک گھنٹہ کے بعد رُخصت کرنے کے لئے گاڑی تک گیا تھا اور اُس نے مومنہ سلطان سے کہا۔

''کس چیز کے لئے؟'' وہ گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رُکی۔

''بہت ساری چیزیں ہیں۔ مگر یہ شکریہ آج کی پریس کانفرنس میں مجھے defend کرنے کے لئے ہے۔''

''میں نے آپ کو defend نہیں کیا الف کو کیا ہے اس لئے آپ کو شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا حافظ۔'' وہ کہہ کر رُکے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

قلبِ مومن اُسے جاتا دیکھتا رہا تھا۔ اُسے آج اُس کا یہ جملہ بھی بُرا نہیں لگا تھا کیونکہ اُس کے دل میں مومنہ سلطان کے لئے کوئی بدگمانی نہیں آئی تھی۔

......☆......

دیوار کے ساتھ ٹکی اُن پینٹنگز کو سلطان نے باری باری کر کے دیکھا تھا اور اس خطاطی پر نظر پڑتے ہی اُسے عبد العلی یاد آیا تھا اور طٰہٰ۔ اُس نے خطاطی پر خطاط کا نام ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ عبد العلی کے نام نے اُسے ساکت کر دیا تھا۔

قدموں کی چاپ پر اُس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ مومنہ تھی جو لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر آئی

تھی۔سلطان اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر سلطان نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

''عبدالعلی کی پینٹنگز ہیں؟''

''اور آپ جانتے ہیں عبدالعلی کون ہیں۔''مومنہ نے سر ہلاتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''قلبِ مومن سے لی ہیں تم نے؟'' اُس نے مومنہ کی بات کے جواب میں جیسے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں۔۔۔ابا فلم سائن کر لی ہے میں نے۔اُس کی سکرپٹ بھی مل گیا ہے پورا لیکن پڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔آج میں مومن سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔کبھی سوچا بھی نہیں تھا میں نے کہ کبھی میں بھی مومن کی مجرم ہو سکتی ہوں۔'' مومنہ کی آواز میں بے چارگی تھی اور سلطان نے اُسے پلٹ کر دیکھا تھا یوں جیسے اُسے مومنہ کے لفظوں نے ہلا دیا ہو۔

''ابا میں میں آپ کو سب کچھ معاف کرتی ہوں جو بھی آپ نے کیا۔لیکن میرا اتنا حق ہے کہ آپ مجھے حقیقت بتائیں۔آپ کا اور حسنِ جہاں کا کیا تعلق تھا۔کیا آپ کی وجہ سے گھر ٹوٹا تھا اُس کا؟'' مومنہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

''حسنِ جہاں اور میری بدقسمتی ایک ہی تھی۔اُسے مومن نے غلط سمجھا۔مجھے تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' سلطان نے رنجیدگی سے کہا۔مومنہ نے آگے بڑھتے ہوئے لاؤنج کی میز پر پڑا اسکرپٹ کا لفافہ اُٹھا کر سلطان کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں سمجھ رہی ابا۔۔۔یہ کاغذ سمجھ رہے ہیں۔اس پر لکھی ہوئی قلبِ مومن کی تحریر judge کر رہی ہے آپ کو۔'' سلطان اس کی بات پر ہنس پڑا تھا۔

''مومن کے ہاتھ کی تحریر ہے یہ۔۔۔قلبِ مومن کی۔۔۔وہ بیٹا ہے اُس کا۔۔۔وہ ہی تو judge کر سکتا ہے حسنِ جہاں کو۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''صرف قلبِ مومن ہی لکھ سکتا ہے یہ سب۔۔۔اس کے اور اللہ کے سوا کوئی اور نہیں تھا یہ جاننے والا کہ میں حسنِ جہاں کے بلانے پر ترکی گیا تھا۔'' وہ بڑبڑایا تھا یوں جیسے ماضی میں کچھ دیکھ رہا ہو۔

ایک راز وہ تھا جو قلبِ مومن نے سنبھال رکھا تھا۔ایک راز وہ تھا جو سلطان کے پاس تھا اور ایک چیز سچ تھا جو کس کے پاس تھا یہ مومنہ جاننا چاہتی تھی۔انٹرول کے بعد والے حصے کو پڑھنے سے پہلے۔ اپنے باپ کو مجرم مان لینے سے پہلے۔

سلطان اب صوفہ پر بیٹھا جیسے خاموشی کا کوئی چلہ کاٹنے لگا تھا۔ایک بار پھر اُسے اپنے ناخنوں

سے دل کے سارے زخموں کے کھرنڈ کھرچنا تھے۔خود کو لہولہان کرنا تھا۔۔۔اس بار حسنِ جہاں کی طرح مومنہ سلطان کے سامنے۔

......☆......

کتنے سال بعد وہ حسنِ جہاں کو دیکھ رہا تھا کوئی اُس سے کہتا تو وہ دن تک گن کر بتا دیتا۔

اُس کے سامنے وہ یوں آ کر کھڑا ہوا تھا جیسے کوئی ملکہ کے دربار میں آ کھڑا ہوا ہو۔

''تم کیوں کھڑے ہو ابھی تک بیٹھ جاؤ۔''حسنِ جہاں لپک کر اُس کی طرف آئی تھی۔ بے اختیار اُس کے گلے لگی تھی اور لگی ہی رہی تھی۔اتنے سالوں بعد ''دیس'' سے کوئی ''اپنا'' آیا تھا اور جو آیا تھا وہ مرہم کی طرح آیا تھا۔سلطان تو اُس کے اپنے ساتھ لپٹنے پر اُس کو ٹھیک سے گلے بھی نہیں لگا سکا۔اُس نے کہاں سوچا تھا حسنِ جہاں کو زندگی میں دوبارہ کبھی دیکھ پانے کا معجزہ ہو جائے گا اور اب وہ اُسے بیٹھنے کا کہہ رہی تھی اور سلطان جیسے اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔

''یہ قلبِ مومن ہے میرا بیٹا۔'' اُس نے ایک خوبصورت بچے کو اُس کی طرف بڑھایا تھا۔نہ وہ بچہ آگے آیا تھا نہ سلطان آگے بڑھا تھا۔

''تم باہر جا کر کھیلو۔''حسنِ جہاں نے اُس بچے کو بیرونی دروازے سے باہر نکال دیا تھا۔

''مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' سلطان نے بالآخر اُس سے کہا تھا۔

''کیوں؟'' وہ حیرت زدہ ہوئی۔

''وہ گھر جو آپ چھوڑ کر آئی تھیں اور یہ۔۔۔'' سلطان سے خود اپنی بات پوری نہیں ہو سکی تھی۔

''سلطان اب بس۔۔۔ ماضی میں کیا تھا اور میں کہاں سے آئی ہوں۔ میں سوچنا چھوڑ چکی ہوں۔'' اُس نے سلطان کو آگے کچھ کہنے کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔۔۔کھڑے رہو گے تو تھک جاؤ گے۔'' اُس نے ایک کرسی کھینچ کر اُس کے سامنے رکھی تھی۔ دوسری پر خود بیٹھ گئی تھی۔ وہ بھی بیٹھ گیا تھا۔سالوں بعد سامنا ہوا تھا اور سامنا ہوا تھا تو وہ غمزہ ہو رہا تھا۔اُس کا چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔لباس معمولی اور ہاتھ۔۔۔

سلطان رہ نہیں سکا اُس نے بیٹھے بیٹھے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ چونکی تھی۔

''ہاتھ دیکھے ہیں آپ نے اپنے؟ اتنی خراشیں، اتنے زخم۔'' سلطان کی آواز بھر آئی تھی۔ وہ ان ہاتھوں پر پتہ نہیں کون کون سی کریمیں بنا کر مساج کیا کرتا تھا۔نیل پالش سے ناخن رنگتا تھا۔اُس کی

انگلیوں میں انگوٹھیاں سجا تا تھا۔انہیں شوکیس میں رکھ دینے والی چیز بنا دیتا تھا۔

''برتن دھوتے دھوتے ایسے ہوگئے۔سردیوں میں کبھی پانی نہ ہوتو۔۔۔اور گھر کا کام تو کرنا ہوتا ہے یہاں کوئی ملازم نہیں ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے یوں کہہ رہی تھی جیسے یہ کوئی بات ہی نہیں تھی۔اُس نے ہاتھ چھڑا لیا تھا۔

''اپنا خیال نہیں رکھا آپ نے جیسے میں رکھتا تھا۔'' سلطان نے گلہ کیا۔

''تم حسنِ جہاں کا خیال رکھتے تھے میں تو ایک بیوی ہوں۔ایک ماں ہوں۔صرف دوسروں کے لئے جیتی ہوں۔اب حسنِ جہاں تھوڑی ہوں۔'' اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے اُس نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا تھا۔

''گھاٹے کا سودا کیا تھا آپ نے۔'' اُس نے بے اختیار کہا تھا۔

''باقی ہر خیال آتا ہے۔بس یہ خیال نہیں آتا کہ یہ گھاٹا ہے۔۔۔قلبِ مومن ہے میری زندگی میں۔'' سلطان کو عجیب حسد ہوا تھا اُس لمحے قلبِ مومن آخر کیوں آگیا تھا حسنِ جہاں کی زندگی میں۔

''سب کیسے ہیں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''سب ٹھیک ہیں۔'' سلطان نے کہا۔

''مجھے یاد کرتا ہے کوئی؟'' اُس کے انداز میں عجیب حسرت تھی۔

''ہر ایک۔۔۔سینما جانے والے تماشائی فلموں پر تبصرے کرنیوالے،فلم پروڈیوسرز،ایکٹرز سب۔۔۔'' سلطان نے بے ساختہ کہا یوں جیسے اُسے بہلانا چاہتا تھا۔

''میں اپنے گھر والوں کی بات کر رہی ہوں۔'' حسنِ جہاں نے ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد کہا۔

''شاید نہیں۔۔۔میں اب نہیں ملتا اُن سے۔۔۔مجھے کیوں بلوایا آپ نے؟'' سلطان کو کہتے کہتے خیال آیا۔

''بس تم ہی ہو زندگی میں جس کا خیال مشکل وقت میں آتا ہے۔باقی سب اچھے وقتوں میں یاد آتے ہیں۔اور یہ بھی یقین ہے کہ مشکل وقت میں آواز دوں گی تو تم آجاؤ گے۔'' اُس کی آنکھوں میں جو چراغوں جیسی روشنی تھی اُس نے سلطان کے وجود کو لو بنا دیا تھا۔

''میں آگیا ہوں۔۔۔آپ واپس چلنا چاہتی ہیں؟'' ایک عجیب سی آس کے ساتھ اُس نے حسنِ جہاں سے پوچھا۔وہ مسکرائی۔

''نہیں۔۔۔طٰہٰ کو نہیں چھوڑ سکتی میں۔۔۔یہ مشکل وقت ہے گزر جائے گا۔میں اُسے مشکل

وقت میں چھوڑوں گی تو وہ مر جائے گا۔'' وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی اور اتنے سالوں بعد بھی سلطان کو طٰہٰ پر عجیب غصہ آیا۔

''اور سلطان۔۔۔آپ نے سلطان کا کبھی سوچا ہی نہیں۔۔۔وہ زندہ رہے چاہے مر جائے۔'' اُس نے شکوہ کیا تھا۔

''نہیں سلطان۔۔۔تم دوست ہو میرے یہ رشتہ انمول ہے۔اس سے آگے کچھ اور نہیں۔''

سلطان اُسے دیکھتا رہا۔اُس نے ''اظہار'' بھی نہیں سنا تھا کوئی اتنا بے رحم کیسے ہو سکتا تھا۔

''ثریا کیسی ہے؟'' بات بجلی کی رفتار سے بدلی تھی اُس نے۔

''آپ کے علاوہ کسی اور کے حال کی خبر نہیں رکھتا میں۔'' سلطان نے بے نیازی سے کہا۔

''وہ پیار کرتی ہے تم سے۔۔۔تم قدر نہیں کرتے۔''حسنِ جہاں نے جیسے اُسے ٹوکا تھا جھڑکا تھا۔

''میں آپ سے پیار کرتا تھا۔۔۔آپ نے بھی تو نہیں کی۔''

کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔وہ سٹیج پر بیٹھے دو ایکٹرز کی طرح دم سادھے ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''دل اور نصیب اپنی مرضی کرتے ہیں۔عقل کی چابی سے دونوں نہیں کھلتے۔''

مدھم آواز میں سر جھکائے نظریں چراتے وہ کہہ رہی تھی۔

''میرا دل طٰہٰ کے پاس ہے، ہنس بن گیا ہے جھیل کا۔۔۔پانی سوکھے گا تو اس کے ساتھ مر جائے گا۔جگہ نہیں بدلے گا۔'' خاموش پھر چھائی تھی اور اس بار سلطان نے توڑی تھی۔

''موسمی پرندہ تو سلطان بھی نہیں ہے۔''حسنِ جہاں کی آنکھوں کی بدلیوں میں پانی اُمڈا تھا۔

''اسی لئے تو بلایا ہے۔۔۔یہ ساری تصویریں لے جاؤ اور بیچ دو۔۔۔میں یہاں نہیں بیچ سکتی کیونکہ یہاں کوئی مجھے جانتا ہی نہیں ہے۔''

اس نے پہلا جملہ کہا تھا اور اپنے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے اس کے سامنے میز پر سے رول کی ہوئی کچھ تصویریں اٹھا کر اس کی گود میں رکھ دی۔

سلطان نے حیرانی کے عالم میں ایک تصویر کو کھول کر دیکھا تھا اور فریز ہو گیا تھا۔وہ وہی تصویر تھی جو طٰہٰ نے ایک رات میں بنا کر حسنِ جہاں کو مجھ سے چھین لیا تھا۔

''یہ تو طٰہٰ کی بنائی ہوئی تصویریں ہیں۔۔۔ایک رات میں بنائے ہوئے شاہکار۔۔۔حسنِ جہاں یہی سب تو دیکھ کر دل ہارا تھا آپ نے طٰہٰ پر۔'' سلطان نے بے یقینی کے عالم میں اس سے کہا تھا۔وہ

بے اختیار ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ بدلیاں اب پانی برسانے لگی تھیں۔

''دل تو کسی اور رستے کے پیچھے گیا تھا۔۔۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔'' اس نے کہا تھا۔

''طٰہٰ سے پوچھ لیا آپ نے؟'' سلطان نے کہا۔

''نہیں اسے بتا دوں گی۔۔۔ مومن کو نئے کپڑے چاہیے۔۔۔ کھلونے چاہیے۔۔۔ اچھی تعلیم چاہیے۔۔۔ اچھا کھانا چاہیے۔۔۔ میں گھر کی دیواروں پر پیار کی یادگاریں سجا کر نہیں بیٹھ سکتی۔۔۔ تم یہ سب بیچ دو۔۔۔ اتنے پیسے آجائے کہ میں کچھ سال مومن کی اچھی پرورش کرسکوں۔ پھر تب تک طٰہٰ کچھ نہ کچھ کرنے لگے گا۔'' وہ اب آنسوؤں کو رگڑ رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔

''تم نے کہا تھا نا لوگ مجھے نہیں بھولے۔۔۔ وہ یہ خرید لیں گے نا؟'' اس نے عجیب آس کے ساتھ سلطان سے پوچھا تھا۔

''منہ مانگے داموں پر خرید لیں گے وہ۔ یہ شاہکار ہیں۔۔۔ شاہکار کو لینے سے کون انکار کرے گا؟'' سلطان نے بے اختیار کہا تھا۔ حسنِ جہاں کے چہرے پر مسکراہٹ آئی چہرہ چمکنے لگا۔ سلطان کا دل جیسے خوشی سے اچھلنے لگا تھا۔ وہ اس کے آنسو روکنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''بس تم جاؤ اب۔۔۔ طٰہٰ آتا ہوگا۔۔۔ میں نہیں چاہتی اس کو کچھ پتا چلے۔'' اس نے یک دم دیوار پر لگی گھڑی دیکھ کر سلطان سے کہا تھا۔ سلطان بے اختیار کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ آج بھی اس کے ہاتھ میں چابی والے کھلونے کی طرح تھا۔ تصویروں کو اس نے بیگ میں ڈال کر اٹھا لیا تھا جن سے اس نے نکالی تھیں۔

''سلطان۔'' سلطان نے بے اختیار حسنِ جہاں کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ ویسے ہی پکارتی تھی اُسے۔ کوئل کی طرح۔ اُس کے نام کو خوبصورت کر دیتی تھی۔ وہ واقعی نام کا سلطان بن جاتا تھا۔

''اس بار جا کر ثریا سے شادی کر لینا...... تم اُس کا نصیب ہو۔'' وہ اُسے دیکھتا رہا۔ وہ بغیر پوچھے جانتی تھی وہ اتنے سال بعد بھی اکیلا تھا۔ اگلے کئی سال ابھی اکیلا رہنا چاہتا تھا۔ انتظار کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُس کا انتظار ختم کر رہی تھی۔

''میں پاکستان سے ترکی آگیا آپ کے لئے۔۔۔ آپ نے چائے کا ایک کپ تک نہیں پلایا۔'' اُس نے جواب دینے کی بجائے ہنس کر بات بدلی تھی۔

''چائے کے لئے ایک کپ دودھ ہے اُس سے چائے بنے گی تو پھر مومن رات کو کیا پیئے گا۔۔۔ دودھ پیئے بغیر نیند نہیں آتی اُسے۔'' سلطان اُسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ حسنِ جہاں نہیں تھی وہ بس ماں ہو کر رہ گئی تھی اور ''ماں'' کو سلطان کہاں نظر آتا۔

''چلتا ہوں۔۔۔آپ کو رقم ہنڈی کر دوں گا جلدی۔'' نظریں چرا کر اُس نے حسنِ جہاں سے کہا تھا۔ وہ اُسے جاتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دیکھتا تو اس سے جایا نہ جاتا۔

......☆......

''ان کا کیا کروں میں سلطان بھائی؟'' اُس نے مشہور فلم پروڈیوسر سے حسنِ جہاں کی اُن تصویروں کو دیکھتے ہی جیسے کچھ حیرانی کے عالم میں سلطان سے کہا تھا۔ سلطان پاکستان واپس آتے ہی اُن تصویروں کو سب سے پہلے اُسی پروڈیوسر کے پاس لے کر آیا تھا جس نے حسنِ جہاں کو پہلی بریک دی تھی۔

''محمود بھائی۔۔۔حسنِ جہاں کی تصویریں ہیں۔ ترکی کے سب سے بڑے Painter نے بنائی ہیں۔ شاہکار ہیں یہ۔ سٹوڈیو میں خرید کر لگوائیں۔ آپ کی کتنی ہٹ فلموں کی ہیروئن تھی وہ۔'' سلطان سے جو بن پڑ رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

''سلطان بھائی اتنے سال پرانی بات ہے وہ۔۔۔میں نے تو بڑی مشکل سے پہچانا ہے حسنِ جہاں کو۔ یہاں سٹوڈیو میں ہیروئنوں کی گرما گرم تصویریں دیواروں پر لگیں تو لوگ رُکتے ہیں۔ یہ پورے کپڑوں میں مدھو بالا جتنے کپڑے پہن کر ڈانس کرنے والی تصویروں کو دیکھنے کے لئے کون رُکے گا۔ آئٹم نمبر والی عورتیں یاد رہتی ہیں اب لوگوں کو۔۔۔آپ کس حسنِ جہاں کو لے آئے ہیں۔''

اُس پروڈیوسر کے لہجے میں تضحیک نہیں حقیقت تھی جو اُس نے کسی لگی لپٹی کے بغیر سلطان کو دکھا دی تھی اور سلطان گنگ کھڑا رہ گیا تھا۔ کوئی حسنِ جہاں کے بارے میں یہ سب کیسے کہہ سکتا تھا۔ اُسے جیسے یقین نہیں آیا تھا۔ غصے سے اُس کا خون کھولنے لگا تھا۔ ایک لفظ بھی کہے بغیر وہ محمود بھائی سے اُن تصویروں کو اُٹھا کر لے آیا تھا۔ وہ سیٹھ تھے۔۔۔سیٹھ آرٹ کی قدر کیا جانتا۔ اُس نے دل ہی دل میں اُس پروڈیوسر کا مذاق اڑاتے ہوئے سوچا تھا۔

فلم انڈسٹری کا کوئی سٹوڈیو، کوئی آرٹ گیلری ایسی نہیں تھی جس کی خاک اگلے چند ہفتوں میں سلطان نے چھان نہیں ماری تھی۔ اُن تصویروں کو بکوانے کے لئے وہ اُس ایک ایک پروڈیوسر کے پاس بھی گیا تھا جن کے ساتھ حسنِ جہاں نے کبھی کام کیا تھا۔

طٰہٰ عبدالعلی کے وہ شاہکار جو حسنِ جہاں کا دل لے گئے تھے وہ بازار میں کوئی کچھ داموں میں خریدنے پر بھی تیار نہ تھا۔ وہ انڈسٹری میں ہوتی تو ان ہی تصویروں کو خریدنے کے لئے کئی خریدار آتے جو صرف حسنِ جہاں کو خوش کرنے کے لئے انہیں منہ مانگے داموں خرید لیتے۔ مگر حسنِ جہاں اب کسی کی ضرورت تھی نہ خواہش، نہ وہ باکس آفس کی ملکہ تھی نہ لوگوں کے دلوں کی رانی۔۔۔وہ گزرا ہوا ماضی تھی۔

گزرا ہوا ماضی خرید کر حال کون بناتا ہے۔ یہ سلطان کو کون سمجھاتا۔

وہ پروڈیوسروں اور آرٹ گیلریز سے تھک کر شہر کی سب سے مشہور اینٹیک شاپ پر اُن تصویروں کو لے گیا تھا۔ جہاں سے سٹوڈیوز والے اکثر فلموں کے سیٹس کے لئے سامان کرائے پر لیا کرتے تھے۔

''واہ واہ کیا کام ہے۔ کیا تصویریں ہیں۔ لازوال کر دیا حسنِ جہاں کے حسن کو۔۔۔ضرور خریدوں گا میں انہیں۔'' اُس دکان کا مالک اُن تصویروں پر پہلی نظر ڈالتے ہی پھڑک اُٹھا تھا اور سلطان کا چہرہ بے اختیار چمکا تھا۔

''مجھے اگر پتہ ہوتا تو میں اتنی جگہوں پر دھکے نہ کھاتا انہیں دکھا دکھا کر۔۔۔سیدھا آپ کے پاس آتا۔ دُنیا کو قدر ہی نہیں ہے آرٹ اور آرٹسٹ کی۔'' سلطان نے چائے کے اُس کپ سے چسکی لیتے ہوئے کہا جو اُس دکاندار نے اُس کے لئے منگوائی تھی۔

''سولہ آنے سچ کہا سلطان بھائی۔۔۔قدردانی اس قوم کے خمیر اور ضمیر دونوں میں نہیں ہے۔ سلطان نے اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے پوچھتے ہیں کون حسنِ جہاں۔۔۔؟ چھے سالوں میں بھلا دیا۔۔۔کوئی چھے سو سال تو نہیں گزرے کہ یہ سوال کرتے۔'' سلطان کو اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے کوئی سامع مل گیا تھا۔

''افسوس صد افسوس۔'' دکاندار نے بھی چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

''چیک دیں گے آپ۔۔۔'' سلطان نے چائے کا آخری سپ لیتے ہوئے کپ رکھا اور پوچھا۔

''نہیں نہیں سلطان بھائی چیک کیوں کیش دوں گا میں آپ کو۔'' دکاندار نے بھی اپنا کپ رکھ دیا تھا۔

''اتنی بڑی رقم کیش میں کیسے لے کر جاؤں گا لیکن چلیں لے جاتا ہوں میں کیش ہی۔'' سلطان متامل ہوا لیکن پھر ساتھ ہی اُس نے آمادگی ظاہر کی۔

''زیادہ تو دینی ہی ہے۔ میری پسندیدہ ہیروئن اور ڈانسر کی تصویریں ہیں۔'' دکاندار نے خوش دلی سے ہنستے ہوئے جیب سے بٹوہ نکال کر کچھ نوٹ نکالتے ہوئے سلطان کی طرف بڑھا دیئے۔ سلطان کو جھٹکا لگا۔

''یہ کیا ہے؟'' دکاندار سمجھ نہیں پایا اور ہنسا۔

''یہ نذرانہ عقیدت ہے۔''

''دوہزار روپے ان سب تصویروں کے لئے؟'' سلطان نے اُن نوٹوں کو ہاتھ میں پکڑ کر گنتے ہوئے کہا تھا۔

''دوہزار بہت بڑی رقم ہے سلطان بھائی۔۔۔گھر کی دیواروں پر کون لگاتا ہے اب یہ تصویریں حسنِ جہاں کی۔۔۔یہ تو بس قدردانی ہے کہ میں خرید رہا ہوں یہ سب۔ورنہ وہ دیکھیں میڈم نور جہاں کی پہلی فلم میں اُن کی تصویریں، وہ نرگس کی، وہ مدھو بالا کی۔۔۔دیمک لگ گئی ہے سب کو یہیں دیواروں پر ٹنگے۔۔۔کوئی نہیں خریدتا۔''

اُس دکاندار نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی دکان کی دیواروں پر لٹکی ہوئی اُن تصویروں کی طرف جیسے اُس کی توجہ مبذول کرواتے ہوئے کہا تھا۔سلطان کو جیسے اداکاروں کا ماضی، حال، مستقبل ایک فریم میں دکھا دیا تھا۔سلطان بُت بنا اُسے دیکھتا رہا تھا۔وہ حسنِ جہاں کی اُن تصویروں کو ان دیواروں پر لٹکے دیمک لگنے تو نہیں دے سکتا تھا۔وہ نور جہاں، نرگس، مدھو بالا نہیں تھی۔وہ حسنِ جہاں تھی۔

......☆......

وہ گھر سلطان کی زندگی کا حسنِ جہاں کے بعد واحد اثاثہ تھا جو اُس نے ستر ہزار روپیہ کا بیچ کر پیسہ حسنِ جہاں کو بھیج دیا تھا۔اس کے علاوہ اُس کے پاس کوئی اور چیز نہیں تھی جسے وہ حسنِ جہاں کے لئے بیچ سکتا۔اُس نے اُس سے خط میں جھوٹ بولا تھا کہ وہ رقم اُس کی تصویریں بیچ کر حاصل ہوئی تھی۔وہ حسنِ جہاں کو احسان مند کرنا نہیں چاہتا تھا۔اُس کا احسان مند رہنا چاہتا تھا۔

اُس کی رقم حسنِ جہاں کو مل گئی تھی مگر اُس کے خط کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

کئی سال اُن کا کوئی رابطہ نہیں ہوا۔اُس نے ثریا سے شادی کر لی تھی۔حسنِ جہاں کو اُس کی اطلاع بھی دی تھی۔مومنہ کی پیدائش کی خبر بھی دی تھی اور فلم انڈسٹری میں اب کام نہ ملنے کی شکایت بھی اُسے لکھ بھیجی تھی۔اُس کے کسی خط کا جواب نہیں آیا تھا۔سلطان ہر سال چھے ماہ بعد کرائے کا گھر بدلنے پر اُسے نیا پتہ بڑی آس سے بھیجتا تھا۔یوں جیسے اُس سے بچھڑ جانے سے ڈر ہو۔وہ پاکستان نہیں ترکی تھا ایک بار دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے تو پھر کیسے ڈھونڈتے۔وہ پاکستان آ نہیں سکتی تھی۔وہ اب ترکی جا نہیں سکتا تھا۔خط واحد رابطہ تھا دونوں کے درمیان اور اُن خطوں کو لکھتے بھیجتے اور اُن کے جواب کا انتظار کرتے سلطان نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک دن وہ دوبارہ اُس کے سامنے آ بیٹھے گی۔

اُسے اُس کے آنے کی خبر ملی تھی تو وہ دوڑا ہوا ممتاز بیگم کے گھر گیا تھا اور وہ حسنِ جہاں کو دیکھ کر

دھک سے رہ گیا تھا۔ ہڈیوں کا وہ ڈھانچہ سیاہ حلقوں میں خالی آنکھیں لئے اُس کو دیکھتا رہا تھا۔ اُن خالی آنکھوں نے سلطان کی پہچان نہیں کھوئی تھی۔

''کس غم نے یہ حال کیا ہے آپ کا حسنِ جہاں۔۔۔میں تو۔۔۔۔۔۔۔میں تو۔۔۔ایسے چھوڑ کے نہیں آیا تھا آپ کو۔'' سلطان اُسے دیکھ کر بے اختیار رو پڑا تھا۔

''طٰہٰ کے غم نے اُس نے ایک غلطی معاف نہیں کی۔۔۔میری پہلی اور آخری غلطی۔''

وہ اُس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی یوں جیسے کوئی پرانی سکھی سہیلی کے گلے لگ کر روتا ہے۔

......☆......

''سلطان آیا تھا؟''

طٰہٰ سلطان کے گھر سے جانے کے کچھ ہی منٹوں بعد بے حد غضب ناک انداز میں گھر میں داخل ہوا تھا۔ اور حسنِ جہاں گنگ ہوگئی تھی۔ وہ جو راز رکھنا چاہتی تھی وہ منٹوں بھی چھپا نہیں رہا تھا۔ وہ یقیناً قلبِ مومن تھا جس نے باپ کو سلطان کے بارے میں بتایا تھا۔ حسنِ جہاں کو لمحہ بھی نہیں لگا تھا یہ بوجھ لینے میں۔

''میں نے بلایا تھا اُسے۔'' حسنِ جہاں نے اُس سے نظریں چرائی تھیں۔

''صرف ملنے کے لئے اتنے سالوں سے ہم نہیں ملے تو وہ ترکی آیا تھا مجھ سے ملنے۔'' طٰہٰ نے یک دم اُس کی بات کاٹی تھی۔

''تصویریں کہاں ہیں جو یہاں لگی ہوئی تھیں؟'' حسنِ جہاں نے پھیکے پڑتے ہوئے چہرے کے ساتھ اُسے دیکھا۔

''میں نے اُتار کر رکھ دیں۔ ساری دیواریں بھری ہوئی تھیں اور۔۔۔'' طٰہٰ نے اُس کی بات کاٹی۔

''سلطان تصویریں لینے آیا تھا؟'' اُس کا جھوٹ پکڑا گیا تھا۔ حسنِ جہاں بے بسی سے کھڑی رہی تھی۔ اُسے اب طٰہٰ سے کیا کہنا تھا وہ یہ سوچ رہی تھی لیکن کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔

''تم نے بیچنے کے لئے دی ہیں نا اُسے؟'' حسنِ جہاں نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

''ہمیں قلبِ مومن کے لئے پیسہ چاہیے طٰہٰ۔'' اُس نے بے حد نرم آواز میں اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے جیسے اُس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔ طٰہٰ نے اُس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اُسے پرے دھکیلا۔

''وہ میرے پیار کی یادگار تھی۔۔۔تم کو Paint کیا تھا اپنے لئے۔۔۔اُن تصویروں کی وجہ سے بابا کو ناراض کیا۔۔۔اللہ کو ناراض کیا اور تم اُنہیں بازار میں بیچنے کے لئے لے گئی۔۔۔ بکنے کے لئے۔۔۔وہ چہرہ۔۔۔وہ جسم جو میں نے تمہارے عشق میں تمہارے لئے بنایا تھا۔۔۔تم نے اُس کو بیچنے کے لئے دے دیا۔'' وہ غضب ناک ہو رہا تھا اور حسنِ جہاں حواس باختہ۔ اُس نے طٰہٰ کا ایسا غصہ تو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''قلبِ مومن کو ضرورت تھی۔'' طٰہٰ چلایا تھا۔

''قلبِ مومن کا نام بھی مت لو۔ اُس کو ضرورت نہیں تھی۔ تم کو ضرورت تھی۔ تم نے قدر نہیں کی میری محبت کی حسنِ جہاں۔۔۔اُس محبت کی جس نے مجھے برباد کر دیا۔'' وہ اب اپنے سینے پر گھونسے مار رہا تھا یوں جیسے خود کو مار دینا چاہتا ہو۔ حسنِ جہاں نے بے یقینی سے اُس کی بات سنی۔

''میری محبت نے تمہیں برباد کر دیا۔۔۔؟ تمہیں کیا کہ مجھے برباد کیا؟ طٰہٰ عبدالعلی میں برباد ہوئی ہوں تمہاری محبت میں۔'' وہ بھی غصے میں اُس پر چلائی تھی۔

''تم آج میری نظروں سے گر گئی۔۔۔اُتار دیا تمہیں اُس مقام سے میں نے جہاں تم تھی۔ تم ایک عام سی عورت تھی۔۔۔حسنِ جہاں۔۔۔عام عورت۔'' اُس نے انگلی اُٹھا کر حسنِ جہاں سے کہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اُس کے لئے کوئی پہچان ہی نہیں تھی اور حسنِ جہاں کے لئے جیسے یہ کافی تھا۔ وہ لاوا جو اُس کے اندر تھا۔ آج پھٹ پڑا تھا۔

''میں عام عورت ہوں تو تم بھی عام مرد ہو طٰہٰ۔۔۔وہ روحانیت جس کے پیچھے میں آئی تھی وہ تم میں تھی ہی نہیں۔'' اُس کے لفظوں نے طٰہٰ کو جیسے آگ بگولہ کر دیا تھا۔

''تم کھا گئی وہ سب۔۔۔تمہاری مادیت پرستی چاٹ گئی میری روحانیت۔۔۔تمہارا جسم میری روح کو ہڑپ کر گیا۔۔۔تمہارا حسن میری بینائی لے گیا۔۔۔تمہارا ساتھ میرا ہنر لے گیا۔۔۔خالی کر دیا تم نے مجھے۔۔۔کھوکھلا برتن۔۔۔اور اب مجھے ایسا کر کے تم ایک بار پھر خود کو بیچنے نکلی ہو کیونکہ میں۔۔۔میں یہ گھر نہیں چلا سکتا۔۔۔اپنا بچہ نہیں پال سکتا۔ وہ تم پال سکتی ہو کیونکہ تمہارے پاس ابھی حسن اور جوانی ہے۔''

وہ کیا کیا کہتا جا رہا تھا طٰہٰ کو خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ اور وہ کھڑی سنتی جا رہی تھی۔۔۔بس سنتی جا رہی تھی یوں جیسے وہ عدالت کا کوئی فیصلہ تھا جسے اُس نے صرف سننا تھا۔ آنسو اُمڈے تھے۔ چہرہ آگ کا شعلہ بنا تھا۔۔۔وجود کوئلہ۔۔۔

''تم نے آج مجھے بے مول کر دیا۔۔۔حسنِ جہاں جو تمہارے لئے دُنیا چھوڑ کر آئی تھی طٰہ۔۔۔ تم نے حسنِ جہاں کو کھوٹا سکہ بنا دیا۔۔۔ ہر الزام میرے سر پر۔۔۔تمہاری ہر آزمائش میرا جرم۔۔۔میں کھا گئی تمہاری روحانیت کو۔۔۔میں؟'' وہ روتے ہوئے اُس سے کہہ رہی تھی۔

''میرا حسن، میرا جسم تباہ کر گئے تمہیں۔۔۔اُنہیں تو اُسی دن مار کر دفن کر آئی تھی جس دن تم سے نکاح کیا تھا۔تم نے کیا کہا تھا مجھے؟ تمہیں اللہ کے لئے چنتا ہوں۔۔۔ساری عمر۔۔۔مرنے تک۔۔۔میں نے تو بے مول بے دام کر کے اپنے آپ کو تمہیں سونپا تھا۔۔۔اور تم نے۔۔۔تم چھوڑ دو اب مجھے۔۔۔اور وہ سب حاصل کر لو جو میرے ساتھ نے تم سے چھینا ہے۔۔۔تم چلے جاؤ اب یہاں سے۔'' وہ پاگلوں کی طرح روتی دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی تھی۔طٰہ نے بے یقینی سے اُسے دیکھا۔

''تم۔۔۔تم مجھے جانے کا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں میں تمہیں جانے کا کہہ رہی ہوں۔۔۔تم چلے جاؤ۔۔۔اپنا ہنر۔۔۔اپنا نام پالو۔۔۔نہ گنواؤ میرے لئے کچھ بھی۔'' اُس نے اُسی طرح روتے ہوئے اُس سے کہا۔

وہ اُسے دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔

''غلطی کی تم سے پیار کیا۔''

''میں نے تو گناہ کیا۔'' حسنِ جہاں نے اُس کی بات کاٹ دی تھی۔

''اللہ کی محبت تمہارے وسیلے سے پانا چاہی۔۔۔شرک کیا۔۔۔تمہارے لئے مٹی ہوئی تو مٹی ہو گئی۔۔۔اللہ کے لئے ہوتی وہ میرا ہو جاتا۔۔۔گناہ کیا طٰہ عبدالعلی تمہارا بُت پوجا۔۔۔آج توڑ رہی ہوں۔۔۔تم جھوٹے۔۔۔تمہارا پیار جھوٹا۔'' وہ روتے چلاتے ہوئے اُس سے کہتی رہی۔وہ چلتے ہوئے دروازے کی چوکھٹ میں آ کر کھڑا ہوا۔

''تم نے سب لے کر دھتکارا ہے آج مجھے۔۔۔میری اوقات یاد دلا دی۔۔۔میں جھوٹا۔۔۔میرا پیار جھوٹا۔۔۔اور وہ جس سے میں نے پیار کیا وہ نہیں۔۔۔؟ تم حسنِ جہاں ہو۔۔۔تم میری دُنیا اور آخرت کھا گئی۔''

اُس نے کہا تھا اور دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔وہ غم کے عالم میں بے حال وہاں کھڑی تھی۔ وہ وہ شخص تھا جس کے پیچھے وہ دُنیا چھوڑ کر آئی تھی اس فریب میں کہ وہ اللہ سے قریب تھا اور وہ اُس سے کہہ رہا تھا وہ اُس کی دنیا اور آخرت دونوں کھا گئی۔

دروازے سے پشت لگائے وہ ہچکیوں سے روتی رہی تھی اور پھر اُسے یک دم خیال آیا تھا۔طٰہ

باہر سے قلبِ مومن کو ساتھ لے گیا تو۔۔۔ وہ لے کر چلا گیا تو وہ کیا کرے گی۔ وہ یک دم روتی ہوئی حواس باختہ قلبِ مومن کا نام پکارتی باہر دوڑی تھی اور باہر برآمدے میں نکلتے ہی وہ رُک گئی تھی۔

قلبِ مومن برآمدے کی سیڑھیوں پر اُس کی طرف پشت کیئے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے پاس بہت سارے لفافے تھے جو سیڑھیوں پر اُس کے برابر رکھے ہوئے تھے اور وہ ایک لفافے میں سے کچھ نکال نکال کر کھا رہا تھا۔ ماں کی آواز پر اُس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ پھر بڑی خوشی کے ساتھ اُس نے اپنی گود میں رکھے سفید گلابوں کا ایک چھوٹا بکے اُس کی طرف بڑھایا۔

''ممی بابا یہ ساری چیزیں لائے ہیں ڈھیر ساری۔۔۔ اور یہ پھول آپ کے لئے۔'' حسنِ جہاں پتھر کا بُت بن گئی تھی۔ طٰہٰ صبح دوسرے شہر کام کے لئے گیا تھا اور شاید اُسے کام مل گیا تھا۔

''بابا کہاں چلے گئے ہیں؟'' مومن نے اب اُس سے پوچھا تھا۔ وہ اُسی طرح ننگے پاؤں سیڑھیوں سے اُتر کر باہر سڑک پر گئی تھی۔ وہ راستہ دور تک سنسان تھا۔ جانے والا جا چکا تھا۔

''جب جب مجھے تم پر پیار آئے گا میں تمہارے لئے سفید گلاب لایا کروں گا۔'' طٰہٰ نے ایک بار اُس سے کہا تھا اور وہ آج بھی کام ملنے پر اُس کے لئے چیزوں کے ڈھیر کے ساتھ سفید گلاب لایا تھا۔

پیار کا سب سے بڑا مسئلہ خود پیار ہے۔۔۔ زبان سے کچھ کہتا ہے۔ دل میں کچھ رکھتا ہے، چاہتا کچھ ہے، کرتا کچھ ہے۔

وہاں کھڑے سفید گلاب پکڑے حسنِ جہاں روتی چلی گئی تھی۔ ان سارے لفظوں کے ملال میں جو وہ کہہ بیٹھی تھی۔ اُن تصویروں کے ملال میں جو وہ دے بیٹھی تھی۔۔۔ لیکن اُسے یقین تھا وہ پلٹے گا۔۔۔ آئے گا۔۔۔ وہ طٰہٰ عبد العلی اُس کے بغیر جی نہیں سکتا تھا۔ وہ ٹھیک سوچتی تھی۔ وہ اُس کے بغیر جیا ہی نہیں تھا۔ جیتا تو پلٹ آتا۔

......☆......

وہ اُس کے ساتھ لپٹ کر رو رہی تھی۔ یوں جیسے طٰہٰ کی موت کے بعد پہلی بار رو رہی ہو۔ سلطان اُسے ساتھ لگائے ساکت بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس جیسے اُسے تسلی اور دلاسہ دینے کے لئے بھی لفظ نہیں تھے۔

''روک لیتیں۔۔۔ نہ جانے دیتیں اُسے۔'' اُس نے بڑی دیر بعد اُس سے کہا تھا۔

''دل نے کہا تھا، روک لو۔۔۔ انا نے کہا جانے دو۔۔۔ انا دل کے سامنے آجائے تو دل کا ہر رشتہ ختم کر کے دم لیتی ہے۔۔۔ دل سے کہتی ہے میں اکیلی جیتی ہوں تم بھی جی لو۔'' وہ روتی ہنستی کہتی

جا رہی تھی۔ یوں جیسے خود کو کوسنا چاہتی ہو۔ ملامت کرنا چاہتی ہو۔ یوں جیسے کوئی دوسرا یہ کام کر کے اُس کی مشکل آسان کر دے۔ یہ کام کوئی بھی کر لیتا پر سلطان نہیں کر سکتا تھا۔

''ایک بار پھر عروج آئے گا آپ پر حسنِ جہاں جی۔۔۔ سلطان لائے گا دوبارہ اُس عروج کو۔'' سلطان نے جیسے اُس کو تسلی دی تھی۔ گرتی ہوئی عمارت کو اپنے کندھے سے سہارا دے کر اور سہارا دیتے ہوئے اُسے احساس ہوا تھا وہ ریت کی دیوار تھی۔۔۔ ڈھے چکی تھی اپنے اندر ہی۔۔۔ سلطان پھر بھی اُسے ڈھے جانے نہ دینے پر تلا ہوا تھا۔

......☆......

''شکل دیکھی ہے تو نے اُس کی۔۔۔ کون دے گا اس کو کام؟''

حسنِ جہاں کی ماں ممتاز بیگم نے بے حد ملامتی انداز میں حسنِ جہاں کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے سلطان سے کہا تھا۔ سلطان حسنِ جہاں کو اُس کے پاس لئے بیٹھا تھا۔ کام کی تلاش شروع کر دینے کے لئے۔

''ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ آپا ممتاز۔۔۔ ابھی میک اپ نہیں کیا نا تو اس لئے ایسا ہے جب میک اپ ہوگا تو پھر دیکھنا حسنِ جہاں کو۔'' سلطان نے بُت بنی حسنِ جہاں پر جیسے پردہ ڈالتے ہوئے ممتاز سے کہا تھا۔

''میرے کلیجے پر ہاتھ پڑتا ہے جب اسے دیکھتی ہوں۔ ارے کس طرح جان ماری تھی تجھ پر دن رات کہ تو ہیروئن بنے گی راج کرے گی اور تو ماں کو بڑھاپے میں دھوکہ دے گئی۔ تجھے تو میری آہ لگی ہے حسنِ جہاں۔'' ممتاز نے سینے پر دوہتڑ مارتے ہوئے دونوں ہاتھ اُٹھا کر حسنِ جہاں کو کوسا تھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ گردن جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

''اب معاف بھی کر دیں نا آپا ممتاز۔'' سلطان نے حسنِ جہاں کی حمایت کی تھی۔

''چل بکواس بند کر۔۔۔ بڑا آیا اس کا حمایتی سنپولیا۔۔۔ جانتی نہیں تجھے کیا؟'' آپا ممتاز نے اُسے بھی جھڑک دیا تھا۔

''چھ ہٹ فلمیں دی ہیں نوریہ نے تیرے جانے کے بعد۔۔۔ پروڈیوسرز یوں سر پر اٹھا کر پھرتے ہیں اُس کی ماں زیبا کو اور ممتاز۔۔۔ ممتاز کو کوئی پانی تک نہیں پوچھتا اب۔'' ممتاز کا غم الگ تھا۔

''اب آگئی ہے نا حسنِ جہاں۔۔۔ اب نوریہ کا راج ختم۔۔۔ آپ دیکھنا آپا ممتاز۔۔۔ یہی پروڈیوسرز آپ کو جھک جھک کر سلام کریں گے۔'' سلطان نے جیسے اُسے سبز باغ دکھانے کی کوشش کی تھی۔

''لاکھوں کا قرضہ چڑھا ہوا ہے۔ گھر گروی ہے۔ پلاٹ بک گئے۔ اکاؤنٹ خالی ہے۔ زیور کپڑا کچھ نہیں۔۔۔ تیرے بھائیوں کا کوئی کاروبار نہیں۔۔۔ بہنیں بے کار بیٹھی ہیں۔۔۔ تو جو نو سال یہاں نہیں رہی نا تو ہمیں اُجاڑ گئی۔

دیکھو تیری ماں کے ہاتھوں میں یہاں یہاں تک سونے کی چوڑیاں ہوتی تھیں اور اب ایک چھلا بھی نہیں۔۔۔ دیکھ۔۔۔ دیکھو'' ممتاز نے اپنی خالی کلائی اُس کے سامنے کرتے ہوئے اُسے مزید کوسنے دیئے تھے۔

''میں نے سونا بنایا تھا تجھے۔۔۔ نو سالوں نے تجھے مٹی کر دیا۔۔۔ مٹی۔۔۔ جوانی گئی۔۔۔ وقت گیا۔۔۔ حسن گیا۔۔۔ رہا کیا۔۔۔ بول کیا دکھا کر جیتے گی اب دُنیا کا دل۔۔۔؟'' ممتاز کا غصہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ سلطان ایک بار پھر بیچ میں کودا تھا۔

''نہ آپا۔۔۔ نہ۔۔۔ اب بس۔۔۔ ہیرا تو ہیرا ہی ہوتا ہے۔۔۔ ہیرے کو دیمک نہیں لگتی۔''

''ہیرے میں لکیر آ جائے نا تو ہیرا ٹکوں میں بھی نہیں بکتا۔۔۔ جب تک پتھر رہتا ہے۔۔۔ انمول۔۔۔ جس دن دل بن گیا۔۔۔ بے مول۔'' وہ کہتے ہوئے حسنِ جہاں کو دھتکارتے ہوئے گئی تھی۔

''میں نے تمہیں کہا تھا سلطان۔۔۔ میرا زمانہ گزر گیا مجھے اب دوبارہ نہ گھسیٹو اس سب میں۔'' حسنِ جہاں نے ممتاز کے جانے کے بعد پہلی بار سر اُٹھا کر اُس سے کہا تھا۔

''کام نہیں کریں گی تو قلبِ مومن کو کیسے پالیں گی۔۔۔؟ کیا کر کے پالیں گی؟''

سلطان نے جیسے اُسے یاد دلایا۔ حسنِ جہاں کی آنکھیں جلنے بجھنے لگی تھیں یوں جیسے اُس کو قلبِ مومن یاد ہی نہ رہا تھا۔

''ہاں کام تو کرنا پڑے گا۔۔۔ ورنہ قلبِ مومن کو کیسے پالوں گی میں۔'' وہ بڑبڑانے لگی تھی۔ اُس کی سانسوں کی تسبیح کے ہر دانے پر اب جیسے صرف قلبِ مومن ہی کا نام لکھا ہوا تھا۔

......☆......

''ارے حسنِ جہاں۔۔۔ آج تو معجزوں کا دن ہے۔ کہاں تھیں تم؟''

محمود بھائی ممتاز اور سلطان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتی ہوئی حسنِ جہاں کو دیکھ کر بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ انڈسٹری کا ایک بڑا پروڈیوسر تھا۔ حسنِ جہاں کو فلم انڈسٹری میں متعارف کروانے والا اور اداکاراؤں کو ستارے بنا دینے والا۔

''بس وہ جوانی کی غلطیاں۔۔۔ اب آ گئی ہے واپس۔۔۔ میں نے کہا شاہ صاحب اپنی نئی فلم

لانچ کرنے والے ہیں۔آؤ سلام کر کے آتے ہیں۔'' ممتاز بیگم نے بڑے خوشامدی انداز میں اُسے محمود بھائی سے ملواتے ہوئے کہا تھا۔

''بڑا ہی اچھا کیا ممتاز تم نے اسے لے آئی۔''

محمود صوفے پر بیٹھی حسنِ جہاں کو بغور دیکھ رہا تھا۔جس کا چہرہ میک اپ سے سجا ہوا تھا۔وہ ایک بھڑکیلی ساڑھی میں ملبوس تھی۔اور صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''آپ سے معافی بھی تو مانگنی تھی شاہ صاحب آپ کی فلم چھوڑ کر بھاگی تھی۔'' ممتاز نے اُسی طرح خوشامدی آواز میں کہا۔

''اب پرانی بات ہوگئی ہے وہ۔۔۔میں نے معاف کر دیا ہے اُسے۔'' محمود بھائی نے ہاتھ اُٹھا کر ٹالنے والے انداز میں کہا تھا۔

''ایسے کیسے معافی ہوتی ہے جی۔۔۔چل اُٹھ پیروں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگو شاہ جی کے۔'' ممتاز نے ہتک آمیز انداز میں حسنِ جہاں سے کہا تھا۔حسنِ جہاں میکانیکی انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''نہ۔۔۔نہ۔۔۔اِس کی ضرورت نہیں۔۔۔اپنی ہیروئن کو پیروں میں نہیں بٹھا سکتا میں چاہے وہ کتنی ہی پرانی نہ ہوگئی ہو۔'' محمود بھائی نے حسنِ جہاں کو وہیں روک کر دوبارہ بٹھا دیا تھا۔

''تو نہ رکھیں نا پرانا۔۔۔نیا کر دیں ایک بار پھر۔۔۔دیکھیں آج بھی وہی حسنِ جہاں ہے۔'' ممتاز بیگم نے بے حد خوشامدی انداز میں ہنستے ہوئے کسی شوپیس کی طرح حسنِ جہاں کو پیش کیا تھا۔

''وہ نہیں ہے ممتاز۔۔۔نو سال گزار کر آئی ہے۔۔۔چہرے پر پکا پن آگیا ہے۔یہ کیمرہ بڑا کُتّا ہوتا ہے۔آنکھ سے پہلے اس پکے پن کو ڈھونڈھ لیتا ہے اور دکھا بھی دیتا ہے۔'' محمود بھائی نے سگار پیتے ہوئے حسنِ جہاں پر نظریں جمائے بڑے بے رحمانہ انداز میں کہا تھا۔

سلطان اور ممتاز مضطرب ہوئے تھے۔

''نہیں نہیں وہ آج میری بیس خراب ہوگئی ہے اس لئے لگ رہا ہے ورنہ سکن تو ویسے ہی فریش ہے۔آنکھیں، ناک، ہونٹ۔۔۔سب ویسے ہی قاتل۔'' سلطان جیسے ہمیشہ کی طرح حسنِ جہاں کی مدد کو دوڑا تھا۔

''اور فگر بھی ویسے کا ویسا۔۔۔16 کی نہیں لگتی تو 18 سے بڑی بھی نہیں لگتی۔جب ناچنے کھڑی ہوگی تو کشتوں کے پشتے لگا دے گی۔'' اس بار ممتاز بیگم نے قصیدے پڑھے تھے حسنِ جہاں کے۔

''اچھا تو ذرا ڈانس کر کے تو دکھا تو حسنِ جہاں۔۔۔میں بھی دیکھوں۔۔۔کتنے جھٹکے باقی ہیں

تجھ میں۔''محمود نے یک دم حسنِ جہاں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا تھا۔وہ اُس کا چہرہ یوں دیکھنے لگی تھی جیسے اُس نے کوئی عجیب بات کہی تھی۔

''اُٹھ جا حسنِ جہاں۔''ممتاز نے اُسے بیٹھے دیکھ کر فوراً تحکمانہ انداز میں کہا تھا۔وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ پاؤں سے ہیلز اُتارتے ہوئے وہ کمرے کے وسط میں پڑے Rug پر جا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

محمود بھائی نے اپنی میز کے پاس پڑا ایک ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا تھا۔کیمرہ میوزک سے گونجنے لگا تھا۔

حسنِ جہاں نے اپنے بازو پھیلائے اور بازو پھیلاتے ہی اُسے طٰہٰ یاد آیا۔۔۔وہ نو سال پہلے سٹیج پر اُس کا رقص کرتا ہوا وجود۔۔۔وہ موسیقی۔۔۔وہ حسنِ جہاں کا بے اختیار ہونا۔۔۔وہ پتہ نہیں کہاں سے دوبارہ چلا آیا تھا۔اپنے بازو پھیلائے۔۔۔دائرے میں رقص کرتا ہوا۔

''تم رومی کے مصرعے کی طرح خوبصورت ہو۔گہری۔۔۔جیسے روشن چاندنی رات۔۔۔جیسے ٹھنڈا نیلا شفاف سمندر۔۔۔جیسے سیپ میں بند پانی کا قطرہ جیسے چنار کے درختوں کو چھوتی ہوا۔۔۔

رومی کہتا ہے میں تمہارے دل کے اندر وہاں رقص کروں گا جہاں تمہارے علاوہ کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔''

اُس کے کانوں میں طٰہٰ کی آواز گیت کے بولوں کی طرح گونجنے لگی تھی۔بازو پھیلائے وہ ناچنے لگی تھی ویسے ہی جیسے وہ ناچتا تھا۔

''میں نے تمہیں اپنے دل کے اندر نہیں اپنی روح کے اندر موجود پایا۔۔۔رقص کرتے ہوئے۔۔۔مجھے حیران کرتے۔۔۔مدہوش کرتے ہوئے۔۔۔تمہیں وہاں سے نکالوں گا تو مر جاؤں گا۔''

اُس کی آواز اب کسی symphony کی طرح گونجنے لگی تھی اور وہ اُس کی لے پر جھوم رہی تھی گھوم رہی تھی ناچ رہی تھی ہاتھ اٹھائے۔۔۔ بازو پھیلائے۔۔۔ وہی رقص جو طٰہٰ کرتا تھا۔۔۔وہی درویشوں کا رقص۔۔۔ایک بازو ہوا میں بلند ایک زمین کی طرف۔۔۔

سلطان گنگ تھا ممتاز اور محمود چپ۔۔۔پھر خاموشی کو محمود نے توڑا تھا۔ٹیپ ریکارڈ بند کر کے۔ حسنِ جہاں ٹیپ ریکارڈر بند کرنے پر بھی نہیں رُکی تھی وہ اسی طرح دائرے میں گھوم رہی تھی۔

''میری ہیروئن نوریہ آ گئی ہے۔مجھے اُس سے اگلی فلم کی بات چیت کرنی ہے۔ممتاز تم حسنِ جہاں کا علاج کرواؤ۔''محمود نے ممتاز نے محمود بھائی کو دیکھا تھا۔

''علاج؟''

''ذہنی۔''ممتاز نے ہولا کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

''پاگل نہیں ہے یہ شاہ صاحب توبہ کریں۔''

''اللہ نہ کرے کہ ہو مگر ہو جائے گی۔۔۔یہ جو پیار محبت کے چکر ہوتے ہیں نا یہ تباہی مار دیتے ہیں۔ ہر ایکٹرا یکٹرس کی۔''

وہ کہتے ہوئے اُٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ممتاز نے بے حد طیش کے عالم میں پاؤں میں پہنا ہوا جوتا اُتار کر زور سے ناچتی ہوئی حسنِ جہاں کو مارا۔

''کرلیا راج تو نے حسنِ جہاں۔ ہو گیا سب ختم۔۔۔اب تو ریڑھی لگالے۔'' وہ تقریباً چیخ کر کہتے ہوئے گئی تھی۔

حسنِ جہاں نے جیسے کچھ بھی نہیں سنا تھا۔ وہ اُسی طرح گھوم رہی تھی۔ سلطان صوفہ سے اُٹھ کر اُس کے پاس گیا۔ اُس نے حسنِ جہاں کا ہاتھ پکڑ کر جیسے اُسے ناچنے سے روکا۔ اُس نے رُکتے ہی بے اختیار کہا۔

''طٰہٰ۔'' سلطان کا دل کسی نے مٹھی میں مسلا۔

''نہیں وہ مر گیا۔ میں سلطان ہوں۔'' اُس نے جیسے حسنِ جہاں کو ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی۔ وہ روتے ہوئے ہنسی۔

''میں بھی۔۔۔حسنِ جہاں بھی۔'' وہ دوبارہ ناچنے لگی تھی۔

......☆......

لاؤنج میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سلطان اب چپ تھا۔ اُس کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے اور وہ اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے آج بھی ماضی میں کہیں جا کر حسنِ جہاں کو دیکھ رہا ہو۔ مومنہ اس کے سامنے گنگ بیٹھی تھی۔ یوں جیسے اُس کے پاس کہنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

''پھر۔۔۔؟'' اُس نے بمشکل بہت دیر بعد سلطان سے پوچھا۔

''پھر بس۔۔۔مر گئی وہ۔۔۔خودکشی کرلی اُس نے۔''

وہ کہتے ہوئے بمشکل صوفے سے اٹھا تھا۔ یوں جیسے اُس کے پاس اب اور کچھ بتانے کے لئے رہا ہی نہیں تھا۔ مومنہ بھی اُسی طرح بیٹھی تھی یوں جیسے اُس کے پاس بھی سارے سوال ختم ہو گئے تھے۔

''یہ میں نہیں تھا مومنہ جس نے گھر توڑا تھا حسنِ جہاں کا۔ یہ قلبِ مومن تھا جو دیوار بنا تھا اپنے ماں باپ کے بیچ میں۔'' سلطان نے جاتے جاتے کہا تھا۔

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 11
/RAMZEBEKHUDI
/RAMZEBEKHUDI

''الف''

قسط نمبر 11

میرے پیارے اللہ

السلام وعلیکم

آپ کیسے ہیں؟ میں بھی ٹھیک ہوں۔ آپ کو میں یاد ہوں نا؟ میں قلبِ مومن ہوں۔ آپ کو خط لکھتا تھا۔ پھر خط لکھنا بند کر دیا۔ لیکن آپ کو بھولا نہیں ہوں میں۔ بس آپ سے ناراض تھا۔ اُس کے لئے سوری۔ مجھے ناراض نہیں ہونا چاہیے تھا پر میں آپ سے ناراض ہو جاتا ہوں کبھی کبھی۔ اب توبہ کر رہا ہوں۔ مجھے پتہ ہے آپ میری توبہ فوراً قبول کرلیں گے۔ یہ مجھے دادا نے بتایا ہے۔ پہلے مجھے ساری باتیں ممی بتاتی تھیں۔ اب دادا بتاتے ہیں۔

میں واپس ترکی آ گیا ہوں۔ آپ کا شکریہ آپ کو خط لکھا کرتا تھا میں کہ میں نے دادا کے پاس جانا ہے۔ آپ نے میری دُعا قبول کر لی۔ لیکن اب میں یہاں بہت اُداس ہوں۔ یہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ دادا پیار کرتے ہیں میں سکول جاتا ہوں۔ خطّاطی سیکھ رہا ہوں۔ میرا اچھا سا کمرہ ہے۔ نئے دوست ہیں۔ بہت سارے کھلونے ہیں۔ لیکن اللہ میاں میں بہت اُداس ہوں کیونکہ یہاں ممی نہیں ہیں۔

وہ مجھے بہت یاد آتی ہیں۔ حالانکہ میں اُن سے جھگڑا کر کے آیا ہوں۔ خفا بھی ہوں۔ پھر بھی وہ مجھے بہت یاد آتی ہیں۔

میں جانتا ہوں وہ اب مجھ سے پیار نہیں کرتیں۔ اُن کی زندگی میں اب بس ڈانس ہے۔۔۔ اور وہ آدمی سلطان بھی جس سے مجھے بہت نفرت ہے۔

میں آج بھی ممی سے پیار کرتا ہوں۔ اُن کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن پاکستان میں نہیں یہاں ترکی میں۔

یہاں بابا کی قبر ہے۔ میں اور دادا ہر ہفتے قبر پر جاتے ہیں۔ دُعا مانگتے ہیں۔ میں وہاں بہت پیارے پھول رکھ کر آتا ہوں۔ ممی کو سفید گلاب اچھے لگتے ہیں اور بابا کو Red گلاب میں بابا کی قبر پر سفید اور Red دونوں گلاب لے کر جاتا ہوں۔۔۔ ایک ایک۔۔۔

ممی یہاں آ جائیں تو پھر میں دادا اور ممی تینوں بابا کی قبر پر جایا کریں گے۔

مجھے لگتا ہے بابا ممی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ پتہ نہیں مجھے کیوں ایسا لگتا ہے۔

میرے پیارے اللہ کیا آپ ممی کو میرے پاس ہمیشہ کے لئے ترکی بھیج سکتے ہیں؟ میں اور دادا اُن کے ساتھ بہت خوشی سے رہیں گے۔ آپ کو پتہ ہے میں ساری چیزیں آپ سے مانگتا ہوں کسی اور سے نہیں۔ یہ مجھے ممی نے سکھایا تھا۔

آپ اگر میری ممی کو میرے پاس بھیج دیں تو میں آپ کو ایک بہت پیاراBirds flowers اور butterflies والا کارڈ بنا کر بھیجوں گا اور اُس کے اوپر خطاطی میں آپ کا نام بھی لکھوں گا جو میں نے دادا سے سیکھا ہے۔۔۔ بہت پیارا سا نام لکھوں گا آپ کا۔۔۔ اچھے سے رنگوں میں۔

اور ہاں اب میں نے آپ کے نام کا الف بھی سیدھا لکھنا سیکھ لیا ہے۔

دادا کہتے ہیں میں ممی کو خط لکھ کر اپنے پاس بلاؤں لیکن مجھے پتہ ہے وہ میرے کہنے سے نہیں آئیں گی مگر آپ کے کہنے پر آجائیں گی۔ اس لئے میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

میں آپ سے ڈھیر سارا پیار کرتا ہوں۔ اور زیادہ کروں گا۔ بس آپ ممی کو یہاں بھیج دیں۔

اپنا خیال رکھیں۔

آپ کا قلبِ مومن

......☆......

قلبِ مومن ٹینا اور داؤد کے ساتھ بیٹھے ہوئے آفس میں کام کر رہے تھے۔ جب عباس دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ اُن کی پچھلی فلم کا ہیرو تھا اور الف کو شروع میں سائن کر کے پھر کانٹریکٹ ختم کر چکا تھا لیکن مومنہ سلطان کے فلم سائن کرتے ہی وہ اُڑ جانے والے سارے موسمی پرندے اگلی بہار کے نظارے کے لئے واپس آنا شروع ہو گئے تھے۔

وہ بڑی گرم جوشی سے سیدھا مومن کے پاس آ کر اُس سے گلے ملا تھا پھر اُس نے مصافحہ کر کے ہاتھ اپنے سینے پر یوں رکھے جیسے اُس کے لئے قلبِ مومن سے مصافحہ کرنا اور گلے لگنا بھی سعادت کی بات تھی۔

"آپ کو پتہ ہے مومن بھائی۔۔۔ آپ کے کام کا فین ہوں میں۔۔۔ آپ کے ساتھ پراجیکٹس کرنے کے لئے دس پراجیکٹس چھوڑ کر آ سکتا ہوں میں۔" اُس نے اس انداز میں کہا تھا جیسے اُس نے الف سے علیحدگی اختیار کی ہی نہ تھی اور اس فلم کے بارے میں پہلی بار ہی پتہ چلا تھا اُسے۔

ٹینا اور داؤد نے معنی خیز نظروں کا تبادلہ کیا تھا اور قلبِ مومن نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

"آپ نے مومنہ سلطان کے ساتھ مجھے اس فلم میں کاسٹ کر کے میری زندگی کی سب سے

بڑی خواہش پوری کر دی ہے۔'' اُس نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بھی اپنی بات جاری رکھی۔

''سکرپٹ ڈسکس کرتے ہیں۔'' مومن نے اُس کی کسی لفّاظی کا جواب نہیں دیا تھا۔ اُس نے بس سکرپٹ کھول لیا تھا۔ عباس کچھ گڑبڑایا تھا۔ مومن جال میں نہیں آیا تھا۔

''رول چھوٹا ہے اور ایک بچے کے باپ کا ہے۔۔۔ کوئی اعتراض؟'' اُس نے بے حد واضح اور غیر مبہم انداز میں کہا۔

''مومنہ سلطان کے Opposite ہے؟'' عباس نے جھٹ پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' مومن کا جواب مختصر تھا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' اُس نے فوراً کہا۔

''اور پھر مومن بھائی آپ کی فلم ہے مجھے پتہ ہے آپ کچھ نہ کچھ کروا ہی لیں گے مجھ سے۔ آپ پر اندھا اعتماد ہے مجھے۔''

مومن نے اُس کی خوشامد کا نیا سلسلہ بیچ میں ہی کاٹتے ہوئے داؤد سے کہا۔

''کانٹریکٹ کروالو دوبارہ۔۔۔''

......☆......

وہ رات کے وقت گھر کے لاؤنج میں تھکا ہارا داخل ہوا تھا۔ شکور چند دنوں کے لئے چھٹی پر گیا ہوا تھا اور گھر کی خاموشی پہلے سے زیادہ گہری تھی۔

لاؤنج میں وہ دیوار خالی تھی جس پر وہ خطاطی اتنے سالوں سے لگی ہوئی تھی۔ مومن نے اُس کی جگہ کچھ بھی نہیں لگایا تھا۔

LCD آن کر کے وہ کچن کی فریج سے پانی کی بوتل نکال کر لے آیا تھا۔ اُسے پیتے ہوئے وہ چینلز سرفنگ کرنے لگا۔ ایک چینل پر اُس کی فلم کے حوالے سے خبر چل رہی تھی۔

''The Academy Award winning actress MOMINA SULTAN signs her new film in Pakistan leaving Hector's upcoming merit Urban Saga.''

قلبِ مومن نے چینل بدل دیا۔ وہ اب جس چینل پر گیا تھا وہاں پریس کانفرنس کی کوریج کے ساتھ خبر چل رہی تھی۔

''مومنہ سلطان نے بالآخر اپنی اگلی فلم کا اعلان کر دیا اور اس بار وہ لوکل سکرین پر جلوہ گر ہوں

گی۔قلبِ مومن کی اگلی فلم ''الف'' میں۔۔۔یاد رہے کہ یہ فلم پچھلے سال اناؤنس ہوئی تھی مگر پھر تعطّل کا شکار ہوگئی۔اب مومنہ سلطان کے اس فلم کا حصہ بننے پر قلبِ مومن کی قسمت کا ستارہ ایک بار پھر چمکا ہے اوراس بار بین الاقوامی طور پر ۔'' قلبِ مومن نے وہ چینل بھی بدلتے ہوئے TV بند کر دیا تھا۔وہ اب بوتل سے پانی غٹا غٹ پی رہا تھا۔یوں جیسے مومنہ سلطان کے نام کی یہ تکرار اُسے پریشان کرنے لگی تھی۔ اُس کا احسان مند ہونے کے باوجود۔

فون اُٹھا کر اُس نے یک دم مومنہ کو کال کرنی شروع کر دی تھی۔دوسری طرف سے کسی نے کال ریسیو نہیں کی۔قلبِ مومن کو اُس وقت احساس ہوا کہ وہ رات کا پچھلا پہر تھا۔لیکن کال کا ریسیو نہ ہونا پھر بھی اُس کی انا کو مجروح کر گیا تھا۔

''میں تو بھول گیا تھا۔۔۔آسکر ایوارڈ یافتہ اداکارہ ہے وہ۔۔۔پہلی کال پر ڈائریکٹر کی کال کیسے لے گی وہ۔۔۔وہ بھی قلبِ مومن جیسے ڈائریکٹر کی۔'' اُس نے بڑبڑاتے ہوئے خود ہی فون بند کرتے ہوئے اُسے دور پھینک دیا تھا۔

......☆......

میک اپ آرٹسٹ نے اُس کے چہرے پر Puffing سے آخری ٹچ دیتے ہوئے مومنہ سے کہا۔

''اب دیکھیں اپنے آپ کو۔'' وہ کہتے ہوئے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔مومنہ نے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا اور پہلی نظر میں اُسے لگا وہ حسنِ جہاں ہی تھی۔

''مومن بھائی نے جو look دینے کو دی تھی بالکل ویسی ہی look دی ہے میں نے آپ کو۔'' وہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتے ہوئے میک اپ آرٹسٹ کی بات پر چونکی تھی۔

''کون سی Look۔۔۔تمہیں کوئی تصویریں دی تھیں اُس نے؟'' اُس نے میک اپ آرٹسٹ کو کُریدا تھا۔

''ہاں۔۔۔یہ دیکھیں یہ میرے فون میں ہیں تصویریں۔'' میک اپ آرٹسٹ نے فوراً سے پہلے اپنے فون جیسے اُس کے سامنے کر دیا تھا۔

وہ حسنِ جہاں کی تصویریں تھیں اور مومنہ کو حیرت تھی حسنِ جہاں کو نہ جاننے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اُس نے میک اپ آرٹسٹ کو وہ تصویریں کیسے دے دی تھیں کیا اُسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ مومنہ وہ تصویریں دیکھ سکتی تھی۔

''سبیکا۔۔۔مومنہ کی Look ہوگئی تو پھر ہمیں۔۔۔'' وہ ڈریسنگ روم کا دروازہ بجا کر روانی میں اندر آیا تھا اور آئینہ میں مومنہ کا عکس دیکھ کر فریز ہوگیا تھا۔ وہ جیسے اپنی بات بھی پوری نہیں کر سکا تھا۔ اُسے حسنِ جہاں یاد آئی تھی۔ وہ اس وقت بالکل اُسی روپ میں تھی جس میں مومن حسنِ جہاں کو پاکستان آنے کے بعد دیکھا کرتا تھا۔

''مومن بھائی ٹھیک ہے نا گیٹ اپ۔۔۔ یہی look چاہ رہے تھے نا آپ؟'' میک اپ آرٹسٹ نے اُس کی محویت توڑی تھی۔ اُس نے ہڑبڑا کر جیسے نظریں اُس کے چہرے سے ہٹالی تھیں۔ وہ چلتا ہوا اب مومنہ سلطان کے پاس آ گیا تھا۔ سامنے ڈریسنگ کاؤنٹر پر پڑے سفید گلابوں میں سے اُس نے کچھ اُٹھا کر مومنہ کے بالوں کے جوڑے میں لگاتے ہوئے میک اپ آرٹسٹ سے کہا تھا۔

''یہ بھی لگانے ہیں۔''

''اوہ۔۔۔اوہ۔۔۔ یہ میں کیسے بھول گئی۔۔۔ ہاں یہ بھی لگاتی ہوں۔'' میک اپ آرٹسٹ نے جواباً وہ پھول اُس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا تھا جو اُس نے مومنہ کے جوڑے پر رکھ کر اُسے وہ جگہ بتائی تھی جہاں وہ پھول لگتے تھے۔ مومنہ خاموشی سے آئینے میں اُس کے اور میک اپ آرٹسٹ کے درمیان ہونے والی گفتگو کسی تبصرے کے بغیر سنتی رہی تھی۔

''اب دیکھیں۔'' میک اپ آرٹسٹ نے چند لمحوں میں وہ پھول اُس کے جوڑے میں لگا کر دوبارہ مومن سے رائے لی تھی۔

اس بار مومن مومنہ کی کرسی کے پیچھے کھڑا اُسے آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ جوڑے میں سجے اُن سفید گلابوں کے ساتھ اور مومنہ آئینے میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی۔ یوں جیسے اُس کی رائے سننا چاہتی ہو۔ اُس نے صرف ایک لمحہ کے لئے آئینے میں مومنہ کو دیکھا تھا۔ پھر وہ نظریں چرا کر برق رفتاری سے وہاں سے نکل گیا تھا۔

''کاسٹیومز دیکھنے ہیں مجھے۔۔۔ ڈیزائنر آیا ہوا ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

......☆......

ڈریسنگ روم سے باہر نکل کر بھی وہ مومن کی نظروں کے سامنے سے نہیں ہٹی تھی۔ وہ اُسے اپنے دماغ سے جھٹکنا چاہتا تھا مگر وہ حسنِ جہاں بنی اُس کے دماغ سے چپکی رہی تھی۔

سٹوڈیو میں پوری ٹیم کے سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے

مومن کے آنے پر فوری طور پر اُس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔ آنکھیں بند کئے اُنہیں رگڑتے ہوئے اُس نے جیسے ماضی کو ایک بار پھر چھپا دینے کی کوشش کی تھی۔ آنکھیں بند کئے وہ اپنی کنپٹیاں اور آنکھیں رگڑتا رہا اور جب اُس نے بالآخر آنکھیں کھولی تھیں تو وہ دھک سے رہ گیا تھا۔ مومنہ سلطان سٹوڈیو میں اُس کے بالکل سامنے حسنِ جہاں کے اُسی گیٹ اپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ داؤد اور ڈیزائنر اُس کے ساتھ اُس کے کاسٹیوم اور وارڈ روب کی ڈسکشن میں مصروف تھے اور وہ کچھ فاصلے پر بیٹھا صرف اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا وہ اُس کی نظروں سے بے خبر تھی کیونکہ وہ مصروف تھی لیکن یہ اُس کی خام خیالی تھی۔ وہ اپنے چہرے پر مرکوز اُس کی نظروں سے باخبر تھی اور اُس کی وجہ سے بھی۔ وہ مومنہ سلطان کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ حسنِ جہاں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس پر کیا اعتراض کرتی۔

......☆......

''آپ کو باہر تک چھوڑ دیتا ہوں۔''

وہ شام کے وقت اپنا بیگ اُٹھاتے ہوئے گھر جانے کے لئے نکلی تھی جب دروازے کی طرف جاتے ہوئے اُسے اپنے عقب میں مومن کی آواز سنائی دی۔ مومنہ نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

''نہیں میں ان تکلفات کی عادی نہیں ہوں۔'' مومن نے اُس کی بات کاٹ دی۔

''میں ہوں۔۔۔ آیئے۔'' آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے اُس نے مومنہ سے کہا۔ ایک لمحہ کے لئے وہ ٹھٹکی پھر وہ دروازے سے باہر آ گئی۔

کار پارکنگ تک وہ چپ چاپ چلتے رہے تھے۔ شام ہو رہی تھی۔ پارکنگ میں لگی سٹریٹ لائٹس آن تھیں۔

''داؤد نے مجھے بتایا تھا آپ کیلی گرافی کرتی ہیں۔'' اُس نے بالآخر ساتھ چلتے ہوئے خاموشی توڑی۔

''اب نہیں کرتی۔۔۔ پہلے کرتی تھی۔'' اُس نے جواباً کہا۔

''میری طرح بچپن میں۔'' مومنہ نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ وہ پہلی بار اُس کے سامنے خطاطی سے اپنے ایسے تعلق کا اظہار کر رہا تھا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اُس نے کہا۔

''نہیں۔۔۔ جب تک جہانگیر زندہ رہا۔'' مومن کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا۔

''آپ سے معذرت کرنا چاہتا تھا لیکن نہ آپ نے موقع دیا نہ میں دوبارہ ہمت کر سکا۔'' اُس نے بالآخر مدھم آواز میں کہنا شروع کیا تھا۔

’’آپ سے پہلی ملاقات میں میرا رویہ ٹھیک نہیں تھا۔‘‘

’’میں ماضی پرست نہیں ہوں۔‘‘ اُس نے جواباً اُسی نرمی سے کہا۔

’’جانتا ہوں لیکن پھر بھی۔۔۔ مجھے شرمندگی ہے۔‘‘ مومنہ نے گردن موڑ کر اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’مجھے حیرانی ہے۔‘‘

قلبِ مومن نے بھی گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔

’’آپ کہہ لیں آپ کو اجازت ہے۔‘‘ اُس نے اتنی فراخ دلی سے کہا تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کہہ سکی۔

گاڑی کے پاس پہنچتے ہوئے یک دم قلبِ مومن نے پشت پر بندھے ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے دو سفید گلاب اُس کی طرف بڑھائے۔

’’یہ آپ کے لئے۔‘‘

وہ حیران ہوئی اور چلتے چلتے رُک گئی۔

’’کس لئے؟‘‘ اُس نے اُنہیں پکڑے بغیر کہا۔

اُسے اب اندازہ ہوا تھا وہ مسلسل ہاتھ پیچھے باندھے کیوں چل رہا تھا۔

’’آپ کے بالوں میں اچھے لگ رہے تھے۔‘‘ اُس کے جواب نے کچھ دیر کے لئے مومنہ کو لاجواب کر دیا تھا۔

’’وہ کریکٹر کا حصہ تھا۔‘‘ اُس نے نظریں چرا کر اُس کے ہاتھ میں پکڑے اُن دو سفید گلابوں کو دیکھا جنہیں وہ اب بھی اُس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا اور پھر اُس نے اُنہیں پکڑ لیا۔

ہاتھ میں ان سفید گلابوں کو لمبی ٹہنیوں سمیت پکڑتے ہوئے مومنہ نے بڑی احتیاط سے جیسے اُن کے کانٹے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی مگر ان دونوں گلابوں کی ٹہنیوں پر اُسے کہیں کانٹا نظر نہیں آیا تھا اور مومن نے جیسے یہ بھانپ لیا تھا کہ اُن گلابوں کی شاخوں پر وہ انگلیاں پھیرتی ہوئی کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

’’میں نے کانٹے ہٹا دیئے ہیں ان کے تاکہ آپ کی انگلیاں زخمی نہ ہوں۔‘‘ مومنہ نے اُس کی آواز پر بے اختیار سر اُٹھا کر اُسے دیکھا تھا۔ قلبِ مومن کی آنکھوں میں اُسے پہلی بار ایک عجیب سی معصومیت اور نرمی نظر آئی تھی۔

’’زندگی میں صرف دو عورتوں کے بالوں میں سفید گلاب اتنے خوبصورت لگے ہیں مجھے۔‘‘ وہ

کہہ رہا تھا۔

''اس طرح سجتے دیکھا ہے میں نے۔'' وہ کسی عجیب سی کیفیت میں اُس سے کہہ رہا تھا۔ اُس سے بہت قریب کھڑے۔ وہ سر اُٹھا کر اُس سے نظریں نہیں ملا سکی۔ فیصل کے بعد زندگی میں کسی اور سے اس طرح نظریں چرانے کا اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''میری گاڑی۔'' کچھ بے ربط انداز میں مومنہ نے اُس سے کہا تھا۔

اُس نے اُن دونوں عورتوں کے بارے میں اُس سے کوئی سوال کیوں نہیں کیا تھا جن کا ذکر مومن کر رہا تھا۔ اس خیال نے مومن کو عجیب اضطراب میں ڈالا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ ایک عورت وہ خود تھی۔۔۔ لیکن کیا وہ دوسری عورت کے بارے میں بھی جانتی تھی؟ اُس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اور اُسے خدا حافظ کہتے ہوئے بھی قلبِ مومن صرف یہی سوچ رہا تھا۔

......☆......

اپنے کمرے میں ایک گلاس vase میں وہ دونوں سفید گلاب پانی میں رکھتے ہوئے مومنہ کو اُس کا وہ جملہ بار بار یاد آتا رہا تھا۔

''اس کے کانٹے ہٹا دیئے ہیں میں نے تاکہ آپ کی انگلیاں زخمی نہ ہوں۔''

اُس گھر میں جگہ جگہ پڑے ڈھیروں قیمتی پھولوں کے گلدستوں میں مومنہ سلطان کو صرف وہ دو سفید گلاب یاد رہے تھے۔ صرف ان کو پانی میں ڈال کر رکھنا یاد رہا تھا اور صرف اُنہیں اپنے کمرے میں سجانا یاد رہا تھا۔ اور ان سب چیزوں کی اُس کے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔ سوائے حسنِ جہاں کی داستان حیات کا ایک حصہ ہونے کے۔۔۔ اُسے ابھی مومن سے سکرپٹ کے بارے میں بات کرنی تھی۔ انٹرول کے بعد اُس دوسرے حصے میں جس میں اُس کا باپ ''ولن'' تھا اور حسنِ جہاں ''ویمپ۔''

......☆......

ماسٹر ابراہیم نے خطاطی پر لکھا عبدالعلی کا نام بڑے احترام کے ساتھ اپنی انگلیوں سے چھوا۔ اُن کی آنکھیں غم ناک تھیں۔ یوں جیسے وہ اُس لمس سے عبدالعلی کو کھوجنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''عبدالعلی کے master pieces میں سے ایک ہے یہ۔۔۔ سات Paintings بنائی تھیں انہوں نے اس سیریز کی۔۔۔ قلبِ مومن کے لئے۔'' مومنہ دم سادھے اُنہیں دیکھنے لگی تھی۔

وہ ساتوں پینٹنگز آج اُن کے پاس لے کر آئی تھی اور انہوں نے پہلی خطاطی دیکھتے ہی اُسے پہچان لیا تھا۔

''آپ جانتے تھے یہ مومن کے لئے بنا رہے تھے وہ؟'' اُس نے اُن کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں ہر بار بتاتے تھے وہ فون پر۔۔۔مومن کی سالگرہ سے پہلے جو بھی آیت اُس کے لئے خطاطی کرنا شروع کرتے اُس کے بارے میں۔'' انہوں نے اس طرح کہا تھا۔ جیسے یہ راز کوئی راز ہی نہیں تھا۔

''تمہارے پاس کیسے آ گئیں یہ ساری پینٹنگز مومن نے بیچ دیں کیا؟'' انہوں نے اچانک کوئی خیال آنے پر اُس سے کہا تھا۔

''بیچنا چاہتا تھا وہ کسی کو۔۔۔میں نے فلم کے معاوضے کے طور پر اُس سے مانگ لیں اور اُس نے دے دیں۔'' مومنہ نے مختصراً کہا تھا۔ وہ بے اختیار ہنسنا شروع ہوئے تھے اور ہنستے ہی چلے گئے تھے۔ مومنہ الجھی تھی۔

''آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟'' اُس نے پوچھا تھا۔

''میں قدرت کے کھیل پر ہنس رہا ہوں۔۔۔تم میرے پاس کیوں لائی ہو یہ ساری پینٹنگز؟'' انہوں نے اُس سے پوچھا تھا۔

''آپ قدر دان ہیں اس لئے۔۔۔اور آپ کے پاس عبدالعلی صاحب کی کوئی پینٹنگ نہیں ہے اس لئے بھی۔'' اُس نے اُن سے کہا تھا۔

''ہے میرے پاس اُن کی ایک پینٹنگ۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ماسٹر ابراہیم نے مدھم آواز میں سر جھکائے کہا تھا۔ وہ اپنے بستر پر آج بھی ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور کل سے زیادہ نحیف لگ رہے تھے۔

''کہاں ہے؟ آپ نے کبھی دکھائی ہی نہیں۔'' مومنہ بے اختیار چونکی تھی۔

''قیمتی ہے۔۔۔یادگار ہے اس لئے سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔ جب تمہاری شادی ہو گی تو تمہیں تحفے میں دوں گا۔'' وہ اس بار اُن کی بات پر ہنس پڑی تھی۔

''ماسٹر صاحب۔۔۔میری شادی کہاں سے یاد آ گئی آپ کو۔۔۔اسے چھوڑیں آپ بتائیں یہ ساری کس کس دیوار پر لگاؤں؟'' اُس نے بات کا موضوع بدل دیا تھا۔

''نہیں بیٹا۔۔۔یہ مومن کی امانت ہے۔۔۔اُس کے لئے بنائی تھیں عبدالعلی صاحب نے۔۔۔اُس کی زندگی کو محور دینے کے لئے۔۔۔یہ اُسے ہی لوٹا دو۔۔۔نہیں بھی لوٹاؤ گی تو آج یا کل یہ اپنے مالک کے پاس پہنچ ہی جائیں گیں۔'' انہوں نے بے حد نرمی سے کہا۔ وہ اُن کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''آپ قلبِ مومن کا ذکر اتنی محبت سے کیوں کرتے ہیں۔آپ کو اُس کے عیبوں کا پتہ نہیں ہے کیا؟ عبد العلی صاحب نے بھی کچھ نہیں بتایا آپ کو؟'' مومنہ نے اس بار بے حد سنجیدگی سے اُن سے کہا۔

''اُس کے عیب میرے عیبوں سے چھوٹے۔۔۔اُس کے نقص میرے نقص سے کمتر۔۔۔''

انہوں نے بے اختیار کہا تھا۔

''پر ماسٹر صاحب آپ تو سیّد ہیں۔اللہ کے راستے پر چلنے والے سیّد۔'' مومنہ نے اعتراض کیا تھا۔

''اسی لئے تو منہ چھپاتا پھرتا ہوں۔۔۔اسی لئے تو سر جھکائے رکھتا ہوں۔۔۔کس کی آل ہوں اور کیا اعمال ہیں۔۔۔پھر بھی پردہ ہے جو ڈال دیا ہے رب نے۔۔۔پردہ ڈالے ہی رکھے رب سب پر۔۔۔کسی کا عیب نہ کھولے۔'' وہ ہنستے ہوئے آنسوؤں سے کہہ رہے تھے اور مومنہ دم سادھے اُن کے بہتے ہوئے آنسو دیکھ رہی تھی۔اُس نے ماسٹر ابراہیم کو کبھی اس طرح روتے نہیں دیکھا تھا۔اُسے اُن سے جو پوچھنا تھا اُنہیں روتا دیکھ کر سب بھول گئی تھی۔

......☆......

اُس دن وہاں سے واپسی پر مومنہ کے دل میں جیسے ماسٹر ابراہیم کے جملے کھب گئے تھے اور اُن جملوں نے بہت سا بغض بہت ساز ہر اُس کے دل کے اندر سے نچوڑ کر جیسے اُسے پاک کر دیا تھا۔

''آج دل صاف ہو گیا۔۔۔تمہارے لئے میرا قلبِ مومن۔۔۔سب نکل گیا جو بھی گڑا تھا۔''

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی اپنے دونوں گالوں سے آنسوؤں کو رگڑتے مومنہ سلطان نے جیسے خود سے کہا تھا۔

......☆......

وہ صبح سویرے تیار ہو کر آفس جانے کے لئے نکلا تھا اور لاؤنج میں جاتے ہی کھڑا رہ گیا تھا۔ وہاں دیوار پر اھدنا الصراط المستقیم والی وہ خطاطی لگی ہوئی تھی۔خوشی کی ایک لہر جو بے اختیار اُس کے اندر سے اُٹھی تھی اُسے خوف کی ایک اور لہر نے ڈبو دیا تھا۔تو کیا اُن سفید گلابوں کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ اُس کی فلم چھوڑ گئی تھی۔فلم چھوڑے بغیر ان تصویروں کے واپس آنے کی کوئی صورت باقی نہیں بچی تھی۔

''مومن بھائی یہ مومنہ میڈم کا ڈرائیور دے گیا ہے صبح صبح۔۔۔میں نے یہ یہاں لگا دی اور باقی ساری سٹور میں رکھوا دی ہیں۔'' شکور نے اُسے دیکھتے ہی خوشی سے چہک کر کہا تھا۔

''کچھ اور بھی بھیجا کیا؟'' مومن نے جواباً اُس سے پوچھا تھا۔

''کچھ اور کیا۔۔۔؟ ہائے اللہ۔۔۔آپ نے پھر لڑائی کر لی۔'' شکور نے روانی سے پوچھا اور پھر صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوتے ہی اُس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے تھے۔

''میں نے شیلی پر ٹکٹ کے پیسے ضائع نہیں کرنے اس بار۔۔۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔۔۔ میں نے تو سارے دوستوں اور رشتہ داروں کو مومنہ سلطان کے ساتھ بنائی ہوئی سیلفی بھی بھیج دی ہے مومن بھائی۔'' دروازے تک جاتے جاتے قلبِ مومن کو شکور کی دُہائیاں سنائی دیتی رہی تھیں مگر خود اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑے ہوئے تھے۔

......☆......

سٹوڈیو میں داخل ہوتے ہی بے اختیار اُس کی جان میں جان آئی تھی۔ مومنہ سلطان ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی سکرپٹ پر ایک پینسل سے کچھ نوٹس لکھ رہی تھی۔ قلبِ مومن کو لگا وہ ایک بار پھر زندہ ہوا ہے۔ یعنی وہ ناراضی کا کوئی معاملہ نہیں تھا۔

''آپ نے Paintings واپس کیوں کر دیں؟'' اُس کے سامنے ایک دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہی مومن نے اُس سے پوچھا تھا۔ اُس نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا اور وہ مسکرائی۔

''آپ ڈر گئے ہوں گے کہ شاید میں نے فلم چھوڑ دی ہے۔''

''نہیں خوف آپ کی ناراضگی کا تھا کہ پتہ نہیں اس بار کیا غلطی کر بیٹھا ہوں۔'' مومن بھی مسکرا دیا تھا۔

''نہیں کسی ناراضگی کے بغیر لوٹائی ہیں میں نے یہ تصویریں۔'' مومنہ نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

''کیوں؟'' مومن نے کُریدا۔

''میرے اُستاد ہیں ایک۔ انہوں نے ہی لوٹانے کا کہا ہے اس لئے لوٹا دیں۔'' اُس نے جواباً کہا۔

''وہ اس فلم کا معاوضہ تھا۔'' مومن نے جیسے اُسے یاد دلایا تھا۔

''یہ فلم تو بغیر معاوضے کے بھی کر لیتی میں۔'' اُس کے جواب نے مومن کو حیران کیا تھا۔

''کیوں؟'' اس بار مومنہ نے اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔

''آپ بڑے سوال کرتے ہیں۔'' وہ چند لمحوں کے لئے خاموش رہا پھر مسکرایا۔

''میری ماں بھی یہی کہا کرتی تھی۔'' وہ جیسے بے اختیار کہہ بیٹھا اور پھر کہہ کر پچھتایا۔ وہ دوسرا موقع تھا کہ وہ اُس کے سامنے کسی دوسری عورت کا ذکر کر رہا تھا اور مومنہ جانتی تھی وہ دوسری عورت کون تھی۔

''مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں وہ پینٹنگز آپ کو واپس بھیج دوں۔ وہ میرا کل اثاثہ ہیں۔۔۔جو آپ لے گئی تھیں۔۔۔باقی سب تو آ ہی جائے گا میرے پاس۔'' ایک لحظہ کے لئے مومنہ کو شائبہ ہوا مومن کی آنکھوں میں نمی لہرائی تھی مگر پھر جیسے وہ آنکھیں چھپاتا ہوا اُٹھ کر گیا تھا۔

مومنہ کو یقین نہیں آیا تھا وہ شخص روسکتا تھا۔۔۔شکر گزار ہوسکتا تھا۔۔۔احسان مند ہوسکتا تھا۔۔۔اعتبار کرسکتا تھا۔۔۔رحم کرسکتا تھا۔۔۔مومنہ سلطان بس یہ بھول گئی تھی وہ قلبِ مومن تھا۔مومن ہوجانے میں دیر ہی کتنی لگتی اُسے۔

......☆......

عبدالعلی کی وہ ساری Paintings اُس کے گھر کی مختلف دیواروں پر لگی ہوئی تھیں۔اُس کے بیڈروم میں گیسٹ روم میں ڈرائنگ۔۔۔لاؤنج۔۔۔ہر جگہ جیسے عبدالعلی کی ایک نشانی سجادی تھی اُس نے۔۔۔یوں جیسے وہ چاہتا تھا وہ آیات اُس کے آس پاس نظر آتی رہیں اُسے یاد دلاتی رہیں کہ وہ کون تھا کہاں سے گزر کر آیا تھا۔

اُن تصویروں کو اپنے اپارٹمنٹ کی دیواروں پر سجاتے ہوئے اُسے مومنہ کے ساتھ ساتھ اُس اُستاد کا بھی خیال آتا رہا تھا جس نے مومنہ کو کہا تھا کہ وہ اُسے یہ ساری paintings واپس کردے اور قلبِ مومن اُلجھا تھا اس بات پر۔۔۔آخر اُس آدمی کو کیا پڑی تھی کہ وہ اُسے اُس کی چیزیں واپس دلاتا۔وہ اگلا ایک ہفتہ پاکستان سے باہر تھی ورنہ اگلے دن قلبِ مومن اُس سے ضرور پوچھ لیتا اور جب تک وہ دوبارہ آئی تھی قلبِ مومن اُس اُستاد کو بھول چکا تھا۔

......☆......

وہ دبئی سے واپس پاکستان آئی تھی اور پہلے دن اُس کا استقبال اپنے آفس میں مومن نے دو سفید گلابوں کے ساتھ کیا تھا۔

''میں نے سوچا پرانے والے مرجھا گئے ہوں گے۔'' اُسے متامل دیکھ کر مومن نے کہا تھا۔

''اب یہ مت پوچھیئے گا مجھے کیسے پتہ چلا اُن کے مرجھانے کا۔'' وہ اُس کی بات پر ہنس پڑی تھی۔

''پھول چار دن میں مرجھا جاتے ہیں اور اُنہیں تو بہت دن ہوگئے۔'' مومنہ نے مسکراتے ہوئے اُس سے پھول لے لئے تھے۔

''آپ پانی میں رکھتی ہوں گی اس لئے مرجھا گئے۔۔۔اپنے بالوں میں لگاتیں تو کبھی نہ مرجھاتے۔'' اُس کے جملے پر اُس نے سیدھا مومن کی آنکھوں میں دیکھا اور کہا۔

''آپ مجھ سے فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟''

''میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔'' اُس کا جواب بھی اتنی ہی تیزی سے آیا تھا۔ مومنہ کو سمجھ میں نہیں آیا وہ اُسے مزید کیا کہتی۔

''یہ کیا ہے؟'' مومن نے ایک لفافہ اُس کی طرف بڑھایا تھا۔

''فلم کی fees کا چیک۔۔۔ یہ اُدھار تھا مجھ پر۔۔۔ Paintings تو واپس کر دی ہیں آپ نے۔'' مومنہ نے لفافہ کھول کر اُس میں سے وہ چیک نکال کر دیکھا۔ وہ بلینک چیک تھا۔ کچھ حیران ہو کر اُس نے مومن کو دیکھا۔

''آپ اپنی مرضی کا معاوضہ بھر لیں اس میں آپ سے کوئی رعایت نہیں مانگوں گا مگر میرا بینک بیلنس آج کل لامحدود نہیں ہے۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے مومنہ سے کہا تھا۔

صوفے پر بیٹھتے ہوئے مومنہ نے ایک نظر اُسے دیکھا پھر اپنے بیگ میں سے اپنا پین نکالا اور سامنے پڑے میز پر اُس چیک کو رکھ کر اُس پر ایک رقم لکھ دی۔ پھر کھڑے ہو کر چیک مومن کی طرف بڑھاتے ہوئے اُس نے کہا۔

''یہ ہے میرا معاوضہ۔ الف کے لئے مگر یہ آپ مجھے تب دیں جب فلم ریلیز ہو کر hit ہو جائے۔ تب تک میں یہ سفید گلاب رکھتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے چیک اُسے پکڑا کر سٹوڈیو جانے کے لئے اُس کے کمرے سے نکل گئی تھی۔ مومن نے چیک پر نظر دوڑائی۔ اُس کی لکھی ہوئی رقم 0000001 تھی۔

......☆......

سٹوڈیو اُس دن موسیقی سے گونج رہا تھا۔ جب مومنہ وہاں داخل ہوئی تھی۔ قلبِ مومن فلم کے میوزک ڈائریکٹر کے ساتھ بیٹھا ہوا وہ ساری دُھنیں سن رہا تھا جو وہ اُسے گٹار پر بجا بجا کر سنا رہا تھا اور مومن کچھ غیر مطمئن سا اُنہیں سنتے ہوئے سر ہلا رہا تھا۔ یوں جیسے جو وہ سن رہا تھا اُس سے وہ خوش نہیں تھا۔

''ٹائٹل سونگ پر کام کر رہے ہیں۔ آپ بھی سنیں ذرا۔'' اُس نے مومنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ بھی اُن سب کے پاس بیٹھ گئی۔

''مجھے ایسے بول چاہیے جس میں الف کی پوری تھیم آ جائے۔'' وہ اب lyricst سے کہہ رہا تھا جس نے اُسے کچھ lyrics سنائے تھے اور اُس نے reject کر دیئے تھے۔

''مجھے اللہ سے تعلق اُس سے بندے کی محبت کی لائنز چاہیے۔'' وہ Lyricst سے کہہ رہا تھا اور اُس نے جواباً مومن سے پوچھا تھا۔

''اللہ سے تعلق ۔۔۔؟ کیا تعلق ہے اللہ اور بندے کا ۔۔۔آپ مجھے بتا دیں پھر میں وہی گیت کے بولوں میں کر دیتا ہوں۔'' Lyricst جہاں اُلجھا تھا وہاں اُس نے سیدھا مومن سے پوچھ لیا تھا۔ وہ اُس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔

پھر وہ سوال تھا جو اُس فلم کا سکرپٹ لکھنے کی کوشش میں پہلی بار رائٹر نے بھی اُس سے کہا تھا اور تب وہ اُسے کچھ نہیں کہہ سکا تھا اور یہ وہ سوال تھا جو اُس نے عبدالعلی سے ایک رات کیا تھا جب وہ یہ فلم خود لکھنے بیٹھا تھا اور بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔

''اپنی فلم کے لئے ایک ایسی کہانی لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں جو انسان اور اللہ کا تعلق بتائے۔۔۔ پر ابھی تک کہانی کا نام تک نہیں لکھ سکا میں ۔۔۔بس بار بار اپنا نام لکھتا رہتا ہوں پہلے Page پر ۔۔۔

''A story by QALB E MOMIN''۔

اُس نے عبدالعلی کے سامنے اپنی بے چارگی کا اظہار کیا تھا۔ اُنہیں وہ کاغذ دکھاتے ہوئے جو بالکل خالی تھے اور پہلے صفحے پر اُس کے نام کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ رات کو اُس وقت اُس کے کمرے میں کسی کام سے آئے تھے اور مومن کو انہوں نے اُس کی سٹڈی ٹیبل پر جیسے کچھ زچ حالت میں دیکھا تھا۔

''انسان اور اللہ کا تعلق کیا ہے مومن؟'' انہوں نے جواباً اُس سے پوچھا تھا۔

وہ ہنس پڑا تھا۔

''آپ مجھ سے وہی سوال کر رہے ہیں دادا جو میرے رائٹرز نے مجھ سے کیا تھا۔''

''تم نے کیا جواب دیا؟''

''کوئی جواب تھا ہی نہیں میرے پاس۔'' اُس نے کندھے اُچکاتے ہوئے دادا کے سامنے صاف گوئی سے کہا۔

''کیا تعلق ہے انسان اور اللہ کا ۔۔۔آپ تو جانتے ہوں گے؟'' اس نے عبدالعلی کو جیسے کُریدتے ہوئے اُن سے پوچھا تھا۔

''اللہ کے نام میں ہے انسان اور اللہ کا تعلق ۔۔۔الف ۔۔۔ایک سیدھی لکیر جیسا تعلق ۔۔۔ جس کے ایک سرے پر اللہ ہے اور دوسرے سرے پر بندہ ۔۔۔الف سیدھا ہے تو اللہ بے حد قریب ۔۔۔ الف ٹیڑھا کر دے انسان تو نہ بندے کو اللہ کا پتہ لگے گا نہ اللہ بندے کی خبر رکھے گا۔'' انہوں نے مدھم آواز میں اُس سے کہا تھا۔

''اور میرا الف ہمیشہ سے ٹیڑھا ہے۔'' اُس نے بے ساختہ کہا تھا۔

''تو سیدھا کرلو۔۔۔تمہارے ہاتھ میں ہے ساری لکیروں کی طرح یہ لکیر بھی۔'' انہوں نے نرمی سے کہتے ہوئے اُس کے سکرپٹ کے پہلے صفحے پر اُس کے نام سے اوپر ALIF لکھ دیا تھا۔

''اللہ کے نام میں ہے انسان اور اللہ کا تعلق۔۔۔الف۔۔۔جس کے ایک سرے پر اللہ ہے اور دوسرے سرے پر بندہ۔۔۔الف سیدھا ہے تو اللہ بے حد قریب۔۔۔الف ٹیڑھا کردے بندہ تو نہ بندے کو اللہ کا پتہ ہوگا نہ اللہ بندے کی خبر رکھے گا۔''

وہ عجیب انداز میں دادا کے جملے وہاں بیٹھے دہراتا چلا گیا تھا۔کسی معمول کے انداز میں جو سحر زدہ تھا۔ وہاں سٹوڈیو میں کچھ دیر کے لئے سب پر خاموشی چھا گئی تھی یوں جیسے کسی کو مومن سے ایسی وضاحت دے پانے کی توقع ہی نہ ہو۔مومنہ دم بخود اُس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔قلبِ مومن ایسی گفتگو کرسکتا تھا۔ یہ اُس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا مگر وہ جملے جیسے تتلیوں کی طرح اُس کی سماعتوں پر رقصاں تھے اور وہ اُسے دیکھتی جارہی تھی۔وہ اب میوزیشن اور شاعر کے ساتھ ایک بار پھر گفتگو میں مصروف تھا۔اُس نے مومنہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

......☆......

اُس کے کمرے میں اُس vase میں دوسرے رکھے ہوئے سفید گلابوں کے ساتھ ہی دو تازہ سفید گلاب بھی پانی میں رکھے ہوئے تھے۔اُس نے مومن کے دیئے ہوئے اُن پہلے گلابوں کو بھی نہیں پھینکا تھا۔

اُس رات سٹوڈیو سے واپس آکر وہ اُن سفید گلابوں کے سامنے دوبارہ آکر کھڑی ہوگئی تھی۔

''کچھ غلط ہورہا ہے یہ جو بھی ہورہا ہے اور یہ نہیں ہونا چاہیے۔'' اُس نے اپنے آپ سے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔وہ خود کو سرزنش کررہی تھی۔

لیکن مومن کے لفظ نہ اُس کے دل کو چھوڑنے پر تیار تھے نہ ذہن کو نہ اُس کی سماعتوں کو۔۔۔وہ حسنِ جہاں کا کردار ادا کرتے کرتے قلبِ مومن کے سامنے ویسے ہی بے اختیار ہورہی تھی جیسے حسنِ جہاں تھی۔اور وہ بے اختیار ہونا نہیں چاہتی تھی۔

پیار صرف اندھا نہیں ہوتا۔۔۔بہرا بھی ہوتا ہے۔عقل کی کسی دلیل کو نہ مانتا ہے نہ سنتا ہے۔

......☆......

''یہ کہانی ایک لیٹر باکس سے شروع ہوتی ہے جو ایک بچہ بناتا ہے تاکہ وہ اُس کے ذریعہ سے اللہ سے وہ سب کچھ مانگ سکے جو اُس کی خواہش ہے۔''

قلبِ مومن سکرپٹ ہاتھ میں پکڑے سٹول پر بیٹھا پوری کاسٹ کے ساتھ ریڈنگ سیشن کرتے ہوئے الف کی کہانی سکرپٹ کو دیکھے بغیر اُنہیں سنا رہا تھا۔ اور وہ سب اُس کہانی کو سنتے ہوئے جیسے جھوم رہے تھے۔ اور اُنہیں سب میں مومنہ سلطان بھی تھی جو باقی سب کے برعکس قلبِ مومن کی سنائی ہوئی کہانی کے دوران کسی تاثر کے بغیر بیٹھی تھی۔ پینسل سے وہ سکرپٹ کے اوپر لاشعوری طور پر کچھ نہ کچھ بنا رہی تھی اور وہ اُس کی اُلجھن ظاہر کر رہا تھا۔

مومن نے انٹرویل سے پہلے کا ایک ایک سین جیسے زبانی سنایا تھا۔ ڈائیلاگز اُسے رٹے ہوئے تھے۔ کرداروں کے بارے میں ایک ایک بات اُسے ازبر تھی۔ مومنہ یہ نہ جانتی ہوتی کہ یہ اس کی ''آپ بیتی''، تھی کہانی نہیں تو وہ اُس سے متاثر ہو جاتی جیسے وہ سب ہو رہے تھے جو اُس کے جملوں اور سچوشنز کو سُن سُن کر سر دُھن رہے تھے۔

''کمال انٹرویل ہے مومن بھائی۔۔۔ audience کو ہلنے نہیں دے گا سینما سے۔۔۔ تو انٹرویل پر کہانی کے ولن سلطان کی اینٹری ہوتی ہے۔ اور وہ اس گھر کا سکون تباہ و برباد کرنے والا ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟'' عباس نے تالیاں بجاتے ہوئے جیسے مومن کو انٹرویل سے پہلے تک کے سکرپٹ پر داد دی تھی اور پھر پوچھا تھا اور مومنہ اپنے باپ کے نام پر جیسے کٹ کر رہ گئی تھی۔

''ہاں۔۔۔ اور اب ذرا سلطان کے کریکٹر کو بھی ڈسکس کر لیتے ہیں۔'' مومن نے عباس کو جواب دیتے ہوئے زیاد سے کہا تھا جو سلطان کا رول کر رہا تھا۔

''عالیہ کا میک اپ آرٹسٹ رہا ہے وہ اور صرف میک اپ آرٹسٹ نہیں اُس کا بوائے فرینڈ بھی جو اُس کی شادی عالیان سے کبھی نہیں ہونے دینا چاہتا۔ ایک بے حد شاطر انسان جس نے عالیہ کو ہمیشہ exploit کیا۔ اُس کو اُس کی فیملی کی طرح کمائی کا ذریعہ سمجھا اور اُس سے بہانوں بہانوں سے پیسہ لوٹتا رہا اور عالیہ ہمیشہ یہ سمجھتی رہتی ہے کہ سلطان اُس سے سچی محبت کرتا تھا۔''

قلبِ مومن سلطان کا کردار وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا تھا اور مومنہ کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

''عالیہ اتنے سالوں کی غربت کی زندگی میں رہنے کے بعد دوبارہ گلیمر کی دنیا میں واپس جانا چاہتی ہے اور اس کے لئے وہ اپنے شوہر کو دھوکہ دیتے ہوئے ایک بار پھر سلطان کا سہارا لیتی ہے۔'' مومن اپنی بات جاری نہیں رکھ سکا تھا۔ مومنہ نے مداخلت کی تھی۔

''میرا ایک سوال ہے۔'' قلبِ مومن نے چونک کر اُسے دیکھا تھا۔

''جی مومنہ۔۔۔کہیے۔'' مومن نے اُس سے کہا تھا۔

''مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا کہ جو عورت اپنے بچے کا زخم نہ دیکھ سکے اور اُس کے ہاتھ سے لگنے والی چوٹ کو بھی ہنس کر سہہ جائے وہ اتنی کمزور کیسے پڑ گئی کہ اُسے سلطان کی ضرورت محسوس ہونے لگی؟'' مومنہ نے سکرپٹ میں ایک شروع کے سین کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

''Point تو valid ہے باس۔۔۔عالیہ کی کچھ سمجھ نہیں آرہی۔۔۔وہ عالیان اور عبداللہ کے بارے میں پاگل ہے اور پھر بھی دھوکہ دے گی اُن دونوں کو۔'' عباس نے یک دم مومنہ کے اعتراض پر اُس کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا۔

''عورتیں جذباتی اور کمزور ہوتی ہیں۔خاص طور پر شوبز کی عورتیں۔۔۔بھٹک جاتی ہیں۔گھر بنانا صرف خاندانی عورتوں کا کام ہوتا ہے۔۔۔بُرا مت منائیے گا مومنہ جی۔'' سلطان کا رول ادا کرنے والے اداکار زیاد نے کہنا شروع کیا تھا اور بات کرتے کرتے اُسے اچانک مومنہ کا خیال آیا تھا اور اُس نے کچھ گڑبڑا کر آخری جملے میں اُس سے معذرت کی تھی۔

''نہیں نہیں۔۔۔معذرت کی کیا ضرورت ہے یہ جملے اتنی بار سُنے ہیں اپنے بارے میں کہ اب ان کا زہر بھی امرت کی طرح لگتا ہے۔۔۔آپ کیوں شرمندہ ہو رہے ہیں۔'' مومنہ نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ زیاد سے کہا تھا اور پھر مومن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''عورت ہوتی تو بھٹک جاتی ماں نہیں بھٹکتی۔۔۔وہ صرف exploit ہوتی ہے تو بچے کے لئے۔۔۔ہوسکتا ہے عالیہ بھی ہوئی ہو۔اپنے بچے کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے۔۔۔ہوسکتا ہے وہ اپنی کوئی چیز بیچنا چاہتی ہو اس لئے بلایا ہو اُس نے سلطان کو۔'' مومن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اُس نے کہا تھا۔

قلبِ مومن کو اُس کی آنکھوں کے تاثر نے پریشان کیا تھا۔وہ کہانی اُس نے لکھی تھی وہ اُس کے کرداروں کا motive کیسے جان سکتی تھی۔۔۔؟ وہ رائے دے رہی تھی مشورہ یا اُس سے پوچھ رہی تھی۔۔۔مومن کو سمجھ نہیں آیا تھا۔

''کیا بیچتی وہ۔۔۔؟ اُس کے پاس نقلی زیور کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔'' اُسی طرح اُسے دیکھتے ہوئے مومن نے اُسے جواب دیا تھا۔

''ہوسکتا ہے وہ تصویریں بیچی ہوں جو عالیان نے اُس کی محبت میں بنا کر اُس گھر کی دیواروں پر سجائی تھیں۔''

وہاں کچھ دیر کے لئے خاموشی چھائی تھی۔قلبِ مومن کا دماغ جیسے بھک سے اُڑا تھا۔وہ کن تصویروں کی بات کررہی تھی؟ اُس کے ذہن کے کینوس پر جیسے کوئی یادلہرائی تھی۔سلطان کے آنے سے پہلے اپنی اورحسنِ جہاں کی گفتگو۔۔۔

’’آپ تصویریں کیوں اُتار رہی ہیں؟‘‘قلبِ مومن نے حسنِ جہاں کوسلطان کے آنے سے پہلے دیواروں سے تصویریں اُتارتے دیکھ کرحیران ہوکر ماں سے پوچھا تھا۔

’’دیواریں بُری لگ رہی ہیں اس لئے اور یہ تصویریں پرانی بھی ہوگئی ہیں اس لئے۔‘‘

اس کے بار بار سوالوں پرحسنِ جہاں بار بارکوئی اور وجہ بتا رہی تھی اُن تصویروں کے اُتارنے کی۔اُن تصویروں کوسلطان کے جانے کے بعد مومن نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔رقص کرتی ہوئی حسنِ جہاں کی طٰہٰ کے ہاتھ سے بنی ہوئی تصویریں۔

قلبِ مومن نے مومنہ کودیکھا تھا۔وہ اُسے دیکھے بغیر کہہ رہی تھی۔

’’عالیان جیسے خطاط کے ہاتھ سے بنی ہوئی عالیہ کے حسن کوخراج تحسین پیش کرتی ہوئی وہ تصویریں۔۔۔کیا اثاثہ سمجھتی ہوگی عالیہ اُن تصویروں کولیکن اپنے بیٹے کے لئے وہ اُنہیں بھی بیچنے کو تیار ہوگئی۔اپنے بیٹے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے وہ اپنی اور عالیان کی محبت کی نشانی بیچ دیتی ہےتو کیا عالیان غضب ناک نہیں ہوگا۔۔۔ہونا چاہیےاُسے غصے سے پاگل۔۔۔‘‘

قلبِ مومن کے سر میں یک دم درد اُٹھا تھا۔۔۔شدید درد flashes کی شکل میں اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھراُن تصویروں کودیواروں سے اُتارتی ہوئی حسنِ جہاں آئی تھی۔

’’اللہ ہمیں چیزیں کیوں نہیں دیتے۔۔۔جیسے سب کو دیتے ہیں؟‘‘اُس کے کانوں میں اپنی آوازلہرائی تھی۔

’’ہمیں بھی دیں گے۔۔۔‘‘حسنِ جہاں کی پچکارتی آواز۔

’’کب دیں گے؟‘‘اُس کا اصرار۔

’’بہت جلد۔‘‘

قلبِ مومن یک دم اُٹھ کرکھڑا ہوگیا تھا۔

’’میں ایک سگریٹ پی کرآتا ہوں۔‘‘

وہ کسی سے نظریں ملائے بغیر بغیررُکے وہاں سے کہہ کر باہرنکل آیا تھا۔سگریٹ نے اُس کے درد میں کمی نہیں کی تھی۔وہ کسی کو بتائے بغیر وہاں سے گھر آ گیا تھا۔اُس نے اپنا فون بند کر دیا تھا۔سر کا وہ

درد جیسے کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اور ماضی کسی فلم کی ریل کی طرح آوازوں اور شکلوں میں اُس کے اردگرد گھومنے لگا تھا۔۔۔طٰہٰ کا چہرہ، حسنِ جہاں کا چہرہ، اُس کا اپنا چہرہ۔۔۔اور وہ لیٹر باکس۔

......☆......

کاٹیج کے باہر برآمدے میں سات آٹھ سالہ قلبِ مومن لکڑی کے بہت سارے ٹکڑے، کیل اور ہتھوڑی لئے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ لکڑی کے اُن ٹکڑوں کو ایک لیٹر باکس کی شکل میں جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دو ٹکڑوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر اُس نے کیل اُن دونوں ٹکڑوں میں ٹھونکنے کے لئے رکھی اور پھر ہتھوڑی کی پہلی ضرب لگائی اور پہلی ضرب کے ساتھ ہی اُس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی تھی۔ اور چیخ سنتے ہی اندر سے حسنِ جہاں بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ مومن اپنا بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑے ہوئے وہیں بیٹھا رو رہا تھا۔ وہ لپکتی ہوئی آئی اور حواس باختہ اُس کے پاس فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا ہوا۔۔۔؟ کیوں رو رہے ہو مومن؟''

''ممی۔۔۔ممی۔۔۔''

مومن نے ہچکیوں سے روتے ہوئے کچھ کہنے کی بجائے اپنا ہاتھ اُس کے آگے کر دیا تھا۔ اُس کی ایک انگلی خون آلود تھی۔ حسنِ جہاں نے بے اختیار اُس کی اُنگلی پکڑی تھی اور اپنی قمیض کا دامن جیسے اُس کی انگلی کے گرد لپیٹ کر خون روکنے کی کوشش کی۔

''کیا ہوا ہے اُنگلی کو۔۔۔کیا کر رہے تھے تم؟'' وہ روہانسی اُس سے پوچھ رہی تھی۔

''لیٹر باکس بنا رہا تھا۔'' اُس نے ہچکیوں میں کہا تھا۔

''کیا کرنا تھا تم نے لیٹر باکس کا؟'' ایک ہاتھ سے اُس کی انگلی ہاتھ میں پکڑے وہ دوسرے ہاتھ سے اُس کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔

''خط بھیجنا تھا۔'' اُس نے ماں کو بتایا۔

''تو وہ سڑک پر بنے ہوئے لیٹر باکس میں ڈالتے۔'' اُس نے کچھ حیران ہو کر مومن کو دیکھا تھا۔

''وہاں سے نہیں جاتا۔'' ماں کے ہاتھ میں اُس کی انگلی کا درد جیسے تھمنے لگا تھا۔

''کیوں۔۔۔؟ وہاں سے کیوں نہیں جائے گا؟'' اُس کی ماں نے حیران ہو کر اُس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''آپ ہی تو کہتی ہیں کہ اللہ میاں وہاں ہوتے ہیں جہاں کوئی نہیں ہوتا۔'' ہچکیوں اور سسکیوں میں اُس نے جو کہا تھا اُس نے حسنِ جہاں کو خاموش کر دیا تھا۔

''تم اللہ کو خط لکھنا چاہتے ہو؟'' عجیب حیرت کے عالم میں اُس نے بیٹے سے پوچھا تھا اور اُس نے تھمتی سسکیوں کے درمیان سر ہلایا۔

''کیوں؟'' اُس نے مومن سے پوچھا تھا۔

''کیونکہ مجھے اللہ سے بہت ساری چیزیں لینی ہیں۔۔۔ چاکلیٹس۔۔۔کینڈیز۔۔۔ نئے کپڑے۔۔۔جوتے۔۔۔کھلونے۔۔۔سائیکل۔'' وہ اُسے چیزیں گنواتے گنواتے رونا بھول گیا تھا اور حسنِ جہاں اُس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ مومن بچہ نہ ہوتا تو ماں کے چہرے کی بے بسی پڑھ لیتا۔

اُسے اندر لے جا کر اُس کا ہاتھ دُھلوا کر اور اُنگلی پر بینڈ ایج کر کے وہ اُسے واپس برآمدے میں لے آئی تھی۔ میں بنا دیتی ہوں تمہیں لیٹر باکس۔'' اُس نے فرش پر لکڑی کے اُن ٹکڑوں کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اور مومن جب تم اللہ کو خط لکھا کرو تو میرے لئے بھی خط لکھا کرنا۔'' اُس نے لکڑیوں کو ترتیب دیتے ہوئے عجیب سے انداز میں مومن سے کہا تھا۔ جو اُس کے پاس ہی آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا تھا۔

''آپ کے لئے کیا لکھا کروں خط میں؟'' اُس نے کچھ حیران ہو کر ماں سے کہا۔

''دعائیں۔'' حسنِ جہاں نے اُس سے کہا تھا۔

''چیزیں نہیں چاہیے آپ کو؟'' مومن نے جیسے حیران ہو کر ماں سے پوچھا تھا۔

''جیسے زیور۔۔۔کپڑے۔۔۔لپ اسٹک۔۔۔'' اُس کے ذہن میں جو چیزیں آئیں اُس نے جیسے ماں کو بتاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ بے اختیار ہنسی اور اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''چیزیں تمہیں دے دے اللہ اور تمہارے لئے دعائیں وہ میری قبول کر لے۔'' مومن نے ماں کی بات پر غور نہیں کیا تھا اُس کی توجہ اُس لیٹر باکس پر تھی جو حسنِ جہاں اب جوڑنا شروع کرنے کے لئے ہتھوڑی اور کیل اُٹھا رہی تھی۔

''ممی میں چلاؤں گا ہتھوڑی۔'' اُس نے بے اختیار حسنِ جہاں سے کہا تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے رُکی پھر اُس نے ہتھوڑی مومن کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

''یہ لو میں کیل رکھتی ہوں تم ٹھونکو۔'' اُس نے دو ٹکڑوں پر ایک کیل رکھتے ہوئے مومن سے کہا۔ مومن نے بے حد جوش کے عالم میں ہتھوڑی اُس کے ہاتھ سے لی۔ اور پھر وہ اُسے اُٹھا کر اُس کیل پر مارتے مارتے رُک گیا جو حسنِ جہاں پکڑے ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟''حسنِ جہاں نے اُسے رُکتے دیکھ کر پوچھا۔

''آپ کو چوٹ لگ گئی تو۔۔۔؟''مومن نے بڑے فکرمند انداز میں پوچھا۔

''نہیں لگتی۔۔۔تم اتنے زور سے تھوڑی مارو گے۔''حسنِ جہاں نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔

''ممی میں پکڑتا ہوں کیل۔'' مومن جھجک رہا تھا۔اُس نے حسنِ جہاں کے ہاتھ سے کیل پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں بیٹا تم مت پکڑو کیل۔۔۔ چوٹ لگی ہے تمہیں پہلے بھی۔ میں نے پکڑی ہوئی ہے ناتم بس ہتھوڑی چلاؤ۔''حسنِ جہاں نے اُسے کیل پکڑنے نہیں دی تھی۔ مومن نے جھجکتے جھجکتے ہتھوڑی اُٹھائی۔اور پوری قوت سے کیل پر دے ماری۔

......☆......

قلبِ مومن کے کمرے میں اندھیرا ہو گیا تھا۔ کتنا وقت گزرا تھا اُسے اندازہ نہیں تھا۔مگر وہ ٹھیک نہیں تھا۔وہاں آ کر وہاں اکیلے بیٹھ کر بھی وہ اُسی کیفیت میں تھا۔

مومنہ سلطان کون تھی۔۔۔؟اُس کا حسنِ جہاں سے کیا تعلق تھا۔۔۔؟ وہ کیسے سب کچھ جانتی تھی۔۔۔؟اور کیا کیا جانتی تھی وہ۔۔۔؟

اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے قلبِ مومن کو اب اس کے علاوہ کسی اور چیز میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔

......☆......

''بس تو بھی صبح سویرے چل پڑتا ہے۔مجال ہے تجھے پروا ہو۔۔۔ ہاں ہاں پتہ ہے تجھے کام ہے۔۔۔سٹار ہے تو۔۔۔کوئی عام لڑکا تھوڑی ہے تو۔۔۔ پر ناشتہ نہیں کرے گا بیٹا۔۔۔تو صحت خراب ہو جائے گی تیری۔۔۔اور اوپر سے الماری میں کپڑوں کپڑوں کا حال دیکھ کیا کر رکھا ہے تو نے۔۔۔؟ ایسے رکھتے ہیں سٹار اپنے کپڑوں کو۔۔۔اور تو تو صرف سٹار بھی نہیں ہے۔۔۔تو تو ہیرو ہے۔۔۔سارا پاکستان مرتا ہے تجھ پر۔۔۔گھر بھر دیا ہے تیرے فینز نے پھولوں سے ہمارا۔۔۔اور جو یہ تیرا آسکر ایوارڈ ہے نا اسے تو سنبھال سنبھال کر تھک گئی ہوں میں۔۔۔ چھپاتی بھی پھرتی ہوں کہ نظر نہ لگے۔۔۔بُری نظر سے بُری چیز کوئی نہیں۔۔۔''

ثریا مومنہ کے کمرے میں کپڑوں کی الماری کھولے اُس میں سے کپڑے نکال نکال کر تہہ کر رہی تھی اور ساتھ اُسی طرح باتیں کرتی جا رہی تھی اور مومنہ دروازے میں کھڑے اُسے دیکھ رہی تھی۔

وہ ساری کامیابیاں ساری فتوحات ثریا نے جہانگیر کے حوالے سے خوابوں میں دیکھی تھیں وہ آج بھی جہانگیر ہی کی تھیں۔مومنہ سلطان ایک بے معنی چیز تھی ماں اور بیٹے کی اُس محبت کے رشتہ میں۔

وہ اُس کے کپڑے نہیں تھے جنہیں وہ تہہ کررہی تھی وہ جہانگیر کے کپڑے تھے۔اُس کے لئے۔۔۔اُس گھر میں موجود ہر شے اُس کے لئے جہانگیر کی ملکیت تھی۔

''اماں۔۔۔''مومنہ نے اُسے پکارا تھا۔

وہ اُسی طرح اُسے دیکھنے کے باوجود اپنے کام میں مصروف رہی تھی۔

''کس سے باتیں کررہی ہیں آپ؟''مومنہ اُن کے پاس آگئی تھی اور ثریا نے بے حد خفگی سے اُس سے کہا۔

''ایک تو تو روز روز ایک ہی بات پوچھ پوچھ کر تنگ نہیں آتی مومنہ۔۔۔یہ نظر نہیں آرہا تجھے جہانگیر۔۔۔اور کس سے باتیں کروں گی۔''ثریا نے کپڑے تہہ کرتے کرتے جیسے رُک کر اُسے دیکھتے ہوئے جھلا کر کہا تھا۔اور پھر دوبارہ کپڑے تہہ کرتے ہوئے وہ جیسے وہاں موجود شخص سے بات کرنے لگی تھی۔

''بہن کو دیکھ اپنی۔۔۔اسے تو نظر ہی نہیں آتا۔''وہ اب جہانگیر سے بات کرتے ہوئے مومنہ پر ہنس رہی تھی۔

''آئیں چھوڑیں سب کام۔۔۔سو جائیں۔''مومنہ سے برداشت نہیں ہوا تھا۔اُس نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں کام سے روکا تھا۔ثریا نے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''لو بھلا جہانگیر کا کام چھوڑ کر تیرے ساتھ چل پڑوں۔''

''اماں بہت رات ہوگئی ہے۔''

''کوئی بات نہیں تو سو جا۔۔۔تھکی ہوئی آئی ہے۔۔۔مجھے تو جہانگیر کے ساتھ بات کرتے ہوئے نیند کہاں آتی ہے۔۔۔جا تو سو جا۔۔۔جا کر۔۔۔''ثریا نے اپسے پچکارتے ہوئے یک دم کپڑے چھوڑے تھے اور اُسے کمرے سے باہر دھکیلنا شروع کر دیا تھا۔

وہ جیسے اُسے جہانگیر کے کمرے سے نکالنا چاہتی تھی۔اپنے اور جہانگیر کے بیچ میں آنے سے روکنا چاہتی تھی۔

مومنہ مزاحمت کرنا چاہتی تھی مگر اُسے سمجھ میں آئی تھی کہ وہ ماں سے کیسے مزاحمت کرتی۔ثریا نے اُسے دھکیلتے ہوئے کمرے سے نکال دیا اور دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

مومنہ کو دروازہ بند کرتے ہی ثریا کے ہنسنے کی آواز آئی تھی۔

''نکال دیا میں نے اُسے۔۔۔مجال ہے کبھی دو گھڑی مجھے چین سے تیرے پاس بیٹھنے دے۔تو بھی تو ایسا ہی کرتا تھا۔لڑتے رہتے تھے دونوں کہ میرے پاس کون بیٹھے گا۔۔۔پر اب صرف تجھے ہی بٹھاؤں اپنے پاس۔۔۔اس مومنہ کو کوئی خیال اور احساس نہیں ہے میرا۔۔۔آوارہ پھرتی رہتی ہے۔۔۔کبھی اس ملک کبھی اُس ملک۔۔۔یہ نہیں کہ ماں کے پاس گھر میں بیٹھ کر ہانڈی روٹی کرے۔۔۔اگلے گھر بھیجوں گی تو کتنی باتیں سنوں گی اس کے سسرال والوں کی۔۔۔بس تو کوئی رشتہ بتادے فوراً مجھے اس کے لئے۔''

مومنہ نے دونوں ہاتھ دروازے پر رکھ کر ماتھا دروازہ سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

کاش زندگی ویسی ہی ہوتی جیسی اُس کی ماں اندر بُننے کی کوشش کر رہی تھی۔آسکر نہ ہوتا،شہرت اور نام نہ ہوتا وہ ہیروئن نہ ہوتی صرف ''ہیرو'' کی بہن ہوتی اور ہیرو ''جہانگیر'' ہی ہوتا۔وہی رہتا۔۔۔

دروازے سے ماتھا ٹکائے وہ روئی چلی گئی تھی۔کندھے پر رکھے بیگ میں پڑے فون پر آنے والی کال سے بے خبر۔۔۔جو مومن اُسے بار بار کر رہا تھا اور کرتا ہی جا رہا تھا۔

......☆......

''I am so sorry to hear this.۔۔۔مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے؟''

داؤد نے بے حد اپ سیٹ ہو کر اُس سے کہا تھا۔اُسے مومنہ نے کچھ دیر پہلے اُس کے آفس میں آتے ہی ثریا کی بیماری کے بارے میں بتایا تھا۔

''میں نے سوچا کب تک مسئلے ہی لے کر آتی رہوں گی تمہارے اور اقصیٰ کے پاس۔'' مومنہ نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ اُس سے کہا تھا۔

''ایسے بات مت کرو کہ لگے کہ تم واقعی سٹار بن گئی ہو۔'' داؤد نے اُسے جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں سٹار بن گئی ہوں۔۔۔اور سٹار ٹوٹنے کے لئے ہوتے ہیں۔'' مومنہ نے سر جھٹک کر کہا تھا۔

''بکواس مت کرو۔۔۔میں آؤں گا آنٹی کو دیکھنے۔۔۔اُس دن جب میں ملا تھا تو کچھ عجیب لگی تھیں مجھے اُن کی باتیں لیکن میں نے سوچا یہ بڑھاپا ہے۔'' داؤد نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''تم مجھے بس اُس پرانے محلے میں کوئی مناسب سا گھر کرائے پر لے دو۔'' اُس نے داؤد سے کہا تھا۔

''اُس محلے میں کوئی ایسا گھر نہیں ملے گا جو تمہارے stature کے مطابق ہو۔۔۔تم دو سال پہلے کی مومنہ سلطان نہیں ہو اب۔کہ کہیں بھی رہ لو گی۔'' داؤد نے جیسے اُسے سمجھایا تھا۔

''میں وہی مومنہ سلطان ہوں داؤد۔۔۔اور میں کہیں بھی رہ لوں گی۔۔۔ ہر اُس جگہ جہاں میرے ماں باپ رتّی برابر بھی خوش رہ سکیں۔ جہانگیر کو بھول سکیں۔۔۔ یہ مرض میری کامیابی لائی ہے میری ماں کی زندگی میں۔۔۔ میرے پاس وقت ہی نہیں ہے اُن کے ساتھ گزارنے کے لئے۔۔۔ جب وقت تھا تو رزق نہیں تھا اب رزق ہے تو وقت نہیں ہے۔۔۔ اللہ مجھے دونوں چیزیں کیوں نہیں دے دیتا۔''

وہ بات کرتے کرتے یک دم رونے لگی تھی۔ داؤد نے اُسے بے اختیار اپنے کندھے سے لگایا تھا۔

''مومنہ۔۔۔مومنہ۔۔۔علاج ہو جائے گا اس کا۔۔۔تم افورڈ کر سکتی ہو۔۔۔ یہ فیملی ہسٹری میں ہے آنٹی کے۔۔۔تمہاری وجہ سے نہیں آئی یہ بیماری اُن کی زندگی میں۔'' وہ اُسے کندھے سے لگائے تھپک رہا تھا اور بالکل اُسی وقت مومن دروازہ کھول کر اندر آتے آتے رُک گیا تھا۔

دروازے کی جھرّی سے جو منظر اُس نے دیکھا تھا اُس منظر کا پس منظر کیا تھا یہ اُسے جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ مومنہ سلطان کے خلاف اُس کے دل میں یک دم جیسے ایک غبار سا اُٹھا تھا۔ جس تیزی سے اُس نے دروازہ کھولا تھا اُسی تیزی سے وہ دروازہ بند کر کے اپنے آفس میں آ گیا تھا۔ داؤد اور مومنہ دیکھ بھی نہیں پائے تھے کہ دروازہ کو کھول کر بند کرنے والا کون تھا۔

اپنے آفس میں آ کر وہ بھوکے شیر کی طرح آفس میں ٹہلنے لگا تھا۔ اُسے داؤد پر زیادہ غصہ آ رہا تھا یا مومنہ پر اُسے اس وقت سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اور کیوں آ رہا تھا۔ وہ اگر داؤد کے کندھے سے سر ٹکائے ہوئے بھی تھی تو اُسے کیوں تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ کیوں برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اُس کی تھی کیا۔۔۔؟ بھاڑ میں جاتی وہ۔۔۔اور بھاڑ میں جاتی ساری دنیا اور ساری دنیا کی عورتیں۔ کمرے میں ٹہلتے ہوئے اُس نے بے حد تلخی سے سوچا تھا۔

داؤد کی بدقسمتی تھی کہ وہ مومن کی اس کیفیت میں مومنہ کو اُس کے آفس میں لئے چلا آیا تھا۔

''مومن بھائی یہ مومنہ کو سکرپٹ میں کچھ تبدیلیوں پر بات کرنی ہے اور۔۔۔''

داؤد نے دروازہ کھول کر مومنہ کے ساتھ اندر آتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا اور مومن نے بے حد درشتگی سے اُس کی بات کاٹ دی تھی۔

''وہ خود آ سکتی ہے۔۔۔ اور بات کر سکتی ہے۔۔۔تمہاری ترجمانی کی ضرورت نہیں ہے اُسے۔۔۔'' مومنہ اور داؤد نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر داؤد نے بے حد نروس انداز میں کہا۔

''میں۔۔۔سوری۔۔۔ٹھیک ہے مومن بھائی۔۔۔ میں کافی بھجواتا ہوں۔'' وہ بڑے شرمندہ سے انداز میں کہتا ہوا برق رفتاری سے دروازہ کھول کر باہر چلا گیا تھا اور اُس کے جاتے ہی مومنہ نے

بڑے محتاط سے لہجے میں اُس سے کہا۔

''میرا خیال ہے میں شاید غلط وقت پر آ گئی ہوں۔۔۔آپ کا موڈ کسی وجہ سے خراب ہے۔''

مومن نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے اُتنی ہی بدتمیزی کے ساتھ اُس سے کہا۔

''میں کل ساری رات آپ کو فون کرتا رہا اور آپ نے کال ریسیو نہیں کی۔''

مومنہ نے کچھ گڑبڑا کر اُس سے کہا۔

''اوہ۔۔۔سوری۔۔۔میں نے۔۔۔شاید دیکھا نہیں۔''

''دیکھا تو ضرور ہوگا لیکن آپ نے سوچا ہوگا میں فلرٹ کرنے کے لئے آپ کو آدھی رات کو کالز کر رہا ہوں۔ کیونکہ فارغ ہوں میں اور آپ کے ''حسن'' کو resist نہیں کر پا رہا۔''

مومنہ نے ہکا بکا انداز میں اُسے دیکھا تھا۔ وہ بالکل اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اُس کا انداز بے حد جارحانہ تھا۔

''میں دوسروں کے بارے میں اندازے لگانے کی شوقین نہیں ہوں۔'' اُس نے اس بار کچھ خفگی سے مومن سے کہا تھا۔

''آپ کا شوق شاید جھوٹ بولنا ہے۔'' اُس نے اسی انداز میں اُس سے کہا تھا۔

''Excuse me'' مومنہ کو سمجھ نہیں آئی وہ کیا بات کر رہا تھا۔

''مجھے پسند نہیں ہے کہ میرے ساتھ کام کرنے والے لوگ میرے آفس میں افیئر چلائیں اور میرے سٹوڈیو کو ہوٹل سمجھ لیں۔'' مومنہ کو اب بھی اُس کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟'' اُس نے اس طرح مومن کی بات کاٹی تھی۔

''میں داؤد اور آپ کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ بُت بن گئی۔ اُس کا چہرہ سرخ ہوا پھر اُس نے قلبِ مومن کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ دے مارا۔

''تم نے ہر ایک کو حسنِ جہاں سمجھ رکھا ہے کہ کچھ بھی کہو گے کچھ بھی سمجھو گے کچھ نہیں ہوگا۔''

گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی کے عالم میں وہ شعلہ جوالہ بنی مومنہ سلطان کو اپنے آفس سے نکلتا دیکھتا رہا۔ وہ اُس کی زندگی کا پہلا تھپڑ تھا۔ مگر مارنے والی اُسے اُس کی ماں کا طعنہ دے کر گئی تھی۔

......☆......

''ایک جھانپڑ داؤد کو بھی دے مارتیں۔'' سمندر کے کنارے بیٹھے ہوئے اقصیٰ نے بڑی خفگی سے اُس سے کہا تھا۔

''اُس کا کیا قصور تھا؟''مومنہ نے بے ساختہ کہا۔

''اُس نے اپروچ کیا تھا تمہیں اس فلم کے لئے اور میں نے منع کیا تھا تمہیں۔''اقصیٰ نے جیسے اُسے یاد دلایا تھا۔

''اُس نے مجبور نہیں کیا تھا فلم کی کہانی نے مجبور کیا تھا۔۔۔غلطی ہوگئی۔''

سمندر کے پانی میں پتھر پھینکتے ہوئے مومنہ نے اقصیٰ سے کہا۔اُس نے پتہ نہیں پچھلے ایک گھنٹہ میں وہاں بیٹھے ہوئے سمندر میں کتنے پتھر پھینکے تھے اور اقصیٰ اُس کا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔

''قلبِ مومن جیسے لوگ کبھی راہِ راست پر نہیں آتے۔وہ پہلے یہاں ہوتے ہیں پھر وہاں۔یہ جو بیچ کا راستہ ہے نا۔اُنہیں ان پر چلنا نہیں آتا۔''اقصیٰ نے جیسے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

''مجھے لگا آ گیا۔''مومنہ نے ایک پتھر اور پھینکا تھا سمندر میں۔

''اچھا ہوا تمہاری جان چھوٹ گئی۔اب اگلی انٹرنیشنل فلم کرنا،لوکل فلم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔تمہیں یہ فلم سائن کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔''وہ اُس سے کہتی جا رہی تھی۔

''کچھ چیزوں سے جان چھوٹ کر بھی نہیں چھوٹتی۔''ایک اور پتھر پانی میں پھینکتے ہوئے مومنہ نے کہا تھا۔

''مثلاً۔۔۔؟''اقصیٰ نے اُس سے پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے میں پیار کر بیٹھی ہوں مومن سے۔۔۔جیسے حسنِ جہاں طٰہ سے کر بیٹھی تھی۔۔۔غلطی کی نا؟''

اُس نے بھرّائی ہوئی آواز میں اقصیٰ سے کہا اور اقصیٰ ساکت رہ گئی۔مومنہ آہستہ سے اُس کے گلے لگ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔وہ اُسے تھپکنے لگی تھی۔

......☆......

''اتنی بڑی بات آپ نے سوچ بھی کیسے لی مومن بھائی؟مطلب۔۔۔میری شادی ہونے والی ہے اقصیٰ سے اور آپ۔۔۔اور پھر سیدھا مومنہ سے ہی جا کر کہہ دیا۔شک ہوا تھا تو مجھ سے کہتے۔مجھ سے بات کرتے۔آپ سے کتنی بار کہا تھا میں نے وہ Diva نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی Diva کی طرح رہتی ہے۔''

داؤد کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ مومن پر غصہ کرے یا ترس کھائے۔وہ اُس کے سامنے سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔مومنہ کے وہاں سے نکلتے ہی داؤد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اُس کے اور مومن کے درمیان

کچھ ہوا تھا۔مگر جو ہوا تھا اُس کا تعلق اُس سے تھا،اس کا تصور تو داؤد کے فرشتوں نے بھی نہیں کیا ہوگا۔ مومن نے بے حد صاف گوئی اور شرمندگی سے اُسے سب کچھ بتایا تھا۔اور داؤد کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔

''تم مجھے بتا دیتے اُس کی ماں کی بیماری کے بارے میں۔'' بہت لمبی خاموشی کے بعد مومن نے بالاآخر کہا تھا۔

''آپ موقع تو دیتے۔آپ تو چانس ہی نہیں دیتے کسی بات کا۔'' وہ جھلایا تھا۔

''کچھ کر سکتے ہو اب؟'' مومن نے ڈھیٹ بن کر اُس سے کہا تھا۔

''ہاں۔۔۔دُعا!'' داؤد نے بھی اُسی انداز میں کہا تھا۔

''بیٹھ کر کرو پھر۔'' مومن نے اُٹھتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''مومن بھائی مومنہ سلطان نے فلم چھوڑی تو یہ فلم نہیں بنے گی یہ بتا رہا ہوں میں آپ کو۔'' دروازے سے نکلتے ہوئے اُس نے داؤد کو کہتے سنا تھا لیکن جواب دیئے بغیر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

وہ نادم تھا مگر اُس ندامت کے اظہار کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔شاید اُس کے اور مومنہ سلطان کے ستارے ہی نہیں ملتے تھے اور کیوں نہیں ملتے تھے،اُسے یہ جاننا تھا۔

......☆......

وہ سرخ آنکھوں اور سُتے ہوئے چہرے کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور داخل ہوتے ہی پچھتائی تھی۔وہاں سلطان بیٹھا ہوا تھا۔

''آج بہت دیر ہوگئی مومنہ۔''

''جی ابا دیر ہوگئی۔اب سونے جا رہی ہوں آپ بھی سو جائیں۔''

وہ کہتے ہوئے رُکے بغیر اُن سے نظریں ملائے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔اُس نے دُعا کی تھی سلطان نے اُس کی سرخ سوجی ہوئی آنکھیں نہ دیکھی ہوں۔وہ اُس سے کچھ بھی پوچھنے نہ آئے۔دُعا قبول نہیں ہوئی تھی۔

اُس نے کمرے میں آ کر اُس گلاس vase میں پڑے سفید گلاب نکال کر اُنہیں ابھی ڈسٹ بن میں پھینکا ہی تھا جب وہ دروازہ بجا کر اندر داخل ہوا تھا۔

''ابا کوئی سوال نہ پوچھیئے گا۔میں بہت روئی ہوں اب اور رونا نہیں چاہتی۔'' اُس نے سلطان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔

''کس نے رُلایا ہے تمہیں؟'' سلطان کچھ دیر کھڑا رہا تھا۔ پھر کچھ بے چین ہو کر اُس نے مومنہ سے پوچھا تھا۔

''میں حسنِ جہاں ہوں۔ کون رُلائے گا مجھے ابا۔'' اُس کی آنکھیں یک دم آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

''قلبِ مومن!'' سلطان نے بے اختیار کہا تھا۔

''وہ کیوں judge کرتا ہے ہر عورت کو؟ کیوں ہر عورت اُس کی نظر میں حسنِ جہاں ہے؟'' وہ روتے ہوئے باپ سے پوچھ رہی تھی۔

''ہر عورت اُس کی نظروں میں حسنِ جہاں نہیں ہے۔ صرف حسنِ جہاں ہی حسنِ جہاں ہے۔ حسنِ جہاں کا زوال لکھا ہے قلبِ مومن نے اپنے ہاتھ سے۔''

سلطان صوفہ پر بیٹھتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بڑبڑایا تھا۔

''اُس کی وجہ سے خودکشی کی تھی حسنِ جہاں نے؟'' مومنہ نے یک دم پوچھا۔ سلطان نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

''کیسے مری تھی وہ؟'' وہ اُسے کُریدرہی تھی۔

''اس سکرپٹ میں تو لکھا ہے کہ وہ دوسری شادی کر کے خوشی سے جیتی رہی تھی۔'' وہ سلطان سے کہہ رہی تھی۔ یوں جیسے حسنِ جہاں کی داستان کا باقی حصہ سُننا چاہتی تھی۔

''میں نے مارا تھا اُسے۔۔۔ یہ کام میں نے کیا تھا۔'' سلطان بڑبڑایا تھا اور مومنہ جیسے فریز ہو گئی تھی۔

......☆......

''مجھ سے اتنی نفرت ہو گئی ہے مومن کو اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔''

حسنِ جہاں نے سوئے ہوئے قلبِ مومن کو دیکھتے ہوئے جیسے بڑبڑاتے ہوئے وہ خط سلطان کی طرف بڑھایا تھا۔ مومن کا لیٹر باکس خطوں کے ڈھیر کے ساتھ حسنِ جہاں کے سامنے میز پر پڑا ہوا تھا اور وہ ایک کے بعد ایک خط کو اُٹھا کر پڑھتے ہوئے روتے ہوئے سوئے ہوئے مومن کو دیکھتی جاتی تھی جس کے بازو پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔

''وہ بچہ ہے۔ بچوں کو محبت اور نفرت کا کیا پتہ؟'' سلطان نے خط پر ایک نظر ڈالی تھی اور حسنِ جہاں سے کہا تھا۔

’’تم اس کے خط پڑھو سلطان ۔ وہ جانتا ہے وہ مجھ سے نفرت کیوں کر رہا ہے۔‘‘ سلطان کی دلیل نے جیسے اُسے قائل نہیں کیا تھا۔

اس سے پہلے کہ سلطان کچھ کہتا، کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا تھا اور ممتاز اندر آتے ہوئے چلائی تھی۔

’’تماشہ بنایا ہوا ہے تو نے حسنِ جہاں۔‘‘

’’اماں وہ سو رہا ہے۔‘‘

حسنِ جہاں جیسے مومن کی طرف دیکھ کر منت والے انداز میں گڑگڑائی تھی جو ممتاز کی بلند آواز پر کسمسانے لگا تھا۔

’’سو رہا ہے۔ مر تو نہیں گیا۔ میں تیرے لئے رزق تلاش کرتی پھر رہی ہوں اور تو۔۔۔ تجھے مومن کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ فلمیں تجھے مل نہیں رہیں۔ اب یہ پرائیوٹ محفلیں بھی نہیں ہوں گی تو تجھ سے پہلے یہ مرے گا۔۔۔ یاد رکھنا تو۔‘‘ وہ اُسی طرح بلند آواز میں مومن کی طرف ہاتھ لہرا لہرا کر کہتی گئی تھی۔

’’میں نہیں کرنا چاہتی یہ پرائیوٹ محفلیں اماں۔‘‘ حسنِ جہاں نے یک دم خفگی سے کہا تھا۔

’’تو کیا کرے گی تو؟ بتا کیا کرے گی؟ عمر دیکھی ہے اپنی؟ شکل دیکھی ہے؟ تجھ سے آدھی عمر کی لڑکیوں نے انڈسٹری سر پر اُٹھا رکھی ہے اور تو۔۔۔ تو سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو حسنِ جہاں؟ کون ہے تو کہ تیرے لئے آتے رہیں گے لوگ؟‘‘ ممتاز بولتی چلی گئی تھی۔

’’آپا ممتاز۔۔۔!‘‘ سلطان نے جیسے حسنِ جہاں کو بچانے کی کوشش کی تھی۔

’’دفع دور۔‘‘

وہ اُسے پھٹکارتی وہاں سے چلی گئی اور اُس کے جاتے ہی حسنِ جہاں نے مومن کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے بستر میں آنکھیں کھولے لیٹا تھا۔ ممتاز اور حسنِ جہاں کی ساری باتیں یقیناً اُس نے سنی تھیں۔

’’مومن!‘‘ حسنِ جہاں بے اختیار اُس کی طرف لپکی تھی۔ اُس نے کروٹ لیتے ہوئے بستر پر اُس کی طرف پشت کر لی تھی۔

’’مجھے بات نہیں کرنی آپ سے۔۔۔ آپ میری ممی نہیں ہیں۔‘‘ حسنِ جہاں وہیں رُک گئی تھی۔ سلطان لپکا آیا تھا۔

’’بچہ ہے۔ بھول جائے گا۔‘‘ سلطان نے اُس کا کندھا تھپک کر اُس کو تسلی دی۔ حسنِ جہاں نے

عجیب سے انداز میں کہا۔

''ہاں! بچہ ہے۔بھول جائے گا۔'' وہ کیا سوچ رہی تھی، سلطان کو اندازہ نہیں تھا۔

......☆......

اگلے چند ہفتوں میں اُس نے مومن اور سلطان کے لئے ترکی جانے کے انتظامات کیئے تھے اور سلطان کو اُس دن اطلاع دی تھی جس دن اُن دونوں کی سیٹ بک ہوگئی تھی۔ وہ قلبِ مومن کو بتا دینے کے بعد اُس کا سامان پیک کررہی تھی۔

''آپ اُسے بھیج دیں گی تو کیا محبت اور عزت کرنے لگے گا آپ سے؟'' سلطان نے اُسے روکنا چاہا تھا۔

''اُسے لانا ہی نہیں چاہیے تھا مجھے پاکستان۔'' وہ رُکی نہیں تھی۔اُس کا سامان سمیٹتی رہی تھی۔

''بابا کے پاس چھوڑ دینا چاہیے تھا۔''

''وہ بھی غلط فیصلہ ہوتا آپ کا۔۔۔ جیسے یہ غلط فیصلہ ہے۔ایک بوڑھا خطاط اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اُسے کیا بتائے گا اور کیا سکھائے گا۔'' سلطان نے اعتراض کیا تھا۔

''جو بھی بتائے گا حسنِ جہاں سے بہتر بتائے گا۔جو بھی سکھائے گا حسنِ جہاں سے بہتر سکھائے گا۔'' وہ اُس کا سامان پیک کرچکی تھی۔

''اُس پر اتنا یقین کیوں ہے آپ کو؟'' سلطان نے بُرا منایا تھا۔

''حلال کماتے ہیں نا وہ جو میں نہیں کماتی۔وہ قلبِ مومن کو حلال پر پالیں گے جو میں نہیں پال سکتی۔'' سلطان کا دل جیسے خون ہوا اُس کے ان جملوں پر۔

''ایک منٹ لگایا آپ نے اپنی اور میری خون پسینے کی کمائی کو گٹر میں ڈالنے میں۔سب حرام تھا، سب حرام ہے۔ایسی بے رحمی کہاں سے سیکھ لی آپ نے حسنِ جہاں جی؟'' وہ اُس سے لڑنے لگا تھا۔

''اپنی بیٹی کو حسنِ جہاں بناؤ گے سلطان؟'' حسنِ جہاں نے یک دم اُس سے کہا۔وہ بول نہیں پایا۔

''سوچنا پڑ رہا ہے نا؟ بس یہی سوچ پھندہ بن گئی ہے میرے پیروں کا بھی۔ساری زندگی یہی کمایا ہے اور یہی کھایا ہے۔کسی سوال، کسی ضمیر کی چبھن کے بغیر۔۔۔ پر طٰہٰ عبدالعلی نے بیڑا غرق کردیا ہے میرا۔سوال دے دیئے ہیں مجھے۔اللہ سے آشنائی کروادی ہے۔

وہ مجھ سے پیار کرتا ہو نہ کرتا ہو، خوش ہو نہ ہو پر اُس کی طرف جانے والا راستہ نظر آنے لگا ہے مجھے۔اور وہ راستہ یہ نہیں ہے جس پر میں اور تم چل رہے ہیں۔حسن اور جسم کی روٹی بھی کوئی روٹی ہے۔''

وہ روتے ہوئے ہنسی تھی۔

''اب عروج نہیں آئے گا آپ پر حسنِ جہاں جی! اب عروج نہیں آئے گا۔ آپ تو حرام اور حلال کے چکروں میں پڑ گئی ہیں۔ عروج آ کر کرے گا کیا آپ کے پاس؟''

سلطان نے طیش کے عالم میں اُس سے کہا تھا۔ اُسے جیسے پرواہی نہیں تھی۔

''عروج کا اب کرنا کیا ہے میں نے سلطان؟ عروج مجھ سے طٰہٰ لے گیا۔ زوال مومن لے کر جا رہا ہے۔ کون اچھا ہے کون بُرا؟ تم بتاؤ۔''

سلطان چپ ہو گیا تھا۔ وہ ایک محبوبہ اور ماں کا اعترافِ شکست تھا۔ وہ اُس کے سامنے جو بھی دلیل دیتا، ہار جاتا۔

......☆......

''اب میرا کام ختم!''

عبدالعلی کے گھر کے دروازے پر مومن کی اُنگلی اُن کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اُس نے عبدالعلی سے کہا تھا۔ وہ اُن کے اصرار کے باوجود اندر نہیں گیا تھا اور مومن بے حد خوشی کے عالم میں دادا سے ملا تھا۔

''آپ کا سامان آپ کے حوالے۔ اب میں چلتا ہوں۔ میرا بس اتنا ہی کام تھا۔'' اُس نے عبدالعلی سے کہا تھا۔

''حسنِ جہاں کیسی ہے؟'' عبدالعلی نے بے اختیار پوچھا تھا۔

''آپ نے اُنہیں کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ نہ اس دُنیا کا نہ اگلی دُنیا کا۔'' سلطان کو جیسے اُن کے اس سوال نے بھڑاس نکالنے کا موقع دے دیا تھا۔

''مجھ سے حرام حلال کی باتیں کرتی ہیں۔ کہتی ہیں آپ مومن کو حلال پر پالیں گے تو وہ نیک بنے گا۔ نیک بننا اتنا آسان ہوتا ہے کیا؟ کہ حلال کھاؤ اور مومن ہو جاؤ؟'' اُس نے عبدالعلی کو جیسے طعنہ دیا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑے سنتے رہے تھے۔ حسنِ جہاں کے زوال کی داستان بہ زبان سلطان۔

''وہ آ جاتی یہاں۔ وہ کیوں نہیں آئی؟ اس گھر میں اُس کے لئے بہت جگہ ہے۔ میرے پاس اُس کے لئے بہت رزق ہے۔'' سلطان نے عبدالعلی کو غمگین آواز میں کہتے پایا۔

''اس گھر میں طٰہٰ کے ساتھ آنے یا رہنے دیا ہوتا آپ نے تو آج حسنِ جہاں یہیں ہوتی۔ اب یہاں کیسے آئے کیسے رہے وہ؟ آپ چاہتے ہیں روز جیئے روز مرے وہ۔'' سلطان نے اُن سے کہا تھا اور

پھر وہ وہاں سے پلٹ آیا تھا۔

......☆......

''حسنِ جہاں کی کوٹھی تھی، کیسے بیچ دی آپ نے؟''

ترکی سے واپس آتے ہی جو پہلی بجلی سلطان پر گری تھی وہ یہی تھی کہ اُس کی عدم موجودگی میں ممتاز بیگم نے حسنِ جہاں سے کاغذات پر دستخط کروا کر اُس کی کوٹھی کا سودا کرلیا تھا اور سلطان یہ بات پتہ چلنے پر حسنِ جہاں کے منع کرنے کے باوجود ممتاز سے لڑنے پہنچ گیا تھا۔

''تو جو قرضے اس گھر پر چڑھ گئے تھے وہ حسنِ جہاں کا باپ اُتارتا آ کر۔'' ممتاز نے بے حد بدتمیزی سے اُس سے کہا تھا۔

''اتر جاتے قرضے۔ کر رہی ہیں وہ کام۔'' اُس نے ممتاز سے کہا تھا۔

''ختم حسنِ جہاں! اب کوئی کام نہیں۔ کتنے مہینے ہوگئے کوئی ایک پارٹی نہیں ہوئی۔ تو خود جا جا کر پروڈیوسروں کو بلاتا رہا ہے۔ بتا کتنے آئے تیرے دعوت ناموں پر۔'' ممتاز نے تنک کر اُس سے کہا۔

''آپ نے چھوٹی بہن کو سٹار بنا دیا ہے اس لئے کوئی نہیں آتا حسنِ جہاں کے لئے۔ اُس کو پروموٹ کرنے میں لگی ہیں آپ آپا ممتاز حسنِ جہاں کے پیسے پر۔'' سلطان نے تلخی سے اُن سے کہا تھا۔

''آپا ممتاز! وہ بھی بیٹی ہے آپ کی۔ لاکھوں کما کر دیتی رہی ہے۔ اب بُرا وقت آیا ہے تو آپ کیسے چھوڑ رہی ہیں اُسے۔'' سلطان نے یک دم اپنا لہجہ نرم کرلیا تھا۔ وہ اب منت والے انداز میں ممتاز سے بات کرنے لگا تھا۔

''ارے چھوڑ کہاں رہی ہوں؟ مخدوم صاحب سے بیاہ رہی ہوں اُسے۔'' ممتاز بیگم نے بڑے انداز سے کہا تھا۔

''آپا خدا کے لئے مخدوم صاحب سے بیاہنے کی بات نہ کرنا۔ اُن کی حویلی میں گھوڑے، کُتے، عورتیں ہیں اور تینوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور حسنِ جہاں، حسنِ جہاں ہے۔'' اُس نے ممتاز کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''اس عمر میں یہ بھی مل رہا ہے تو غنیمت ہے۔ تو چاہتا ہے کوئی بھی نہ ملے اُسے۔'' ممتاز نے ہتک آمیز انداز میں کہا تھا۔

''میں آگ لگا دوں گا اس گھر کو اگر اس گھر سے کوئی حسنِ جہاں کو نکالنے آیا تو۔'' سلطان اُس کے جملوں پر یک دم آپے سے باہر ہوا تھا۔

ممتاز اُس کے چلانے پر چیخ چیخ کر اپنے ملازموں کو بلانے لگی تھی۔ سلطان کو گالیاں دیتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''تجھے تو کُتوں کے سامنے ڈلواتی ہوں ٹکڑے کروا کر تیرے۔''

اس سے پہلے کہ ملازم آتے اور سلطان پٹتا، حسنِ جہاں بھاگتی ہوئی آکر ماں کے سامنے سلطان کے لئے ڈھال بن گئی تھی۔

''اماں کچھ نہیں کہے گا یہ اب۔ گھر تو بیچ دیا، مجھے بتانا کب خالی کرنا ہے۔ سلطان کو کچھ مت کہہ۔''

''اب اس پالتو کو پٹہ ڈال کر رکھ۔'' ممتاز رعونت سے کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھی اور حسنِ جہاں سلطان کو کھینچتے ہوئے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

''تم بھی چلے جاؤ سلطان۔ تمہارے بیوی بچے ہیں۔ کب تک میرے ساتھ لٹکے رہو گے۔'' اُس نے کمرے میں آتے ہی اُس سے کہا تھا۔

''کوئی ایسا نہیں ہے جو آپ کی حفاظت کرے۔ آپ کو بچالے مخدوم صاحب سے۔'' سلطان یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

''اللہ سے کہا ہے میں نے سلطان، وہ مدد بھیجے گا۔ وہ مدد بھیجے گا۔''

وہ بڑبڑا رہی تھی اور سلطان کو لگا تھا وہ پاگل ہو رہی تھی۔ نہ وہ ولی تھی نہ قطب نہ درویش۔۔۔ اُس کے لئے کون سا معجزہ ہوتا؟ کون سی مدد آجاتی؟ وہ یہ سب اُس سے کہہ نہیں سکتا تھا مگر زندگی میں پہلی بار سلطان نے دُعا کی تھی کہ کوئی مل جائے حسنِ جہاں کو۔ کوئی زندگی کا ساتھی جو حسنِ جہاں کا زوال روک لے۔ اُسے بچالے اُن سب بلاؤں سے جن سے سلطان نہیں بچا پا رہا تھا۔

اور مدد آ گئی تھی۔

......☆......

''عبدالعلی نے ٹکٹ بھجوادی تھی اُس کے لئے ترکی سے۔ اُس کے پاس ترکی کی شہریت تھی۔ ویزہ لینے کی ضرورت نہیں تھی اُسے۔'' وہ عجیب شکست خوردہ بتا رہا تھا۔

''میں نے بھگا دیا اُسے لیکن یہ ڈرامہ رچایا کہ حسنِ جہاں نے سمندر میں کود کر خودکشی کر لی۔ سمندر کے کنارے اُس کا بیگ، جوتے اور اُس بیگ میں خودکشی کا رُقعہ میں رکھ کے آیا تھا اور میں نے ہی اپنے ایک دوست سے کہہ کر اُس کی خودکشی کی خبریں اخباروں میں لگوائی تھیں۔ اُس کی خودکشی کا ڈرامہ نہ رچاتے تو مخدوم صاحب کے آدمی ترکی میں بھی ڈھونڈ لیتے اُسے۔ ممتاز بیگم جان سے مار دیتی مجھے۔ مجھ

پر شک تھا اُسے پر میرا غم دیکھ کر یقین ہو گیا تھا اُسے کہ وہ واقعی مر گئی تھی۔''

مومنہ باپ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ کیا آدمی تھا۔ وہ کیسی محبت تھی۔ قصے کہانیوں والی۔ مومنہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اُس سے کیا کہتی۔

وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی اُنہیں رگڑنے لگتا کبھی پھر دیکھنے لگتا۔

''ترکی میں شادی کر لی تھی اُس نے۔ پھر دوبارہ کبھی رابطہ نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے اُس نے کیا ہو۔ کوئی خط کبھی لکھا ہو میرے نام پر گھر بدل لیا تھا میں نے۔۔۔ اگر کوئی خط آتا بھی تو کہاں آتا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''ابا! کیا تھا حسنِ جہاں میں کہ اس حد تک چلے گئے آپ؟ ایسے کون کرتا ہے کسی کے لئے محبت میں؟'' مومنہ نے باپ سے کہا تھا۔

سلطان نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ اُس کی نظروں میں چمک آئی اور چہرے پر مسکراہٹ۔ پھر اُس نے بڑے فاتحانہ انداز میں مومنہ سے کہا۔

''سلطان!''

''صرف سلطان ہی کر سکتا ہے۔'' مومنہ نے باپ کو جیسے داد دی تھی۔

''کس سے شادی ہوئی تھی آپ جانتے ہیں؟'' اُس نے جاتے ہوئے سلطان سے پوچھا تھا۔

اُس نے کھڑے ہوتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ کیسے پوچھتا کس سے ہوئی؟ اتنا ظلم کیسے کرتا سلطان اپنے آپ پر؟ لیکن میں یہ جانتا ہوں جس سے بھی ہوئی تھی۔۔۔ وہ خوش ہو گی۔ نہ ہوتی تو سلطان کو ضرور پکارتی۔'' اُس نے کہا تھا اور لنگڑاتا ہوا اُس کے کمرے سے چلا گیا تھا۔

وہ محبت کی ایک عجیب داستان تھی جس کا تیسرا نہیں چوتھا کونہ سلطان تھا۔ مومنہ وہاں بیٹھی حسنِ جہاں کی زندگی کی بھول بھلیوں میں سلطان کو ڈھونڈھ رہی تھی۔ اُسے حسنِ جہاں پر عجیب رشک آیا تھا۔ اُس میں کیا تھا کہ اُسے یوں چاہا جاتا۔ کیا تھا کہ وہ یوں چاہی گئی۔

ایک عجیب کھوج تھی جو اُسے حسنِ جہاں کے بارے میں لگی تھی۔ وہ کہاں تھی؟ اور اگر زندہ تھی تو قلبِ مومن سے دور کیوں تھی؟ اور سلطان۔۔۔ سلطان سے دور کیوں تھی؟

......☆......

گھر کے دروازے پر بیل ہونے پر ثریا نے باہر جا کر دروازہ کھولا تھا۔ قلبِ مومن نے اُس کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

''السلام علیکم! یہ مومنہ سلطان کا گھر ہے؟'' ثریا نے اُس کے ہاتھ میں پکڑے سفید گلاب دیکھ کر کہا۔

''ہاں! ہاں اُسی کا ہے۔ پھول دینے آئے ہیں؟'' قلبِ مومن کچھ شرمندہ ہوا۔

''نہیں آنٹی! میں۔۔۔ میرے ساتھ فلم میں کام کر رہی تھی وہ۔''

قلبِ مومن کو اپنا نام لیتے ہوئے عجیب جھجک ہوئی لیکن ثریا نے بے اختیار اُس سے کہا۔

''قلبِ مومن؟'' مومن ٹھٹکا۔

''آپ جانتی ہیں مجھے؟''

''ارے ہاں ہاں! میں مومنہ کی ماں ہوں ثریا۔ میں سب جانتی ہوں۔ اندر آ جاؤ۔''

اُس کا ہاتھ پکڑے وہ اُسے اندر لے آئی تھی۔

''گھر میں کوئی ہے ہی نہیں۔ ملازم چھٹی پر ہے، ڈرائیور مومنہ کو لینے گیا ہے اور مومنہ کے ابا کسی دوست کے گھر گئے ہوئے ہیں۔'' اُس نے مومن کو لاؤنج میں لا کر بٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

''اور آپ پھر بھی مجھے اندر لے آئیں۔ آنٹی یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔'' قلبِ مومن نے جیسے اُسے سمجھایا تھا۔

''کوئی کیا لے جائے گا ہم سے بیٹا؟ عمر کے اس حصے میں اب کسی سے ڈر نہیں لگتا۔ ارے یہ سفید گلاب تم دیا کرتے تھے مومنہ کو۔''

ثریا نے کہتے کہتے اُس کے ہاتھ میں پکڑے سفید گلابوں کو دیکھا اور یک دم جیسے اُسے مومنہ کے کمرے میں vase میں رکھے ہوئے گلاب یاد آئے تھے۔ قلبِ مومن گڑبڑا گیا تھا۔ نہ وہ ہاں کر سکا نا ہی نہ۔

''گلدان میں رکھے رکھتی تھی مرجھائے اور سوکھے ہوؤں کو بھی۔ پھینکنے نہیں دیتی تھی۔ وہ تو اب پھینکنے دیئے ہیں مجھے۔'' ثریا روانی میں بتاتی گئی تھی۔ مومن کے چہرے پر جیسے ایک رنگ آ کر گزرا تھا۔

''لاؤ یہ گلاب رکھ آؤں اُس کے کمرے میں۔'' ثریا نے اُس کے ہاتھ سے گلاب لے لئے تھے۔

''پتہ نہیں آپ کا چہرہ کیوں دیکھا دیکھا لگتا ہے مجھے۔''

مومن کو یہ احساس اُسے دروازے پر دیکھ کر ہو گیا تھا لیکن اندر آ کر اُس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے یہ احساس مزید گہرا ہو گیا تھا کہ وہ ثریا سے مل چکا تھا۔

بچپن میں ایک بار ثریا حسنِ جہاں سے ملنے آئی تھی اور تب قلبِ مومن نے بے حد سرسری انداز

میں اُسے دیکھا تھا۔ وہ اُس وقت ثریا اور حسنِ جہاں کے پاس بیٹھا ہوتا تو آج ثریا کو پہچاننے میں اُسے دقت نہ ہوتی لیکن اس کے باوجود ثریا کا چہرہ اُس کے لاشعور میں کہیں محفوظ ہو گیا تھا۔

......☆......

لاؤنج میں شام کے وقت داخل ہونے پر مومنہ کو وہاں ثریا کے ہنسنے اور گانے کی آواز سنائی دی تھی اور خوف کی ایک لہر اُس کے جسم میں سے گزر کر گئی تھی۔ وہ کیا پھر اُسی کیفیت میں تھی؟ پھر جہانگیر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی؟ مومنہ کچھ دیر کے لئے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے وہیں کھڑی رہی تھی۔

''اب تو سالوں ہو گئے گائے، لیکن تم کہہ رہے ہو تو اس لئے کوشش کر رہی ہوں۔ کیا گاؤں؟ اور کیا گاؤں؟''

اُس نے ثریا کو کہتے سنا۔ وہ لاؤنج کے آخری کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''ارے ہاں سناتی ہوں۔ بس کبھی دل آئے تو سناتی ہوں یہ۔ آج صرف تمہارے لئے۔''

وہ جیسے کسی سے باتیں کرتے ہوئے کہہ رہی تھی اور گلا صاف کرتے ہوئے اُس نے بے حد سریلے انداز میں گانا شروع کر دیا۔

''میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا۔''

مومنہ آگے بڑھ آئی تھی۔ ثریا کی پشت اُس کی طرف تھی اور مومنہ صرف اُسی کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ لاؤنج میں کوئی اور شخص ہو سکتا ہے اور وہ بھی قلبِ مومن۔

وہ ایک تالی کی آواز تھی جس نے مومنہ کو چونکایا تھا اور اُس نے ایک دوسرے صوفہ پر بیٹھے قلبِ مومن کو دیکھا۔ وہ بھی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ثریا کو گانے کے بیچ میں داد دے رہا تھا۔

مومنہ آگے نہیں بڑھ سکی۔ وہ منظر اُس کے لئے اتنا ہی ناقابلِ یقین تھا۔ وہ وہاں کیسے موجود تھا؟

''کمال گایا ہے آپ نے آنٹی؟'' وہ ثریا سے کہہ رہا تھا اور وہ عجیب خوشی کے عالم میں ہنستے ہوئے شرما رہی تھی۔

''نہیں نہیں! تم میرا دل رکھ رہے ہو۔''

''بالکل بھی نہیں! میں نے فون پر ریکارڈ کیا ہے۔ ہیڈ فون ہے آپ کے پاس تو میں آپ کو سناتا ہوں۔ ہیڈ فون لگا کر سنیں۔'' اور یہ کہتے ہوئے اُس نے پہلی بار صوفے کے پار کھڑی مومنہ کو دیکھا اور وہ خاموش ہوا تھا۔

''ارے مومنہ! یہ قلبِ مومن آئے ہیں تم سے ملنے۔ میں ذرا ہیڈ فون لا کر دیتی ہوں انہیں۔ کہہ رہے ہیں فلم میں میرا گانا شامل کریں گے۔'' ثریا نے اُس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے مومنہ کو دیکھا تھا اور زیادہ دلچسپی لئے بغیر روانی میں اُس سے کہتے ہوئے کمرے سے چلی گئی تھی۔

''بیٹھیں!''

مومنہ نے جو کہا تھا، مومن کو اُس کی توقع نہیں تھی لیکن وہ دوبارہ بیٹھ گیا تھا۔ وہ بھی آ کر دوسرے صوفہ پر بیٹھ گئی تھی۔ ثریا کو اُس کے ساتھ خوش دیکھ کر مومنہ کا دل عجیب انداز میں پگھلا تھا۔

''میں معذرت کرنے آیا تھا۔'' قلبِ مومن نے بغیر کسی تمہید کے اُس سے کہا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے بھی شاید اوورری ایکٹ کیا۔'' مومنہ نے جواباً اُس سے کہا تھا۔

وہ اُس کی فلم کی ضرورت تھی اور اگر وہ فلم بچانے کے لئے اپنی انا چھوڑ کر اُس کے پاس آ گیا تھا تو مومنہ کے لئے یہ حیران کن نہیں تھا۔ وہ اس سے زیادہ اپنے گھر پر اُس کے آنے کو کوئی مفہوم دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔

''زندگی میں پہلا تھپڑ کھایا ہے۔ کوشش کروں گا کہ آخری ہو۔'' مومن نے اُس سے کہا تھا۔ وہ اُس کے جملے پر مسکرا دی تھی۔ مومن بھی مسکرایا تھا۔

''حسنِ جہاں کو کیسے جانتی ہیں آپ؟'' مومن نے اگلے ہی لمحہ اُس سے پوچھا تھا۔

''اُس سے کیا تعلق ہے آپ کا؟'' قلبِ مومن نے کُریدا تھا۔ مومنہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ جیسے اُس کے سوال کا کوئی مناسب جواب دینے کے لئے لفظوں کا انتخاب کر رہی تھی۔ لیکن اُسے اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔

''مومنہ!''

قلبِ مومن اور مومنہ نے بیک وقت گردن موڑ کر باہر سے آتے سلطان کو دیکھا تھا اور مومن جیسے کرنٹ کھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اُسے ایک لمحہ لگا تھا سلطان کو پہچاننے میں۔ اور پھر یہ جاننے میں کہ مومنہ سلطان کون تھی۔ سلطان کا چہرہ اُس کے حافظے پر نقش تھا۔

☆......☆......☆


الف
عمیرہ احمد
EPISODE - 12
/RAMZEBEKHUDI
/RAMZEBEKHUDI

قسط نمبر 12

جانِ جہاں!

یہ خط تمہیں حسنِ جہاں نہیں لکھ رہی، قلبِ مومن کی ماں لکھ رہی ہے۔ آج میں نے قلبِ مومن کے وہ خط پڑھے جو اُس نے اللہ کے نام لکھے ہیں۔ تمہیں یاد ہے وہ لیٹر باکس جو میں نے اُسے بنا کر دیا تھا۔ وہ اُسے جنگل میں رکھ آیا ہے اور اُس میں روز خط ڈالتا ہے۔ جو خط آج میں نے پڑھا ہے، وہ اُس کا 30 واں خط ہے۔ اُس نے اللہ سے تمہیں واپس بھیجنے کا کہا ہے۔

تمہارے اور میرے جھگڑے میں قلبِ مومن کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ بوجھ جو تمہارے جانے کے بعد میرے سینے پر آ پڑا تھا، وہ یہ خط پڑھ کر اور بڑھ گیا ہے۔

میں تمہاری مجرم ہوں طہٰ اور میں تمہارے بیٹے کی بھی مجرم ہوں۔ مجھے وہ تصویریں نہیں بیچنی چاہیے تھیں اور بیچتی تو بھی تم سے پوچھ کر بیچنی چاہیے تھیں۔

تم اُس دن سفید گلاب لائے تھے میرے لیے اور قلبِ مومن کے لیے بہت ساری چیزیں۔ تمہارے جانے کے بعد پتہ چلا تھا مجھے، اور یہ بھی یقین ہے تم کو کام مل گیا ہوگا۔ بہت پچھتائی تھی میں تمہارے جانے کے بعد۔ سوچا تھا تمہارے پیچھے عبدالعلی صاحب کے گھر جاؤں اور تمہیں منالوں۔ میں جانتی تھی مجھے چھوڑ کر واپس اُن ہی کے پاس گئے ہو گے لیکن پھر تمہارے لفظ میرے پیروں کی زنجیر بن گئے۔ اُن کی بازگشت ختم ہی نہیں ہوئی تھی۔

میں نے سوچا مجھے تمہارے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔ اگر میں تمہارے اور اللہ کے درمیان آئی ہوں تو مجھے نہیں آنا چاہیے۔ اگر میری وجہ سے تم خطاطی کرنے کے قابل نہیں رہے تو مجھے تمہارے ہاتھوں کی یہ بیڑی اُتار دینی چاہیے۔

پر آج قلبِ مومن کے اس لیٹر باکس نے میری انا کے ہر بُت کو توڑ دیا۔ میں اپنے لیے بے غرض ہوگئی ہوں، بیٹے کے لیے نہیں ہوسکتی۔

یہ خط مومن کے خطوں کے ساتھ عبدالعلی صاحب کے پتے پر بھیج رہی ہوں۔ جانتی ہوں تم وہاں ہو تو تمہیں مل جائیں گے اور جب تمہیں مل جائیں اور تم اُنہیں پڑھو تو آ جانا، تمہارا بیٹا تم سے بہت پیار کرتا ہے۔ مجھ سے کہیں زیادہ۔ تمہارے لیے وہ اللہ کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔ مجھے یقین ہے میرے لیے وہ

کبھی اللہ کو خط نہیں لکھے گا۔ اُسے تمہاری ضرورت ہے۔ مجھے بھی۔۔۔اور کیا کہوں تم سے طٰہ۔۔۔
بس اس بار بھی آنا تو سفید گلاب لے کر آنا۔

تمہاری حسنِ جہاں

......☆......

مومنہ سلطان سے اتنا قریبی رشتہ نکل آئے گا، یہ کبھی قلبِ مومن نے سوچا بھی نہیں تھا۔ مگر یہ اب وہ سوچنا چاہتا بھی نہیں تھا۔ صرف وہی نہیں تھا جس نے سلطان کو پہچان لیا تھا۔ سلطان بھی اُسے اُن ہی نظروں سے دیکھ رہا تھا جن میں شناخت تھی۔

''ارے مجھے تو تعارف ہی نہیں کروانا پڑا تم دونوں کا۔ تم دونوں نے پہلے ہی ایک دوسرے کو پہچان لیا ہے شاید۔'' ثریا بالکل اُسی وقت ہیڈ فون لئے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور قلبِ مومن اور سلطان کو کھڑے دیکھ کر اُس نے جیسے خود ہی سوچ لیا تھا کہ وہ متعارف ہو چکے تھے۔

''آپ کھڑے کیوں ہیں بیٹھ جائیں۔'' سلطان لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا تھا اور اُس نے بے حد نروس انداز میں قلبِ مومن سے کہا تھا۔ قلبِ مومن نے گردن موڑ کر مومنہ کو دیکھا تھا۔ وہ خاموش کھڑی تھی۔ اُس کے چہرے پر کوئی ندامت، کوئی شرمندگی نہیں تھی جو وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس کی غلطی بے شک نہیں تھی۔ سلطان کا جرم تو تھا۔ قلبِ مومن کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔ چیخے چلائے، بھاگ جائے یا سلطان کا گریبان پکڑ لے۔

''ثریا! یہ حسنِ جہاں کے بیٹے ہیں۔۔۔قلبِ مومن۔'' سلطان ثریا کو اُس سے متعارف کروا رہا تھا اور ثریا کے ہاتھ سے ہیڈ فون گر پڑا تھا۔

''ہماری حسنِ جہاں کے؟'' اُس نے عجیب بے یقینی سے دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔ پھر لپک کر مومن کے پاس آئی اور اُس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''وہ آنکھیں، وہی ناک، وہی پیشانی۔ میں کیوں نہیں پہچانی۔ رہ گئی ثریا۔۔۔بس رہ گئی ثریا۔'' وہ قلبِ مومن کا چہرہ دیکھتے ہوئے بے اختیار ہوئی پھر اپنے آپ کو کوسنے لگی۔

مومن پلٹ کر کچھ بھی کہے بغیر صوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔ یہ closure کا وقت تھا یا شاید show down کا۔

سلطان بھی آگے بڑھ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ ثریا رُکے بغیر چائے لینے بھاگی تھی۔ یوں جیسے پہلی بار اُسے احساس ہوا تھا اُس کے گھر پر کوئی بہت اہم مہمان آ گیا ہو۔

''مومنہ نے بتایا تھا مجھے تمہاری کہانی میں میرے کردار کے بارے میں۔'' سلطان نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بات کرنا شروع کی تھی۔

''میں تمہاری کہانی کا ولن نہیں ہوں مومن۔ حسنِ جہاں اور طٰہٰ میری وجہ سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے۔'' مومن نے بے حد خفگی سے اُس کی بات کاٹی تھی۔

''مجھے اُن چیزوں کے بارے میں جھوٹی وضاحتیں نہ دیں جو میں جانتا ہوں۔''

''کیا جانتے ہو تم؟'' سلطان بھی برہم ہوا تھا۔

''میرا باپ تم سے نفرت کرتا تھا۔'' مومن نے آپ سے تم کا فاصلہ پل بھر میں طے کرلیا تھا۔ سلطان اُس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''میں بھی نفرت کرتا ہوں تمہارے باپ سے اور تم سے بھی۔ تو کیا ہوا؟ کیا یہ مجھے مجرم بناتا ہے؟'' سلطان نے جواباً اُتنے ہی کاٹ دار انداز میں کہا تھا۔

''میری بیٹی اُس فلم آڈیشن کے بعد تم سے نفرت کرتی تھی کیا یہ تمہیں مجرم اور گناہ گار بناتا ہے؟'' مومن کو اُس کے جملے اب تپانے لگے تھے۔ وہ صرف حسنِ جہاں اور طٰہٰ کی بات کرتا۔ وہ اُس کی اور مومنہ کی بات کیوں کرنے لگا تھا۔

''تمہیں اپنے گھر پر حسنِ جہاں کے ساتھ دیکھا تھا میں نے اور اُس کے بعد ہمارے گھر میں تباہی آئی تھی۔ تم پھر بھی چاہتے ہو میں تمہارا جھوٹ سن کر تمہیں ولن نہ سمجھوں؟'' مومن نے بے حد تند و تیز لہجے میں اُس سے کہا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لئے جیسے یہ بھول گیا تھا کہ وہ کہاں بیٹھا تھا اور کیا کرنے آیا تھا اور جو کچھ وہ کہہ رہا تھا اُس کا اُس کی فلم پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔

''تم کیا جانتے ہو مومن؟ تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ میں نہیں تھا جس کی وجہ سے حسنِ جہاں اور طٰہٰ الگ ہوئے تھے۔ یہ تم تھے جو اُس گھر کی تباہی کی وجہ بنے۔'' سلطان نے دو بدو اُس سے کہا تھا اور مومنہ نے باپ کو روکنے کی کوشش کی تھی۔

''ابا!'' سلطان نے اُسے بولنے نہیں دیا تھا۔

''بتانے دو مجھے مومنہ۔ یہ اب بچہ نہیں ہے اور نہ ہی میں حسنِ جہاں کہ ہر چیز اس لئے اس سے چھپاتا رہوں کہ اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''میرے ماں باپ مجھ سے شدید محبت کرتے تھے۔ میرے لئے کیوں علیحدہ ہوتے وہ؟ یہ تم تھے سلطان، تمہارے خط اور تمہارا میری ماں کے ساتھ افیئر جو۔۔۔'' سلطان نے بے حد طیش کے عالم

میں اُس سے کہا تھا۔

''ایک بھی لفظ اور مت کہنا میرے اور اپنی ماں کے بارے میں۔ میرا اور اُس کا رشتہ تم جیسوں کو سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ تمہارے باپ کو میرے اور اُس کے رشتے پر شک نہیں تھا۔ خطوں پر اعتراض تھا۔ حسنِ جہاں کے کردار پر شک نہیں کرتا تھا وہ تم کر رہے ہو۔ خوف تھا اُس کو تو یہ تھا کہ میں خط لکھتا رہوں گا تو وہ کبھی نہ کبھی سب کچھ چھوڑ کر واپس پاکستان چلی جائے گی دوبارہ شوبز کی دنیا میں۔ خوف اُسے یہ نہیں تھا کہ وہ میرے ساتھ بھاگ جائے گی۔'' مومن یک دم بے حد غضب ناک اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اُنگلی اُٹھا کر اُس نے سلطان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے کہانیاں مت سناؤ اپنی اور حسنِ جہاں کی عظمت کی۔ کیوں آئے تھے تم ہمارے گھر۔۔۔ کیوں۔۔۔؟''

''تم اللہ کو خط لکھ لکھ کر چیزیں مانگا کرتے تھے نا۔ تمہاری ماں سے برداشت نہیں ہوا وہ۔ مجھے بلوایا تھا اُس نے کہ میں تمہارے باپ کی بنائی ہوئی اُس کی تصویریں یہاں پاکستان لا کر بیچ دوں اور پیسے اُسے بھیج دوں کیونکہ ترکی میں اُن تصویروں کو کوئی نہیں خریدتا اور طٰہٰ سے وہ سب کچھ چھپانا چاہتی تھی۔ وہ بے روزگار تھا اُن دنوں مگر اُسے کبھی وہ تصویریں بیچنے نہ دیتا۔ تمہارے لئے اُس نے طٰہٰ کی محبت کے شاہکار بیچے تھے کیونکہ ماں تھی وہ تمہاری۔ بھول گئی تھی کہ محبوب اور شوہر کیا کر سکتا ہے اُس کے ساتھ۔'' سلطان بولتا چلا گیا تھا۔ قلبِ مومن ہونٹ بھینچے صرف سن رہا تھا۔ وہ اس میں سے کسی بھی بات کا یقین نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا تھا۔ اُس نے سلطان کا گریبان پکڑا تھا۔ مومنہ لپکتی ہوئی آئی تھی اور اُس نے سلطان کا گریبان اُس کے ہاتھوں سے چھڑانے کی کوشش کی۔

''آسان ہے نا قلبِ مومن اُس ماں کو بُرا اور بدکردار سمجھنا جس کا تعلق شوبز سے ہو؟ مشکل ہے نامرد ہو کر اپنے گریبان میں جھانکنا؟'' سلطان نے مذاق اڑانے والے انداز میں مومنہ کو دور دھکیلا تھا۔ یوں جیسے قلبِ مومن کو چیلنج کر رہا تھا۔ یوں جیسے مومنہ کو اس جھگڑے میں نہ آنے دینا چاہتا ہو۔

''70 ہزار روپے میں اپنا گھر بیچ کر میں نے وہ پیسہ حسنِ جہاں اور تمہارے لئے بھیج دیا تھا۔ تمہاری ماں سے یہ جھوٹ بولا تھا کہ وہ تصویریں منہ مانگے داموں بک گئیں تھیں۔ اُسے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں پاکستان میں لوگ اب اُسے بھول گئے تھے۔ وہ سارا روپیہ تم پر خرچ ہوا تھا قلبِ مومن۔ تم یاد کرو طٰہٰ کے اُس دن گھر چھوڑ کر جانے کے بعد بھی تمہاری ماں کہاں سے روپیہ خرچ کرتی رہی تھی تم پر جب تک کر سکی تھی۔''

قلبِ مومن کے ہاتھ سے سلطان کا گریبان چھوٹ گیا تھا۔ اُسے یاد آ گیا تھا۔ طٰہٰ کے جانے کے بعد بھی ایک سال تک حسنِ جہاں اُسے سب کچھ دلاتی رہی تھی جو بھی دلا سکتی تھی۔ اُن کے گھر کا کرایہ کئی مہینوں سے واجب الادا تھا، وہ بھی ادا ہوا تھا اور اُس کے سکول کی فیس بھی۔ اور قلبِ مومن کا خیال تھا حسنِ جہاں وہ سب کچھ اُس کے باپ کے پیسوں سے ہونے والی بچت سے کر رہی تھی۔

اُس کا سر گھومنا شروع ہو گیا تھا۔ تو کیا یہ وجہ تھی کہ بار بار غلطی کا پوچھنے پر بھی دادا خاموش رہتے تھے۔ حسنِ جہاں خاموش رہتی تھی کیونکہ وہ حسنِ جہاں کی غلطی نہیں تھی۔ وہ قلبِ مومن کی خواہشات اور ضروریات تھیں جو اس گھر کو لے ڈوبی تھیں۔ بڑا غلط ہوا تھا قلبِ مومن کے ساتھ اور بڑے ہی غلط وقت پر ہوا تھا۔ سلطان غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ قلبِ مومن کی چھٹی حس نے جیسے سلطان کی ہر بات کی تائید کرنا شروع کر دی تھی۔

وہ تصویریں جو مومن نے ہمیشہ اپنے گھر کی دیواروں پر لگی دیکھی تھیں، وہ سلطان کے اُس گھر میں آنے سے پہلے اُس کی ماں نے اُتاری تھیں اور مومن نے دوبارہ اُن تصویروں کو اُس گھر میں کہیں نہیں دیکھا۔ تب بھی نہیں جب وہ اپنا سارا سامان اُٹھا کر لے آئے تھے اور طٰہٰ کی ساری خطاطی حسنِ جہاں عبدالعلی کو دے آئی تھی۔ تب بھی اُن تصویروں میں وہ تصویریں نہیں تھیں۔ سُرخ لباس میں رقص کرتی ہوئی حسنِ جہاں کی تصویریں۔

ایک لفظ بھی کہے بغیر وہ برق رفتاری سے وہاں سے چلا گیا تھا۔ ثریا جب تک چائے لائی، وہ وہاں نہیں تھا۔

''یہ قلبِ مومن کہاں گیا؟'' ثریا نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔

''وہ چلا گیا امّاں! اب نہیں آئے گا۔'' مومنہ نے سلطان کو دیکھ کر ثریا سے کہا تھا اور پھر سے چلی گئی تھی۔

......☆......

قلبِ مومن کے گھر کی دیوار پر ''اھدنا الصراط المستقیم'' کی وہ خطاطی ویسے ہی لگی ہوئی تھی۔ وہ روز گھر آ کر اُس کے سامنے کچھ دیر کھڑا ہوتا۔ ہر روز صبح گھر سے جاتے ہوئے بھی اس کے سامنے کھڑا ہوتا اور وہ آیت بار بار دہراتا۔ آج وہ اندر آ کر وہاں رُک نہیں پایا تھا۔ وہ سیدھا راستہ جو اُسے نظر آنا شروع ہوا تھا۔ وہ سیدھا راستہ اُسے بہت آزما رہا تھا۔

اپنے بیڈروم میں آ کر وہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ اُس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنی ماں

کے ساتھ کیا کیا تھا اتنے سالوں میں۔ کیا کر بیٹھا تھا وہ۔۔۔ اور کیوں۔۔۔؟ بازگشت تھی کہ تھم ہی نہیں رہی تھی۔ اُس کی فلم کی کہانی اپنی مرضی سے ہیرو اور ولن چُننے لگی تھی۔ وہ جس کو ولن بنا کر چل رہا تھا وہ ہیرو نکلا تھا اور اُس کا ہیرو ولن بن گیا تھا۔ ایک کم ظرف چھوٹے دل کا شخص۔

اُسے حسنِ جہاں یک دم بے پناہ یاد آئی تھی۔ اور وہ لیٹر باکس بھی جس پر خون کا پہلا دھبہ اُس کا تھا۔ دوسرا حسنِ جہاں کا۔

......☆......

ہتھوڑی پوری قوت سے حسنِ جہاں کے ہاتھ میں پکڑی کیل کے بجائے اُس کے ہاتھ پر پڑی تھی۔ وہ چیخی نہیں تھی لیکن تڑپ کر رہ گئی تھی۔ مومن نے خوف زدہ ہو کر ہتھوڑی ہاتھ سے گرائی تھی۔ حسنِ جہاں کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور بہتا ہی جا رہا تھا۔

''ممّی!'' مومن یک دم خوف زدہ ہو کر رونے لگا تھا۔

''بس بس رونا نہیں! تمہارا قصور نہیں ہے میرا ہاتھ ہل گیا تھا۔ جلدی جلدی فرش صاف کرتے ہیں۔ تمہارے بابا آنے والے ہیں وہ خفا ہوں گے۔'' خون آلود ہاتھ کے ساتھ بھی اُس نے مومن کو بچکارتے ہوئے اُٹھ کر وہ چیزیں ایک طرف کر کے فرش پر گرنے والے خون کو ایک کپڑا لا کر صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ طٰہٰ کے آنے سے پہلے اُس نے ہاتھ پر پٹی بھی لپیٹ لی تھی اور فرش بھی صاف ہو گیا تھا مگر طٰہٰ آتے ہی سب سے پہلا سوال اُس کے ہاتھ کو پکڑ کر کیا تھا۔

''یہ کیا ہوا؟''

''بس دیوار پر کیل لگا رہی تھی تو ہتھوڑی لگ گئی۔'' مومن نے ماں کو مسکرا کر طٰہٰ سے کہتے سُنا تھا۔

''بابا! میں نے ممّی کو چوٹ لگا دی۔'' مومن سے جیسے برداشت نہیں ہوا تھا اور اُس نے ایک بار پھر روتے ہوئے باپ سے کہنا شروع کیا تھا۔

''ایسے ہی رو رہا ہے۔ بس بس میری جان مت روو۔ بابا سے کچھ مت کہو۔ مجھے درد نہیں ہو رہا۔''

اُس نے روتے ہوئے قلبِ مومن کو اُٹھاتے ہوئے گلے سے لگا کر جیسے اُس کو تسلی دیتے ہوئے اُس کے کان میں سرگوشی کی تھی اور مومن نے ایک دم رونا بند کرتے ہوئے اپنی انگلی اُسے دکھاتے ہوئے کہا تھا۔

''پر مجھے تو ہو رہا ہے۔'' حسنِ جہاں نے بے اختیار اُس کی اُنگلی چومتے ہوئے کہا۔

''پھر مجھے بھی ہو رہا ہے۔''

......☆......

وہ لیٹر باکس اُس کے ہاتھ میں تھا اور اُس کی کنڈی پر اتنے سالوں کے بعد اُن خون کے دھبوں کو ڈھونڈنا بے وقوفی تھی۔ لیکن مومن کو جیسے لیٹر باکس پر وہ جگہ یاد تھی جہاں پر خون کے دھبے لگے تھے۔ اپنے ہونٹوں سے اُس لیٹر باکس کو چومتے ہوئے اُس نے رونا شروع کیا تھا اور پھر اُسے آنکھوں سے لگائے روتا ہی چلا گیا تھا۔ بلک بلک کر چھوٹے بچوں کی طرح۔ اُسے لگا تھا اُس نے آج بھی اپنی ماں کو چوٹ لگائی تھی۔ اُس کی ماں نے آج بھی چوٹ کو چھپا لیا تھا۔ پر وہ سارا درد جس سے مومن بے حال تھا ،وہ کہاں سے اُبل اُبل کر نکل رہا تھا اُسے سمجھ آ رہی تھی۔

الف کی کہانی اُسے اُس کی اپنی نظروں میں بے وقعت کر دے گی، اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

''I am sorry Mummy I hurt you.'' روتے ہوئے اُس نے جیسے حسنِ جہاں سے معافی مانگی تھی جیسے وہ ہمیشہ بچپن میں غلطی کر کے مانگتا تھا۔ وہ آواز کہیں نہیں تھی جو اُسے ہمیشہ کہہ دیا کرتی تھی۔

''It's alright Momin. It's alright.''

......☆......

''یہ خط دے دینا مومن کو۔'' لفافوں کا ایک بنڈل تھا جو اُس دن سلطان اُس کے کمرے میں لے آیا تھا۔

''یہ کیا ہے ابّا؟''

''مومن کی امانت ہے۔ وہ خط ہیں جو حسنِ جہاں مجھے ترکی سے بھیجا کرتی تھی۔ جو طٰہ سے شروع ہو کر مومن پر ختم ہو جایا کرتے تھے۔ سلطان تو اُس میں کہیں ہوتا ہی نہیں تھا۔'' سلطان نے کھڑے کھڑے عجیب رنجیدگی میں ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''ابّا وہ کیا کرے گا اب ان خطوں کا؟ اور میں کس منہ سے دینے جاؤں گی؟ مجھ سے ملنا نہیں چاہے گا وہ۔''

وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی اور اُس نے سلطان سے کہا تھا۔ وہ قلبِ مومن کا سامنا اب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''اُس سے بس یہ پوچھ آنا مومنہ کہ حسنِ جہاں کہاں ہے۔۔۔ زندہ ہے۔۔۔ کس سے شادی کی تھی اُس نے؟'' سلطان نے جیسے اُس کا انکار سُنا ہی نہیں تھا۔ وہ اُسے کہہ کر کمرے سے چلا گیا تھا۔

مومنہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کرے۔ بڑی مشکل ڈالی تھی اُس کے باپ نے اُسے ایک بار پھر قلبِ مومن کا سامنا کرنے کا کہہ کر۔ ایک بار پھر اپنے دل کو سمجھانا کہ وہ غلطی نہ کرے جو حسنِ جہاں کر بیٹھی تھی۔

......☆......

''یار نہ جاؤ اندر آفس میں۔ مومن بھائی کو پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔ پھر تمہیں کچھ کہہ دیں گے تو میں تم سے نظریں نہیں ملا پاؤں گا'' داؤد نے مومنہ کو روکنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اُس سے ملنے آفس آئی تھی۔

''کچھ نہیں کہوں گی تمہیں داؤد۔ میں شکایتیں کرنے کی عادت نہیں ہوں۔'' اس نے جواباً داؤد کو تسلی دی تھی۔ وہ اس سے کہہ کر مومن کے آفس میں آ گئی تھی۔

دروازہ بجا کر مومنہ اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ اپنے لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں مصروف تھا۔ بے ترتیب بالوں، سرخ آنکھوں، بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ مومنہ نے اسے اس حلیے میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر مومنہ کو دیکھا تھا پھر کام کرتے کرتے اُکتا گیا تھا۔

لیپ ٹاپ چھوڑ کر وہ اپنی آفس چیئر سے اٹھ کر صوفہ پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ چیئر پر پڑی سگریٹ کی ڈبیا اٹھا کر اس نے لائٹر سے ایک سگریٹ جلایا تھا۔ مومنہ اس کے بالکل قریب صوفہ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہونٹوں میں دبے سگریٹ کا کش لیتا۔ مومنہ نے اس کے ہونٹوں میں دبا سگریٹ بہت نرمی سے نکال لیا تھا۔

''نقلی سگریٹ سے اصلی سگریٹ پر کیوں آ گئے ہیں آپ؟ بس لائٹر جلائیں۔'' اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ لائٹر ابھی بھی مومن کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔

''یہ بہت تھوڑی آگ ہے۔ میرے اندر ایک جہنم ہے جس میں سب کچھ جل رہا ہے۔'' لائٹر کو میز پر پھینکتے ہوئے اس نے عجیب لہجے میں اس سے کہا تھا۔ یوں جیسے وہ وہی غم گسار تھی جس کی اسے ضرورت تھی۔ جس سے وہ سب کچھ کہہ پاتا۔ وہ پچھتاوے کی آگ تھی جس میں وہ اس وقت جل رہا تھا اور مومنہ کو یہ بوجھنے کے لیے مومن کی زبان سے کسی اعتراف کی ضرورت نہیں تھی۔

''آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔'' اس نے مومن کو جیسے دلاسہ دیا تھا۔ وہ ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

''میرے علاوہ کس کا قصور تھا؟ میری ماں میرے جیسی اولاد deserve نہیں کرتی تھی۔ کوئی اپنی ماں کے ساتھ وہ سب کیسے کرتا ہے جو میں نے کیا۔ کیسے کر سکتا ہے۔'' وہ اب عجیب تکلیف کے عالم میں اپنی مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ مومنہ کو اس پر ترس آیا۔

''اپنے آپ کو معاف کر دو۔''

''آخری دم تک نہیں کر سکتا۔''

اس نے مومنہ کی بات کاٹ دی تھی۔

''تم سب کچھ جانتی تھیں مومنہ میرے بارے میں اور تم نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ کیوں چھپایا سب کچھ مجھ سے؟'' اس نے مومنہ سے گِلہ کیا تھا۔

''ہر راز امانت ہوتا ہے۔ ہر بھید اپنے وقت پر کھلتا ہے۔ میرے استاد نے کہا تھا اور ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس سب کا یہی وقت تھا۔ وقت سے پہلے سب کچھ کیسے جان لیتے تم؟'' وہ اسے آپ کہتے کہتے تم پر آ گئی تھی۔ کسی پرانے دوست کی طرح۔

''میری خواہشات نے ممی اور بابا کو تباہ کر دیا۔ ان کے گھر کو، ان کی زندگی کو۔'' قلبِ مومن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ وہ جیسے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم بچے تھے، تم معصوم تھے، گناہ گار نہیں ہو تم۔'' مومنہ نے جیسے اس کے زخموں پر کوئی مرہم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے سر جھٹکا تھا یوں جیسے اس نے مومنہ کی بات کو قبول نہیں کیا تھا۔

''اب تو ہوں نا۔ اب تو ہو گیا ہوں نا۔ یہاں مومنہ، یہاں کچھ جلتا ہے اور یہاں۔ اور ہر جگہ میں نے حسنِ جہاں پر ظلم کیا۔ میں نے اپنی ماں پر بار بار ظلم کیا۔'' وہ بمشکل اپنے آنسوؤں کو روک رہا تھا۔ اپنی کنپٹیاں مسلتے ہوئے وہ مومنہ سے کہہ رہا تھا۔ اسے یوں سب کچھ بتا رہا تھا جیسے اسے یقین تھا وہ اس کی کیفیت سمجھتی تھی۔

''تم معافی مانگ سکتے ہو ان سے۔ اگر وہ زندہ ہیں۔'' مومنہ نے یک دم اس سے کہا تھا۔

''نہیں ہیں! She passed away many years ago.'' مومن نے بے ساختہ کہا۔ اس کی آنکھوں سے یک دم آنسو بہنے لگے تھے۔ یوں جیسے وہ ضبط کھو بیٹھا تھا۔ کسی چھوٹے بچے کی طرح۔ آستین سے وہ اپنے آنسو صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ کسی سیلاب کی طرح امڈ سے چلے جا رہے تھے۔

کسی طاقتور آدمی کو ٹوٹتے دیکھنے کے لیے بے پناہ حوصلہ چاہیے اور وہ حوصلہ اور ہمت دکھانا اس وقت مومنہ کو مشکل لگ رہا تھا۔

''ان کی شادی ہو گئی تھی۔ میں نہیں جانتا کس سے، مگر دادا نے کروائی تھی ان کی شادی۔'' وہ اسے کچھ بھی پوچھے بغیر بتاتا چلا جا رہا تھا۔

''تم نے جاننے کی کوشش نہیں کی؟'' مومنہ نے اس سے پوچھا تھا۔

''تب نہیں کی تھی۔ اب کر رہا ہوں اور مجھے لگتا ہے میں جانتا ہوں۔ ایک ہی شخص تھا جس سے دادا پاکستان آ کر ہمیشہ ملا کرتے تھے۔ جس کا نام وہ ہمیشہ لیتے تھے۔ ماسٹر ابراہیم!'' مومنہ کو لگا زمین چند لمحوں کے لیے اس کے پیروں کے نیچے ہلی تھی۔ اسے لگا تھا اس کے دماغ نے کچھ دیر کے لیے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''میں ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں انہیں۔ ڈھونڈ نہیں پا رہا اب تک پر ڈھونڈ لوں گا۔ کم سے کم اب بہت ضروری ہے میرا ان سے ملنا۔'' اس کے تاثرات پر غور کیے بغیر قلبِ مومن اس سے کہہ رہا تھا۔

''ہر راز امانت ہوتا ہے۔ ہر بھید اپنے وقت پر کھلتا ہے۔'' کسی نے مومنہ سلطان کے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' وہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور مومن نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔

''کچھ نہیں! مجھے کہیں جانا ہے۔ یہ ابا نے تمہارے لیے دیے ہیں۔'' اسے اپنے جملوں کی بے ربطگی خود چبھی تھی لیکن مومنہ کو اس وقت اپنے حواس کو قابو میں رکھنا ناممکن لگ رہا تھا۔

''کیا ہے یہ؟'' خطوں کے اس بنڈل کو پکڑتے ہوئے مومن نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''تم کھول کر دیکھ لینا۔'' اس نے کہا تھا اور رکے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی مومنہ اپنا سر پکڑے ہوئے تھی۔ وہ اتنے سالوں سے ماسٹر ابراہیم کے پاس جاتی رہی تھی اور اسے کبھی یہ خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ پر یہ خیال اسے کیسے آ سکتا تھا کہ وہ چوبیس گھنٹے اپنے گھر میں جس حسنِ جہاں کا ذکر اپنے باپ سے سنتی رہتی تھی، وہ ماسٹر ابراہیم کی مرحومہ بیوی تھی۔

اسے یہ اندازہ تب بھی نہیں ہوا تھا یا ماسٹر ابراہیم نے ہونے ہی نہیں دیا تھا جب وہ حسنِ جہاں کی ان تصویروں کو ماسٹر ابراہیم کے پاس بیچنے کے لیے گئی تھی جو سلطان نے کئی سال اپنے پاس رکھے رکھنے کے بعد جہانگیر کے علاج کے لیے پیسہ اکٹھا کرنے کی کوششوں کے دوران اسے دی تھیں اور مومنہ سلطان طٰہٰ کی بنائی گئی ان تصویروں کو لے کر ماسٹر ابراہیم کے پاس گئی تھی۔ وہ تین سال پہلے کی بات تھی۔

''ابا کے پاس یہ پرانی پینٹنگز ہیں۔ ماضی کی ایک ڈانسر اور ہیروئن ہوتی تھی حسنِ جہاں، ان کی تصویریں ہیں یہ۔ ان کے شوہر ایک خطاط تھے ترکی کے۔ انہوں نے بنائی تھیں۔ جہانگیر کے علاج کے لیے اب سب کچھ بیچ رہے ہیں آہستہ آہستہ۔ ابا نے کہا ہے ماسٹر صاحب سے پوچھو ان سے ان کے پاس لوگ آتے جاتے رہتے ہیں آرٹ سکولز سے۔ کیا یہ بک سکتی ہیں؟'' مومنہ نے انہیں رول ہوئی تصویروں کا وہ بنڈل پکڑایا تھا جو وہ بڑے احتیاط سے ایک بیگ میں ڈال کر لائی تھی۔

''اچھا لاؤ میں دیکھوں۔ ہوسکتا ہے کچھ کرسکوں میں۔'' ماسٹر ابراہیم نے اس سے وہ تصویریں لے کر انہیں کھولنا شروع کیا تھا اور وہ پہلی تصویر کو دیکھتے ہی ساکت ہو گئے تھے۔ مومنہ کو لگا تھا ان کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا تھا۔ اس نے کچھ اور سمجھا تھا۔

''پرانی ہوگئی ہیں پڑی پڑی اس لیے ایسی دکھ رہی ہیں۔ ورنہ ابا نے ہمیشہ بڑی حفاظت سے رکھا ہے انہیں۔ کبھی بیچنے کا سوچا بھی نہیں۔ اب صرف جہانگیر کی وجہ سے مجبور ہو گئے ہیں ابا۔ یہ بک جائیں گی نا؟'' مومنہ کو تب لگا تھا وہ شاید تصویروں کی حالت دیکھ کر کچھ عجیب سے ہوئے تھے تو اس نے انہیں جلدی سے وضاحت دینے کی کوشش کی تھی اور پھر آخر میں بڑی آس سے پوچھا تھا۔

''یہ بڑی قیمتی ہیں۔'' انہوں نے سر اٹھا کر مومنہ کو دیکھا تھا۔ مومنہ کو ان کی نظروں میں کوئی عجیب سا تاثر نظر آیا۔

''ہاں! ابا بھی یہی کہتے ہیں مگر اتنی قیمتی ہوتیں تو ابا انہیں بیچ کر کوئی کاروبار کر لیتے۔ یا پہلے جب جہانگیر بیمار ہوا تھا تبھی کچھ کر لیتے۔'' مومنہ نے ان کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارے ابا کا؟'' انہوں نے مومنہ سے پوچھا تھا۔

''حضور بخش نام ہے اصلی مگر فلم انڈسٹری میں حسنِ جہاں کے ساتھ کام کرنا شروع کیا تو اس نے ابا کا نام سلطان رکھ دیا۔ ابا کہتے ہیں وہ کہتی تھی میں حسنِ جہاں ہوں، تمہیں کم از کم سلطان تو ہونا چاہیے۔ تو اب سلطان ہی کہتے ہیں سب ابّا کو۔'' مومنہ نے انہیں بتایا تھا۔

''کاش تم چند سال پہلے یہ تصویریں لے آتیں۔'' وہ عجیب سے انداز میں بڑبڑائے تھے۔

''تو کیا ہوتا؟'' مومنہ حیران ہوئی تھی۔

''میں کچھ کرسکتا۔'' انہوں نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

مومنہ فکرمند ہوئی تھی۔

''اب نہیں بکیں گی یہ؟'' اُس نے پریشانی سے کہا تھا۔

''اتنی دولت کسی کے پاس ہوگی کہ یہ خرید سکے۔'' اُسے لگا تھا ماسٹر ابراہیم کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر اُسے اُس کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ اُن تصویروں کو دیکھ کر کہاں روتے۔ وہ خطاطی نہیں تھی قرآنی آیات کی۔ ایک رقاصہ کے رقص کے پوز تھے۔

''مگر میں بیچ دوں گا انہیں مومنہ۔ کچھ نہ کچھ کروں گا۔ تم اپنے ابّا سے کہنا وہ فکر نہ کریں۔'' انہوں نے مومنہ کو تسلی دی تھی اور دوسرے دن اُسے ایک لاکھ روپیہ دیا تھا۔ مومنہ وہ رقم دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''یہ تو بہت سارے پیسے ہیں ماسٹر صاحب۔'' اُس نے ماسٹر ابراہیم سے کہا تھا۔

''بس ایک لاکھ ہیں۔''

''ایک لاکھ بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ یہ اُن تصویروں کے بدلے میں ملی ہے؟'' مومنہ کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں! لینے والے کے پاس صرف اتنے ہی تھے ورنہ وہ اور بھی دیتا۔'' انہوں نے اُس سے کہا تھا۔

''ابّا کو تو یقین نہیں آئے گا۔ اور میں۔۔۔ میں بھی نہیں جانتی تھی کہ یہ اتنی قیمتی ہیں کہ کوئی ان کے لیے ایک لاکھ دے دے گا۔'' مومنہ نے اُن کی بات پر غور کیے بغیر بے حد خوشی کے عالم میں اُن سے کہا تھا۔

''جس نے بنائی ہیں، وہ بہت قیمتی ہے۔ جس کی بنائی ہیں، وہ انمول ہے۔'' ماسٹر ابراہیم نے کہا تھا اور مومنہ کے کانوں میں آج بھی اُن کے یہ جملے گونج رہے تھے۔

اُسے آج یقین تھا وہ رقم انہوں نے اپنے پاس سے دی تھی۔ لیکن کیوں یہ چھپایا اُس سے کہ وہ اُن کی بیوی کی تصویریں تھیں۔ وہ حسنِ جہاں کو جانتے تھے یا وہ صرف حُسنہ کو جانتے تھے، یہ مومنہ کو اُن سے جاننا تھا۔

......☆......

اُن کے گھر داخل ہوتے ہوئے مومنہ کے کانوں میں ماسٹر ابراہیم کی آواز گونج رہی تھی۔

''میں نے کہاں آنا تھا پاکستان، جوانی میں بھاگا تھا یہاں سے یورپ کے چکر میں۔ پر بس پہلے عبدالعلی صاحب کی صحبت ملی پھر حسنہ کا ساتھ تو دُنیا اور آخرت دونوں سنور گئیں میری۔'' انہوں نے اُسے ایک بار بتایا تھا۔

''ایک عورت کے کہنے پر چل پڑے آپ پاکستان؟'' مومنہ کو تجسس ہوا تھا۔

''نیک عورت کے کہنے پر۔'' انہوں نے جواباً عجیب تعظیم کے ساتھ حُسنہ کا ذکر کرنا شروع کر دیا تھا۔

''نیک عورت کا ساتھ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ میں سوچتا ہوں میں نے کیا نیکی کی کہ اللہ نے مجھے اس نعمت کے لائق سمجھا۔'' ماسٹر ابراہیم اُس کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ ایسے ہی اشکبار ہوئے تھے۔

''حسنہ نے کہا پاکستان چلتے ہیں۔ میں پاکستان آ گیا۔ پھر ایک دن مسجد میں قاری صاحب

نے ایک قرآن تھما دیا مرمت کے لیے۔ میں اور حُسنہ گھر میں ہی اُسے ٹھیک کرنے بیٹھ گئے۔ اُسے واپس مسجد دینے گئے تو قاری صاحب نے چند قرآن اور تھما دیئے۔ بس پھر یہی کام کرنے لگے ہم دونوں میاں بیوی۔ پھر پتہ نہیں مرمت کے لیے اللہ اور مددگار بھی بھیجنے لگا۔ حسنہ نے اپنے مہر کی رقم سے یہ کام شروع کروایا تھا اور وہ رقم اب تک بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے، ختم ہی نہیں ہوتی۔

ایک صندوق میں پیسے رکھے ہیں وہ۔ میں اُسے اُس میں رکھ دیتا ہوں۔ اتنے سال ہو گئے بس اُس کی وہ مہر کی رقم جوں کی توں چلی آ رہی ہے ورنہ میں سوچتا تھا جب یہ ختم ہو جائے گی تو کیا کریں گے ہم؟ کام زیادہ بڑھا لیا ہے وسائل اُتنے ہیں نہیں۔ یہ یورپ تو تھا نہیں جہاں دو منٹوں میں لاکھوں بنا لیتا میں۔ پر حسنہ کا مہر بڑا بابرکت والا ہے۔ اسی لیے تو کہتا ہوں بیٹا نیک عورت کا ساتھ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہ نصیب والوں کو نصیب ہوتا ہے۔''

اُس کے کانوں میں ماسٹر ابراہیم کی اپنی بیوی اور اس کام کے حوالے سے کی جانے والی ساری گفتگو آئی تھی اور آج جب وہ سب کچھ جان کر ماسٹر ابراہیم سے ملنے آئی تھی تو ''حسنہ'' کے بارے میں اُن کی ساری باتیں اُس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ وہ حُسنہ جو کبھی ''حسنِ جہاں'' تھی۔

ماسٹر ابراہیم آج بھی اپنے کمرے میں ہی تھے۔ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے۔ مومنہ برآمدے میں رُکے بغیر دروازہ بجا کر اُن کے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔ اُس کا دماغ اس وقت جیسے بھنور بنا ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیا کیا اس بھنور کی گردش میں آ رہا تھا۔

''مومنہ! دیکھو کتنی لمبی عمر ہے تمہاری۔ مجھے ابھی تمہارا ہی خیال آیا تھا اور تم خود آ گئیں۔'' ماسٹر ابراہیم اسے دیکھتے ہی مسکرائے تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھے میز پر ایک خطاطی رکھے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔

''یہ دیکھو!'' انہوں نے مومنہ سے کہا تھا۔

''یہ وہ خطاطی ہے جو عبدالعلی صاحب نے اور میری بیوی کو شادی پر حسنہ کو تحفے میں دی تھی۔'' وہ کہہ رہے تھے۔ مومنہ ان کے پاس دوسری کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے اس خطاطی کو پکڑ کر دیکھا تھا۔

''بے حد خوبصورت! کیا مطلب ہے اس آیت کا؟'' اس نے خطاطی کی گئی آیت کا مطلب پوچھا تھا۔

''اللہ جسے چاہتا ہے چُن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔''

الله يجتبى اليه من يشاء ويهدى اليه من ينيب (سورۃ الشوریٰ: آیت نمبر 13)

انہوں نے بے اختیار کہا تھا۔ مومنہ کو لگا کوئی چیز اُس کے حلق میں پھنسی تھی۔

توحسنِ جہاں بھی اُن لوگوں میں سے تھی جنہیں اللہ نے چن کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

اُس نے حسرت سے سوچا تھا۔

''ماسٹر صاحب! مجھے اپنی بیوی کے بارے میں بتائیں۔'' خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اُس نے ماسٹر ابراہیم سے پوچھا۔انہوں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''حُسنہ کے بارے میں؟'' مومنہ نے سر ہلا دیا۔

''ہمیشہ تو بات کرتا رہتا ہوں۔آج کیوں پوچھ رہی ہو مومنہ؟'' انہوں نے مومنہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔وہ خاموشی سے اُنہیں دیکھتی رہی تھی۔اُس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ ماسٹر ابراہیم اُس سے نظریں نہیں ہٹا سکے تھے۔بہت دیر تک اُسے دیکھنے کے بعد اُس سے نظریں ہٹائے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

''ہر راز امانت ہوتا ہے۔ہر بھید اپنے وقت پر کُھلتا ہے۔'' وہ جیسے جان گئے تھے کہ وہ اُن کے پاس آج کس چیز کی تصدیق کے لیے آئی تھی۔

''آپ جانتے تھے نا کہ حسنِ جہاں ہی حسنہ۔'' مومنہ نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

ماسٹر ابراہیم نے مدھم آواز میں اعترافی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جس دن تم وہ تصویریں لائی تھیں،اُس دن پتہ چلا تھا مجھے کہ حُسنہ،حسنِ جہاں ہے۔عبدالعلی صاحب نے کبھی بتایا ہی نہیں مجھے کہ وہ اُن کی بہو تھی۔اُن کے بیٹے کی بیوہ۔'' وہ بڑبڑا رہے تھے۔

''کیوں نہیں بتایا؟ عبدالعلی اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتے تھے آپ سے؟'' مومنہ کو سمجھ نہیں آئی تھی۔

''جھوٹ بھی تھا تو میں نے معاف کر دیا انہیں۔'' ماسٹر ابراہیم کو جیسے سب کچھ یاد آنے لگا تھا۔ ماضی اُن کی آنکھوں کے سامنے ورق کی طرح اُلٹنے پلٹنے لگا تھا۔

......☆......

دُلہن بنی حسنِ جہاں پر ابراہیم پہلی ہی نظر میں فریفتہ ہوئے تھے۔انہوں نے شادی سے پہلے اُسے دیکھا نہیں تھا اور اب دیکھا تھا تو دنگ رہ گئے تھے۔وہ دُلہن بنی نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

''عبدالعلی صاحب نے مجھے یہ بتایا ہی نہیں کہ آپ اتنی خوب صورت ہیں۔'' اُس نے حُسنِ جہاں سے کہا تھا۔

''آپ کا حُسنِ نظر ہے۔'' اُس نے نظریں اُٹھائے بغیر ابراہیم سے کیا تھا۔

''آپ صرف حُسنہ ہی نہیں، حسنِ جہاں بھی ہیں۔میں بے حد خوش قسمت ہوں۔'' ابراہیم نے

بے ساختہ اُسے سراہا تھا۔ حُسنِ جہاں نے بے اختیار نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا تھا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' ابراہیم نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''ضرور کہیں۔''

''اگر آپ کو پتہ چلے کہ میں نے آپ سے کوئی جھوٹ بولا ہے تو؟''

اُس نے ابراہیم سے ایک عجیب سوال کیا تھا۔ سوچے سمجھے بغیر ابراہیم نے اُس سے کہا۔

''تو میں آپ کو معاف کر دوں گا کیوں کہ آپ کی گواہی عبدالعلی صاحب نے دی ہے۔'' اُس کے جملے پر وہ کچھ عجیب انداز میں ٹھٹھکی تھی۔

''کیا کہا تھا انہوں نے میرے بارے میں؟'' اُس نے ابراہیم سے پوچھا تھا۔

''انہوں نے کہا تھا آپ کا کردار سونے کے کاغذ پر لکھنے کے قابل ہے۔ آپ کی نیکی دُنیا کے تمام خزانوں پر بھاری۔ آپ کی اللہ سے محبت عبدالعلی کی زندگی بھر کی خطاطی سے بڑھ کر ہے۔'' حسنِ جہاں کی آنکھوں میں اُمڈنے والا پانی ہیرے کی کنیوں کی طرح جھلملایا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر اُبھرنے والی مسکراہٹ نے ابراہیم کو کسی معمول کی طرح سحر زدہ کیا تھا۔

''عبدالعلی صاحب نے مجھے مقروض کر دیا۔'' اُس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''آپ کا ہر قرض اُتارنے کی استطاعت رکھتا ہوں میں۔'' ابراہیم نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں لیتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ وہ قرض ہے جو قیامت کے دن بھی اُتار نہیں سکوں گی میں۔'' ابراہیم نے اپنی بیوی کو سر جھکاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ رو رہی تھی اور ابراہیم کو کبھی سمجھ نہیں آیا کہ وہ ساری عمر عبدالعلی صاحب کے ذکر پر رو کیوں پڑتی تھی۔

......☆......

ماسٹر ابراہیم کے سامنے بیٹھے ہوئے مومنہ، حسنِ جہاں کا ذکر سُنتے ہوئے پلکیں بھی نہیں جھپکا رہی تھی۔ سانس بھی نہیں لے پا رہی تھی۔ ماسٹر ابراہیم خاموش تھے۔ اُن کی آنکھوں میں نمی تھی اور مومنہ سوچ رہی تھی کہ وہ کس دُنیا کے لوگ تھے۔ کس کائنات کے رہنے والے تھے۔ عبدالعلی۔۔۔ ماسٹر ابراہیم۔۔۔ اور حُسنِ جہاں۔۔۔

''میری ہی غلطی تھی۔ عبدالعلی صاحب سے کہا تھا میں نے کہ کسی بچے والی عورت سے شادی نہیں کرنا چاہتا میں۔ یہ نہ کہتا تو وہ بتا دیتے مجھے۔ پر بتا دیتے تو پتہ نہیں کیا سوچتا میں۔ پاکستان کی فلم

انڈسٹری کا کچھ پتہ نہیں تھا مجھے اور نہ ہی حسنِ جہاں کا۔لیکن یہ پتہ تھا کہ عبدالعلی صاحب کی بہو ایک رقاصہ اور اداکارہ تھی اور عبدالعلی صاحب کے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اُس نے اُن کا بیٹا چھین کر اور پھر اُن کا پوتا چھین کر۔ میں کبھی بھی یہ یقین کرنے پر تیار نہ ہوتا کہ وہ اچھی عورت تھی۔شاید اس لیے بھی نہیں بتایا مجھے عبدالعلی صاحب نے۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

''ہم سب یہی کرتے ہیں نا، انسانوں کے بارے میں اپنے گمانوں پر چلتے ہیں۔ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے کہ ہم غلطی کر کے بدل سکتے ہیں تو دوسرا بھی غلطی سے سیکھ سکتا ہے۔توبہ کے دروازے پر کسی ایک انسان کا نام تو نہیں لکھا ہوتا۔''انہوں نے مومنہ سے کہا تھا اور وہ اُسی طرح گنگ بیٹھے اُن کا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔ وہ کیا کہتی۔ وہ کیا کہہ سکتی تھی۔

''آپ نے عبدالعلی صاحب کو کبھی نہیں بتایا کہ آپ سچ جان گئے تھے؟'' اُس نے مدھم آواز میں ماسٹر ابراہیم سے پوچھا۔انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیسے بتاتا؟ وہ نگاہ نہیں ملا پاتے مجھ سے۔۔انہوں نے حسنِ جہاں نہیں دی تھی مجھے، انہوں نے تو حسنہ ہی دی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں ویسی عورت نہیں دیکھی۔ اب سوچتا ہوں میں اگلی دُنیا میں جاؤں گا تو کیا کروں گا؟ حسنِ جہاں طٰہ کے ہوتے ہوئے میرے پاس کیسے آئے گی۔تم نے پوچھا تھا نا میری بیوی کیسی تھی؟''انہوں نے مومنہ سے کہا تھا۔

''اُس کا کردار سونے کے کاغذ پر لکھا جانے والا۔اُس کی نیکی دُنیا کے تمام خزانوں پر بھاری۔ اُس کی اللہ سے محبت ماسٹر ابراہیم کے عشق سے بڑھ کر۔'' آنسو موتیوں کی طرح ماسٹر ابراہیم کی آنکھوں سے گر رہے تھے اور سیلاب کے ریلے کی طرح مومنہ سلطان کی آنکھوں سے۔ وہ کسی اور دُنیا میں آ کر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اسی دُنیا میں رہ جانا چاہتی تھی۔

......☆......

''ابّا! آج میں حسنِ جہاں کے شوہر سے مل کر آئی ہوں۔'' سلطان لاؤنج میں آتے ہوئے چلنا بھول گیا تھا۔اُس نے بے یقینی کی کیفیت میں مومنہ کو دیکھا تھا جو ابھی گھر آئی تھی۔

''کون؟ کون ہے وہ؟'' اٹکتے ہوئے اُس نے پوچھا تھا۔

''وہی ماسٹر ابراہیم صاحب جن کے پاس میں جاتی ہوں۔عبدالعلی صاحب نے ان ہی سے شادی کروائی تھی اُن کی۔''مومنہ نے مدھم آواز میں کہا۔

سلطان کے چہرے کی رنگت بدلی تھی۔

''اور حسنِ جہاں۔۔۔وہ۔۔۔وہ مرگئی نا؟'' اٹکتے ہوئے سلطان نے یوں پوچھا تھا جیسے سوال کا جواب وہ پہلے ہی جانتا تھا۔مومنہ نے آنکھوں میں چمکتے پانی کے ساتھ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں! وہ حسنہ بن گئی۔'' سلطان کے ہونٹ پھڑ پھڑانے لگے۔ پھر اُس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔مومنہ کی آنکھوں کی طرح۔

......☆......

جانِ جہاں!

یہ خط تمہیں حسنِ جہاں نہیں لکھ رہی۔قلبِ مومن کی ماں لکھ رہی ہے۔آج میں نے قلبِ مومن کے وہ خط پڑھے جو اُس نے اللہ کے نام لکھے ہیں۔۔۔تمہیں یاد ہے وہ لیٹر باکس جو میں نے اُسے بنا کر دیا تھا۔وہ اُسے جنگل میں رکھ آیا ہے اور اُس میں روز خط ڈالتا ہے۔جو خط آج میں نے پڑھا ہے۔وہ اُس کا 30 واں خط ہے۔اُس نے اللہ سے تمہیں واپس بھیجنے کا کہا ہے۔

تمہارے اور میرے جھگڑے میں قلبِ مومن کا کوئی قصور نہیں تھا۔وہ بوجھ جو تمہارے جانے کے بعد میرے سینے پر آپڑا تھا۔وہ یہ خط پڑھ کر اور بڑھ گیا ہے۔

میں تمہاری مجرم ہوں طٰہٰ اور میں تمہارے بیٹے کی بھی مجرم ہوں۔ مجھے وہ تصویریں نہیں بیچنی چاہیے تھیں اور بیچتی تو بھی تم سے پوچھ کر بیچنی چاہیے تھیں۔

تم اُس دن سفید گلاب لائے تھے میرے لیے اور قلبِ مومن کے لیے بہت ساری چیزیں تمہارے جانے کے بعد پتہ چلا تھا مجھے، اور یہ بھی یقین ہے تم کو کام مل گیا ہوگا۔ بہت پچھتائی تھی میں تمہارے جانے کے بعد۔سوچا تھا تمہارے پیچھے عبدالعلی صاحب کے گھر جاؤں اور تمہیں منالوں۔ میں جانتی تھی مجھے چھوڑ کر واپس اُن ہی کے پاس گئے ہوگے لیکن پھر تمہارے لفظ میرے پیروں کی زنجیر بن گئے۔اُن کی بازگشت ختم ہی نہیں ہوئی تھی۔

میں نے سوچا مجھے تمہارے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔اگر میں تمہارے اور اللہ کے درمیان آئی ہوں تو مجھے نہیں آنا چاہیے۔اگر میری وجہ سے تم خطاطی کرنے کے قابل نہیں رہے تو مجھے تمہارے ہاتھوں کی یہ بیڑی اُتار دینی چاہیے۔

پر آج قلبِ مومن کے اس لیٹر باکس نے میری انا کے ہر بُت کو توڑ دیا۔ میں اپنے لیے بے غرض ہوگئی ہوں بیٹے کے لیے نہیں ہوسکتی۔

یہ خط مومن کے خطوں کے ساتھ عبدالعلی صاحب کے پتے پر بھیج رہی ہوں۔ جانتی ہوں تم

وہاں ہوتو تمہیں مل جائیں گے اور جب تمہیں مل جائیں اور تم اُنہیں پڑھو تو آ جانا تمہارا بیٹا تم سے بہت پیار کرتا ہے۔ مجھ سے کہیں زیادہ۔۔۔تمہارے لیے وہ اللہ کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔ مجھے یقین ہے میرے لیے وہ کبھی اللہ کو خط نہیں لکھے گا۔ اُسے تمہاری ضرورت ہے۔۔۔ مجھے بھی اور کیا کہوں تم سے طٰہٰ۔۔۔

بس اس بار بھی آنا تو سفید گلاب لے کر آنا۔

تمہاری حسنِ جہاں

......☆......

قلبِ مومن کے ہاتھ میں وہ خط لرزنے لگا تھا۔ پھر اُس پر اُس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ اُس کے سامنے میز پر خطوں کا ایک ڈھیر تھا جو وہ پڑھ رہا تھا اور یہ وہ آخری خط تھا جس کے بعد دادا اُس کی زندگی میں آئے تھے اور وہ سارے خط اتنے سالوں سے سلطان کے پاس پڑے رہے تھے۔

اُس نے اُس خط پر لکھے ہوئے اپنی ماں کے نام کو انگلیوں سے چھوا تھا۔ پھر ہونٹوں سے اُس نے لکھا تھا۔ وہ طٰہٰ کو حسنِ جہاں سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اُس نے طٰہٰ کے لیے اللہ کو خط لکھ دیا ہے وہ حسنِ جہاں کے لیے کبھی نہیں لکھے گا۔ وہ ماں کو کیا بتاتا، وہ حسنِ جہاں کے لیے اللہ کو کتنے خط لکھتا رہا تھا۔ کتنے خط۔۔۔ وہ حسنِ جہاں کو کیا بتاتا وہ اُس کی جانِ جہاں تھی۔ قلبِ مومن اُس کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔ قلبِ مومن جو کرسکتا تھا اُس نے کر دیا تھا۔

......☆......

''دادا۔۔۔دادا۔۔۔! امی آئی ہیں کیا؟ مجھے ناصر نے بتایا ہے۔''

اپنی سائیکل تقریباً پھینکتے ہوئے وہ ایک ہی چھلانگ میں سُرخ چہرے اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ برآمدے میں کھڑے عبدالعلی کے پاس آیا تھا۔ اُسے ہمسائے میں رہنے والے کسی دوست نے حسنِ جہاں کے آنے کی خبر دی تھی اور قلبِ مومن خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔

لیٹر باکس میں اللہ کو بھیجے ہوئے خط کا جواب اتنی جلدی آئے گا اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''مومن! ایک بات بتاؤ'' دادا نے اُسے اندر جانے سے روکتے ہوئے اُس سے پوچھا تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

''تم اپنی ممّی سے کتنا پیار کرتے ہو؟'' اُس نے اُن کو اُلجھ کر دیکھا تھا پھر بازو پھیلا دیئے۔

''اتنا ڈھیر سارا'' دادا نے جیسے مطمئن ہوتے ہوئے سر ہلایا۔

''پھر تم اُن کے لیے ایک کام کرسکتے ہو؟'' دادا نے اُس سے پوچھا تھا۔

''کیا؟'' مومن نے فوراً کہا تھا۔ اُسے یقین تھا وہ اُسے جنگل سے پھول لانے بھیجیں گے اور وہ بھاگ کر لے آئے گا ہوا کی رفتار سے سائیکل چلاتے ہوئے۔ یا پھر کھانے کی چیزیں منگوانے کے لیے بھیجیں گے۔ وہ وہ بھی بھاگ کر لائے گا بیکری سے۔ ڈھیر ساری چیزیں جو ممّی کو پسند تھیں۔ مومن نے دل ہی دل میں فہرست بنائی تھی۔

''تم اُن سے مت ملو۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی ہیں ابھی چلی جائیں گی۔'' عبدالعلی نے اُس سے کہا تھا۔ قلبِ مومن کا چہرہ پھیکا پڑا۔

''لیکن کیوں نہ ملوں؟'' وہ بے چین ہوا۔

''کیوں کہ تم اگر اُن سے ملو گے تو وہ اُس انکل کے ساتھ نہیں جائیں گی جن کے ساتھ اُن کی شادی ہوئی ہے۔'' انہوں نے اُس سے کہا تھا۔

''شادی؟'' مومن نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا تھا۔

''ہاں! تم چاہتے تھے نا کہ تمہاری ممّی کے پاس بہت ساری چیزیں ہوں۔ بہت سارے کپڑے، زیور۔۔۔ سب کچھ۔۔۔'' عبدالعلی نے عجیب بہلانے والے انداز میں اُس سے پوچھا تھا۔

''ہاں!'' بے حد سادگی سے اُس نے سر ہلایا تھا۔

''تو پھر تم میری بات مان لو۔'' عبدالعلی نے اُس سے کہا۔

''اور اگر میں اُن سے نہیں ملوں گا تو اُن کے پاس سب کچھ آجائے گا؟'' مومن نے یک دم پوچھا تھا۔ عبدالعلی نے سر ہلایا تھا۔

''اور ممّی کبھی روئیں گی بھی نہیں؟'' مومن نے مزید سوال کیا تھا۔

''نہیں روئیں گی اور ہمیشہ خوش رہیں گی۔ تم چاہتے ہو نا وہ ہمیشہ خوش رہیں؟'' عبدالعلی نے اُس سے پوچھا تھا۔ مومن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اُس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ آنسو اُس کے سر کی جنبش سے گالوں پر لُڑھکے تھے۔ عبدالعلی نے اُسے تھپکا تھا۔

''دادا کیا میں ایک بار اُنہیں دیکھ سکتا ہوں؟ دور سے؟'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں دادا سے پوچھا تھا۔ ایک لمحہ کی ہچکچاہٹ کے بعد عبدالعلی نے کہا تھا۔

''ہاں! لیکن تم رؤو گے نہیں۔'' مومن نے برق رفتاری سے سر ہلاتے ہوئے اپنے آنسو آنکھوں سے رگڑے تھے۔

''نہیں رووٗں گا۔'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں وعدہ کیا تھا۔

......☆......

باہر کی کھڑکی سے قلبِ مومن نے حسنِ جہاں کو اُس کے شوہر کے ساتھ عبدالعلی کے گھر میں پڑے ایک لکڑی کے صوفہ پر بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ بے حد خوش و خرم لگ رہی تھی۔ بے حد خوب صورت کپڑوں میں ملبوس۔ کچھ زیورات پہنے ہوئے اور پھول لگائے ہوئے۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ کبھی اُس کے بابا کے لیے تیار ہو کر لگایا کرتی تھیں۔

کھڑکی سے صرف اُس کا سر اور آنکھیں ہی اوپر تھیں۔ وہ پورا سر نکالتا تو سامنے بیٹھی ہوئی حسنِ جہاں کو نظر آ جاتا اور دادا نے اس سے کہا تھا پھر وہ اُسے چھوڑ کر نہیں جائے گی اور پھر وہ دوبارہ اُداس رہتی اور روتی اور اُن کے پاس وہ ساری چیزیں بھی نہ ہوتیں جواب تھیں۔

قلبِ مومن پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھتے ہوئے جیسے سارے حساب کتاب کر رہا تھا۔ ماں اچھی لگ رہی تھی۔ بہت اچھی۔ اسی طرح جیسے وہ تھی اور اُسے پروا نہیں تھی کہ وہ ساتھ والا آدمی اُس کے باپ کی جگہ لے چکا تھا۔ وہ بس ماں کے لیے خوش تھا مگر غم زدہ بھی۔ اُس کا دل بے اختیار ماں کو آواز دینے کے لیے چاہا تھا مگر شیشے سے اُس کی آواز حسنِ جہاں تک پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے اور دُھندلانے لگیں تھیں اور پھر اُس نے بالآخر پلکیں جھپکا کر آنسو گراتے ہوئے حسنِ جہاں کو نظروں سے اوجھل ہونے دیا۔ کھڑکی سے نیچے زمین پر بیٹھ کر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ اُسے اب اللہ کو کبھی کوئی خط نہیں لکھنا تھا۔

......☆......

تاش کے پتوں کی طرح قلبِ مومن نیم تاریک سٹوڈیو میں بیٹھا اُن خطوں کو ایک کے اوپر ایک رکھ رہا تھا۔ یوں جیسے وہ کوئی کھیل کھیل رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں نم تھیں، سُرخ اور سوجی ہوئی۔ جیسے بہت دیر تک برستی رہی ہوں۔

الف کی کہانی جہاں ختم ہو رہی تھی وہیں سے شروع ہو رہی تھی۔

......☆......

''تم ماسٹر ابراہیم کو جانتی ہو نا؟''

مومنہ نے قلبِ مومن کا نام دیکھ کر کال ریسیو کی تھی اور اُس کے پہلے سوال پر ہی وہ چُپ ہو گئی تھی۔

''ہاں!'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اُس نے قلبِ مومن سے کہا۔

''میرے اُستاد ہیں وہ اور تمہارے دادا نے اُنہی سے شادی کروائی تھی تمہاری ممّی کی۔'' وہ کچھ

دیر خاموش رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔

''میں کل ملنا چاہتا ہوں اُن سے۔تم ساتھ چلو گی یا ایڈریس دو گی؟''

......☆......

ماسٹر ابراہیم کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ مومنہ حیران ہوئی تھی۔

''پتہ نہیں کیوں بند ہے۔ یہ تو نماز کا وقت بھی نہیں ہے۔ میں پوچھتی ہوں ہمسایوں سے۔''

مومنہ نے مومن سے کہا تھا۔ وہ دونوں صبح سویرے ہی ماسٹر ابراہیم کے گھر آ گئے تھے لیکن دروازے پر تالا تھا۔

مومنہ نے ماسٹر ابراہیم کے گھر کے ساتھ والے گھر پر بیل دینا چاہی مگر اُس سے پہلے ہی دروازہ کھول کر ساتھ والوں کا لڑکا باہر نکل آیا تھا جو مومنہ کی وہاں آمدورفت کی وجہ سے اُس سے واقف تھا۔

''یہ ماسٹر صاحب کہاں ہیں؟'' مومنہ نے عادل سے پوچھا تھا۔

''مومنہ باجی اُن کا تو کل شام کو انتقال ہو گیا اور رات ہی کو دفنا دیا اُنہیں۔'' عادل نے بے حد افسردگی سے کہا تھا اور مومنہ اور قلبِ مومن شاکڈ رہ گئے تھے۔ مومنہ کو لگا جیسے کسی نے اُس کی جان نکال دی تھی۔

''طبیعت خراب ہوئی تو مجھے بلایا انہوں نے۔ میں ہی ہاسپٹل لے کر گیا تھا اُنہیں لیکن بس ہارٹ اٹیک ہوا اور ختم ہو گئے۔ گھر کی چابی مجھے دی تھی انہوں نے کہ مومنہ آئے گی تو اُسے دے دوں۔ میں لاتا ہوں اندر سے۔ آپ کا نمبر نہیں ملا مجھے ورنہ آپ کو بھی اطلاع کرتا۔''

عادل کہتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔ مومنہ نے قلبِ مومن کو دیکھا، اُس کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔

وہ جو پردہ عبدالعلی نے رکھا تھا، وہ پردہ رب نے بھی ہٹنے نہیں دیا تھا۔ نہ ماسٹر ابراہیم کا۔۔ نہ عبدالعلی کا۔۔۔ نہ حسنِ جہاں کا۔

......☆......

ماسٹر ابراہیم کے کمرے کا دروازہ قلبِ مومن نے کھولا تھا اور پھر مومنہ کو پہلے اندر جانے کے لیے رستہ دیا تھا۔ مومنہ بہت غم زدہ اندر داخل ہوئی تھی۔ قلبِ مومن نے کمرے میں آتے ہی ماسٹر ابراہیم کی جوانی کی بہت ساری تصویریں دیواروں پر دیکھی تھیں۔ وہ وہی شخص تھا جسے اُس نے عبدالعلی کے گھر پر حسنِ جہاں کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کا ملال بڑھا تھا۔

مومنہ اُس میز کی طرف گئی جہاں وہ پینٹنگ پڑی تھی جسے وہ کل اُسے دکھا رہے تھے اور اُن پینٹنگ کے پاس رول کی ہوئی دوسری کچھ تصویریں بھی۔ مومنہ اُس میز کے پاس پڑی کُرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

اُس فریمڈ پینٹنگ کے اوپر ایک کاغذ تھا اور اُس کاغذ کی تحریر کو مومنہ نے خاموشی سے پڑھنے کے بعد قلبِ مومن کی طرف بڑھایا تھا۔ قلبِ مومن نے وہ کاغذ اُٹھا کر دیکھا تھا۔

''میرے بیٹے قلبِ مومن کے لیے!''

وہ ماسٹر ابراہیم کے ہاتھ کی تحریر تھی۔ قلبِ مومن کی آنکھوں میں پانی آیا۔ اُس نے آنکھیں رگڑیں۔

''اور اللہ جسے چاہتا ہے چُن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ تمہارے لیے ہیں یہ ساری پینٹنگز۔''

مومنہ نے اُس فریمڈ پینٹنگ کی آیت کا ترجمہ پڑھتے ہوئے اُسے قلبِ مومن کی طرف بڑھا دیا تھا۔ وہ پینٹنگ پکڑے ہوئے دوسری کُرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اُس آیت پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اُس نے عبدالعلی کا نام دیکھ لیا تھا۔ وہ اب اُن کا کام پہچان سکتا تھا۔

''عبدالعلی صاحب نے تمہاری ممّی کو تحفے میں دی تھی یہ خطاطی جب ماسٹر صاحب سے اُن کی شادی ہوئی تھی۔'' مومنہ نے بتایا تھا۔ پھر رول ہوئی ایک پینٹنگ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اسے تم پہچان لو گے۔'' مومن نے اُس رول کی ہوئی پینٹنگ کو کھولا۔ اُس پینٹنگ پر حسنِ جہاں رقصاں تھی۔ وہ اُن ہی تصویروں میں سے ایک تھی جو اُس نے بچپن میں اپنے گھر کی دیواروں پر لگی دیکھیں تھیں۔ وہ پلک جھپکتے میں اُسے پہچان گیا تھا۔ اُس پینٹنگ پر طٰہٰ عبدالعلی کا نام لکھا ہوا تھا۔ قلبِ مومن نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ اُس نام کو چھوا۔ مومنہ اُسے بتا رہی تھی کہ وہ پینٹنگز ماسٹر ابراہیم کے پاس کیسے آئی تھیں۔

''باہر صحن میں کبوتر بیٹھے ہیں۔ اُنہیں دانہ اور پانی ڈال آؤں۔'' وہ کہتے ہوئے اُٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔

قلبِ مومن اُن سب تصویروں کو کھول کھول کر دیکھتا رہا اور اُنہیں دوبارہ اُسی طرح رول کر کے رکھتا رہا۔ وہ اُس کے ماں باپ کی داستانِ محبت تھی۔ دہائیوں کے سفر کے بعد بھی وہیں تھی۔ کسی نہ کسی کے ہاتھ سے گزرتے اُس تک واپس پہنچ گئی تھی۔

آخری تصویر رول کر کے رکھتے ہوئے اُسے میز پر بڑے سائز کا ایک البم نظر آیا تھا۔ اُس نے وہ البم اُٹھا کر کھول لیا۔

پہلی ہی تصویر حسنِ جہاں اور ماسٹر ابراہیم کی شادی کی تھی۔ قلبِ مومن کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ اُس نے صفحہ پلٹ دیا۔ وہ ماسٹر ابراہیم کے ساتھ حسنِ جہاں کی تصویریں تھیں۔ اُس کی یورپ

میں گزاری ہوئی آسودہ اور خوشحال زندگی کی جھلکیاں۔ مہنگی گاڑیوں اور ہوٹلز میں گزارے ہوئے لمحے۔ اٹلی میں اُن کے گھر کے لان میں چائے پیتے ہوئے حسنِ جہاں اور ماسٹر ابراہیم کی زندگی کا سکون۔

''میں بہت خوش ہوں ماسٹر ابراہیم صاحب آپ نے میری ماں کو وہ سب کچھ دیا جو میں اور بابا نہیں دے سکے۔ آپ نے اُنہیں خوش رکھا'' وہ البم کے صفحات پلٹتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔

اُسے اپنا سکرپٹ ایک بار پھر تبدیل کرنا تھا۔

وہ قلبِ مومن کی کہانی نہیں تھی۔ وہ حسنِ جہاں سے حُسنہ بننے تک کے سفر کی کہانی تھی۔

......☆......

آٹھ مہینے بعد

''مومنہ آٹو گراف پلیز! میڈم ایک سیلفی، ! مومنہ .I Love you۔'' میڈیا کے نمائندوں، فوٹو گرافرز اور سینما میں آئے ہوئے لوگوں کی بھیڑ اور تالیوں میں الف کے پریمیئر کے لیے ریڈ کارپٹ کی طرف جاتے ہوئے مومنہ سلطان نے رک کر ایک فین کی شرٹ کے بازو پر آٹو گراف دیتے ہوئے اس ساری بھیڑ میں کہیں قلبِ مومن کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی اور اس کی کوشش ناکام نہیں رہی تھی، وہ کسی چینل کو انٹرویو دے رہا تھا جب اس نے مومنہ کو دور سے آتے دیکھا تھا۔ اتنی دور سے بھی دونوں جانتے تھے انہیں کسی کی تلاش تھی۔ بات مختصر کرتے ہوئے وہ بھیڑ میں سے راستہ بناتے ہوئے اس کی طرف آیا تھا۔ کچھ کہے بغیر وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ سکیورٹی کے لوگوں نے اب انہیں سینما کے اس حصے میں بھیجتے ہوئے باقی لوگوں کا داخلہ وہاں بند کر دیا تھا جہاں اب الف کی کاسٹ اور پروڈکشن ٹیم گیلری میں داخلے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

مومنہ نے قلبِ مومن کے ساتھ چلتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''نروس ہو؟'' قلبِ مومن گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

''زندگی میں پہلی بار، نہیں!''

''میں ہوں!'' مومنہ نے کہا تھا۔

''کیوں؟'' مومن حیران ہوا تھا۔

''فلم ہٹ ہوگئی تو تم یہیں رہو گے۔ فلاپ ہوگئی تو ترکی چلے جاؤ گے سب کچھ چھوڑ کر کیلی گرافی کا سکول بناؤ گے اور کیلی گرافر بنو گے، تمہارے اور عبدالعلی کے درمیان یہی طے ہوا تھا نا؟'' مومنہ نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کہا تھا۔

''ہاں! تم کیا چاہتی ہو؟ فلم ہٹ ہو یا فلاپ؟'' قلبِ مومن نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''وہ ہو جو تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

اس نے جواباً کہا تھا۔ قلبِ مومن نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سر ہلایا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑا تھا گیلری میں داخل ہونے کے لیے کسی ساتھی کی طرح۔ مومنہ نے ہاتھ پر اس کا لمس محسوس کیا تھا۔ دل کو اداسی نے جکڑا تھا۔ وہ اس سے ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی۔ وہ اپنی عادت خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شو شروع ہونے والا تھا۔

......☆......

ڈھائی گھنٹے کی اس فلم میں ہال میں تالیاں اور سسکیاں گونجتی رہی تھیں۔ وہ قلبِ مومن کی پہلی فلم تھی جس میں ہال میں لوفرانہ سیٹیاں نہیں بجی تھیں۔ نہ ہی عامیانہ جملوں اور مذاق پر نوجوانوں کے فلک شگاف قہقہے اور بے ہودہ جملے گونجے تھے۔

وہاں بیٹھی ہوئی audience جیسے کسی ٹرانس میں تھی اور ٹرانس میں ہی رہی تھی۔ وہ بلاشبہ قلبِ مومن کا شاہکار تھا جس میں مومنہ سلطان نے جان ڈالی تھی۔

شو ختم ہوتے ہی اس سپیشل پریمیئر کی audience نے ہال میں کھڑے ہو کر تالیاں بجانی شروع کی تھیں۔ وہ تالیاں بہت دیر تک نہیں تھمی تھیں۔ اور جب تھمنا شروع ہوئی تھیں تو مومنہ سلطان نے جرنلسٹس اور میڈیا کے لوگوں کو مکھیوں کی طرح قلبِ مومن کو گھیرتے دیکھا تھا۔ ایسے ہی ایک ہجوم نے مومنہ سلطان کو گھیر لیا تھا۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے سے بہت دور تھے اور ان کے گرد جو لوگ تھے وہ انہیں اور دور لیے جا رہے تھے۔

ہال سے نکلنے والے تماشائیوں سے میڈیا والے فلم کے بارے میں رائے لے رہے تھے اور ان کے جملے مومنہ سلطان کو وقفے وقفے سے سنائی دے رہے تھے۔

''Oh I can't describe it in words. I just hugged my mother while watching it.''

وہ ایک سترہ اٹھارہ سال کی برگر بچی تھی۔

''''بیوی کو منانے جا رہا ہوں سیدھا یہاں سے۔ ضمیر جگا دیا میرا اس فلم نے۔'' وہ ستائیس اٹھائیس سال کا ایک نوجوان تھا جو ایک میڈیا والے کو شرمندہ مسکراہٹ سے بتا رہا تھا۔

''کچھ لوگوں کو معاف کر دیا فلم دیکھتے ہوئے۔ کچھ کو معاف کرنے جا رہی ہوں۔ کوئی ایسے بات سمجھائے تو کیوں سمجھ نہ آئے۔'' وہ ایک شادی شدہ عورت تھی جو آنکھیں رگڑتے اور ساتھ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اس ساری آوازوں کے بیچ میں مومنہ سلطان نے ایک بار مومن کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے گرد بڑھتا ہجوم اب بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ قلبِ مومن کی چوتھی ہٹ فلم تھی اور سب سے بڑی ہٹ۔ وہ واقعی جس چیز کو ہاتھ لگا دیتا تھا وہ سونا بن جاتی تھی۔

......☆......

''تم اُداس کیوں ہو؟'' سینما سے واپس جاتے ہوئے گاڑی میں اقصیٰ نے مومنہ سے پوچھا تھا۔

''تمہارے لیے۔'' اُس نے بات بدلنے کی کوشش کی اور اقصیٰ جیسے اُس کے جھانسے میں آ گئی۔ اُس نے مومنہ کے گلے میں بازو ڈال کر اُسے ساتھ لگانے کی کوشش کی۔ گاڑی جسے وہ چلا رہی تھی وہ ذرا سی ڈگمگائی۔

''اوہ یار بس کرو! دبئی اتنی دور نہیں ہے۔ میں مایوں چھوڑ کر تمہاری فلم کا پریمیئر دیکھنے آئی ہوں نا اسی طرح دبئی سے بھی آ جاؤں گی۔'' اُس نے اپنے مہندی سے سجے ہوئے ہاتھ لہراتے ہوئے مومنہ کو تسلی دی تھی۔

''صرف میری نہیں داؤد کی بھی فلم کا پریمیئر تھا۔'' مومنہ نے اُس سے کہا۔

''بکواس مت کرو۔ داؤد کو تو سو بار انکار کر دیتی لیکن تمہیں نہیں کر سکتی تھی۔ اتنی اچھی کمپنی میں جاب ملی ہے داؤد کو دبئی میں، ورنہ میں اور وہ کہاں جاتے پاکستان چھوڑ کر۔ اور خاص طور پر تمہیں چھوڑ کر۔ یہ فلم کا رزق بڑا ہوائی رزق ہے۔ ہوا تو ہوا، نہ ہوا تو نہ ہوا۔ ہم مومنہ سلطان تو ہیں نہیں کہ آسکر تک جا پہنچیں۔'' اقصیٰ اُس سے کہہ رہی تھی۔ پھر اُس نے یک دم مومنہ سے کہا۔

''تمہاری اور مومن کی کوئی بات نہیں ہوئی؟''

''کس سلسلے میں؟''

''شادی کے بارے میں اور کس بارے میں؟'' اقصیٰ نے اُس کا مذاق اُڑایا تھا۔

''تم بھی۔۔۔ اقصیٰ۔۔۔ بالکل gone case ہو۔ کیا بات ہو رہی ہے کہاں لے گئی ہو۔'' مومنہ نے اُسے ڈانٹا تھا۔

''میرے گلے لگ کر روئی تھیں تم کہ اُس سے پیار کرنے لگی ہو اور داؤد کہتا ہے مومن ہر وقت فلم

کی ایڈیٹنگ میں مومنہ کے فریمز دیکھتا رہتا ہے۔اُسے اس فلم میں مومنہ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔‘‘

’’کیوں کہ فریمز میں میں حسنِ جہاں کے گیٹ اپ میں ہوتی تھی اور اُسے مجھ میں حسنِ جہاں نظر آتی تھی۔اب ڈراپ کر دو مجھے۔گھر آ گیا ہے میرا۔‘‘ مومنہ نے اُسے ٹوکا تھا اور اپنا بیگ اُٹھا کر اُترنے کے لئے تیّار ہو گئی تھی۔

’’میری بات پر غور کرنا۔‘‘اقصیٰ پھر بھی کہے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔مومنہ خاموش رہی۔

......☆......

’’جہانگیر سے ملنا چاہیے تھا تمہیں۔وہ تو یہ فلم دیکھ لیتا تو بس fan ہو جاتا تمہارا۔‘‘ اندر لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے مومنہ نے ثریا کی آواز سُنی تھی اور لاؤنج میں چلتے ہوئے LCD پر الف کی چلتی ہوئی فلم۔

’’مومنہ نے کیا پرفارمنس دی ہے۔لگتا ہی نہیں کہ حسنِ جہاں نہیں ہے وہ۔‘‘ اُس نے سلطان کو کسی سے کہتے سُنا تھا اور پھر اُس نے قلبِ مومن کی پشت دیکھی تھی۔وہ اُن کے ساتھ بیٹھا ہوا فلم دیکھ رہا تھا اور وہی اُس کی کاپی وہاں لے کر آیا تھا۔

مومنہ دبے پاؤں وہاں رُکے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔یوں جیسے یہ چاہتی ہی نہ ہو کہ وہ اُسے دیکھیں۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے سامنے پڑے vase میں دو سفید گلاب دیکھے تھے۔وہ ٹھٹک کر رُک گئی پھر اُن کی طرف گئی۔وہ تازہ تھے۔

’’آج زیادہ لانا چاہتا تھا مگر سوچا تمہارے لیے تو دو بھی کافی ہیں۔‘‘ اُسے اپنے عقب میں قلبِ مومن کی آواز سُنائی دی تھی۔وہ بے اختیار پلٹی۔

’’تمہیں کیسے پتہ چلا میرے آنے کا۔‘‘ اُس نے بے اختیار مومن سے پوچھا تھا۔

’’جیسے سینما سے تمہارے جانے کا پتہ چل گیا تھا۔‘‘مومن نے بے اختیار کہا۔چند لمحے دونوں خاموش رہے پھر مومنہ نے کہا۔

’’!Congrats۔ الف ہٹ ہوگئی۔ شرط جیت لی تم نے۔آج سینما میں بہت بڑے investor مل رہے تھے تم سے اگلے پروجیکٹ کے لیے نا؟‘‘

’’میں کل ترکی جا رہا ہوں۔‘‘ اُس کی بات کاٹ کر اُس نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

’’کس لیے؟‘‘ وہ حیران ہوئی۔

''ہمیشہ کے لیے۔''

''لیکن تم تو۔۔۔فلم فلاپ ہو جاتی تو۔۔۔'' اُس نے ایک بار پھر مومنہ کی بات کاٹ دی۔

''اب فرق نہیں پڑتا۔ یہ جو سکون آیا ہے نا اتنے سالوں میں میرے اندر، اس کو کھونا نہیں چاہتا میں۔قلبِ مومن کی جگہ کوئی بھی لے سکتا ہے مگر عبدالعلی کی جگہ صرف قلبِ مومن لے سکتا ہے۔'' اُس نے کہا تھا۔ایک گہرا سانس لے کر مومنہ نے کہا۔

''ٹھیک فیصلہ کیا۔'' چند لمحے کے توقف کے بعد اُس نے کہا۔

''میں نے دُعا کی تھی فلم فلاپ ہو جائے۔'' وہ مسکرا دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں۔'' مومنہ چند لمحے کھڑی رہی۔ پھر اُس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل کا دراز کھول کر اُس میں سے ایک چابی نکالی اور وہ لا کر مومن کی طرف بڑھا دی۔

''یہ تمہاری امانت۔ ماسٹر صاحب کے گھر کی چابی۔'' مومن نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر وہ چابی اُس کی ہتھیلی پر رکھی اور اُس کی مٹھی بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ وہ تمہارے لیے چھوڑ کر گئے تھے۔میرے لیے کچھ دوسرا اثاثہ چھوڑا تھا۔''

مومنہ نے ہونٹ بھینچے۔وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

''تم میرے ساتھ چلو گی؟'' اس نے ایک دم پوچھا تھا۔مومنہ نے چونک کر اُس کو دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیوں؟'' وہ بے قرار ہوا۔

''ماسٹر صاحب کا گھر ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔ وہ کام جو حسنِ جہاں نے شروع کیا تھا وہ بھی تو کسی کو سنبھالنا ہے۔'' اُس نے مدھم آواز میں مٹھی میں دی گئی چابی دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تم دور رہ کر بھی۔۔۔'' مومن نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن مومنہ نے روک دیا۔

''مومن! میں طٰہٰ اور حسنِ جہاں کی کہانی دوبارہ دہرانا نہیں چاہتی۔

''رومی کہتا ہے نا۔۔۔صحیح اور غلط کی حد سے پرے میں تمہیں ایک اور جہاں میں ملوں گا۔تم اور میں بھی کسی اور جگہ کسی اور جہاں میں ملیں گے۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''وہ جگہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ وقت اب کا بھی ہو سکتا ہے۔صحیح اور غلط تو جان ہی لیا ہے ہم دونوں نے۔'' مومن نے کہا تھا۔

''تمہیں توفیق مل گئی ہے تم جاؤ۔ میں راستے میں ہوں۔ مجھے سفر کرنا ہے۔'' اُس کی آنکھوں

میں پانی اُترنے لگا تھا۔ مومن خاموش رہا تھا۔ دو دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے تھے۔

''میں انتظار کروں گا۔ جب تم تھک جاؤ اور تمہیں vase کے بجائے بالوں میں سفید گلاب لگانے ہوں تو تم آ جانا۔ قلبِ مومن صرف مومن بن کر جا رہا ہے۔ قلب تمہارے پاس چھوڑے جا رہا ہے۔'' مومنہ نے اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے کوئی چیز اُسے تھماتے ہوئے کہا تھا۔ مومنہ کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' اُس نے اُس چیز کو دیکھا جو مومن نے اُس کے ہاتھ پر رکھی تھی۔

''دادا کے گھر کی چابی۔ تا کہ تمہیں دروازے پر کھڑے رہ کر انتظار نہ کرنا پڑے۔'' اُس نے کہا تھا۔

مومنہ نے اُس کا چہرہ دیکھا، وہ آنسوؤں میں دھندلایا ہوا تھا۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ اُس سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ قلبِ مومن بھی اُسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیے رو رہا تھا۔

......☆......

عبدالعلی کا گھر تاریک اور ایک عجیب سی اُداسی میں لپٹا ہوا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا جب قلبِ مومن وہاں پہنچا تھا۔ پورا گھر گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ مین سوئچ آن کرنے کے بعد اُس نے لائٹس آن کرنا شروع کر دی تھیں۔ گھر آہستہ آہستہ روشن ہونا شروع ہو گیا تھا، رات ہو جانے سے پہلے ہی۔

وہ چلتا ہوا اُس کمرے میں آیا تھا جہاں دادا پینٹ کرتے تھے۔ وہ کمرہ ویسا ہی تھا۔ کچھ مکمل کچھ آدھی پینٹنگز اور رنگ برش، ہر چیز پر گرد کی ایک تہہ تھی۔ اُس کے کانوں میں کہیں ایک سرگوشی گونجی تھی اُسی مانوس شفیق آواز میں۔

''تمہارا نام قلبِ مومن ہے۔ تمہارا خاندان محقق خطاطی کرتا ہے پچھلی دس نسلوں سے، گیارھویں نسل تم ہو قلبِ مومن اور تم بھی آیات ہی لکھو گے۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور ثنائی بیان کرنا تمہارے خون اور genes میں ہے۔ میرے بعد تم آ ؤ گے یہاں۔''

وہ ہولے سے ہنسا تھا، سامنے دیوار پر اُس کے باپ کی وہ ادھوری خطاطی لگی ہوئی تھی۔

''اللہ نور السموت و الارض''

مومن اُس خطاطی کے پاس گیا۔ اُس نے انگلیوں کی پوروں سے اُس پر جمی گرد کو چھوا۔ اُس پر طٰہٰ عبدالعلی کا نام نہیں تھا۔ اُس پر قلبِ مومن کا نام لکھا جانا تھا۔

☆......☆......☆